30/8

قصص القرآن

جلد اوّل

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE,
168
PANJAB UNIVERSITY, LAHORE.

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین دھلی

76499

Marfat.com

سلسلۂ ندوۃ المصنّفین

(۱۰)

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE,
168
PANJAB UNIVERSITY, LAHORE.

قصص القرآن

حصّہ اوّل

قصصِ قرآنی اور انبیاء علیہم السّلام کے سوانح حیات اور اُن کی دعوتِ حق کی مستند ترین تاریخ جس میں حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تک نہایت مفصّل اور محقّقانہ انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب
رفیقِ اعلیٰ ندوۃ المصنّفین دہلی

منیجر ندوۃ المصنفین کے اہتمام سے
الجمعیۃ پریس دہلی میں طبع ہوئی

طبع پنجم
[شو]ال المکرم ۱۳۷۶ھ
[اپر]یل ۱۹۵۷ء

Mubarak Ali Booksellers
Price Rs. 8/-
Lahore.

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضرت آدم (علیہ السلام)	۹	حضرت نوح (علیہ السلام)	۵۱	قرآن عزیز میں قوم عاد کا ذکر	۸۷
ذکرِ آدم سے متعلق آیاتِ قرآنی	״	قرآن عزیز میں حضرت نوحؑ کا ذکر	۵۲	عاد کا زمانہ	۸۸
پیدائشِ آدمؑ۔ فرشتوں کو سجدہ		قوم نوح	۵۳	عاد کا مسکن	۸۹
کا حکم، شیطان کا انکار	۱۱	دعوت و تبلیغ اور قوم کی نافرمانی	״	عاد کا مذہب	״
سجدہ سے انکار پر ابلیس		بنائے سفینہ	۵۸	حضرت ہودؑ	״
کا مناظرہ	۱۳	پسرِ نوح	۵۹	تبلیغِ اسلام	״
ابلیس کی طلبِ مہلت	۱۴	کوہِ جودی	۶۲	حضرت ہودؑ کی وفات	۱۰۲
خلافتِ آدمؑ	۱۸	طوفانِ نوح عام تھا یا خاص؟	۶۳	چند عبرتیں	۱۰۳
تعلیمِ آدم اور فرشتوں کا اقرارِ عجز	۱۹	پسرِ نوح کی نسبی بحث	۶۴	حضرت صالح (علیہ السلام)	۱۰۵
حضرت آدمؑ کا قیامِ جنت اور		ایک اخلاقی مسئلہ	۶۵	حضرت صالحؑ کا نام قرآن عزیز میں	״
حوا کی رفاقت	۲۱	چند ضمنی مسائل	۶۷	حضرت صالح اور ثمود کا نسب نامہ	״
آدم کا خلد سے نکلنا	۲۲	اہم نتائج	۷۳	ثمود کی بستیاں	۱۰۶
واقعہ سے متعلق چند اہم مسائل	۲۶	حضرت ادریس (علیہ السلام)	۷۵	ثمود کا مذہب	۱۱۰
ظریفانہ نکتہ	۳۱	حضرت ادریسؑ حکماء اور فلاسفہ		قرآن عزیز میں قصص کا مطلب	״
جنتِ ارضی علمائے		کی نظر میں	۷۸	معجزہ کی حقیقت	۱۱۱
طبقات الارض کی نظر میں	״	حضرت ادریسؑ کی تعلیم کا خلاصہ	۸۱	ناقۃ اللہ	۱۱۶
عصمتِ نبی کے معنی	۳۳	نذیرِ الٰہی کے طریقے	۸۲	عذابِ الٰہی	۱۲۰
حضرت آدم کی عصمت	۳۵	بعد میں آنے والے نبیوں کے متعلق		اقامتِ صالح بعد ہلاکتِ قوم	۱۲۲
فرشتہ ؟	۳۹	بشارت	״	چند عبرتیں	۱۲۹
جن ؟	۴۲	حضرت ادریسؑ کی خلافتِ ارضی	۸۳	حضرت ابراہیم (علیہ السلام)	۱۳۲
قصۂ آدمؑ میں چند اہم عبرتیں	۴۴	حضرت ادریسؑ کا حلیہ	״	نسب	״
قابیل وہابیل	۴۶	حضرت ہود (علیہ السلام)	۸۷	آزر کی تحقیق	״
مقامِ عبرت ص ۴۹ نوٹ	۵۰	قرآن عزیز میں ہود کا ذکر	״	شجرۂ نسب ابراہیم تا نوح علیہما السلام	۱۳۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مستشرقین یورپ کی ہرزہ سرائی	۱۳۶
حضرت ابراہیمؑ کا ذکر قرآن میں	۱۴۷
بعثت	۱۴۹
باپ کو دعوتِ اسلام اور باپ بیٹے کا مناظرہ	۱۵۰
قوم کو دعوتِ اسلام اور اس سے مناظرہ	۱۵۲
بادشاہ کو دعوتِ اسلام اور اس سے مناظرہ	۱۶۸
آتشِ نمرود	۱۷۳
آگ کا سرد ہو جانا	۱۷۳
حدیثِ بخاری	۱۷۶
زیر بحث مسئلہ	۱۸۰
مؤلف کی رائے	۱۸۲
ہدایتِ قوم کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا اضطراب	۱۸۶
اور کلدانیین کی جانب ہجرت	۱۸۷
ہجرتِ فلسطین	۱۸۸
ہجرتِ مصر اور حضرت ہاجرہ	"
حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام)	۲۰۱
اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت	"
وادیٔ غیر ذی زرع اور ہاجرہ و اسمٰعیلؑ	۲۰۲
ختنہ	۲۱۱
ذبحِ عظیم	"
بناءِ کعبہ	۲۱۶

مضمون	صفحہ
اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد	۲۲۲
قرآن عزیز میں حضرت اسمٰعیلؑ کا تذکرہ	"
حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات	"
حضرت اسحٰق (علیہ السلام)	۲۲۴
ختنہ	۲۲۵
حضرت اسحٰقؑ کی شادی	۲۲۶
حضرت اسحٰقؑ کی اولاد	۲۲۷
حضرت ابراہیمؑ اور حق الیقین کی طلب	۲۲۸
بنی قطورہ	۲۲۹
حضرت لوط (علیہ السلام)	۲۳۱
لوطؑ و ابراہیمؑ	"
سدوم	"
قوم لوطؑ	۲۳۴
حضرت لوط اور تبلیغِ حق	"
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ملائکۃ اللہ	۲۳۵
چند مسائل	۲۴۱
حضرت ابراہیمؑ مجدد انبیاء	۲۴۴
واقعاتِ زیر بحث سے متعلق چند عبرتیں	۲۴۷
حضرت یعقوب (علیہ السلام)	۲۵۱
ذکرِ یعقوبؑ قرآن میں	۲۵۲
اسرائیل	"
اولادِ یعقوب	۲۵۳
پیغمبری	"

مضمون	صفحہ
حضرت یوسف (علیہ السلام)	۲۵۴
نسب نامہ	"
قرآن عزیز میں حضرت یوسفؑ کا ذکر	"
سورۂ یوسفؑ	۲۵۵
برادرانِ یوسف	۲۵۶
چاہِ کنعان	۲۵۹
یوسف اور غلامی	۲۶۰
یوسف مصر میں	۲۶۱
عزیزِ مصر کی بیوی اور یوسف علیہ السلام	۲۶۲
ولقد ہمت بہ وہم بہا کی تفسیر	۲۶۴
یوسف زنداں میں	۲۷۲
دعوت و تبلیغ	"
فرعون کا خواب	۲۷۵
لطیفہ	۲۸۱
واقعۂ یوسف سے متعلق چند شخصیتیں	"
عزیزِ مصر سے غلہ لینے کے لئے کنعانی قافلہ کی روانگی	۲۸۶
خاندانِ یعقوبؑ مصر میں	۳۰۱
وفات	۳۰۵
اہم اخلاقی مسائل	"
حضرت شعیب (علیہ السلام)	۳۱۲
حضرت شعیبؑ کا ذکر قرآن میں	"
قوم شعیبؑ	"
مدین یا اصحاب الایکہ	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
زمانۂ بعثت اور ایک غلطی	۳۱۴	ربوبیتِ الٰہی پر حضرت موسیٰؑ	۳۶۹	طور پر اعتکاف	۴۴۷
کا ازالہ		اور فرعون کا مذاکرہ		تجلیٔ ذات	۴۴۹
دعوتِ حق	۳۱۵	ہامان	۳۸۵	نزولِ تورات	״
قبرِ شعیب علیہ السلام	۳۲۲	فرعون کے دربار میں		گوسالہ پرستی کا واقعہ	۴۵۴
بصائر و عبر	״	آیات اللہ کا مظاہرہ	۳۸۶	سامری کون تھا؟	۴۶۵
حضرت موسیٰ و ہارون	۳۲۵	ساحرینِ مصر	۳۸۹	ستّر سرداروں کا انتخاب	۴۶۹
(علیہما السلام)		سحر؟	۳۹۰	حیات بعد الموت	۴۷۲
بنی اسرائیل مصر میں	״	سحر اور مذہب	۳۹۴	رحمتِ عالم کا اعلان	۴۷۳
فرعونِ موسیٰ	۳۲۸	معجزہ اور سحر میں فرق	۳۹۵	بنی اسرائیل اور جبلِ طور	״
فرعون کا خواب	۳۳۵	حضرت موسیٰؑ اور ساحرین		کثرتِ معجزات	۴۷۷
حضرت موسیٰ و ہارون کا ذکر		کا مقابلہ	۳۹۷	ارضِ مقدس کا وعدہ اور	״
قرآن میں		حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل	۴۰۵	بنی اسرائیل	۴۷۸
نسب و ولادت	۳۳۸	فرعون کا دعویٔ ربوبیت و		ذبحِ بقر کا واقعہ	۴۸۲
فرعون کے گھر میں تربیت	״	الوہیت	۴۱۲	حضرت موسیٰؑ اور قارون	۴۹۲
موسیٰ کا مصر سے نکلنا	۳۴۲	مصریوں پر قہرِ خدا	۴۱۴	حضرت موسیٰؑ اور ایذاءِ	
موسیٰ اور ارضِ مدین	۳۴۷	آیات اللہ کی تفصیل	״	بنی اسرائیل	۴۹۷
ماءِ مدین	۳۴۸	بنی اسرائیل کا خروج اور		حضرت ہارونؑ کی وفات	۵۰۱
شیخِ مدین سے رشتۂ مصاہرت	۳۵۳	فرعون کا تعاقب	۴۲۳	حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ	۵۰۲
موسیٰ علیہ السلام کے خسر		غرقِ فرعون	۴۲۴	قولِ فیصل	۵۰۸
کون ہیں؟	۳۵۴	فلقِ بحر	۴۲۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات	۵۱۲
ایفاءِ مدت	۳۵۷	فرعون، قومِ فرعون اور		بنی اسرائیل کا قومی مزاج اور	
وادیٔ مقدس	۳۵۹	عذابِ قیامت	۴۳۹	خدا کی طرف سے تذکیرِ نعمت	۵۱۶
بعثت	۳۶۰	عبورِ قلزم کے بعد بنی اسرائیل		حضرت موسیٰ علیہ السلام کی	
آیات اللہ	۳۶۳	کا پہلا مطالبہ	۴۴۱	ثناء و منقبت قرآن میں	۵۱۹
داخلۂ مصر	۳۶۵	قومی پستی کا مظاہرہ	۴۴۲	ایک لطیف تاریخی نکتہ	۵۲۲
"واحلل عقدۃ من لسانی"	״	بنی اسرائیل کے دیگر مطالبات		بصیرتیں اور عبرتیں	۵۲۷
فرعون کے دربار میں دعوتِ حق	۳۷۶	اور آیاتِ بینات کا اظہار	۴۴۳		

Marfat.com

پیش لفظ

طبع اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا بالکتاب المبین وانزل علینا القرآن بلسان عربی مبین، وقص فیہ احسن القصص موعظۃ وذکریٰ للمؤمنین۔ والصلوٰۃ والسلام علی النبی الصادق الامین محمد رسول اللہ وخاتم النبیین و علیٰ آلہ واصحابہ الذین ھم ھداۃ للمتقین۔

امابعد قرآنِ عزیز میں حق تعالیٰ نے دنیاء انسانی کی ہدایت کیلئے جو مختلف معجزانہ اسلوبِ بیان اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ گزشتہ قوموں کے واقعات وقصص کے ذریعہ اُن کے نیک و بد اعمال اور ان اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلائے اور عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرے اسی لئے وہ تاریخی اسلوبِ بیان کے درپے نہیں ہوتا بلکہ ابلاغِ حق اور دعوت الی اللہ کے اہم مقصد کے پیشِ نظر صرف انہی وقائع کو سامنے لاتا ہے جو اس غرض وغایت کو پورا کرتے ہوں اور اسی لئے قرآنِ عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کرسکیں اور فطری اور طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جاسکے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرایہ ہائے بیان اور مناسب حال اسلوبِ نگارش سے بار بار دہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکریہ کو پے درپے بیدار کیا جائے۔

قرآن مجید کے قصص وواقعات کا سلسلہ بیشتر گذشتہ اقوام اور انکی جانب بھیجے ہوئے پیغمبروں سے وابستہ ہے اور جستہ جستہ بعض اور واقعات بھی اس ضمن میں آگئے ہیں اور یہ تمامتر حق وباطل کے مجادلوں' اور اولیاء اللہ واولیاء الشیطان کے معرکوں کا ایک عبرت آموز اور بصیرت خیز بے مثل ذخیرہ ہے۔

Marfat.com

لیکن دوسروں کا کیا ذکر ہم مسلمانوں میں بھی بہت کم ہیں جو خدائے تعالیٰ کے اس مکمّل ترین اور آخری قانون (قرآن عزیز) سے استفادہ کرتے اور اپنے مُردہ دلوں میں ایمان ویقین کی زندگی پیدا کرتے ہوں تلاوت کرتے ہوں اسلئے کہ یہ خدا کا قانون ہے اور ہم اس کے امتثال پر مامور ہیں اور معانی ومطالب پر غور کرتے ہوں یہ سمجھ کر کہ یہی دُنیا تک حیاتِ ابدی وسرمدی اور دارین کی فلاح وسعادت کا مکمّل دستور ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی معاندانہ روش سے تنگ آکر یہ شکایت کی تھی۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان)	رسول اللہ نے کہا! اے میرے پروردگار بے شبہ میری قوم نے قرآن کو مہجور (جھک جھک) بنا لیا ہے۔

لیکن اس چودھویں صدی میں اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں تو دعوئے اسلام اور قرآن کو خدا کا کلام یقین کرنے کے باوجود کتنے ہیں جو اس کلامِ الٰہی کو اپنی زندگی کیلئے بہترین نظامِ عمل بنانے اور اس نظر سے اس کی تلاوت کرتے ہوں۔

اپنی اور اپنی قوم کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے جی چاہا کہ اس سرمایۂ عبرت وبصیرت کو اُردو میں منتقل کیا جائے تاکہ نقل سے محفوظ ہونے کے بعد خود بخود اصل کی جانب رغبت پیدا ہو اور اس طرح سعادتِ دارین کا سُراغ ملے۔

اپنی سادہ طرزِ نگارش کے باوجود اس مجموعے میں چند خصوصیات کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا ہے:

(۱) کتاب میں تمام واقعات کی اساس وبنیاد قرآن عزیز کو بنایا گیا ہے اور احادیث صحیحہ اور واقعاتِ تاریخی سے ان کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔

(۲) تاریخ اور کتبِ عہدِ قدیم کے درمیان اور قرآن عزیز کے "یقین محکم" کے درمیان اگر کہیں تعارض آپڑا ہے تو اس کو روشن دلائل وبراہین کے ذریعہ یا تطبیق دی گئی ہے اور یا پھر صداقتِ قرآن کو وضاحت سے ثابت کیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۳) اسرائیلی خرافات اور معاندین کے اعتراضات کی خرافت کو حقائق کی روشنی میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۴) خاص خاص مقامات پر تفسیری، حدیثی اور تاریخی اشکالات پر بحث و تحیص کے بعد سلف صالحین کے مسلک کے مطابق اُن کا حل پیش کیا گیا ہے۔

(۵) ہر پیغمبر کے حالات قرآن عزیز کی کن کن سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اُن کو نقشہ کی شکل میں ایک جگہ دکھایا گیا ہے۔

(۶) ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ "نتائج و عبر" یا "عبر و بصائر" کے عنوان سے اصل مقصد اور حقیقی غرض و غایت یعنی عبرت و بصیرت کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔

مرقومہ ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۰ھ

دیباچہ طبع ثانی

قصص القرآن حصہ اوّل و دوم عرصہ ہوا کہ ختم ہو گئے تھے مگر کاغذ کی قلت، کنٹرول کی پابندیوں اور طباعت کی گوناگوں مشکلات نے موقع نہ دیا کہ دوسرا ایڈیشن جلد طبع ہو سکتا تاہم سعیِ بلیغ کے بعد طبع دوم کی نوبت آ ہی گئی اور اب اصحاب کے ہاتھوں میں حصہ اوّل کا دوسرا ایڈیشن پہونچ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

ارادہ تھا کہ اس مرتبہ نظر ثانی کر کے کتاب کو نئے اسلوب پر ترتیب دیا جائے لیکن حصہ اوّل کی کتابت اس وقت ہوئی جبکہ میں مراد آباد اور بریلی کی جیلوں میں اسارت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اس لئے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

پھر بھی یہ ترمیم ضروری خیال کی گئی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا پورا واقعہ پہلے ہی حصہ میں آ جائے اور پہلے ایڈیشن کی طرح نصف دوسرے حصہ کے لئے باقی نہ رہے، چنانچہ اس ایڈیشن میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کے مکمل حالات و واقعات یکجا ہو گئے ہیں ؎

Marfat.com

دیباچہ طبع ثالث

دلّی کو "مرحوم" ہونیکے بعد کسے گمان تھا کہ قرولباغ میں برباد شدہ ادارہ "ندوۃ المصنّفین" دوبارہ زندگی کے سانس لے سکے گا لیکن مشیت ایزدی نے اسکو روح تازہ بخشی اورسابق کی طرح علمی و دینی خدمت کے لئے اُسکو ایکمرتبہ پھر شاہراہِ افادیت پر گامزن کیا، تاہم ناسازگار حالات اور نامساعد ساعات نے مسلمانانِ ہند کی جن نت نئی خدمات سے دوچار کیا اُن کی وجہ سے وہ منصوبہ آج بھی پورا نہ ہو سکا کہ قصص القرآن جلد اوّل کو نئے اسلوب پر ترتیب دیا جائے۔ حق تعالیٰ نے توفیق بخشی تو بعد کے ایڈیشن میں اس عزم کو پورا کیا جاسکے گا۔

محمد حفظ الرحمٰن ۱۵ر شعبان ۱۳۶۹ھ

"طبع پنجم"

یقین تھا کہ "قصص القرآن جلد اوّل" کا یہ ایڈیشن مؤلّف گرامی قدر کی عمیق نظرِثانی کے بعد نکلے گا مگر ہوا یہ کہ حالات کی مجبوری سے پہلے یہ جلد تھوڑی تعداد میں طبع ہوسکی تھی حالانکہ کتاب کی چاروں جلدوں میں جلد اوّل ہی نسبتاً زیادہ نکلتی ہے اس لئے "طبع چہارم" کے بعد اب "طبع پنجم" بھی نظرثانی کے بغیر ہی شائع ہو رہی ہے، کتاب کے بعض اجزاء پر اگرچہ نظرثانی ہوچکی ہے مگر اس کی تکمیل کے انتظار میں اس اہم اور ضروری کتاب کی اشاعت ملتوی نہیں کی جاسکتی تھی، خدا کرے چھٹی اِشاعت حسب ارادہ جدید ترتیب اور نئے اسلوب کے ساتھ وجود میں آسکے۔

جہاں تک تصحیح اور ظاہری اہتمام کا تعلق ہے زیرنظر اشاعت کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی کی گئی ہے، جس کو قارئین بہ یک نظر محسوس کرلیں گے۔ عتیق الرحمٰن عثمانی

۲ر شوال المکرم ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۱۹۵۸ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت آدم (علیہ السلام)

(۱) قرآن عزیز میں ذکرِ آدم (۲) خلقتِ آدم (۳) مسئلہ سجودِ ملائکہ (۴) انکارِ ابلیس (۵) ربُ العٰلمین سے ابلیس کا مکالمہ (۶) ملعونیتِ ابلیس اور تا قیامِ قیامت زندگی کی مہلت (۷) خلافتِ آدم (۸) خلافتِ آدم پر فرشتوں کا اظہارِ تعجب (۹) بارگاہِ ربوبیت سے حضرت آدمؑ کو تعلیم، اور فرشتوں کو تنبیہ (۱۰) حوّاؑ کی جنّت میں رہائش (۱۱) آدم و حوّا، وسوسۂ ابلیس اور شجرِ ممنوعہ کا واقعہ (۱۲) عتابِ الٰہی اور آدم و حوّا کا جنّت سے زمین کی جانب اخراج (۱۳) قصۂ آدم سے متعلق بعض اہم مسائل

ذکرِ آدم سے متعلق آیاتِ قرآنی

قرآنِ عزیز میں حضرتِ آدمؑ کا نام پچیس آیات میں آیا ہے جو ذیل کی جدول سے ظاہر ہوتا ہے۔

نمبر سورت	سورۃ	آیات	شمار
۲	البقرہ	۳۱-۳۳-۳۴-۳۵-۳۷	۵
۳	آلِ عمران	۳۳ - ۵۹	۲
۵	المائدہ	۲۷	۱
۷	الاعراف	۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲	۷
۱۷	الاسراء	۶۱ - ۷۰	۲
۱۸	الکہف	۵۰	۱

Marfat.com

نمبر سورت	سورۃ	آیات	شمار
۱۹	مریم	۵۸	۱
۲۰	طٰہٰ	۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۲۰-۱۲۱	۵
۳۶	یٰسٓ	۶۰	۱

قرآنِ عزیز میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ ابو البشر حضرت آدم (علیہ السلام) کا ہی اور حسب ذیل سورتوں میں بیان کیا گیا ہی:۔

سورۂ بقرہ، اعراف، اسراء، کہف اور طٰہٰ میں نام اور صفات دونوں کے ساتھ اور سورۂ حجر و صٓ میں فقط ذکرِ صفات کے ساتھ اور آلِ عمران، مائدہ، مریم اور یٰسٓ میں صرف ضمنی طور پر نام لیا گیا ہی۔

یہ واقعہ اوپر کی تمام سورتوں اور آیتوں میں اگرچہ اسلوب بیان، طرزِ ادا، اور لطیف تعبیر کے اعتبار سے مختلف نظر آتا ہی لیکن مقصد اور واقعہ کے اعتبار سے ایک ہی حقیقت ہی جو مختلف تعبیرات میں موعظت و عبرت کے پیشِ نظر حسبِ موقعہ بیان کی گئی ہی۔

قرآن عزیز ان تاریخی واقعات کو محض اسلئے نہیں بیان کرتا کہ وہ واقعات ہیں جنکا ایک تاریخ میں درج ہونا ضروری ہی بلکہ اُس کا مقصدِ وحید یہ ہی کہ وہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج کو انسانی رشد و ہدایت کے لئے موعظت و عبرت بنائے اور انسانی عقل و جذبات سے اپیل کرے کہ وہ نوامیس و قوانین فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں اور ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ناقابل انکار حقیقت ہی اور اس کا یدِ قدرت ہی اس تمام ہست و بود پر کارفرما ہی، اور اُسی مذہب کے احکام کی پیروی میں فلاح و نجات اور ہر قسم کی ترقی کا راز مضمر ہی جس کا نام مذہب فطرت یا اسلام ہی۔

قرآن عزیز کا یہ بھی ایک اعجاز ہی کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں اُن سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل

Marfat.com

حقیقت اور اُس کی متانت وسنجیدگی میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا، کہیں واقعہ کی تفصیل ہی کہیں اجمال کسی مقام پر اُس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اُسی کو سب سے زیادہ نمایاں حقیقت دیگئی ہے۔ ایک جگہ اُسی واقعہ سے مسرت وانبساط اور لذت وسرور پیدا کرنیوالے نتائج نکالے گئے ہیں تو دوسری جگہ واقعہ میں معمولی سا تغیر کئے بغیر خوف ودہشت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ ایک ہی مقام پر لذت والم دونوں کا مظاہر نظر آتا ہے۔ مگر موعظت وعبرت کے اس تمام ذخیرہ میں ناممکن ہے کہ نفس واقعہ کی حقیقت اور متانت میں معمولی سا بھی تغیر پیدا ہو جائے۔

بلاشبہ یہ کلامِ الٰہی کے ہی شایانِ شان ہے اور اعجاز قرآن کے عنوان سے معنون، اور متضاد صفات کے حامل "حضرت انسان" کی فصاحت وبلاغت کی مدارج علیا کی دسترس سے باہر

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ	کیا وہ قرآن کے متعلق غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟
مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ	اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کا کلام ہوتا تو بلاشبہ
اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (نساء)	وہ اس میں قسم قسم کے، تضاد واختلاف کو پاتے۔

پیدائشِ آدمؑ، فرشتوں کو سجدہ کا حکم، شیطان کا انکار

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا، اور اُن کا خمیر تیار ہونیسے قبل ہی اُس نے فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب وہ مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہے جو بشر کہلائیگی اور زمین میں ہماری خلافت کا شرف حاصل کریگی۔

آدمؑ کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا اور ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو سنتی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی جب یہ مٹی پختہ ٹھکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسدِ خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست، ہڈی پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ شعور حس عقل اور وجدانی جذبات وکیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔

تب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم اس کے سامنے سربسجود ہو جاؤ، فوراً تمام فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی مگر ابلیس (شیطان)، نے غرور و تمکنت کے ساتھ صاف انکار کر دیا۔

Marfat.com

قرآن عزیز کی اِن آیات میں واقعہ کے اسی حصہ کو بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرہ آیہ ۳۲ - ۳۳)	اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ وہ جھک گئے۔ مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی۔ اُس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ پھر (ایسا ہوا کہ) ہم نے آدم سے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو، کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے تو کبھی اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ اگر تم اس کے قریب گئے تو (نتیجہ یہ نکلے گا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھو گے۔ اور اُن لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔
وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ (اعراف - آیۃ ۱۱)	اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ) ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوعِ انسانی کی) شکل و صورت بنادی، پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اس پر سب جھک گئے، مگر ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ ۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ	اور بلا شبہ یہ واقعہ ہے کہ انسان کو خمیر اُٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے اور ہم "جن" کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے۔ اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا۔ میں خمیر اُٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے۔ ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوعِ انسانی پیدا کرنیوالا

Marfat.com

فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۲۹ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۳۰ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۳۱ (حجر)	ہوں) تو جب ایسا ہو کہ میں اُسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں، تو چاہیے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ" چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سربسجود ہو گئے۔ مگر ایک ابلیس، اُس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہو۔
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (کہف آیہ ۵)	اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اور سب جھک گئے تھے۔ مگر ابلیس نہیں جھکا تھا وہ جن میں سے تھا۔ پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اُسے اور اُس کی نسل کو کارساز بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کیلئے کیا ہی بُری تبدیلی ہوئی!
إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ (ص)	اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنیوالا ہوں۔ پس جب میں اس کو بنا سنوار لوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں، تو سب فرشتے اس کے لئے سربسجود ہو جاؤ۔ پس سب ہی نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ مانا، گھمنڈ کیا اور وہ (علم الٰہی میں پہلے ہی) کافروں میں سے تھا۔

سجدہ سے انکار کرنے پر ابلیس کا مناظرہ

اللہ تعالیٰ اگرچہ عالم الغیب اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے اور ماضی، حال و استقبال سب اس کے لئے یکساں ہیں مگر اُس نے امتحان و آزمائش کے لئے ابلیس (شیطان) سے سوال کیا۔

مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ (اعراف ۱۲) کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟

Marfat.com

ابلیس نے جواب دیا:-

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ (اعراف ۱۲)

اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اُسے مٹی سے۔

شیطان کا مقصد یہ تھا کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ تو نے مجھکو آگ سے بنایا ہے اور آگ بلندی و رفعت چاہتی ہے اور آدمؑ مخلوقِ خاکی۔ بھلا خاک کو آگ سے کیا نسبت؟ اے خدا! پھر یہ تیرا حکم کہ ناری، خاکی کو سجدہ کرے کیا انصاف پر مبنی ہے؟ میں ہر حالت میں آدمؑ سے بہتر ہوں، لہٰذا وہ مجھے سجدہ کرے نہ کہ میں اس کے سامنے سربسجود ہوں، مگر بدبخت شیطان اپنے غرور و تکبر میں یہ بھول گیا کہ جب تو اور آدمؑ دونوں خدا کی مخلوق ہو، تو مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر خود وہ مخلوق بھی نہیں جان سکتی، وہ اپنی تمکنت اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی و پستی اُس مادہ کی بنا پر نہیں ہے جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہے بلکہ اس کی اُن صفات پر ہے جو خالقِ کائنات نے اُس کے اندر ودیعت کی ہیں۔

بہرحال شیطان کا جواب چونکہ غرور و تکبر کی جہالت پر مبنی تھا اسلئے اللہ تعالےٰ نے اُس پر واضح کر دیا کہ جہالت سے پیدا شدہ کبر و نخوت نے تجھ کو اسقدر اندھا کر دیا ہے کہ تو اپنے خالق کے حقوق اور احترامِ خالقیت سے بھی منکر ہو گیا، اسلئے مجھکو ظالم قرار دیا اور یہ نہ سمجھا کہ تیری جہالت نے تجھ کو حقیقت کے سمجھنے سے درماندہ و عاجز بنا دیا ہے پس تو اب اس سرکشی کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہے اور یہی تیرے عمل کی قدرتی پاداش ہے۔

ابلیس کی طلب مہلت ابلیس نے جب دیکھا کہ خالقِ کائنات کے حکم کی خلاف ورزی، تکبر و رعونت اور خدائے تعالیٰ پر ظلم کے الزام نے ہمیشہ کے لئے مجھکو ربّ العٰلمین کی آغوشِ رحمت سے مردود اور جنت سے محروم کر دیا۔ تو توبہ اور ندامت کی جگہ اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی کہ تا قیامِ قیامت مجھکو مہلت عطا کر اور اس طویل مدت کے لئے میری زندگی کی رسّی کو دراز کر دے۔

حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یہی تھا، لہٰذا اس کی درخواست منظور کر لی گئی، یہ سُن کر اب

Marfat.com

اُس نے پھر ایک مرتبہ اپنی شیطنت کا مظاہرہ کیا کہنے لگا! جب تو نے مجھکو راندۂ درگاہ کر ہی دیا تو جس آدم کی بدولت مجھے یہ رسوائی نصیب ہوئی میں بھی بنی آدم کی راہ ماروںگا اور انکے پس و پیش، ارد گرد اور چہار جانب سے ہوکر اُن کو گمراہ کرونگا، اور ان کی اکثریت کو تیرا ناسپاس اور ناشکر گذار بنا چھوڑونگا۔ البتہ تیرے "مخلص بندے" میرے اغوا کے تیر سے گھایل نہ ہوسکینگے اور ہر طرح محفوظ رہینگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ہم کو اسکی کیا پرواہ، ہماری فطرت کا قانون "مکافاتِ عمل و پاداشِ عمل" اٹل قانون ہے۔ پس جو جیسا کریگا ویسا بھریگا، اور جو بنی آدمؑ مجھ سے روگردانی کرکے تیری پیروی کریگا وہ تیرے ہی ساتھ عذابِ الٰہی (جہنم) کا سزاوار ہوگا۔ جا اپنی ذلت و رسوائی اور شومیِ قسمت کے ساتھ یہاں سے دور ہو اور اپنی اور اپنے پیروؤں کی ابدی لعنت (جہنم) کا منتظر رہو۔

قرآنِ عزیز کی حسب ذیل آیات ان ہی تفصیلات پر روشنی ڈالتی ہیں:-

مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ

کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا "اس بات نے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اُسے مٹی سے" فرمایا "جنت سے نکل جا! تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں!" ابلیس نے کہا "مجھے اُس وقت تک کے لئے مہلت دے جب لوگ (مرنیکے بعد) اٹھائے جائینگے۔" "تجھے مہلت ہے" اس پر ابلیس نے کہا چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کردی، تو اب میں بھی ایسا ضرور کرونگا تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں، پھر سامنے سے پیچھے سے، دہنے سے، بائیں سے

Marfat.com

عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ
اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا
مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ١٨

(اعراف)

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ
السّٰجِدِيْنَ ۝ ٣٢ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ
لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ٣٣ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ
رَجِيْمٌ ۝ ٣٤ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ
الدِّيْنِ ۝ ٣٥ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ۝ ٣٦ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ ٣٧
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ ٣٨ قَالَ رَبِّ
بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ٣٩ اِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ٤٠ قَالَ هٰذَا
صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ ٤١ اِنَّ عِبَادِيْ
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ ٤٢ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ٤٣

(حجر)

(غرضکہ ہر طرف سے) اُن پر آؤں اور تو اُن میں سے اکثروں کو شکر گذار نہ پائیگا۔ خدا نے فرمایا "یہاں سے نکل جا، ذلیل اور ٹھکرایا ہوا، بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کریگا تو (وہ) تیرا ساتھی ہوگا۔ اور میں البتہ ایسا کرونگا کہ (پاداش عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں!

اللہ نے فرمایا! "اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل نہ ہوا؟" کہا "مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہو جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے" حکم ہوا "اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا، کہ تو راندہ ہوا اور جزا کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی" اس نے کہا "خدایا مجھے اُس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اُٹھائے جائینگے۔ فرمایا "اُس مقررہ وقت کے دن تک تجھے مہلت دیگئی" اُس نے کہا "خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات و سعادت کی) راہ بند کردی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں اُن کے لئے جھوٹی خوشنمائیاں بنا دوں اور (راہ حق سے) گمراہ کروں، ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہونگے (میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنیوالے نہیں" فرمایا "بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانیوالی ہے جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہیں چلیگا۔ صرف اُنہی پر چلیگا جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے، اور ان سب کیلئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں)

Marfat.com

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ
لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝٦١ قَالَ اَرَءَيْتَكَ
هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ
اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ
ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٢ قَالَ اذْهَبْ
فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝٦٣
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ
وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝٦٤ اِنَّ عِبَادِيْ
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى
بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝٦٥

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔ "آدم کے آگے جھک جاؤ" اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا۔ اُس نے کہا "کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟" نیز اس نے کہا "کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں۔ تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں اور کوئی نہ بچے" اللہ نے فرمایا "جا اپنی راہ لے" جو کوئی بھی اُن میں سے تیرے پیچھے چلے گا۔ تو اس کیلئے اور تیرے لئے جہنم کی سزا ہوگی پوری پوری سزا" "ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سُنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر، ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا۔ اُن سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سر تا سر دھوکا جو میرے (سچے) بندے ہیں اُن پر تو قابو پانے والا نہیں تیرا پروردگار کارسازی کے لئے بس کرتا ہے۔

(اسراء)

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ
لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ
كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝٧٥ قَالَ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ
مِنْ طِيْنٍ ۝٧٦ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

فرمایا اے ابلیس! کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اُس کو جس کو میں نے بنایا اپنے (قدرت) کے ہاتھوں سے، یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں۔ بولا میں بہتر ہوں اُس سے، مجھ کو بنایا آگ سے اور اُس کو بنایا مٹی سے۔ فرمایا تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا۔ اور تجھ پر میری پھٹکار رہے اُس

Marfat.com

رَجِیْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ (صٓ)

جزا کے دن تک۔ بولا، اے رب! مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک مردے جی اُٹھیں۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے اُسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔ بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کرونگا اُن سب کو۔ مگر جو بندے ہیں تیرے اُن میں چنے ہوئے، فرمایا، تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں۔ مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلیں اُن سب سے۔

خلافتِ آدمؑ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں، جو اختیار و ارادہ کا مالک ہوگا، اور میری زمین پر جس قسم کا تصرف کرنا چاہیگا کرسکیگا، اور اپنی ضروریات کیلئے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکیگا، گویا وہ میری قدرت اور میرے تصرّفِ اختیار کا "مظہر" ہوگا۔

فرشتوں نے یہ سُنا تو حیرت میں رہ گئے، اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا اگر اس ہستی کی پیدائش کی حکمت یہ ہے کہ وہ دن رات تیری تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے اور تیری تقدیس و بزرگی کے گُن گائے، تو اس کے لئے ہم حاضر ہیں، جو ہر لمحہ تیری حمد و ثنا کرتے اور بے چون و چرا تیرا حکم بجالاتے ہیں ہم کو تو اس "خاکی" سے فتنہ و فساد کی بو آتی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تیری زمین میں خرابی اور خونریزی برپا کردے؟ بارِ الٰہا! تیرا یہ فیصلہ آخر کس حکمت پر مبنی ہے؟

بارگاہِ الٰہی سے اوّل اُن کو یہ ادب سکھایا گیا کہ مخلوق کو خالق کے معاملات میں جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیے، اور اس کی جانب سے حقیقتِ حال کے اظہار سے قبل ہی شک و شبہ کو سامنے نہ لانا چاہیئے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اُس میں اپنی برتری اور

Marfat.com

برائی کا پہلو نکلتا ہو، خالق کائنات اُن حقائق کو جانتا ہے جس سے تم بے بہرہ ہو، اور اس کے علم میں وہ سب کچھ ہے جو تم نہیں جانتے ۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ	اور جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً	میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں، فرشتوں نے کہا،
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ	کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جارہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائیگی
فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ	اور خونریزی کریگی، حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری
نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ	پاکی قدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیری مشیت برائی سے پاک اور
قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝	تیرا کام نقصان سے منزہ ہے!) اللہ نے کہا، میری نظر جس
(بقرہ)	حقیقت پر ہے، تمہیں اس کی خبر نہیں ۔

تعلیم آدمؑ اور فرشتوں کا اقرارِ عجز

یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ اس مقام پر فرشتوں کا سوال اسلئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مناظرہ کریں یا اس کے فیصلہ کے متعلق موشگافی کریں بلکہ وہ آدمؑ کی تخلیق کا سبب معلوم کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ اسکے خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے، ان کی خواہش تھی کہ اس حکمت کا راز اُن پر بھی کھل جائے۔ اس لئے ان کے طرز ادا اور تعبیر مقصد میں کوتاہی پر تنبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ اُنکے اس سوال کا جواب جو بظاہر حضرت آدمؑ کی تحقیر پر مبنی ہے عمل و فعل کے ذریعہ اس طرح دیا جائے کہ انکو خود بخود آدمؑ کی برتری، اور حکمت الٰہی کی بلندی و رفعت کا نہ صرف اعتراف کرنا پڑے بلکہ اپنی درماندگی اور عجز کا بھی بدیہی طور پر مشاہدہ ہو جائے، لہذا حضرت آدمؑ کو اپنی سب سے عظیم المرتبت صفت "علم" سے نوازا اور اُن کو علم اشیا عطا فرمایا۔ اور پھر فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ارشاد فرمایا کہ تم ان اشیا کے متعلق کیا علم رکھتے ہو؟ وہ لاعلم تھے کیا جواب دیتے۔ مگر چونکہ بارگاہِ صمدیت سے قرب رکھتے تھے سمجھ گئے کہ ہمارا امتحان مقصود نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل ہم کو انکا علم ہی کب دیا گیا ہے کہ آزمائش کی جاتی بلکہ تنبیہ مقصود ہے کہ "خلافتِ الٰہیہ" کا مدار کثرت تسبیح و تحلیل اور تقدیس و تمجید پر نہیں

Marfat.com

بلکہ صفتِ "علم" پر ہی۔ اس لئے کہ ارادہ و اختیار، قدرتِ تصرف اور قدرتِ اختیار یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ حکومتِ ارضی صفتِ "علم" کے بغیر ناممکن ہی۔ پس جبکہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علم کا مظہرِ اتم بنایا ہی تو بلاشبہ وہی خلافتِ ارضی کا مستحق ہے نہ کہ ہم؛ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ چونکہ اپنی خدماتِ مفوضہ کے علاوہ ہر قسم کی دُنیوی خواہشوں اور ضرورتوں سے بے نیاز ہیں، اس لئے وہ اُن کے علم سے بھی نا آشنا تھے اور آدمؑ کو چونکہ ان سب سے واسطہ پڑنا تھا اسلئے ان کا علم اس کیلئے ایک فطری امر تھا جو رب العلمین کی ربوبیتِ کاملہ کی بخشش و عطا سے عطا ہوا اور اُس کو وہ سب کچھ بتا دیا گیا جو اسکے لئے ضروری تھا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ)

(پھر جب ایسا ہوا کہ مشیتِ الٰہی نے جو کچھ چاہا تھا ظہور میں آگیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترقی کی کہ) تعلیمِ الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے۔ تو فرشتوں کے سامنے وہ تمام حقائق پیش کر دئے اور فرمایا، اگر تم (اپنے شبہ میں) درستی پر ہو تو بتلاؤ، ان (حقائق) کے نام کیا ہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا۔ خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے، علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت! جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو حکمِ الٰہی ہوا "اے آدم تم (اب) فرشتوں کو اُن (حقائق) کے نام بتلا دو۔ جب آدم نے بتلا دیئے تو اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں!

حضرت آدمؑ کے اس شرفِ علم کے متعلق مفسرین کی دو رائے ہیں ایک یہ کہ کائنات کی وہ تمام اشیاء جو ماضی سے مستقبل تک وجود میں آنیوالی تھیں اُن سب کے نام اور انکی حقیقت

Marfat.com

کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیدیا گیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اُس وقت جس قدر اشیاء بھی عالم کائنات میں موجود تھیں اور حضرت آدم کے سامنے ان کا مظاہرہ کیا گیا اُن سب کا علم عطا کیا گیا، اور اَلْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (تمام چیزوں کے نام) کا اطلاق جس طرح کائنات کی ماضی و مستقبل کی تمام اشیاء پر ہوتا ہے اسی طرح اُس وقت کی تمام موجودہ اشیاء پر بھی بغیر کسی تاویل کے ہو سکتا ہے، اور یہ کہ "اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ" میں "هٰٓؤُلَآءِ" سے اکثر موجود و محسوس یعنی حاضر ہی کی جانب اشارہ مقصود ہوا کرتا ہے۔

بہر حال حضرت آدم کو صفتِ "علم" سے اس طرح نوازا گیا کہ فرشتوں کیلئے بھی اُن کی برتری اور استحقاق خلافت کے اقرار کے علاوہ چارۂ کار نہ رہا اور یہ ماننا پڑا کہ اگر ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنائے جاتے تو کائنات کے تمام بھیدوں سے ناآشنا رہتے اور قدرت نے جو خواص اور علوم ودیعت کئے ہیں اُن سے یکسر ناواقف ہوتے اسلئے کہ نہ ہم خورد و نوش کے محتاج ہیں کہ زمین میں ودیعت شدہ رزق اور خزانوں کی جستجو کرتے نہ ہمیں غرق کا اندیشہ کہ کشتیوں اور جہازوں کی ایجاد کرتے، نہ مرض کا خوف کہ قسم قسم کے معالجات اشیاء کے خواص، کیمیائی مرکبات فوائدِ طبعیات و فلکیات، طبّی ایجادات علوم نفسیات و وجدانیات اور اسی طرح کے بیش بہا اور بیشمار علوم و فنون کے اسرار اور ان کی حکمتوں سے واقف ہو سکتے۔ بلاشبہ یہ صرف حضرت انسان ہی کیلئے موزوں تھا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق و معارف اور علوم و فنون کے رازوں سے واقف ہو کر نیابتِ الٰہی کا صحیح حق ادا کرے۔

حضرت آدم کا قیام جنّت اور حوّا کی زوجیت

حضرت آدم ایک عرصہ تک تنہا زندگی بسر کرتے رہے مگر اپنی زندگی اور راحت و سکون میں ایک وحشت اور خلا محسوس کرتے تھے اور ان کی طبیعت اور فطرت کسی مونس و ہمدم کی جویا نظر آتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّا کو پیدا کیا اور حضرت آدم اپنا ہمدم و رفیق پا کر بیحد مسرور ہوئے اور اطمینانِ قلب محسوس کیا

Marfat.com

حضرت آدمؑ وحضرت حوّاؑ کو اجازت تھی کہ وہ جنت میں رہیں سہیں اور اُسکی ہر چیز سے فائدہ اٹھائیں۔ مگر ایک درخت کو معیّن کر کے بتایا گیا کہ اس کو نہ کھائیں بلکہ اُس کے پاس تک نہ جائیں

آدمؑ کا خلد سے نکلنا

اب ابلیس کو ایک موقعہ ہاتھ آیا اور اُس نے حضرت آدمؑ وحواؑ کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شجر "شجر خلد" ہے۔ اس کا پھل کھانا جنت میں سرمدی آرام وسکونت اور قرب الٰہی کا ضامن ہے اور قسمیں کھا کر اُن کو باور کرایا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں، دشمن نہیں ہوں یہ سن کر حضرت آدمؑ کے انسانی اور بشری خواص میں سب سے پہلے نسیان (بھول چوک) نے ظہور کیا اور وہ یہ فراموش کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم حکم امتناعی تھا یا مربیانہ مشورہ، اور آخر کار جنت کے دائمی قیام اور قربت الٰہی کے شوق نے عزم میں لغزش پیدا کر دی اور اُنہوں نے اسکو کھا لیا۔ اسکو کھانا تھا کہ بشری لوازم ابھر نے لگے دیکھا تو ننگے ہیں اور لباس سے محروم، جلد جلد (آدم وحوا) دونوں پتوں سے ستر ڈھانکنے لگے گویا انسانی تمدّن کا یہ آغاز تھا، کہ اُس نے تن ڈھانکنے کے لئے سب سے پہلے پتّوں کو استعمال کیا۔

ادھر یہ ہو رہا تھا کہ خدائے تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا اور آدمؑ سے بازپرس ہوئی کہ ممانعت کے باوجود یہ عدول حُکمی کیسی؟ آدم آخر آدمؑ تھے مقبول بارگاہ الٰہی تھے اس لئے شیطان کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور اپنی غلطی کو تاویلات کے پردے میں چھپانیکی سعی نامشکور سے باز رہے ندامت وشرمساری کیساتھ اقرار کیا کہ غلطی ضرور ہوئی لیکن اس کا سبب تمرد وسرکشی نہیں ہے بلکہ بر بنائے بشریت بھول چوک اس کا باعث ہے تاہم غلطی ہے، اس لئے توبہ واستغفار کرتے ہوئے عفو ودرگذر کا خواستگار ہوں۔

حضرتِ حق نے اُن کے اُس عذر کو قبول فرمالیا اور معاف کر دیا، مگر وقت آگیا تھا۔ کہ حضرت آدمؑ خدا کی زمین پر "حق خلافت" ادا کریں، اسلئے بہ تقاضائے حکمت یہ فیصلہ سنایا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معیّن وقت تک زمین پر قیام کرنا ہوگا اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے

76499

تمام سامانِ عداوت کے ساتھ وہاں موجود رہیگا اور تم کو اس طرح ملکوتی اور ابلیسی دو متضاد طاقتوں کے درمیان زندگی بسر کرنی ہوگی اس کے باوجود اگر تم اور تمہاری اولاد مخلص بندے اور سچے نائب ثابت ہوئے تو تمہارا اصلی وطن "جنت" ہمیشہ کے لئے تمہاری ملکیت میں دے دیا جائیگا۔ لہٰذا جاؤ تم اور حوا، دونوں یہاں سے زمین پر اترو اور اس طرح انسانو کے باپ اور خدا تعالےٰ کے خلیفہ آدمؑ نے اپنی رفیقہ حیات کیساتھ خدا کی زمین پر قدم رکھا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

پھر (ایسا ہوا کہ) ہم نے آدمؑ سے کہا اے آدم، تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو۔ مگر دیکھو، وہ جو ایک درخت ہے، تو کبھی اس کے پاس نہ پھٹکنا، اگر تم اسکے پاس گئے تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھوگے اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنیوالے ہیں پھر ایسا ہوا کہ شیطان کی وسوسہ اندازی نے اُن دونوں کے قدم ڈگمگا دیے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی کچھ (راحت وسکون کی) زندگی بسر کر رہے تھے اس سے نکلنا پڑا۔ خدا کا حکم ہوا یہاں سے نکل جاؤ۔ تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہے، اب تمہیں (جنت کی جگہ) زمین میں رہنا ہے۔ اور (ایک خاص وقت تک کے لئے (جو علم الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے) اس سے فائدہ اٹھانا ہے پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کے القاء سے چند کلمات معلوم کر لئے (جنکے لئے اس کے حضور قبولیت تھی) پس اللہ نے اسکی توبہ قبول کر لی اور بلاشبہ وہی ہے جو رحمت سے درگزر کرنیوالا ہے۔ اور اُس کے درگزر کی کوئی انتہا نہیں (آدم کی توبہ قبول ہو گئی لیکن جس زندگی سے وہ نکل چکا تھا وہ دوبارہ نہیں مل سکتی تھی) پس ہمارا حکم ہوا، اب تم سب یہاں سے نکل چلو (اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے اسے اختیار کر لو) لیکن یاد رکھو جب کبھی

Marfat.com

هُدًى فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٣٨

ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ (حق) کھولی جائیگی، تو تمہارے لئے دو ہی راہیں ہوں گی) جو کوئی ہدایت کی پیروی کریگا اس کیلئے (کامیابی وسعادت ہوگی) کسی طرح کا کھٹکا نہیں، کسی طرح کی غمگینی نہیں۔ (بقرہ)

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سكتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ۔ مگر دیکھو (وہ جو ایک درخت ہے، تو اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ اگر گئے تو یاد رکھو، تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے، لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا۔ تاکہ اُن کے ستر جو اُن سے چھپے تھے اُن پر کھول دے۔ اُس نے کہا تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے۔ اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیرخواہی سے نیک بات سمجھانے والا ہوں۔ غرضکہ (شیطان اس طرح کی باتیں سُنا سُنا کر بالآخر) اُنہیں فریب میں لے آیا۔ پھر جونہی ایسا ہوا کہ انھوں نے درخت کا پھل چکھا۔ اُن کے ستر اُن پر کھل گئے۔ اور (جب انہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی تو) باغ کے پتے اُوپر تلے رکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ اُس وقت اُن کے پروردگار نے پکارا "کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا۔ اور کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟" انھوں نے عرض کیا "پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا۔ تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ

Marfat.com

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ٥ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ -

(اعراف)

کچھ نہیں فرمایا "یہاں سے نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں سروسامانِ زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے۔

اور فرمایا "تم اسی میں جیو گے اسی میں مرو گے پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے۔"

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ٥ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ٥ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ٥ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ٥ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا پھر وہ بھول گیا اور ہم نے (نافرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا۔ اور پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا، اُس نے انکار کیا اس پر ہم نے کہا اے آدم (دیکھ لے) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ۔ تمہارے لئے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ، نہ تمہارے لئے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش (اگر اس سے نکلے تو سرتاسر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے) لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسہ میں ڈالا اس نے کہا "اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان دیدوں؟ اور ایسی بادشاہی جو کبھی زائل نہ ہو؟" چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھالیا اور دونوں کے ستر اُن پر کھل گئے تب اُن کی حالت ایسی ہو گئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے غرضکہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا۔ پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہو گیا۔

Marfat.com

فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۝ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ ۱۲۳ (طٰہٰ)	(لیکن) پھر اُسکے پروردگار نے اُسے برگزیدہ کیا۔ اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا۔ اُس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھولدی۔ چنانچہ اللہ نے حکم دیا تھا" تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا۔ تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا نہ دُکھ میں پڑے گا۔

واقعہ سے متعلق چند اہم مسائل

واقعہ کی اس تفصیل کے بعد چند ایسے اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے جو واقعہ کی تفصیلات میں بڑی حد تک معین و مددگار ثابت ہوں۔

(۱) آدم و حوّا عربی نام ہیں یا عجمی؟ اور یہ نام کسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں یا صرف نام ہی کی حیثیت میں ہیں۔

پہلے سوال کے متعلق مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ مکی کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ "یہ سریانی نام ہے اور سریانی میں الف کے مد اور دال کے طول کیساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی آدام۔ اور علامہ جوہری اور جوالیقی یہ کہتے ہیں کہ یہ عربی نام ہیں۔ اور دوسرے سوال کے متعلق ثعلبی کا قول ہے کہ عبرانی زبان میں آدم مٹی کو کہتے ہیں، چونکہ اُن کی تخلیق مٹی سے ہوئی اس لئے آدم یا آدام نام رکھا گیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اُدمۃ سے ماخوذ ہے اسلئے کہ وہ "ادیم الارض" یعنی صفحۂ زمین سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اَدمۃ بمعنی خلطت سے ماخوذ ہے اور چونکہ اُن کا خمیر پانی اور مٹی کو ملا کر اور خلط ملط کرکے بنایا گیا ہے اسلئے اس مناسبت سے انکو آدم کہا گیا۔ اسی طرح حوّاء اس لئے نام پڑا کہ وہ ہر "انسانِ حیّ" (زندہ انسان) کی ماں ہیں اور مبالغہ کا صیغہ بنا کر اُن کا نام رکھ دیا گیا۔

لہ فتح الباری ج ۶ کتاب حدیث الانبیاء چونکہ یہ تمام اقوال تخمینی ہیں اسلئے سب کو نقل کردیا گیا اور کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

Marfat.com

بہر حال نام اور معنی میں مناسبت کا یہ سوال نکتہ اور لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے اسلئے بیان کردہ تمام وجوہ بیک وقت بھی صحیح ہو سکتی ہیں اور کسی ایک وجہ کو دوسری پر ترجیح بھی دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات بہت وسیع ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا جو حکم دیا تھا وہ فرشتوں کو دیا تھا اور ابلیس فرشتوں کی جنس میں داخل نہیں تو پھر اس پر عتاب الٰہی کیوں ہوا اور وہ نافرمانی کا مرتکب کس لئے قرار دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہ تھا۔ قرآن عزیز میں تصریح ہے: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ وہ "جن" سے تھا پس اُس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔

مگر جب اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا تو اُس وقت وہ اُس مجلس میں موجود تھا اور غیر معلوم مدت تک فرشتوں کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ بھی اس حکم کا مخاطب تھا اور وہ بھی خود کو مخاطب سمجھتا تھا اسی لئے جب خدائے تعالیٰ نے اس سے دریافت کیا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ تو اُس نے یہ جواب نہیں دیا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اسلئے اس حکم کا مخاطب ہی نہ تھا کہ سجدہ کرتا۔ بلکہ ازراہِ غرور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں اس لئے سجدہ سے باز رہا۔

یہی جواب صحیح اور درست ہے۔ ورنہ تو ایک ضعیف اور کمزور رائے یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ میں سے ایک قسم کو "جن" بھی کہا جاتا ہے اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔ مگر اس رائے کی تائید نہ قرآن عزیز سے ملتی ہے اور نہ صحیح احادیث سے۔

(۳) ابلیس جب جنت سے مردود ہو کر نکال دیا گیا تو پھر وہ حضرت آدم و حوّا (علیہما السلام) کو کس طرح بہکا سکا؟

علماء اسلام سے اس کے دو جواب منقول ہیں اور دونوں کسی تاویل کے بغیر چسپاں ہیں۔

(۱) اگرچہ ابلیس جنت سے نکال دیا گیا لیکن پھر بھی اس کا ایک گنہگار اور نابکار مخلوق کی حیثیت میں جنت کے اندر داخل ہونا اس کے مردود ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے

Marfat.com

اس نے اسی حیثیت سے اندر جا کر حضرت آدمؑ و حوا سے یہ گفتگو کی اور ان کو لغزش میں ڈال دیا آیت "اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا" اسی کی تائید کرتی ہے کہ عاصی کی حیثیت سے ابھی تک اس کا داخلہ ممنوع نہیں تھا۔

(۳) جس طرح ایک آواز ٹیلی فون اور ریڈیو کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دُور جا سکتی ہے یا جس طرح لاسلکی (وائرلیس) میں صرف شعاعوں اور آواز کی لہروں کے ذریعے ایک پیغام ہزاروں میل پہنچایا جا سکتا ہے اسی طرح یہ بھی کیوں ممکن نہیں کہ شیطان کا وسوسہ نفسِ انسانی تک اسی طرح پہونچ جائے پس اس کے باہر ہی سے حضرت آدمؑ کے نفس میں اپنا وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکانے کی کوشش کی آیت "فوسوس لهما الشيطن" سے یہی ظاہر ہے۔

(۴) حوا کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ قرآن عزیز میں اس کے متعلق صرف اسی قدر مذکور ہے۔

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا — اور اس (نفس) سے اس جوڑے کو پیدا کیا۔

یہ نظم قرآنی حوا کی پیدائش کی حقیقت کی تفصیل نہیں بتاتی۔ اس لئے دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ حوا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ مشہور ہے اور بائبل میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ ہی جنس سے ایک دوسری مخلوق بھی بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور جو مرد کی رفیقۂ حیات بنتی ہے آیت کی تفسیر میں محققین کی رائے اس دوسری تفسیر کی جانب مائل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن عزیز صرف حضرت حوا کی تخلیق کا ذکر نہیں کر رہا ہے بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی جنس سے ہے اور اسی طرح مخلوق ہوئی ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں یہ ضرور آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

استوصوا بالنساء فان المرأة — عورتوں کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ
خلقت من ضلع (الحدیث) — اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔

Marfat.com

اس کا مطلب ابن اسحٰق نے تو یہ روایت کیا ہے کہ حوا آدم ؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ مگر ابن اسحٰق سے زیادہ محقق اور نقاد علامہ قرطبی ؒ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ دراصل عورت کو پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا ہے کہ عورت کی خلقت کی ابتدا پسلی سے کی گئی ہے اس کا حال پسلی ہی کی طرح ہے۔ اگر اسکی کجی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائیگی تو جس طرح پسلی کے ترچھے پن کے باوجود اس سے کام لیا جاتا ہے اور اسکے خم کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اسی طرح عورتوں کیساتھ نرمی اور رفق کا معاملہ کرنا چاہئے۔ ورنہ سختی کے برتاؤ سے خوشگواری کی جگہ تعلق کی شکست و ریخت کی صورت پیدا ہو جائیگی۔[۱]

(۵) حضرت آدم علیہ السلام جس جنت میں مقیم تھے اور جہاں سے انہیں زمین پر اُترنے کا حکم دیا گیا وہ جنت کونسی جنت ہے "جنت الماویٰ" ہے جو بعد قیام قیامت اہل ایمان کا مستقر ہے یا "جنت ارضی" جو اسی سرزمین میں کسی بلند پُرفضا مقام پر آدم ؑ کی حکومت کے لئے بنائی گئی تھی جمہور علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ یہ جنت الماویٰ ہی تھی جس کا وعدہ آخرت میں مسلمانوں کیلئے کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیات و احادیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً

۱۔ قُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ — ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی (حوا) جنت میں رہو

اس جگہ جنت کو عربی قاعدہ سے "الجنۃ" الف لام کیساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی مشہور جنت کا ذکر ہے جس کو جگہ جگہ قرآن عزیز میں قیام قیامت کے بعد مومنوں کا وطن بتایا گیا ہے ورنہ اگر کسی نئے مقام کا تذکرہ ہوتا تو پہلے اس کی حقیقت کا اظہار ہوتا پھر اسکو جانی پہچانی چیز کی طرح الفاظ کے ساتھ ذکر کیا جاتا۔

۲۔ اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا — تم وہاں سے ایک ساتھ اُترو۔

ہبوط (اُترنا) بلندی سے پستی کی طرف ہوتا ہے، اس لئے یہ جنت ارضی نہیں ہوسکتی بلکہ "جنۃ ماویٰ" ہی ہوسکتی ہے۔

۳۔ مسلم میں ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ جملہ موجود ہے۔

[۱] فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۳۔

Marfat.com

يجمع الله الناس فيقوم المؤمنون حين تزدلف لهم الجنة فيأتون آدم فيقولون يا أبانا استفتح لنا الجنة فيقول: وهل أخرجكم من الجنة الا خطيئة أبيكم (الحديث)	اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کریگا پس اہل ایمان کھڑے ہوں گے جب جنت اُن کے قریب ہوگی پھر وہ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے باپ ہمارے لئے اس جنت کو کھولئے۔ اس پر حضرت آدم فرمائینگے کیا تم کو جنت سے تمہارے باپ کی خطا کاری ہی نے نہیں نکالا تھا۔

اس کے برعکس علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ "یہ جنت" دنیا ہی کے مقامات میں سے کسی مقام پر تھی "جنۃ الماویٰ" نہ تھی۔ اور اپنے قول کی تائید میں یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی اس کو ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ و حواؑ کو وہاں کھانے پینے کا مکلف بنایا اور ایک درخت کے نہ کھانے کی تکلیف دی۔ پھر وہاں آدمؑ خواب راحت میں بھی رہتے تھے اور وہاں ابلیس بھی آتا جاتا رہتا تھا، اور اس نے حضرت آدمؑ کو بہکا بھی دیا۔ اور پھر آدمؑ و حواؑ اور ابلیس وہاں سے نکالے بھی گئے۔ تو یہ تمام وہ امور ہیں جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں اور "جنت الماویٰ" میں اُن کا وجود نہیں ہے۔ نہ وہ عالم تکلیف ہے اور نہ اُس میں داخلہ کے بعد اخراج ہے۔ یہ قول بھی بڑے بڑے علماء اسلام کی طرف منسوب ہے۔ اور ان دو رایوں کے علاوہ اس سلسلہ میں دو رائیں اور بھی ہیں اور اس طرح اس مسئلہ میں چار اقوال ہو جاتے ہیں

۱- یہ جنۃ الماویٰ ہے۔

۲- یہ جنت ارضی ہے۔

۳- یہ جنت الماویٰ اور جنت ارضی کے علاوہ ایک اور جنت ہے جو صرف اسی غرض سے تیار کی گئی تھی۔

۴- اس معاملہ میں توقف اور سکوت کرنا چاہیئے اور اسے خدا کے حوالہ کر دینا چاہیئے

یہ بحث بہت طویل ہے اور حافظ عماد الدین بن کثیر نے اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں اس کو بڑے شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور تمام اقوال کے مفصل دلائل اور نظائر کو بھی

Marfat.com

کیا ہے[1] تفصیل دیکھنے کے لئے اس کی مراجعت کرنی چاہیے۔

بہر حال حقیقتِ حال کا عالم تو خدا ہی ہی لیکن تمام دلائل و براہین کے دیکھنے کے بعد ہماری رائے تو یہی ہے کہ یہ معاملہ بلاشبہ "جنۃ الماویٰ" ہی میں پیش آیا ہے اور کھانے، سونے اور شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے لئے تمام معاملات "جنۃ الماویٰ" میں اس وقت پیش آئے ہیں جبکہ انسان ابھی تک عالمِ تکلیف میں نہیں آیا تھا پس یہ جو کچھ ہوا مشیتِ الٰہی کی حکمتِ بالغہ کے زیرِ اثر اس لئے ہوا کہ یہ تمام تکوینی امور انسان کے زمین پر آباد ہونے اور "خلافتِ الٰہیہ" کے حق دار بننے کے لئے ضروری تھے۔

ظریفانہ نکتہ | جو علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ "جنۃ الماویٰ" ہے ان پر دوسرے علماء کا یہ اعتراض ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے (اور یہ ظاہر ہے کہ اسی کا دوسرا نام جنۃ الخلد ہے) تو حضرت آدمؑ سے ابلیس کا یہ کہنا کہ میں تمہیں شجرِ خلد کا پتہ بتاؤں کیا معنی رکھتا ہے؟

لیکن اول الذکر علماء ان حضرات سے جو جنتِ ارضی کے قائل ہیں پلٹ کر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ جنتِ ارضی تھی تو اس دارِ فانی میں ابلیس حضرت آدمؑ سے ایسی بحث ہی کیسے کر سکتا تھا کہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء تو فانی ہیں مگر اس میں ایک شجرِ خلد بھی ہے۔ دارِ فانی میں خلود کہاں اس کو تو معمولی عقل کا انسان بھی تسلیم نہیں کر سکتا چہ جائیکہ حضرت آدمؑ۔

جنتِ ارضی علماء طبقات الارض کی نظر میں | جو علماء اس جنت کو "جنتِ ارضی" بتاتے ہیں ان میں سے علماء طبقات الارض کا یہ دعویٰ ہے کہ ربع مسکون میں سے جس خطہ پر جنت قائم تھی وہ آج کائناتِ ارضی پر موجود نہیں ہے۔ یہ حصہ "قارہ مو" کے نام سے اس دنیا میں آباد تھا مگر مختلف حوادث اور پیہم زلزلوں کے باعث بحرِ ہند میں ہزاروں سال ہوئے کہ غرق ہو گیا اور یہ کہ جب یہ حادثہ پیش آیا تھا تو اس خطہ پر بسنے والی انسانی آبادی تقریباً ساٹھ ملین (چھ کروڑ) کی تعداد میں ہلاک ہو گئی۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ا ص ۷۵ تا ۸۱۔

Marfat.com

اور بائبل کے سفر تکوین اصحاح میں اس کا مقام وقوع وہ بتایا گیا ہے جہاں سے دجلہ اور فرات نکلتے ہیں۔

(۶) کیا حضرت آدم ؑ نبی اور رسول ہیں؟

شریعت اسلامی میں "نبی" اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے چن لیا ہو اور وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتی ہو اور "رسول" اس نبی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے نئی شریعت اور نئی کتاب بھیجی گئی ہو۔

چونکہ حضرت آدم ؑ دنیائے انسانی کے باپ ہیں تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ جس طرح اپنی نسل کی دنیوی سعادت و فلاح کے لئے رہنما اور ہادی تھے اسی طرح اخروی سعادت و فلاح کے لئے پیغامبر تھے یا نہیں؟

اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے کہ وہ بلاشبہ خدا کے پیغمبر اور نبی برحق تھے اور اس مسئلہ میں اُمّت میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں اور اسی لئے کبھی یہ مسئلہ موضوع بحث نہیں بنا مگر اس مسئلہ میں اس وقت سے اہمیت پیدا ہوئی جبکہ مصر کے قریۂ منہور کے ایک شخص نے حضرت آدم کی نبوت کا انکار کیا اور اپنے دعوے کی دلیل میں یہ پیش کیا کہ قرآن عزیز میں کسی مقام پر بھی حضرت آدم کو دوسرے انبیا علیہم السلام کی طرح "نبی" نہیں کہا گیا[۱]

اس شخص کا یہ کہنا کہ قرآنِ عزیز نے حضرت آدم ؑ کو کسی جگہ لفظ "نبی" سے مخاطب نہیں کیا لفظی اعتبار سے اگرچہ صحیح ہے لیکن حقیقتِ نبوت کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اس لئے کہ نبوّت کے جو معنی اسلامی اصطلاح میں بیان کئے گئے ہیں بغیر کسی تاویل کے اس کا اطلاق حضرت آدم پر نظم قرآنی میں بہت سے مقامات میں موجود ہے جگہ جگہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ

[۱] حضرت ابوذر غفاری ؓ سے مروی ہے "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ! مجھے بتائیے کیا آدم ؑ نبی تھے۔ حضور صلعم نے فرمایا۔ ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی۔ انھیں رب العلمین سے شرف تخاطب و تکلم حاصل ہوا ہے۔" روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ! ارایت آدم انبیا کان قال نعم نبیا رسولا یکلم اللہ قبیلا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳ قدیم)

Marfat.com

کے حضرت آدمؑ سے ہم کلام ہوتا رہا ہے اور اس تمام مخاطبت اور بات چیت میں امر و نہی اور حلال و حرام کے احکام دیتا رہا ہے اور ان احکام کیلئے آدمؑ کے پاس کسی کو نبی و رسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ براہِ راست انہی سے خطاب فرمایا گیا۔ پس جبکہ نبوّت کی حقیقت بھی یہی ہے، تو حضرت آدمؑ کی نبوت کا انکار قطعاً باطل اور بے معنی ہے۔ نیز ان کے رسول ہونے نہ ہونے کی بحث بھی کچھ زیادہ اہم نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ پہلے انسان ہیں تو انسانی آبادی کے لئے خدا کی وحی کے ذریعہ جو پیغامات بھی انھوں نے سنائے وہی انکی شریعت سمجھی جائیگی اور اس لئے وہ رسول بھی ہیں۔ بہرحال اُن کی نبوت پر یقین رکھنے اور قلب میں طمینان پیدا کرنیکے لئے نظمِ قرآنی کی وہ تمام آیات کافی و شافی دلیل ہیں جو حضرت آدم (علیہ السلام) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان براہِ راست گفتگو اور مکالمت و مخاطبت کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

(۷) حضرت آدمؑ جبکہ نبی ہیں تو اُن سے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کے کیا معنیٰ، نبی تو معصوم ہوتا ہے اور "عصمت" نافرمانی اور گناہ کے متضاد ہے؟

حضرت آدمؑ کی عصمت پر بحث کرنے سے قبل مختصر الفاظ میں "عصمت" کے معنیٰ اور اس کا مفہوم معلوم ہو جانا ضروری ہے تاکہ آئندہ بھی ایسے مقامات میں کھٹکا و ریب و شک کی گنجائش باقی نہ رہے۔

عصمتِ نبی کے معنی خالقِ کائنات نے انسان کی تخلیق متضاد قوتوں کیساتھ فرمائی ہے یعنی اس کو نیک و بد دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں، وہ گناہ بھی کر سکتا ہے اور نیکی بھی، وہ ارادۂ بد کا بھی حامل ہے اور ارادۂ خیر کا بھی اور یہی اس کے انسانی شرف کا طغرائے امتیاز ہے ان متضاد قوتوں کے حامل "انسان" میں سے حضرتِ حق انسانی رشد و ہدایت، اور وصول الی اللہ کیلئے کبھی کبھی کسی شخص کو چن لیتے اور اس کو اپنا رسول، نبی اور پیغمبر بنا لیتے ہیں۔ اور اس سلسلہ کی آخری کڑی ذاتِ اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سو جب یہ ہستی "نبوت" کے لئے چُن لی جاتی ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل و

Marfat.com

ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے پاک اور ہمہ قسم کی نافرمانیوں سے منزہ ہوتا کہ پیغام الٰہی کے منصب میں خدا کی صحیح نیابت ادا کر سکے اور "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" کا مصداق نہ ثابت ہو۔ اس طرح وہ ایک انسان اور بشر بھی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سوتا ہے اور اہل و عیال کی زندگی سے بھی وابستہ ہے اور وہ ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک بھی ہے کیونکہ وہ ہر قسم کی نیکی کیلئے ہادی و مرشد اور خدا کا نائب ہے اگرچہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کا حامل ضرور ہے لیکن عمل اور ارادہ میں اُس سے ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن اور محال کر دیا گیا ہے تاکہ اس کا ہر ارادہ ہر عمل اور ہر قول غرض ہر حرکت و سکون کائنات کیلئے اسوہ اور نمونہ بن سکے۔ البتہ بشریت و انسانیت سے متصف ہونے کی بنا پر سہو، نسیان اور لغزش کا امکان باقی رہتا اور کبھی کبھی عملی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے مگر فوراً ہی اس پر متنبہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

سہو اور نسیان تو اپنے مفہوم میں ظاہر ہیں مگر زلّۃ (لغزش) کیا ہے؟ تو اس کا اطلاق ایسی حقیقت پر ہوتا ہے کہ جہاں نہ عمل اور کردار میں تمرد اور سرکشی کا دخل ہو اور نہ قصد و ارادہ کے ساتھ حکم کی خلاف ورزی کا اور ساتھ ہی وہ عمل اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے قبیح بد اور شر بھی نہ ہو اور ان تمام امور کے پیش نظر وہ اپنی ذات میں باحت اور جواز کا درجہ رکھتا ہو مگر کرنیوالے کی ہستی کے شایانِ شان نہ ہو بلکہ اس کے عظیم رتبہ کے سامنے نازل اور ہلکا نظر آتا ہو۔ یا ایں ہمہ اسلئے عمل میں آگیا کہ عمل کرنیوالے کی نگاہ میں اس کا اس طرح کرنا خدائے تعالیٰ کی مرضی کیخلاف نہ تھا لیکن نبی پر چونکہ خدائے تعالیٰ کی مستقل حفاظت و نگرانی رہتی ہے۔ اس لئے فوراً ہی اس کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمل تمہاری جلالت قدر اور عظمت مرتبہ کے شایانِ شان نہیں ہے اور قطعی غیر مناسب ہے اسی فرقِ مراتب کو عربی کی اس مثل میں ظاہر کیا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوکار انسانوں کی عام خوبیاں مقربین بارگاہِ الٰہی کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں مگر اسلئے کہ ایک مقرب بارگاہِ الٰہی کو خدا کی مرضی کے سمجھنے میں بھی یہ لغزش کیوں پیش آئی سنۃ اللہ

Marfat.com

یہ جاری ہے کہ وہ انبیاء و مرسلین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی اس قسم کی لغزشوں پر جب انکو متنبہ کرتا ہے تو اول نہایت سخت مجرمانہ عمل کی حیثیت میں اُس لغزش کا ذکر کرتا ہے مگر پھر کسی دوسرے مقام پر اُس معاملہ کی اصل حقیقت کو ظاہر کر کے "نبی و رسول" کے عمل کو لغزش ہی کی حد میں لے آتا، اور اُن کی جانب سے خود ہی معذرت کر دیتا ہے تا کہ کسی ملحد اور زندیق کو کسی بھی نبی و رسول کی جانب گناہ کے الزام لگانے کی بیجا جراٴت نہ ہوسکے۔

اسی مجموعۂ حقیقت کا نام "عصمت انبیاء" ہے اور یہی اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ مسئلہ اگرچہ بحث و کاوش کے اعتبار سے بہت اہم اور معرکۃ الآرا مسئلہ ہے مگر دلائل و براہین اور بحث و نظر کے بعد مسئلہ کی حقیقت اور اس کا خلاصہ یہی ہے جو یہاں سپرد قلم کیا گیا اور اس مقام پر اسی قدر کافی و شافی ہے۔

حضرت آدمؑ کی عصمت

اس حقیقت کے واضح ہو جانیکے بعد اب حضرت آدمؑ کے واقعہ پر نظر ڈالیئے تو آپ یہ پائیں گے کہ جب اس واقعہ کو سورۂ "بقرہ" میں بیان کیا گیا تو یہ واضح کر دیا گیا کہ حضرت آدمؑ کی یہ غلطی نہ گناہ تھی اور نہ نافرمانی بلکہ معمولی قسم کی لغزش تھی۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ	شیطان نے اُن دونوں سے لغزش کرا دی۔

اور اس کے بعد سورۂ "اعراف" اور "طٰہٰ" میں دو جگہ اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے "وسوسہ" سے تعبیر کیا۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ	شیطان نے اُن کو پھسلا دیا۔

اور طٰہٰ میں تیسری جگہ اس لغزش اور وسوسہ کا خود ہی سبب بیان کر کے حضرت آدمؑ کو ہر قسم کے ارادی اور عملی گناہ سے پاک ظاہر کیا اور اُنکی عصمت کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى	اور بلاشبہ ہم نے آدم سے ایک اقرار لیا تھا پس وہ اسکو
اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ	بھول گیا اور ہم نے اس کو پختہ ارادہ کا نہیں پایا (یا ہم نے اسکو
وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا	اقرار کے پورا کرنے میں اس کے ارادہ اور قصد کا دخل نہیں پایا)

Marfat.com

یہ آیات صاف طور پر واضح کرتی ہیں کہ حضرت آدمؑ نے کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کیا اور جس حد تک معاملہ پیش آیا اس میں اُنکے قصد وارادہ سے خلاف ورزی کا مطلق کوئی دخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک وسوسہ تھا جو لغزش کی شکل میں اُن سے صادر ہو گیا اور وہ بھی نسیان اور بھول چوک کے ساتھ۔

ان تمام تصریحات کے بعد اب سورۂ طٰہٰ کی مسطورۂ ذیل آیت کا مقصد خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ — اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کا حکم پورا نہ کیا اور وہ بہک گیا۔

ہم نے اس جگہ عصیان اور غوایت کے وہ معنی نہیں لئے جو عام بول چال میں بولے جاتے ہیں یعنی "گناہ" اور "گمراہی" اور ایسا تاویل بعید یا دور از کار توجیہ کیلئے نہیں کیا گیا بلکہ لغت اور علم معانی کے عام اصول کے زیر نظر ہی کیا گیا ہے اس لئے کہ لغتِ عربی کی مشہور کتاب "لسان العرب" اور "قرب الموارد" وغیرہ میں ہے "المعصیۃ، مصدر، وقد تطلق علی الزلۃ مجازاً" (معصیۃ مصدر ہے) اور کبھی مجاز کے طور پر لغزش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) اسی طرح غویٰ کے معنی یہاں ضلّ یا خاب کے ہیں پس اگر یہاں ضلّ مراد ہیں تو اس کا اردو ترجمہ "بہک گیا" کیا جائیگا اور خاب مراد ہے ہیں تو "نقصان میں پڑ گیا" فصیح ترجمہ ہے۔

بہر حال واقعہ سے متعلق ان تمام آیات کو اور ان آیات کو جو حضرت آدمؑ کی جلالت قدر صفوت و برگزیدگی اور خلعت خلافت سے سرفرازی کو ظاہر کرتی ہیں۔ جدا جدا کر کے نہ دیکھا جائے "جیسا کہ معترضین کا عام قاعدہ ہے اور جو اکثر قرآن فہمی میں گمراہی کا سبب بنتا ہے" اور سب کو یکجا جمع کر کے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت آدمؑ کی عصمت کا مسئلہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور اس میں قطعی کسی شائبہ ریب و شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اور بالفرض اگر عصیٰ اور غویٰ کو عام استعمالی معنیٰ میں لیا جائے تب بھی وہ اصول پیشِ نظر

Marfat.com

رکھنا ضروری ہے جو مسئلہ "عصمت" کی حقیقت کے سلسلہ میں ابھی بیان ہو چکا ہے کہ جب نصِ قرآن حضرت آدمؑ کی نبوت، صفوت اور خلافت جیسے عظیم الشان مراتب کا اظہار کرتی جاتی ہیں تو اس آیت میں ان کی اس لغزش کو ان سخت الفاظ کے ساتھ اسلئے یاد کیا گیا کہ آدمؑ جیسے مقرب بارگاہِ الٰہی کے لئے کہ جس کو خود اللہ تعالیٰ کی براہِ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہے یہ لغزش اور نسیان بھی اس کے مرتبہ سے نازل اور غیر موزوں ہے لہذا زیادہ سے زیادہ قابلِ گرفت ہے اگرچہ ابرار و نیکوکار انسانوں کے حق میں اس قسم کی غلطی ایک معمولی بات ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) حضرت آدمؑ دنیاءِ انسانی میں پہلے انسان اور کائناتِ بشری کے پہلے ابوالبشر ہیں یا اس سے بھی پہلے اس قسم کی دنیاءِ انسانی کا وجود اس کائنات میں رہا ہے اور اسکے لئے بھی اسی طرح ایک آدم ابوالبشر کی ہستی رہی ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق اگرچہ بعض علماء طبقات الارض نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ انسانی دنیا سے قبل بھی ربع مسکون پر عالمِ انسانی کا وجود رہا ہے اور آج سے تیس ہزار سال قبل کی اس جنس بشری کا نام "نیاندرتال" تھا اور اس کا موجودہ نسلِ انسانی سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ مستقل نسل تھی جو ہلاک ہو گئی اور اسکے بعد موجودہ نسلِ انسانی نے جنم لیا مگر ان کی یہ تحقیق تخمینی اور قیاسی ہے جو انسانی ڈھانچوں اور انکی ہڈیوں کی تحقیق (ریسرچ) پر مبنی ہے اور کسی یقین اور علمِ حقیقی پر مبنی نہیں ہے اور قرآن عزیز نے ہم کو اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ نہ کسی موقع پر اس کے بارہ میں کوئی اشارہ کیا اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح موجود ہے لہذا ہمارے یقین اور اعتقاد کیلئے اسی قدر کافی ہے جو ہم کو قرآن کے یقینی علم اور وحیِ الٰہی کی صاف اور صریح اطلاع سے حاصل ہوا ہے۔

دراصل اس قسم کے مباحث علمیہ کیلئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو مسائل علم یقین اور مشاہدہ کی حد تک پہنچ چکے ہیں اور قرآنی علوم اور وحیِ الٰہی ان حقائق کا

Marfat.com

اس طرح انکار نہیں کرتے جس طرح آج وہ مشاہدہ اور بداہت کے درجہ میں نظر آتے ہیں اُن کو بلاشبہ تسلیم کیا جائے اور اُن کا انکار بیجا تعصب اور تنگ نظری کے سوا کچھ نہیں۔ اور جو مسائل ابھی تک یقین اور جزم کی اُس حدتک نہیں پہنچے جسکو مشاہدہ اور بداہت کہا جاسکے مثلاً مسئلہ" زیربحث" تو ان کے متعلق قرآن عزیز کے مطالب میں تاویلات نہیں کرنی چاہئیں اور خواہ مخواہ اُن کو جدید تحقیقات کے سانچہ میں ڈھالنے کی سعی ہرگز جائز نہیں بلکہ وقت کا انتظار کرنا چاہیے کہ وہ مسائل اپنی حقیقت کو اس طرح آشکارا کر دیں کہ ان کے انکار سے مشاہدہ اور بداہت کا انکار لازم آجائے اس لئے کہ یہ حقیقت ہی کہ مباحث علمیہ کو توبارہا اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا ہے۔ مگر علوم قرآنی کو کبھی ایک مرتبہ بھی اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور جب کبھی مسائل علمیہ بحث ونظر کے بعد یقینیات اور مشاہدات کی حدتک پہنچے ہیں وہ ایک نقطہ بھی اُس سے آگے نہیں گئے جس کو قرآن نے پہلے سے واضح کر دیا ہے

البتہ اگر کسی مفسر نے ایک آیت کی ایسی تفسیر کر دی ہے جو اس مسئلہ کی اصل حقیقت کیخلاف پڑتی ہے تو بلاشبہ اُس کے بیان کردہ معانی کو نظرانداز کر دینا اور آیت قرآن کو اصل حقیقت کے مطابق ظاہر کرنا قرآن عزیز کا اپنا مطالبہ ہی جو تعقل، تفکر اور تدبر کی بار بار دعوت سے ظاہر ہوتا ہے۔ افلا تعقلون، افلا یتدبرون، افلا یتفکرون۔

لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ یہ بحث صرف ان ہی مسائل سے متعلق ہی جو تاریخی، جغرافی، اور طبعی حقائق سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآن عزیز نے اس حدتک انکی طرف توجہ کی ہی جس سے اُس کے مقصد ارشاد وہدایت کو مدد مل سکے۔ باقی وہ تمام مسائل جنکا تعلق ایک مسلمان کے "مسلم" ہونے اور عقائد واعمال کے اعتبار سے اُس کے "مؤمن" کہلانے سے ہی سو انکو قرآن عزیز نے جس یقین اور علم حقیقی (وحی الٰہی) کے ذریعہ بیان کر دیا ہی ان میں مطلق کسی قسم تغیر وتبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی تحقیق اور ریسرچ کے محتاج، مثلاً خدا کی ہستی، آخرت کے وجود، ملائکۃ اللہ، تقدیر، اور انبیاء ورسل سے متعلق ایمانی اعتقادیا نماز وروزہ کی اصل حقیقت، حج

Marfat.com

وزکوٰۃ کے معنی و مفہوم وغیرہ یہ تمام مسائل ایک مسلمان کیلئے مطلق کسی جدید تحقیق کے محتاج نہیں ہیں بلکہ انکے حقائق کے متعلق نصوص نے ہم کو دوسروں سے قطعی بے نیاز کر دیا ہے اور اس کا دیا ہوا علم علم یقین (وحی الٰہی) پر مبنی ہے جو اپنی ابدیت کیساتھ اٹل اور غیر متبدل ہے۔

(۸) توراۃ و انجیل (بائبل) میں اس قصہ سے متعلق جو واقعات مذکور ہیں مثلاً سانپ اور طاؤس کا قصہ یا اسی قسم کی اور باتیں جو قرآن عزیز اور صحیح روایات حدیثی میں نہیں پائی جاتیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

یہ سب اسرائیلیات کہلاتی ہیں اور بے اصل ہیں، ان کی پشت پر نہ علم یقین اور علم صحیح (وحی الٰہی) کی سند ہے اور نہ عقل و تاریخ کی شہادت، اسلئے من گھڑت اور بے سر و پا باتیں ہیں بعض مفسرین بھی ایسی روایات کے نقل میں سہل انکاری برتتے ہیں۔ جس سے بہت بڑا نقصان یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام نہیں بلکہ خواص بھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان روایات کو اسلامی روایات میں دخل ہے اور یہ بھی صحیح روایات کی طرح صحیح اور قابل قبول ہیں اسلئے از بس ضروری ہے کہ تردید کے ارادہ سے علاوہ تفسیر قرآن میں ہرگز ان کو جگہ نہ دی جائے اور نہ صرف کتب تفسیر و حدیث بلکہ کتب سیرت کو بھی ان سے پاک رکھا جائے۔

(۹) حضرت آدمؑ کے واقعہ میں "ملک" (فرشتہ) اور "جن" کا بھی ذکر آیا ہے۔ یہ دونوں خدائے تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہیں یا صرف دو قوتوں کا نام ہے جو قوت ملکوتی اور قوت شیطانی سے موسوم ہیں؟

فرشتہ | قرآن عزیز اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہم کو بتایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "فرشتہ" کی نہ حقیقت تخلیقی سے واقف کئے گئے ہیں اور نہ وہ ہم کو نظر آتے ہیں۔ البتہ ہمارے لئے یقین و اعتقاد ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ہم انکے وجود کو تسلیم کریں اور انکو مستقل مخلوق یقین کریں، اسلئے کہ قرآن عزیز اور احادیث صحیح نے ان میں سے بعض کے ناموں کی تصریح کی ہے اور جنس ملائکہ کی جن صفات کا تذکرہ فرمایا ہے وہ ان کے ایک مستقل مخلوق ہونے

Marfat.com

کی صراحت کرتی ہیں، ذیل کی آیات ان ہی حقائق کو واضح کرتی ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ	تو کہدے جو کوئی دشمن ہو جبریل کا سو اس نے تو اُتارا ہے
نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (بقرہ)	یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ	جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے
رُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ	پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے
عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ۔	اُن کافروں کا۔
يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ	وہ اُتارتا ہے فرشتوں کو بھید دیکر اپنے حکم سے جس پر
عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (النحل)	چاہے اپنے بندوں میں سے
الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین جس
جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ	نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانیوالا جن کے پر ہیں دو دو اور
مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ	تین تین اور چار چار۔ بڑھا دیتا ہے وہ پیدائش میں جو
مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (فاطر)	چاہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔
تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (معارج)	پیش ہوں گے فرشتے اور روحیں اس کے آگے۔
وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ	اور فرشتے ہوں گے (قیامت کے دن) اس (آسمان) کے
رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ (الحاقہ)	کناروں پر اور اٹھائینگے عرش تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ (فرشتے)
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ	اور جب کہا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے میں بنانے والا ہوں
فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ	زمین میں خلیفہ تو انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا
فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا (بقرہ)	جو اس زمین میں فساد پھیلائے گا۔

ان آیات کو غور سے پڑھنے کے بعد خود انصاف کیجئے کہ جن ملحدوں نے فرشتوں کے مستقل مخلوق ہونے سے انکار کیا ہے اُنکی باطل تاویلات اور قرآن عزیز میں معنوی تحریفات کس حد تک قابلِ قبول بلکہ قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

قرآنِ عزیز میں مَلک اور ملائکہ کا ذکر ۸۶ آیات میں ۸۸ مرتبہ آیا ہے، جو ذیل کی جدول سے ظاہر ہے:

نمبر سورۃ	سورۃ	تعداد آیات	نمبر سورۃ	سورۃ	تعداد آیات
۲	البقرۃ	۳۰، ۳۱، ۳۴-۹۸-۱۰۲، ۱۶۱ ۱۷۷، ۲۱۰، ۲۴۸-۲۸۵	۳۲	السجدۃ	۱۱
۳	اٰل عمران	۱۸-۳۹-۴۲-۴۵-۸، ۸۷ ۱۲۴-۱۲۵	۳۳	الاحزاب	۴۳-۵۶
۴	النساء	۹۷-۱۳۶-۱۲۶-۱۷۲	۳۴	سباء	۴۰
۶	الانعام	۸-۹-۵۰-۹۳-۱۱۱-۱۹۸	۳۵	فاطر	۱
۷	الاعراف	۱۱-۲۰	۳۷	الصّافات	۱۳۹
۸	الانفال	۹-۱۲-۵۰	۳۸	صٓ	۷۱-۷۳
۱۱	ھود	۱۲-۳۱	۳۹	الزمر	۷۵
۱۲	یوسف	۳۱	۴۱	فصلت	۱۴
۱۳	الرعد	۱۳-۲۳	۴۲	الشوریٰ	۵
۱۵	الحجر	۷-۸-۲۸-۳۰	۴۳	الزخرف	۱۹-۵۳-۶۰
۱۶	النحل	۲-۲۸-۳۲-۳۳-۴۹	۴۷	محمدؐ	۲۷
۱۷	الاسراء	۴۰-۶۱-۹۲-۹۵	۵۳	النجم	۲۶-۲۷
۱۸	الکہف	۵۰	۶۶	التحریم	۶۴
۲۰	طٰہٰ	۱۱۶	۶۹	الحاقہ	۱۷
۲۱	الانبیاء	۱۰۳	۷۰	المعارج	۴
۲۲	الحج	۷۵	۷۴	المدثر	۳۱
۲۳	المومنون	۲۴	۷۸	النباء	۳۸
۲۵	الفرقان	۷-۲۱-۲۱-۲۵	۷۹	الفجر	۲۲
			۸۷	القدر	۴

Marfat.com

نیز احادیث صحیحہ اور قدیم آسمانی کتابوں توراۃ، زبور، انجیل وغیرہ میں بھی فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے اور ان کو مستقل مخلوق ہی بتایا گیا ہے خصوصاً بخاری اور مسلم کی روایات میں بکثرت اس کی شہادتیں موجود ہیں۔

جن اسی طرح "جن" بھی خدائے تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے جس کی حقیقت تخلیق سے ہم پوری طرح آگاہ نہیں ہیں اور نہ عام انسانی آبادی کی طرح وہ ہم کو نظر آتے ہیں لیکن قرآن عزیز نے جو تصریحات اس مخلوق کے متعلق کی ہیں وہ ہمارے لیئے ضروری قرار دیتی ہیں کہ ہم یہ اعتقاد و یقین رکھیں کہ وہ بھی انسان کی طرح مستقل مخلوق ہیں اور اسی کی طرح شریعت کے مکلف بھی، ان میں توالد و تناسل کا بھی سلسلہ ہے اور انمیں نیک و بد بھی ہیں۔

قرآن عزیز کی یہ آیات ان ہی حقائق کو واضح اور ظاہر کرتی ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات) — اور نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو مگر تاکہ وہ عبادت گذار ہوں۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (جن) — اور اے پیغمبر سب لوگوں کو جتا دو کہ میرے پاس خدا کی طرف سے اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے چند شخصوں نے مجھ قرآن پڑھتے سنا اور اپنے پیچھے اپنے لوگوں سے جا کر کہا کہ ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم تو کسی کو اپنے پروردگار کا شریک ٹھہرائینگے نہیں

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ (جن) — اور بلاشبہ کچھ ہم میں سے فرماں بردار ہیں اور کچھ بے انصاف

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف) — بیشک وہ (شیطان) اور اس کی ذریات تم کو ادھر سے دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔

وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (البقر) — اور تھا (ابلیس) جنات میں سے پس نافرمانی کی اس نے اپنے رب کی۔

Marfat.com

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی "جن" ہی کی نسل میں سے ہے اور ابلیس (شیطان) نے خدائے تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس کی تخلیق نار (آگ) سے ہوئی ہے۔

مسطورۂ بالا آیات کے علاوہ لفظ جن، جان اور جنّہ بتیس مرتبہ قرآن حکیم کی اکتیس آیات میں مذکور ہوئے ہیں، جو ذیل کی جدول سے ظاہر ہیں۔

نمبر سورہ	سورۃ	نمبر آیات	نمبر سورت	سورت	نمبر آیات
۶	الانعام	۱۰۰-۱۱۲-۱۲۸-۱۳۰	۳۴	السباء	۱۲-۱۴-۴۱
۷	الاعراف	۳۸، ۱۷۹	۳۷	الصّافات	۱۵۸
۱۱	ہود	۱۱۹	۴۱	فصلت	۲۵-۲۶
۱۵	الحجر	۲۷	۴۶	الاحقاف	۱۸-۲۹
۱۷	الاسراء	۸۸	۵۱	الذاریات	۵۶
۱۸	الکہف	۵۰	۵۵	الرحمٰن	۱۵-۲۳-۳۹،۵۶-۷۴
۲۷	النمل	۱۷-۳۹	۷۲	الجن	۱-۵-۶
۳۲	السجدہ	۱۳	۱۱۴	النّاس	۶

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن عزیز اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ "ملائکہ" اور "جن" اگرچہ ہماری اِن نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، لیکن بلاشبہ وہ مستقل مخلوق ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ مشاہدہ میں تو غلطی کا امکان بھی ہے اور بارہا ہوتا رہتا ہے لیکن "وحی الٰہی" اور "نبی معصوم" کی اطلاع میں غلطی کی مطلق گنجائش نہیں لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ وہ خدا کی مستقل مخلوق ہیں۔ اس کے علاوہ عقلی اعتبار سے بھی ان کا مستقل مخلوق ہونا ناممکن نہیں ہے بلکہ امکان عقلی کے دائرہ میں ہے۔

پس جو چیز عقل کے نزدیک ناممکن نہ ہو اور نقل یعنی "وحی الٰہی" اس کا یقین دلاتی ہو تو اس کا انکار "علم" اور "حقیقت" کا انکار ہے۔ اور تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کی زندہ مثال۔

Marfat.com

رہا یہ امر کہ وہ ہمارے مشاہدات و محسوسات سے باہر ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے تو یہ بھی انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی اس لئے کہ آج کی دوربینوں اور سائنس کے آلات سے پہلے ہزاروں برس تک ہم کو وہ بہت سی اشیاء نہ محسوس ہوتی تھی اور نہ آنکھیں اُن کو دیکھ سکتی تھیں جن کا وجود اُس وقت بھی موجود تھا مگر آج وہ نظر بھی آتی ہیں اور محسوس بھی ہوتی ہیں تو کیا ہزاروں سال پہلے جن لوگوں نے اُنکے وجود کا انکار کیا وہ حقیقی علم پر مبنی تھا یا کوتاہی علم اور ذرائع معلومات و تحقیقات سے ناواقفیت کا نتیجہ اسی طرح ہم آج بھی بجلی، مقناطیس اور روشنی کی صحیح حقیقت سے نا آشنا ہیں اور اُن کو صرف اُنکے آثار و علامات ہی سے پہچانتے ہیں۔

اسی طرح مادیین اور ملاحدہ کا انکار کسی علم اور یقین پر مبنی نہیں ہے بلکہ محسوسات و مشاہدات میں نہ آنیکی بنا پر "عدم علم" کی وجہ سے ہے جو کسی طرح عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتا۔ نیز علم دو ہی طرح حاصل ہو سکتا ہے، ایک علوم و فنون کے ذریعہ جو کسب و اکتساب کا محتاج ہے اور دوسرے موہبت اور عطیہ الٰہی کی راہ سے اور اس کا سب سے بلند درجہ وحی الٰہی ہے۔ پس اگر کوئی شئے علوم و فنون کی راہ سے ہم نہ معلوم کر سکیں مگر عقل اُس کے وجود کو نا ممکن نہ سمجھتی ہو اور "وحی الٰہی" اسکے وجود کا اعلان کرتی ہے تو ہر ذی ہوش اور ذی عقل کا فرض ہے کہ وہ علم و فنون کی درماندگی کے اعتراف کیساتھ اسکو تسلیم کرے۔ البتہ اگر اُس کو اس اطلاع کے وحی الٰہی ہونے ہی میں انکار ہو یا وہ سرتاسر وحی الٰہی کا ہی منکر ہو تو اب اُس کے لئے اس اطلاع پر ایمان لانے سے قبل ان دلائل کا مطالعہ ضروری ہے جو اس سلسلہ میں قرآنِ عزیز نے بیان کئے ہیں، اور جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ بلاشبہ "کلام اللہ" اور "وحی الٰہی" ہے۔

قصۂ آدم میں چند اہم عبرتیں

یوں تو حضرت آدم کے واقعہ میں بیشمار نصائح، عبرتیں اور مسائل کا ذخیرہ موجود ہے اور اُن کا احاطہ اس مقام پر نا ممکن ہے تاہم چند اہم عبرتوں کی جانب اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے بھید بے شمار اور اَن گنت ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی ہستی

Marfat.com

بھی خواہ وہ کتنی ہی مقربین بارگاہِ الٰہی میں سے کیوں نہ ہو، ان تمام بھیدوں پر واقف ہو جائے اسی لئے ملائکۃ اللہ انتہائی مقرب ہونے کے باوجود خلافت آدم کی حکمت سے آشنا نہ ہو سکے اور جب تک معاملہ کی پوری حقیقت سامنے نہ آگئی وہ حیرت ہی میں غرق رہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی عنایت و توجہ اگر کسی حقیر شے کی جانب بھی ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑی مرتبہ اور جلیل القدر منصب پر فائز ہو سکتی اور خلعتِ شرف و مجد سے نوازی جا سکتی ہے۔ ایک مشتِ خاک کو دیکھئے اور پھر "خلیفۃ اللہ" کے منصب پر نظر ڈالئے اور پھر اس کے منصب نبوت و رسالت کو ملاحظہ فرمائیے، مگر اس کی توجہ کا فیضان بخت و اتفاق سے یا خالی از حکمت نہیں ہوتا بلکہ اُس شے کی استعداد کے مناسب بے نظیر حکمتوں اور مصلحتوں کے نظام سے منظم ہوتا ہے۔

۳۔ انسان کو اگرچہ ہمہ قسم کا شرف عطا ہوا اور ہر طرح کی جلالت و بزرگی نصیب ہوئی تاہم اس کی خلقی اور طبعی کمزوری اپنی جگہ اسی طرح قائم رہی اور بشریت و انسانیت کا وہ نقص پھر بھی باقی رہا یہی وہ چیز تھی جس نے حضرت آدم پر باوجود جلالتِ قدر و منصبِ عظیم نسیان طاری کر دیا اور وہ ابلیس کے وسوسہ سے متاثر ہو گئے۔

۴۔ خطاکار ہونے کے باوجود اگر انسان کا دل ندامت و توبہ کی طرف مائل ہو تو اُس کے لئے بابِ رحمت بند نہیں ہے اور اُس درگاہ تک رسائی میں نا امیدی کی تاریک گھاٹی نہیں پڑتی، البتہ خلوص اور صداقت شرط ہے اور جس طرح حضرت آدم (علیہ السلام) کے نسیان و لغزش کا عفو اسی دامن سے وابستہ ہے۔ اسی طرح ان کی تمام نسل کیلئے بھی عفو و رحمت کا دامن وسیع ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ	کہدے اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے نفسوں کے بارہ میں حد سے گذر گئے ہو (گناہ کر کے نفسوں پر ظلم کیا ہے) تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہوں کو بخش دینے والا

Marfat.com

الرَّحِیۡمُ (الزمر) رحم کرنے والا ہے۔

(۵) بارگاہِ الٰہی میں گستاخی یا بغاوت بڑی سے بڑی نیکی اور بھلائی کو بھی تباہ کردیتی اور ابدی ذلت وخسران کا باعث بنجاتی ہے۔ ابلیس کا واقعہ عبرتناک واقعہ ہے اور اسکی ہزاروں سال کی عبادت گذاری کا جوحشر بارگاہِ الٰہی میں گستاخی اور بغاوت کی وجہ سے ہوا وہ بلاشبہ سرمایۂ صدہزار عبرت ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار — پس عبرت حاصل کرلے چشم عبرت رکھنے والے

قابیل وہابیل

ان دونوں کا واقعہ بھی چونکہ حضرت آدم (علیہ السلام) کے واقعہ کا ایک حصہ ہے، اس لئے یہاں قابل ذکر ہے۔

قرآنِ عزیز نے حضرت آدمؑ کے ان دونوں صاحبزادوں کا نام ذکر نہیں کیا صرف "ابنی ادمؑ" کہہ کر مجمل چھوڑ دیا ہے۔ البتہ توراۃ میں ان کے یہی نام بیان کئے گئے ہیں جو عنوان میں درج ہیں، انکے واقعہ کے متعلق حافظ حدیث عماد الدین بن کثیر نے اپنی تاریخ میں سدی سے سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) اور بعض دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے منقول ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

دنیائے انسانی میں اضافہ کے لئے حضرتِ آدمؑ کا یہ دستور تھا کہ حوا سے توام (جوڑے) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ سے پیدا ہونیوالے توام بچوں کے ساتھ کردیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا معاملہ پیش تھا قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی ہمشیر ہابیل کی ہمشیر سے زیادہ حسین وخوبرو تھی، اسلئے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق ہابیل کی ہمشیر سے اسکی شادی ہو اور ہابیل اسکی ہمشیر سے۔ معاملہ کو ختم کرنے کے لئے حضرتِ آدمؑ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی

۱؎ آدم کے دو بیٹے

Marfat.com

حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں جس کی قربانی منظور ہو جائے وہی اپنے ارادہ کے پورا کر لینے کا مستحق ہے۔

جیسا کہ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں قربانی (نذر) کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر و قربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اس قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دُنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلہ میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لیے پیش کیا۔ دونوں کی حسن نیت اور نیت بد کا اندازہ اسی عمل سے ہو گیا۔ لہذا حسب دستور آگ نے آکر ہابیل کی نذر کو جلا دیا اور اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصہ میں آیا۔

قابیل اپنی اس توہین کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا، اور اس نے غیظ و غضب میں آکر ہابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا تاکہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ہابیل نے جواب دیا۔ میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا، باقی تیری جو مرضی آئے وہ کر رہا قربانی کا معاملہ سو خدا کے یہاں تو نیک نیت ہی کی نذر قبول ہو سکتی ہے وہاں بد نیت کی نہ دھمکی کام آسکتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم و غصہ۔ قابیل پر اس نصیحت کا الٹا اثر پڑا اور اس نے غصہ سے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔[1]

مگر قرآن عزیز میں شادی کا قصہ مذکور نہیں ہے، صرف قربانی (نذر) کا ذکر ہے، اور اس روایت سے زائد ہابیل کی نعش کے دفن کے متعلق یہ اضافہ ہے۔

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس نعش کا کیا کرے ابھی تک نسل آدمؑ موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور اسی لئے حضرت آدمؑ نے مرنے کے بارہ میں کوئی حکم الٰہی نہیں سنایا تھا۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ ایک کوّے نے زمین کرید کر گڑھا کھودا، قابیل کو تنبیہ ہوا کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لیے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہیئے اور بعض روایات میں ہے کہ کوّے نے دوسرے مُردے کوّے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۹۳۔

Marfat.com

قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی پر بیحد افسوس کیا اور کہنے لگا کہ میں اس حیوان سے بھی گیا گذرا ہوں کہ اپنے اس جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا، ندامت سے سر جھکا لیا اور پھر اسی طرح اپنے بھائی کی نعش کو سپرد خاک کر دیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْأَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝ مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا

اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا جب نذر کی دونوں نے کچھ نذر اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی، کہا: میں تجھ کو مار ڈالوں گا، وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے پرہیزگاروں سے، اگر تو ہاتھ چلاوے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو، میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا، میں چاہتا ہوں کہ (اس اقدام پر) تو میرا گناہ بھی حاصل کر لے، اور اپنا گناہ بھی، پھر ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے اور یہی سزا ہے ظالموں کی، پس اسکو راضی کیا اسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے، پھر اسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانیوالوں میں، پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تاکہ اسکو دکھلاوے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی، بولا ہائے افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے جیسا ہی ہوتا کہ چھپا لیتا لاش اپنے بھائی کی، پھر لگا پچھتانے۔

اسی سبب سے لکھا ہم نے، بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا ان سب

Marfat.com

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَّمَنْ اَحْيَاهَا	لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ
فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (مائدہ)	کر دیا سب لوگوں کو۔

امام احمد نے اپنی مُسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی
لاتقتل نفس ظلما الا کان علی ابن	کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اُس کا گناہ حضرت آدمؑ کے
آدم الاول کفل من دمھا لانہ کان	پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے اسلئے کہ وہ پہلا
اوّل من سن القتل (مسند احمد)	شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتدا کی اور یہ ناپاک سنت جاری کی

دمشق کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے جو مقتل ہابیل کے نام سے مشہور ہے اور اس کے متعلق ابن عساکر نے احمد بن کثیر کے تذکرہ میں ان کا ایک خواب نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے ساتھ ہابیل بھی تھے۔ ہابیل نے بقسم کہا کہ میرا مقتل یہی ہے اور آپ نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی۔ بہرحال یہ خواب ہی کی باتیں ہیں اور خواب کے سچے ہونے کے باوجود بھی اُس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

مقامِ عبرت سورۂ مائدہ کی بیان کردہ آخری آیت اور مسطورۂ بالا احادیث ہم پر یہ حقیقت آشکارا کرتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرنی چاہیئے تاکہ وہ کل کو بدکاروں اور ظالموں کیلئے ایک نئے حربہ کا کام نہ دے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو شخص بھی آئندہ اس "بدعت" کا اقدام کریگا تو بانی بدعت بھی برابر اس گناہ کا حصہ دار بنتا رہے گا اور موجد ہونے کی وجہ سے ابدی ذلت و خسران کا مستحق ٹھہریگا، گناہ بہرحال گناہ ہے لیکن گناہ کی ایجاد موجد کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کا وبال سر سے باندھ دیتی ہے۔

۲۔ ہابیل خدائے تعالیٰ کا مقبول بندہ تھا اور قابیل بارگاہِ الٰہی کا راندہ ہوا، اسلئے ضرورت تھی کہ ہابیل کے پاک جسم کی توہین نہ ہو، اور نسلِ آدم کی کرامت و بزرگی قائم رکھنے

Marfat.com

کے لئے بعد مردن "تدفین" کی سنت قائم ہو جائے اور تقاضائے انصاف تھا کہ قابیل کی اس کمینہ حرکت پر اس کو دنیا میں بھی ذلیل کیا جائے، اور اس قابل بنا دیا جائے کہ خود اس کو اپنی بے مائگی عقل و دانش اور کمینگی کا احساس ہو جائے اس لئے نہ اسکو الہام بخشا گیا اور نہ اس کمینہ حرکت کو چھپانے کے لیے عقل کی روشنی عطا کی گئی بلکہ ایک ایسے حیوان کو اُس کا رہنما بنایا گیا جو عیاری و مکاری میں طاق اور دنائت طبع میں ضرب المثل ہے، اور آخر کار قابیل کو یہ کہتے ہی بنا۔

یا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ ۔	ہائے افسوس! کیا میں ایسا گیا گذرا ہو گیا کہ اس کوے جیسا بھی نہ بن سکا ۔

نوٹ :۔ ارباب سیر و تاریخ کی عام روش یہ ہے کہ حضرت آدم کے بعد حضرت ادریس کا ذکر کرتے ہیں، اور حضرت نوح کا اس کے بعد۔ مگر ہم نے ان اختلافات کے پیش نظر جو حضرت ادریس ؑ سے متعلق عنقریب ذکر ہونیوالے ہیں عام روش کے خلاف اُن کا تذکرہ حضرت نوح ؑ کے تذکرہ کے بعد کیا ہے، تاہم جن ارباب ذوق کو یہ گراں گذرے وہ حضرت آدم ؑ کے تذکرہ کے بعد حضرت ادریس ؑ کے تذکرہ کا مطالعہ کریں اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا۔

Marfat.com

حضرتِ نوح (علیہ السّلام)

حضرت نوح پہلے رسول ہیں، نسب نامہ، قرآن عزیز میں حضرت نوح کا تذکرہ
قوم نوح، دعوت وتبلیغ اور قوم کی نافرمانی۔ بنائے سفینہ، پسر نوح، کوہ جودی
طوفانِ نوح عام تھا یا خاص، پسر نوح کی نسبی بحث، ایک اخلاقی مسئلہ، چند علمی مسائل

حضرت نوح (علیہ السلام) پہلے رسول ہیں

حضرت آدم (علیہ السلام) کے بعد یہ پہلے نبی ہیں جن کو "رسالت" سے نوازا گیا۔ صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت ہے، اس میں یہ تصریح ہے۔

یا نوح انت اول الرسل الی الارض   اے نوح تو زمین پر سب سے پہلا رسول بنایا گیا۔

نسب نامہ علم الانساب کے ماہرین نے حضرت نوح کا نسب نامہ اسطرح بیان کیا ہے۔

نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ یا خنوخ بن یارد بن مہلئیل بن قینان ابن انوش بن شیث (علیہ السلام) بن آدم (علیہ السلام)

اگرچہ مورخین اور تورات (سفر تکوین) نے اسی کو صحیح مانا ہے لیکن ہم کو اس کی صحت میں شک اور تردد ہے۔ بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان ان بیان کردہ سلسلوں سے زیادہ سلسلے ہیں تورات میں خلق آدم (علیہ السلام) اور ولادتِ حضرت نوح (علیہ السلام)، نیز وفات آدمؑ اور ولادت نوح کی درمیانی مدت کا جو تذکرہ ہے ہم اسکو بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ تورات کے عبرانی، سامی اور یونانی زبان کے نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور اس مبحث پر علامہ شیخ رحمۃ اللہ ہندی (کیرانہ ضلع مظفر نگر) کی مشہور کتاب "اظہار حق" قابل مطالعہ ہے۔ بہرحال تورات سے منقول نقشہ حسب ذیل ہے۔

[1] جس انسان پر خدا کی "وحی" نازل ہوتی ہے وہ "نبی" ہے اور جسکو جدید شریعت بھی عطا کی گئی ہو وہ "رسول" ہے۔

Marfat.com

سال	عمر بوقت پیدائش ابن	سال	عمر بوقت پیدائش ابن
۱۳۰	عمر آدم بوقت ولادت شیث	۶۵	عمر اخنوخ بوقت پیدائش متوشالح
۱۵۰	″ شیث ″ انوش	۱۸۷	″ متوشالح ″ لامک
۹۰	″ انوش ″ قینان	۱۸۲	″ لامک ″ نوحؑ
۷۰	″ قینان ″ مہلئیل	۱۰۵۶	مدت درمیان خلق آدم و ولادت نوح
۶۵	″ مہلئیل ″ یارد	۹۳۰	مجموعی عمر آدم علیہ السلام
۱۶۲	″ یارد ″ اخنوخ	۱۰۲۶	مابین وفات آدم و ولادت نوحؑ

قرآنِ عزیز میں حضرت نوحؑ کا تذکرہ

قرآنِ عزیز کے معجز نما نظمِ کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد "وعظ و تذکیر" کے پیشِ نظر واقعہ کی اُسی قدر جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں اور اجمال و تفصیل و تکرار و عدمِ تکرار واقعہ میں بھی صرف ایک ہی مقصد اسکے سامنے ہوتا ہے اور وہ یہی موعظت و عبرت کا مقصد ہے چنانچہ اسی اسلوبِ بیان کے مطابق قرآنِ عزیز میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی و تفصیلی ذکر تینتالیس ۴۳ جگہ کیا گیا ہے جس کا ثبوت مسطورۂ ذیل جدول سے ہوتا ہے۔

سورت	آیت	سورت	آیت	سورۃ	آیت
آل عمران	۳۳	یونس	۷۱	مریم	۵۸
النساء	۱۶۳	ہود	۲۵-۳۲-۳۶-۴۲	الانبیاء	۷۶
انعام	۸۴	ہود	۴۵-۴۶-۴۸-۸۹	الحج	۴۲
اعراف	۵۹-۶۹	ابراہیم	۹	المومنون	۲۳
التوبہ	۷۰	الاسراء	۳-۱۷	الفرقان	۳۷

Marfat.com

سورت	آیت	سورت	آیت	سورت	آیت
الشعراء	۱۰۵-۱۰۶-۱۱۶	غافر	۵-۳۱	القمر	۹
العنکبوت	۱۴	الشوریٰ	۱۳	الحدید	۲۶
الاحزاب	۷	قٓ	۱۲	التحریم	۱۰
الصّافات	۷۵-۷۹	الذاریات	۴۶	نوح	۱-۲۱-۲۶
ص	۱۲	النجم	۵۲		

لیکن اس واقعہ کی اہم تفصیلات صرف سورۂ اعراف، ہود، مومن، مومنون، شعراء، قمر اور سورۂ نوح ہی میں بیان ہوئی ہیں، اُن سے حضرت نوحؑ اور اُن کی قوم کے متعلق جس قسم کی تاریخ بنتی ہے وہی ہمارا موضوعِ بیان ہے۔

قومِ نوح

حضرت نوحؑ کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر ناآشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار تھا۔

دعوت و تبلیغ اور قوم کی نافرمانی

آخر سنت اللہ کے مطابق اُن کے رشد و ہدایت کے لئے بھی اُن ہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول حضرت نوح (علیہ السلام) کو مبعوث کیا گیا۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو راہِ حق کی طرف پکارا اور سچے مذہب کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت و حقارت کیساتھ انکار پر اصرار کیا، امراء و رؤساءِ قوم نے انکی تکذیب و تحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا اور اُن کے پیروؤں نے اُن ہی کی تقلید و پیروی کے ثبوت میں ہر قسم کی تذلیل و توہین کے طریقوں کو حضرت نوح پر آزمایا، اُنھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جس کو نہ ہم پر دولت و ثروت میں برتری حاصل ہے اور نہ وہ انسانیت کے رتبہ سے بلند "فرشتہ ہیکل" ہے، اُس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے اور ہم اُس کے احکام کی تعمیل کریں؟

Marfat.com

وہ غریب اور کمزور افرادِ قوم کو جب حضرت نوح علیہ السلام کا تابع اور پیرو دیکھتے تو مغرورانہ انداز میں حقارت سے کہتے "ہم ان کی طرح نہیں ہیں کہ تیرے تابع فرمان بن جائیں اور تجھ کو اپنا مقتدا مان لیں" وہ سمجھتے تھے کہ یہ کمزور اور پست لوگ نوحؑ کے اندھے مقلد ہیں، نہ یہ ذی رائے ہیں کہ ہماری طرح اپنی جانچی پرکھی رائے سے کام لیتے، اور نہ ذی شعور ہیں کہ حقیقتِ حال کو سمجھ لیتے، اور اگر وہ حضرت نوحؑ کی بات کی طرف کبھی توجہ بھی دیتے تو ان سے اصرار کرتے کہ پہلے ان لپت اور غریب افرادِ قوم کو اپنے پاس سے نکال دے تب ہم تیری بات سنیں گے کیونکہ ہم کو ان سے گھن آتی ہے اور ہم اور یہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔

حضرت نوحؑ اس کا ایک ہی جواب دیتے کہ ایسا کبھی نہ ہو گا کیونکہ یہ خدا کے مخلص بندے ہیں۔ اگر میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہشمند ہو تو خدا کے عذاب سے میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے میں اس کے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں، اس کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، امیر غریب کا وہاں کوئی سوال نہیں ہے، نیز ارشاد فرماتے کہ میں تمہارے پاس خدا کی ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں، نہ میں نے غیب دانی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ فرشتہ ہونے کا۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر اور رسول ہوں اور دعوت و ارشاد میرا مقصد و نصب العین ہے اس کو سرمایہ دارانہ بلندی، غیب دانی، یا فرشتہ شکل ہونے سے کیا واسطہ؟ یہ کمزور و نادار افرادِ قوم جو خدا پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں تمہاری نگاہ میں اس لئے حقیر و ذلیل ہیں کہ وہ تمہاری طرح صاحبِ دولت و مال نہیں ہیں اور اسی لئے تمہارے خیال میں یہ نہ خیر حاصل کر سکتے ہیں اور نہ سعادت، کیونکہ یہ دونوں چیزیں دولت و حشمت کیساتھ ہیں نہ کہ نکبت و افلاس کے ساتھ۔

سو واضح رہے کہ خدا کی سعادت و خیر کا قانون ظاہری دولت و حشمت کے تابع نہیں ہے اور نہ اس کے یہاں سعادت و ہدایت کا حصول و ادراک سرمایہ کی زرّیں کے برابر ہے بلکہ اس کے برعکس طمانیتِ نفس، رضاءِ الٰہی، عشار قلب اور اخلاص نیت و عمل پر موقوف ہے۔

حضرت نوحؑ نے یہ بھی بارہا تنبیہ کی کہ مجھکو اپنی اس ابلاغِ دعوت و ارسالِ ہدایت میں

Marfat.com

نہ تمہارے مال کی خواہش ہے نہ جاہ و منصب کی۔ میں اجرت کا طلبگار نہیں ہوں اس خدمت کا حقیقی اجر و ثواب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور وہی بہترین قدردان ہے۔

غرض سورہ ہود حق و تبلیغ کے ان تمام مکالموں، مناظروں اور پیغامات حق کے ان ہی ارشادات عالیہ کا ایک غیر فانی ذخیرہ ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدتُّهُمْ

اس پر قوم کے اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں انہیں بھی اُن لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں ذلیل و حقیر اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہولئے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔ بلکہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو" نوح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں، اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخشدی ہو (یعنی راہ حق دکھا دی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے (تو میں اسکے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھادیں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔ لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں۔ میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے، صرف اللہ پر ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نظروں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر) میں ایسا کرنیوالا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکادوں انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے (اور وہ ہم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو جو حقیقت سے

Marfat.com

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (ہود)	جاہل اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتاؤ اگر میں اُن لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیارِ قبولیت ایمان و عمل ہے، نہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت و رذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کریگا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟" اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اللہ انہیں بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے اگر میں تمہاری خواہش کے مطابق ایسا کہوں تو جو نہی ایسی بات کہی، میں ظالموں میں سے ہو گیا!"

بہرحال حضرت نوحؑ نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آ جائے مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغِ حق میں جد و جہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا، اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور اُن کے بڑوں نے عوام سے صاف کہدیا کہ تم کسی طرح وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر جیسے بتوں کی پرستش کو نہ چھوڑو۔

یہی وہ مباحث ہیں جن کو سورۂ نوح میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور جو بلاشبہ ہدایت و ضلالت کے مہم مسائل کو آشکارا کرتے ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ۝	ہم نے بھیجا نوحؑ کو اُسکی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر عذاب دردناک، بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہا مانو تاکہ

Marfat.com

يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ (نوح)

بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقررہ وعدۃ تک، وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے، جب آپہونچے گا اُس کو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے، بولا اے رب میں بُلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن، پھر میرے بُلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے، اور میں نے جب کبھی اُن کو بُلایا تاکہ تو اُن کو بخشے، ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے، اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور، پھر میں نے انکو بُلایا برملا، پھر میں نے اُن کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہ ہے بخشنے والا۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح)

اور انھوں نے (اپنے عوام سے) کہا ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ اور ودّ، سواع۔ یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔

اور آخر میں زچ ہوکر کہنے لگے "اے نوح! اب ہم سے جنگ وجدل نہ کر، اور ہمارے اس انکار پر اپنے خدا کا جو عذاب لاسکتا ہے لے آ"

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (ہود)

وہ کہنے لگے "اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا" اب اس کو ختم کر" اور جو تو نے ہم سے (عذاب الٰہی کا) وعدہ کیا ہے وہ لے آ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سُن کر اُن کو جواب دیا کہ عذاب الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اُس کے قبضہ میں ہے جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ چاہے گا تو یہ سب کچھ

Marfat.com

بھی ہوجائیگا۔

قُلْ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (ہود)
نوح نے کہا ضرور اگر اللہ چاہے گا تو اُس عذاب کو بھی لے آئیگا اور تم اُس کو تھکا دینے والے نہیں ہو۔

بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السّلام بالکل مایوس ہوگئے اور اس کی باطل کوشی اور عناد اور ہٹ دھرمی اُن پر واضح ہوگئی اور انھوں نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نوسو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا اُن پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے، تب خدائے تعالیٰ نے اُن کی تسلی کے لئے فرمایا:۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهُ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ٥ (ہود)
اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے، پس اُن کی حرکات پر غم نہ کر۔

جب حضرت نوح کو یہ معلوم ہوگیا کہ اُن کے ابلاغ حق میں کوئی کوتاہی نہیں ہے بلکہ خود نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے اور اُن کی اپنی سرکشی کا نتیجہ، تب اُن کے اعمال اور کمینہ حرکات سے متاثر ہوکر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعاء فرمائی:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۰ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْآ اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح)
اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دیگا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور انکی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔

بناء سفینہ | اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول فرمائی، اور اپنے قانون جزاءِ اعمال کے مطابق سرکشوں کی سرکشی اور متمردوں کے تمرد کی سزا کا اعلان کر دیا، اور حفظِ ماتقدم کے لئے پہلے حضرت نوح علیہ السّلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی تیار کریں، تاکہ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے وہ اور مومنین قانتین اس عذاب سے محفوظ رہیں جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونیوالا ہے۔ حضرت نوحؑ نے جب حکمِ رب میں کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اُڑانا اور

Marfat.com

مذاق بنانا شروع کردیا۔ اور جب کبھی اُن کا اُدھر سے گذر ہوتا تو کہتے کہ خوب! جب ہم غرق ہونے لگیں گے تب تو اور تیرے پیرو اس کشتی میں محفوظ رہ کر نجات پا جائینگے، کیسا احمقانہ خیال ہے" حضرت نوح (علیہ السلام) بھی اُن کے انجام کار سے غفلت اور خدا کی نافرمانی پر جرأت دیکھ کر اُن کو اُن ہی کے طرز پر جواب دیتے اور اپنے کام میں مشغول رہتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اُن کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا	اے نوح تو ہماری حفاظت میں ہماری وحی کے مطابق سفینہ
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا	تیار کئے جا اور اب مجھ سے انکے متعلق کچھ نہ کہو یہ بلاشبہ غرق
إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ (ہود)	ہونے والے ہیں

آخر سفینۂ نوح (علیہ السلام) بن کر تیار ہوگیا۔ اب خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آیا اور حضرت نوحؑ نے اُس پہلی علامت کو دیکھا جس کا ذکر اُن سے کیا گیا تھا یعنی زمین کی تہ میں سے پانی کا چشمہ اُبلنا شروع ہوگیا، تب وحی الٰہی نے اُن کو حکم سنایا کہ کشتی میں اپنے خاندان کو بیٹھنے کا حکم دو اور تمام جانداروں میں سے ہر ایک کا جوڑا بھی کشتی میں پناہ گیر ہو۔ اور وہ مختصر جماعت (تقریباً چالیس نفر) بھی جو تجھ پر ایمان لا چکی ہے کشتی میں سوار ہو جائے۔

جب وحی الٰہی کی تعمیل پوری ہوگئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو امر کیا گیا کہ وہ پوری طرح اُبل پڑیں۔

خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہو تا رہا تو کشتی بھی اُس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ تمام منکرین و معاندین غرق آب ہوگئے اور خدائے تعالیٰ کے قانون "جزاء اعمال" کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

پسر نوح اس مقام پر ایک مسئلہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے طوفانی عذاب کے وقت خدائے تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کے متعلق سفارش کی اور خدائے تعالیٰ نے ان کو اس سفارش سے روک دیا۔ اس مسئلہ کی اہمیت قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات

Marfat.com

سے پیدا ہوتی ہے۔

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ۔

(هود)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل ہی میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو بہترین حاکموں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ بدکردار ہے پس تجھ کو ایسا سوال نہ کرنا چاہیئے جس کے بارہ میں تجھ کو علم نہ ہو۔ میں بلاشبہ تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے نہ بن، نوح نے کہا "اے رب میں بلاتردد اس بارہ میں کہ جس کے متعلق مجھے علم نہ ہو، تجھ سے سوال کروں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں ہونگا۔ نوح سے کہہ دیا گیا" اے نوح ہماری جانب سے تو اور تیرے ہمراہی ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر اترو۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) سے خدا کا وعدہ تھا کہ وہ ان کے اہل کو نجات دیگا۔ اس لئے حضرت نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کے لیے دعا مانگی جس پر رب العالمین کی جانب سے عتاب ہوا کہ تم کو جس شے کا علم نہ ہو اس کے متعلق اس طرز سے سوال کرنے کا حق نہیں ہے اس پر حضرت نوح ؑ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خدائے تعالیٰ سے مغفرت و رحمت طلب کی اور اس کی جانب سے بھی خواہش کے مطابق جواب ملا۔

تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کا سوال کس وعدہ پر مبنی تھا اور آیا وہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں، اور حضرت نوح ؑ کو اس وعدہ کے سمجھنے میں کس قسم کی غلط فہمی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی تنبیہہ پر انھوں نے کس طرح اصل حقیقت کو سمجھ لیا؟

Marfat.com

اس سوال کے جواب میں حسب ذیل آیت قابل توجہ ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ (ہود)

تا آنکہ جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا اور تنور پانی سے اُبل پڑا تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ "ہر جاندار میں سے ایک ایک جوڑ کشتی میں اُٹھالو اور اُس کے علاوہ جس پر خدا کا فرمان ناطق ہو چکا ہے" اپنے اہل کو بھی اور جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اُن کو بھی اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ سے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تم اپنی اس کشتی میں جو اہل نجات کے لئے تیار کی گئی ہے اپنے کو بٹھالو لیکن تمہارا پورا کنبہ نجات یافتہ نہیں ہے بلکہ بعض ایسے بھی ہیں جن پر خدا کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ"

چونکہ حضرت نوح علیہ السّلام اپنی بیوی کے سابقہ کافرانہ عقائد و اعمال کی بنا پر اس بات سے مایوس ہو چکے تھے کہ وہ خدائے برحق پر ایمان لائے اور توحید کی آواز پر لبیک کہے، اس لئے اس استثنار کا مصداق صرف اُسی کو سمجھے اور بیٹے کی محبت میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ نو عمر ہے شاید کشتی میں مومنین کی صحبت سے فائدہ اُٹھا کر ایمان لے آئے اور کافروں کی مجالس کے اثرات کو محو کر دے، خدائے تعالیٰ کے ارشاد "واھلك" سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے درگاہ الٰہی میں کنعان کی نجات کی دعا کی، مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے جلیل القدر پیغمبر کا یہ "قیاس" پسند نہ آیا اور اُن کو تنبیہہ کی کہ جو ہستی خدا کی "وحی" سے ہر وقت مستفید ہوتی رہتی ہو اُس کو جذبۂ محبت پدری میں اس قدر سرشار نہ ہو جانا چاہیئے کہ "وحی الٰہی" کا انتظار کئے بغیر خود ہی قیاس آرائی کر کے انجام تک کا فیصلہ کر بیٹھے؟ حالانکہ وعدۂ نجات صرف مومنین کے لئے مخصوص ہے اور کنعان کافروں کے ساتھ کافر ہی رہے گا۔ بلاشبہ تمہارا اس قسم کا سوال منصب رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں ہے۔

گویا حضرت نوحؑ سے خدائے تعالیٰ کا یہ خطاب دراصل "عتاب" نہیں تھا بلکہ مشاہدۂ حقیقت کے لئے ایک پکار تھی جس کو اُنھوں نے سُنا اور اپنی بشریت و عبدیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

مغفرت کے طالب ہوئے اور خدا کی سلامتی اور برکت حاصل کر کے شاد کام و بامراد بنے۔ پس یہ سوال نہ معصیت کا سوال تھا اور نہ عصمتِ انبیاء کے منافی، اس لئے خطابِ الٰہی نے اس کو "نادانی" سے تعبیر کیا نہ کہ گناہ اور نافرمانی سے۔

بہر حال حضرت نوحؑ کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ وعدۂ نجات کا منشا نسل و خاندان نہیں ہے بلکہ "ایمان باللہ" ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنا رُخ بدل کر کنعان کو مخاطب کیا اور اپنا منصبِ دعوت ادا کرتے ہوئے چاہا کہ وہ بھی "مومن" بن کر "نجاتِ الٰہی" سے بہرہ ور ہو مگر اُس بدبخت نے جواب دیا۔

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ (ہود) کہا میں بہت جلد کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ مجھ کو غرقابی سے بچالے گا

حضرت نوحؑ نے یہ سُن کر فرمایا۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۔ (ہود) آج کوئی خدا کے حکم سے بچانے والا نہیں ہے صرف وہی بچیگا جس پر خدا کا رحم ہو جائے اس درمیان میں اُن دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ایک ہو گیا۔

کوہ جودی غرض جب حکمِ الٰہی سے عذاب ختم ہوا تو سفینۂ نوح "جودی" پر جا کر ٹھہر گیا

وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ؕ (ہود) اور حکم پورا ہوا اور کشتی جودی پر جا ٹھہری اور اعلان کر دیا گیا کہ قوم ظالمین کے لئے ہلاکت ہے۔

توراۃ میں جودی کو اراراط کے پہاڑوں میں سے بتایا گیا ہے اراراط درحقیقت جزیرہ کا نام ہے، یعنی اس علاقہ کا نام جو فرات و دجلہ کے درمیان دیار بکر سے بغداد تک مسلسل چلا گیا۔ پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہو گیا اور ساکنانِ کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اسی بنا پر حضرت نوح (علیہ السلام) کا لقب "ابو البشر ثانی" یا "آدم ثانی" (یعنی انسانوں کا دوسرا باپ) مشہور ہوا اور غالباً اسی اعتبار سے حدیث میں اُن کو "اول الرسل" کہا گیا۔ اگرچہ یہاں پہنچ کر واقعہ کی تفصیلات ختم ہو جاتی ہیں، تاہم اس اہم واقعہ میں جو علمی اور تاریخی

Marfat.com

سوالات پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کیئے گئے ہیں وہ بھی قابلِ ذکر و مذاکرہ ہیں جو ترتیب وار درج ذیل ہیں

۱۔ طوفانِ نوحؑ عام تھا یا خاص

کیا طوفانِ نوحؑ تمام کرۂ ارضی پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر؟
اس کے متعلق علماءِ قدیم وجدید میں ہمیشہ سے دو رائے رہی ہیں، علماءِ اسلام میں سے ایک جماعت، علماءِ یہود و نصاریٰ، اور بعض ماہرینِ علوم فلکیات، طبقات الارض، اور تاریخ طبعیات کی یہ رائے ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اُسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار کیلومیٹر مربع ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفان نوحؑ کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام تھا تو اسکے آثار کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوح (علیہ السلام) اور اُن کی قوم آباد تھی، ابھی حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا، لہٰذا وہی مستحقِ عذابِ الٰہی تھے اور اُن ہی پر طوفان کا یہ عذاب بھیجا گیا۔ باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماءِ اسلام اور ماہرینِ طبقات الارض اور علماءِ طبعیات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر حاوی تھا، اور ایک یہی نہیں بلکہ اُنکے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں اُن ہی میں سے ایک یہ بھی تھا۔ وہ پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو "آثار" سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "جزیرہ" یا عراقِ عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جنکے متعلق ماہرینِ علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، پانی سے باہر ایک لمحہ بھی اُنکی زندگی دشوار ہے اس لیئے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی اِن بلند چوٹیوں پر اِن کا ثبوت اس کی دلیل ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبتناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں

Marfat.com

کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات و آراء کی اُن تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیرِ بحث میں درج ہے اہلِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ طوفان خاص تھا، عام نہ تھا۔[1] البتہ قرآنِ عزیز نے "سنت اللہ" کے مطابق صرف اُن ہی تفصیلات پر توجہ کی ہے جو موعظت و عبرت کیلئے ضروری تھے اور باقی مباحث سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور اُن کو انسانی علوم کی ترقی کے حوالہ کر دیا۔ وہ تو صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ تاریخ کا یہ واقعہ اہلِ عقل و شعور کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ آج سے ہزاروں سال قبل ایک قوم نے خدا کی نافرمانی پر اصرار کیا اور اسکے بھیجے ہوئے ہادی حضرت نوح علیہ السلام کے رشد و ہدایت کے پیغام کو جھٹلایا، ٹھکرایا، اور قبول کرنے سے انکار کر دیا تو خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا اور ایسے سرکشوں اور متمردوں کو طوفانِ باد و باراں میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا اور اسی حالت میں حضرت نوحؑ اور مختصر سی ایمان دار جماعت کو محفوظ رکھ کر نجات دی، ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار

۲۔ پسرِ نوحؑ کی نسبی بحث

بعض علماء نے حضرت نوحؑ کے اس بیٹے کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حقیقی بیٹا نہ تھا اور پھر اس بارہ میں دو جُدا جُدا دعوے کیئے، ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ "ربیب" تھا یعنی حضرت نوحؑ کی بیوی کے پہلے شوہر کا لڑکا تھا جو حضرت نوحؑ سے نکاح کے بعد اُن کی آغوش میں پلا بڑھا۔ اور دوسری جماعت حضرت نوحؑ کی اُس کافرہ بیوی پر خیانتِ عصمت کا الزام لگاتی ہے۔

ان علماء کو ان غیر مستند اور دُور از صواب تاویلوں کی ضرورت اسلیئے پیش آئی ہے کہ ان کے خیال میں پیغمبر کا بیٹا کافر ہو یہ بہت مستبعد اور عجیب معلوم ہوتا ہے؟

مگر تعجب ہے کہ وہ اس نصِ قرآنی کو کیوں فراموش کر جاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ "آذر" بت تراش و بت پرست کافر تھے۔ پس اگر ایک جلیل القدر پیغمبر کے باپ کے کفر سے رسولِ خدا کی جلالت و عظمت اور منصبِ رسالت و نبوت میں مطلق فرق نہیں آتا تو پھر عظیم المرتبت رسول و نبی کے بیٹے کے کفر سے اُس پیغمبر کی عظمت و جلالتِ قدر میں کیا نقص آسکتا ہے بلکہ

[1] اور یہ مسئلہ محل نظر ہے کہ تمام کائناتِ انسانی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے۔

Marfat.com

ایک حقیقت بیں نگاہ اور حقیقت شناس کے نزدیک تو یہ رب العلمین اور خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ کا مظہرِ اتم ہے کہ وہ بنجر زمین میں گلاب اُگا دیتا، اور گلاب کے مہکتے ہوئے پھولوں کے ساتھ خار پیدا کر دیتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

پس جبکہ قرآنِ عزیز نے یہ تصریح کی ہے کہ کنعان حضرتِ نوحؑ کا بیٹا تھا تو بلاوجہ ان رکیک اور بے سند تاویلات کی کیا حاجت؟

ایک اخلاقی مسئلہ اس مقام پر اگرچہ علامہ عبد الوہاب نجارؔ نے قرآنِ عزیز کی تصریح ہی کو تسلیم کیا ہے، تاہم اُن کے نزدیک حضرتِ نوحؑ کی بیوی بصراحتِ قرآن اگر کافر ہو سکتی ہے تو اُس پر خیانتِ عصمت کا الزام عائد کرنا بھی کوئی ناواجب بات نہیں ہے۔

مگر مجھ کو ان جیسے تمام مقامات میں ان بزرگوں سے ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور میں ورطۂ حیرت و تعجب میں پڑ جاتا ہوں کہ ان علماء کے پیشِ نظر "نبی و رسول" کے معاملہ میں ان تمام نزاکتوں کا لحاظ کیوں نہیں، جو اخلاق، معاشرت اور تہذیب و تمدن کی زندگی سے وابستہ ہیں مثلاً اسی مقام کو لیجئے کہ صاحبِ قصص الانبیاء اور بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ حضرتِ نوحؑ کی بیوی جب کافر ہو سکتی ہے تو خائن عصمت کیوں نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ دوسرا عمل پہلے سے کم درجہ رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ کفر، زنا سے بہت زیادہ بُرا اور قبیح عمل ہے مجھے اس سے سخت اختلاف ہے کہ کسی پیغمبر و نبی کی بیوی اُنکے حبالۂ عقد میں رہتے ہوئے خائن عصمت ہو اور نبی و رسول اُس کی اس حرکت سے غافل رہے، اس لئے کہ اگر کسی نیک اور صالح انسان کی بیوی شوہر سے چھُپ کر اس قسم کی بدعملی میں مبتلا ہو جائے تو یہ ممکن ہے کیونکہ وہ ناواقف رہ سکتا ہے اور جب تک اُس کے علم میں یہ بدعملی نہ آئے اسکی ثقاہت و تقویٰ پر مطلق کوئی حرف نہیں آتا۔ مگر ایک نبی و رسول کا معاملہ اس سے جُدا ہے اُس کے پاس صبح و شام خدائے برتر کی وحی آتی ہے اور وہ خدائے برتر کی ہم کلامی سے مشرف ہوتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کے گھر میں ایک فاحشہ و زانیہ اُس کی رفیقِ حیات بھی رہے

Marfat.com

اور خدا کی وحی اُس سے قطعاً خاموش ہو۔

خدا کے برگزیدہ پیغمبر جب اصلاح و ہدایت کیلئے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہری و باطنی ہر قسم کے عیوب سے معصوم اور پاک رکھے جاتے ہیں تاکہ کوئی ایک شخص بھی اُن کے حسب و نسب، اخلاق و معاشرت پر نکتہ چینی نہ کر سکے، لہٰذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وحیِ الٰہی اور ہمکلامیِ ربِ اکبر کے مدعی کے گھر میں بداخلاقی کا جریمہ مستقل ہو رہا ہو اور اسکو بے خبر اور غافل چھوڑ دیا جائے۔

ہمارے سامنے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلیلِ راہ ہے، اَن ہوئی کو ہوئی کرنے والوں اور بے پر کی اُڑانے والوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک نے بھی سُنا چند روز بدبخت و خوش بخت بننے والوں کے لئے آزمائش کے بھی ملے، مگر آخرکار وحیِ الٰہی نے معاملہ کو صاف کر دیا کہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہ گیا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ (العیاذ باللہ) پیغمبر اور نبی کی بیوی سے زنا سرزد ہو جائے کیونکہ وہ نبی کی طرح معصوم نہیں ہے لیکن یہ محال اور ناممکن ہے کہ اس ارتکاب کے بعد وہ نبی کی بیوی رہے۔ اور وحیِ الٰہی نبی اور پیغمبر کو اُس کی بداخلاقی سے غافل رکھے۔

کفر، بلاشبہ سب سے بڑا جریمہ اور گناہ ہے لیکن وہ معاشرتی اور اخلاقی بول چال میں بداخلاقی اور فحش نہیں ہے بلکہ ایک عقیدہ ہے جو عقیدۂ بد کہلانے کا مستحق ہے اسلئے بعض اسلامی مصالح کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی شریعتوں اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی میں کافر سے مناکحت کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا البتہ مدنی زندگی کے دور میں قرآنِ عزیز کی نص نے مشرک و مسلم کے درمیان رشتۂ مناکحت کو ہمیشہ کیلئے ممنوع قرار دے دیا، لیکن زنا کسی حال اور کسی وقت میں بھی جائز نہیں رکھا گیا۔

پس اس معاملہ میں کفر و زنا کے تقابل کا سوال صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ معاشرتی بدکرداری و نیک کرداری کی بقاء و قیام کا سوال پیدا ہوتا ہے لہٰذا میرے نزدیک حضرت نوحؑ کی زندگی

Marfat.com

پاک کے ساتھ زانیہ رفیقہ کا تعلق ناممکن تھا۔ اگر امرأۃ نوحؑ ایک مرتبہ بھی ایسا اقدام کرتی تو وحی الٰہی فوراً نبی کو مطلع کر کے تفریق کرا دیتی، یا کم از کم "توبۃً نصوحاً" پر جا کر معاملہ ٹھہرتا ہیں تو اس سے آگے بڑھ کر یہ جرأت کرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ کسی روایت میں بھی اس قسم کے معاملات کا اشارہ پایا جاتا تو بھی ہمارا فرض تھا کہ اُس کی صحیح توجیہ تلاش کر کے اصل حقیقت کو سامنے لاتے، چہ جائیکہ نہ قرآن عزیز اُس کے متعلق کچھ کہتا ہے اور نہ صحیح وضعیف روایات میں سے کوئی روایتِ حدیث وسیرت اس کا ذکر کرتی ہے تو پھر خواہ مخواہ اس قسم کی دور از کار تاویلات سے عوام و متوسطین اور موافقین ومخالفین کے دل و دماغ پر غلط نقوش نقش کرانے سے بجز مضرت و نقصان کے اور کیا حاصل ہے۔

بہرحال صحیح یہی ہے کہ کنعان حضرت نوحؑ کا بیٹا تھا مگر اُس پر حضرت نوحؑ کی ہدایت ورشد کی جگہ اپنی کافر والدہ کی آغوش تربیت اور خاندان و قوم کے ماحول نے بُرا اثر ڈالا اور وہ نبی کا بیٹا ہونے کے باوجود کافر ہی رہا۔

پسرِ نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

نبی و پیغمبر کا کام فقط رشد و ہدایت کا پیغام پہنچانا ہے۔ اولاد، بیوی، خاندان، قبیلہ اور قوم پر اُس کو زبردستی عائد کرنا اور اُن کے قلوب کو پلٹ دینا نہیں ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ) تو ان (کافروں) پر مسلط نہیں کیا گیا۔

وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ (ق) اور تو ان کو (قبول حق کے لئے) مجبور نہیں کر سکتا

اربابِ تاریخ نے حضرت نوحؑ کے اس بیٹے کا نام کنعان بتایا ہے یہ تورات کی روایت کے مطابق ہے، قرآن عزیز اس کے نام کی صراحت سے ساکت ہے جو نفس واقعہ کے لئے غیر ضروری تھا۔

چند ضمنی مسائل | (۱) طوفانِ نوح (علیہ السّلام) خاص حصہ زمین سے وابستہ رہا ہو یا تمام کرۂ زمین سے، مذاہبِ عالم کی تاریخ اور علمِ آثارِ ارض سے یہ قطعی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ تاریخی حیثیت رکھتا

Marfat.com

ہے، اور اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ توراۃ کے علاوہ قدیم ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے اور اگرچہ قرآن عزیز کے بیان کئے ہوئے سادہ اور صاف واقعات کے مقابلہ میں ان میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم نفس واقعہ کے اظہار میں یہ سب متفق نظر آتی ہیں۔

مولانا سید ابو نصر احمد حسین بھوپالی نے اپنی کتاب "تاریخ الادب الہندی"[1] میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے "یرہما تا ذاو یا نیشا" اس میں حضرت نوح (علیہ السلام) کو مانو کہا گیا ہے جس کے معنی "خدا کا بیٹا" یا "نسل انسانی کا جد اعلیٰ" بتائے جاتے ہیں۔

(۲) قرآن عزیز نے صراحت کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تبلیغ و دعوت کا فرض انجام دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (عنکبوت) اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی جانب رسول بنا کر بھیجا، پس وہ رہا ان میں پچاس کم ایک ہزار سال۔

یہ عمر، موجودہ عمر طبعی کے اعتبار سے بعید از عقل معلوم ہوتی ہے لیکن محال اور ناممکن نہیں ہے اس لئے کہ کائنات کی ابتدا میں ہموم و افکار اور امراض کی یہ فراوانی نہیں تھی جو چند ہزار برسوں میں انسانی تمدن کے مصنوعی سامانوں نے پیدا کر دی ہے اور تاریخ قدیم بھی یہ اقرار کرتی ہے کہ چند ہزار سال قبل کی عمر طبعی کا تناسب موجودہ تناسب سے بہت زیادہ تھا۔ نیز حضرت نوحؑ کی عمر طبعی کا معاملہ اسی قسم کی مستثنیات میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں موہبت الٰہی اور آیۃ اللہ کی فہرست میں شمار ہوتی ہیں اور جن کی حکمت و غایت کا معاملہ خود خدائے تعالیٰ کے سپرد ہے

قرآن عزیز نے کسی نبی اور پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کی مدت کا صراحت کے ساتھ اس طرح تذکرہ نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت نوحؑ کے واقعہ میں مذکور ہے۔ لہٰذا آج تقریباً سات ہزار سال قبل کی طویل عمر کے تاریخی شواہد کے اعتبار سے اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کی پوری گنجائش

[1] صفحہ ۳۴ و ۳۵

Marfat.com

ہے اور اگر تاریخ کی ان شہادتوں کو غیر وقیع مان کر انکار کر دیا جائے تب بھی اس واقعہ کو مخصوص حالات کے زیر اثر ایک عطیہ الٰہی سمجھنا چاہئے جو ایک رسول اور پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کی حکمتوں سے وابستہ ہے۔ حق اور صحیح مسلک یہی ہے اور اس مُدّت کو گھٹانے کے لئے دوراز کار تاویلات کی قطعاً ضرورت نہیں۔

مشہور شاعر ابو العلاء معرّی اپنے چند اشعار میں یہ بیان کرتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ لوگ سنہ، عام (سال) بول کر شہر (مہینہ) مراد لیا کرتے تھے۔ اس قول کے پیش نظر بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی تبلیغی خدمات کی عمر اسّی سال ہوتی ہے اور اُن کی کل عمر ڈیڑھ سو سال سے آگے نہیں بڑھتی۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر ابو العلاء کا یہ قول تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ عرب کے کسی غیر معروف حساب کا تذکرہ سمجھا جائے گا کیونکہ قرآن عزیز کے نزول کے وقت عرب کے کسی قبیلہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ "سنہ" یا "عام" بول کر "شہر" (مہینہ) مراد لیا کرتے تھے لہذا قرآن عزیز کی بیان کردہ تعبیر پر اس قول کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔

نیز سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن عزیز نے جس انداز میں اس مُدّت کا ذکر کیا ہے۔ اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ نوحؑ کی غیر معمولی مُدّت کے اظہار کو بہت اہم سمجھ رہا ہے۔ ورنہ قرآن عزیز کی عام سنّت یہ ہے کہ وہ سخت اہم ضرورت کے بغیر واقعات و حالات کی اس قسم کی جزئیات سے بہت ہی کم تعرض کرتا ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے اسرائیلیات (تورات و یہود کی روایات) سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے طوفان نوحؑ سے چالیس سال قبل قوم نوحؑ کی عورتوں کو بانجھ کر دیا تھا کہ جدید نسل عالم وجود میں نہ آئے۔ مگر یہ روایت "غپ شپ" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور غالباً اسے اس لئے گھڑا گیا ہے کہ یہ اعتراض پیدا نہ ہو کہ طوفانِ نوحؑ کی صورت میں بچوں نے کیا قصور کیا تھا کہ وہ بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔

Marfat.com

ان احتیاط پسند حضرات کو شاید یہ بات فراموش ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کا قانون جس کا نام "سنۃ اللہ" ہے اس بارہ میں کیا ہے؟ ورنہ اُن کو ایسی لایعنی روایت کے بیان کی ضرورت پیش نہ آتی جو اکثر بیہودہ کے غلط افکار و عقائد کی مخلوق ہوتی ہیں۔

کائناتِ ہست و بود میں "عادۃ اللہ" یہ جاری ہے کہ امراض، وبا، طوفان اور زلزلے جیسے امور جب بھی کسی سبب سے نمودار ہوتے ہیں" خواہ وہ عذاب کے لئے ہوں یا عام حالاتِ زندگی کے اعتبار سے کسی خارجی سبب کے ذریعہ ظاہر ہوئے ہوں" تو جس مقام پر وہ نازل ہوتے ہیں وہاں کی آبادی میں نیک و بد، ولی و شیطان، زاہد و عابد اور فاسق و فاجر کے مابین کوئی تمیز نہیں کرتے بلکہ اسبابِ عادیہ کے زیر اثر مسببات کو وجود میں لانے کے لئے من جانب اللہ مامور ہیں، اور دنیوی زندگی کے اعتبار سے اُن کی لپیٹ میں ہر وہ انسان آجاتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ان اسباب کا مسبب بن گیا ہے۔

البتہ عالم آخرت کے اعتبار سے یہ امتیاز نمایاں رہتا ہے کہ فاسق و فاجر اور خدا کے دشمن کے لئے یہ اسبابِ الٰہی بنتے اور مطیع و فرمانبردار اور نیک کردار انسان کے لئے موجب سعادت اور درجاتِ عالیہ کا مستوجب ہوتے ہیں۔

کیا ہماری نگاہیں روزمرہ یہ مشاہدہ نہیں کرتیں کہ جب زلزلہ آتا ہے تو نیک و بد دونوں پر یکساں اثر کرتا ہے، وبا پھیلتی ہے تو نیک کردار و بدکردار دونوں ہی اُس کی زد میں آجاتے ہیں اور دونوں کے رشتۂ حیات کے لئے وہ یکساں مہلک ثابت ہوتی ہے۔

البتہ یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ جب کبھی اس قسم کا عذاب نبی اور پیغمبر کی پیہم نافرمانی کی وجہ سے کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پیغمبر کو بذریعہ وحی اُس کی اطلاع دیدی جاتی ہے اور یہ حکم ہوجاتا ہے کہ وہ مع اپنے ان پیروؤں کے جو اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں عذاب کی اُس بستی سے باہر چلا جائے اور ببانگ دہل یہ کہہ کر جائے کہ یا قوم اُس کے لائے ہوئے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے ورنہ خدا کے عذاب کو قبول کرے اور اس طرح مومنین اُس عذاب

Marfat.com

کی زد سے محفوظ رہتے ہیں۔
بہرحال مفسّرین نے جس احتیاط کی خاطر اسرائیلیات کے اس ذخیرہ سے مدد لینی چاہی ہے وہ قطعاً بے ضرورت ہے۔
پس طوفانِ نوحؑ میں قوم نوحؑ کے مرد وعورت، بوڑھے جوان، بچّے اور بچّیاں سب ہی طوفان کی ہلاکت خیزی کا شکار ہوئے اور دنیاءِ کفر کا وہ حصّہ سب ہی برباد کردیا گیا۔ اب یہ معاملہ خدا کے سپرد ہے کہ جن عاقل وبالغ انسانوں نے نافرمانی کی تھی اُنکے حق میں یہ دائمی اور سرمدی عذاب بنے اور جو معصوم اور غیر عاقل تھے وہ آخرت کے عذاب سے مامون ومحفوظ فرما دیئے گئے۔
(۴) سفینۂ نوحؑ طوفان کے بعد کس مقام پر ٹھہرا؟ توراۃ نے اس کا نام اراراط بتایا ہے۔ حضرتِ نوحؑ کی دعوت وتبلیغ اُس سرزمین سے وابستہ تھی جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اور یہ دونوں دریا آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں، اور جُدا جُدا بہہ کر عراق کے حصّۂ زیریں میں آکر مِل گئے ہیں، پھر خلیج فارس میں سمندر میں جاگرے ہیں، آرمینیا کے یہ پہاڑ اراراط کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لئے توراۃ میں ان کو اراراط کا پہاڑ کہا ہے۔ مگر قرآن عزیز نے اس پورے علاقہ کی بجائے صرف اس خاص مقام کا تذکرہ کیا ہے جہاں کشتی جاکر ٹھہری تھی، یعنی جودی کا۔ توراۃ کے شارحین کا یہ خیال ہے کہ جودی اُس سلسلۂ کوہ کا نام ہے جو اراراط اور جارجیا کے پہاڑی سلسلہ کو باہم ملاتا ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سکندر اعظم کے زمانہ کی یونانی تحریرات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں، اور اس تاریخی واقعہ کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آٹھویں صدی مسیحی تک اس جگہ ایک معبد اور ہیکل موجود تھا، جو "کشتی کا معبد" کہا جاتا تھا۔
(۵) ایک مفسّر نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹے کنعان کے نجات نہ پانے کے متعلق لطیف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح (علیہ السّلام) جلیل القدر پیغمبر اور مستجاب الدعوات تھے اُنھوں نے دعاء اور بددعاء دونوں حالتوں میں خود اپنے بیٹے کو فراموش کردیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کافر بیٹے کا تمرد اور اُس کی سرکشی، پاداشِ عمل کی صورت میں نمودار ہوئی اور وہ بھی ہالکین کے

Marfat.com

ساتھ غرقِ دریا ہوکر رہ گیا۔

حضرت نوح (علیہ السلام) نے جبکہ وہ قوم کو راہِ راست پر لانے سے عاجز آگئے تھے سب سے پہلے یہ دعا کی :۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ اے پروردگار تو اس زمین پر کسی بسنے والے کافر کو زندہ نہ چھوڑ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا اس لئے کہ اگر تو اُن کو زندہ چھوڑیگا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح) کرتے رہینگے اور انکی اولاد کا سلسلہ بھی گمراہی اور کفر ہی پر قائم رہیگا۔

اور یہ قطعاً فراموش کردیا کہ اس موقع پر کنعان کو مستثنیٰ کرکے اس کے لئے قبولِ ہدایت کی دعاء مانگنا چاہیے، یا شاید اُس وقت تک اُن کو بیٹے کے کفر کا علم ہی نہ تھا۔

دوسری مرتبہ جناب باری میں یہ دعا کی :۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ اے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور اس شخص بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کو بھی بخشش سے نواز جو مومن ہوکر میرے گھر میں داخل ہوا۔ (نوح) اور مومنین و مومنات کو بھی بخش دے۔

اس موقع پر بھی انھوں نے کنعان کا استثناء نہیں کیا اور یا اُس کے مومن ہوکر گھر میں داخل ہونے کی دعاء نہیں فرمائی۔

تیسری مرتبہ پھر یہ دعا کی۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝ اور ظالموں کیلئے ہلاکت کے سوا کچھ اضافہ نہ کر

کنعان ظالم تھا اس لئے کہ کافر تھا، موقعہ تھا کہ استثناء کرکے اُس کیلئے ظالم نہ رہنے کی دعاء بھی فرما لیتے اور اگر معلوم نہ تھا تو یہ بدقسمت بیٹے کی بدقسمتی پر ازلی مہر تھی جو ثبت ہوکر رہی۔

پس جب وقت قبولیتِ دعا آپہونچا اور کنعان کی سرکشی بدستور رہی تو اب محبتِ پدری کا جوشِ خدا کے عادلانہ فیصلہ کے سامنے نہ ٹھہر سکا، اور اس کی نجات کی دعاء پر اپنی نادانی کا اعتراف کیساتھ عذر خواہی کرنی پڑی اور بایں ہمہ جلالتِ قدر خدا کے سامنے اپنی بندگی

Marfat.com

کے اظہار ہی کو بہتر سمجھ کر عبد کامل ہونے کا ثبوت پیش فرمایا اور درگاہِ الٰہی سے شرفِ مغفرت اور قربتِ الٰہی کو حاصل کیا۔

اہم نتائج (۱) ہر ایک انسان اپنے کردار و عمل کا خود ہی جوابدہ ہے، اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا اور علاج نہیں بن سکتی اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہو سکتی ہے حضرت نوح (علیہ السلام) کی نبوت و پیغمبری کنعان کے کفر کی پاداش کے آڑے نہ آ سکی اور حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ جلالتِ قدر شرکِ آذر کے لئے نجات کا باعث نہ ہو سکی۔

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ہر شخص اپنے اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے۔

(۲) بُری صحبت زہرِ ہلاہل سے بھی زیادہ قاتل ہے اور اس کا ثمرہ و نتیجہ ذلت و خسران اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ انسان کیلئے جس طرح نیکی ضروری شئے ہے اس سے زیادہ صحبتِ نیکاں ضروری ہے اور جس طرح بدی سے بچنا اس کی زندگی کا نمایاں امتیاز ہے اس سے کہیں زیادہ بُروں کی صحبت سے خود کو بچانا ضروری ہے۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد
صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

(۳) خدائے تعالیٰ پر صحیح اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ ظاہری اسباب کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ توکل علی اللہ کیلئے صحیح طریق کار ہے۔ تب ہی تو طوفانِ نوح سے بچنے کے لئے کشتی نوح ضروری ٹھہری۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے پیغمبر خدا در معصوم ہونیکے باوجود بہ تقاضائے بشری لغزش ہو سکتی ہے مگر وہ اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ وہ منجانب اللہ اُن کو تنبیہ کر دی جاتی ہے اور اس سے ہٹا لیا جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے واقعات اس کیلئے شاہد عدل ہیں، نیز وہ عالم الغیب بھی نہیں ہوتے جیسا کہ اسی واقعہ میں " فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ

Marfat.com

لک بہ علمہ سے واضح ہے۔

(۵) اگرچہ پاداشِ عمل کا خدائی قانون کائنات کے ہر گوشہ میں اپنا کام کر رہا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جرم اور ہر اطاعت کی سزا یا جزا اسی عالم میں مل جائے کیونکہ یہ کائناتِ عمل کی کشت زار ہے اور پاداشِ کردار کے لئے معاد اور عالمِ آخرت کو مخصوص کیا گیا ہے تاہم ظلم اور غرور ان دو بدعملیوں کی سزا کسی نہ کسی نہج سے یہاں دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم اور متکبر اپنی موت سے قبل ہی اپنے ظلم و کبر کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور پاتا۔ اور ذلت و نامرادی کا منہ دیکھتا ہے۔ چنانچہ خدا کے سچے پیغمبروں سے اُلجھنے والی قوموں اور تاریخ کی ظالم و مغرور ہستیوں کی عبرتناک ہلاکت و بربادی کی داستانیں اس دعوے کی بہترین دلیل ہیں ؛

Marfat.com

حضرت ادریسؑ (علیہ السلام)

قرآن عزیز میں ذکر مبارک، نام و نسب اختلافِ روایات، نبوت تبلیغ تعلیم، فلاسفہ کی بے سند باتیں۔ محاکمہ

حضرت ادریسؑ کا ذکر قرآن میں

قرآنِ عزیز میں حضرت ادریسؑ کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے، سورۂ مریم میں اور سورۂ انبیاء میں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (مریم)

اور یاد کر قرآن میں ادریس کو بلاشبہ وہ تھے سچے نبی اور بلند کیا ہم نے ان کا مقام۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ۔

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذا الکفل ان میں سے ہر ایک تھا صبر کرنے والا۔

نام و نسب اور زمانہ

حضرت ادریس کے نام، نسب اور زمانہ کے متعلق مورخین کو سخت اختلاف ہے اور تمام اختلافی وجوہ کو سامنے رکھنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کن یا کم از کم راجح رائے نہیں قائم کی جا سکتی، وجہ یہ ہے کہ قرآن عزیز نے تو اپنے مقصد رشد و ہدایت کے پیش نظر تاریخی بحث سے جدا ہو کر صرف ان کی نبوت، رفعت مرتبت اور ان کی صفاتِ عالیہ کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح حدیثی روایات بھی اس سے آگے نہیں جاتیں، اس لئے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی ہے وہ اسرائیلی روایات ہیں اور وہ بھی تضاد و اختلاف سے معمور ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ جدِّ نوح (علیہ السلام) ہیں اور اُن کا نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب یا عربی ادریس ہے اور عبرانی یا سریانی اخنوخ اور ان کا نسب نامہ یہ ہے۔

خنوخ یا اخنوخ (ادریس) بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ ابن اسحٰق کا رجحان اسی جانب ہے اور دوسری جماعت کا خیال ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور الیاس و ادریس ایک ہی ہستی کے نام اور لقب ہیں اور ان دونوں

Marfat.com

روایات کے پیش نظر بعض علماء نے یہ تطبیق دینے کی سعی کی ہے کہ جدِ نوح علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب اور بنی اسرائیل کے پیغمبر کا نام ادریس ہے اور الیاس لقب، مگر یہ رائے بے سند اور بے دلیل ہے بلکہ قرآن عزیز کا الیاس اور ادریس کو جدا جدا بیان کرنا شاید اسکو متحمل نہ ہو سکے[1] صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ حضرت ادریسؑ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قلم کو استعمال کیا، ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرمؐ سے کسی نے رمل کے خطوط کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا پس اگر کسی شخص کے نقوش اس کے مطابق آجاتے ہیں تو نشانہ صحیح بیٹھ جاتا ہے ورنہ نہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر ان روایات کیساتھ یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء تفسیر واحکام کا یہ خیال ہے کہ حضرت ادریسؑ ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے رمل کے کلمات ادا کئے[2] اور وہ ان کو ہرمس[3] الہرامسہ کا لقب دیتے ہیں اور انکی جانب بہت سی غلط باتیں اسی طرح منسوب کرتے ہیں جس طرح اُن کے علاوہ بہت سے انبیاء، علماء، حکماء اور اولیاء اللہ کے متعلق منسوب کی گئی ہیں۔

معراج کی صحیحین[4] والی حدیث میں صرف اسی قدر ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السّلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔

مگر اس کے علاوہ مشہور مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ہلال بن یساف کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ حضرت ادریس سے متعلق اس آیت "وَرَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا" کا کیا مطلب ہے؟ تو کعب نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریسؑ پر ایک مرتبہ یہ وحی نازل فرمائی "اے ادریس روزانہ

---

[1] ان اختلافات کے مطالعہ کے بعد غالباً آپ اُس نوٹ سے اتفاق فرمائیں گے جو صفحہ ۶۴ پر درج ہے۔ حضرت ادریس سے متعلق مزید اختلافی بحث کے لئے فتح الباری جلد ۶ ص ۲۷۸ اور البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ص ۳۶، ۳۷ قابل مطالعہ ہیں۔
[2] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد اول ص ۹۹۔ [3] ہرمس علم نجوم کے ماہر عالم کو کہتے ہیں اس لئے ہرمس الہرامسہ کے معنی یہ ہیں کہ ماہرین علم نجوم کا استاذ اول۔ ہرمس یونان کا ایک مشہور منجم گذرا ہے [4] صحیح بخاری باب الاسراء، مسلم جلد (۱) باب الاسراء

Marfat.com

تمام اہلِ عالم جس قدر نیک عمل کرینگے میں اُن سب کے برابر تجھ کو ہر دن اجر عطا کرونگا حضرت
ادریس نے یہ سُنا تو ان کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میرے اعمال میں روز افزوں اضافہ ہو اور
اسلئے عمر کا حصہ طویل ہو جائے تو اچھا ہے، انھوں نے وحیِ الٰہی اور اپنے اس خیال کو ایک رفیق فرشتہ
پر ظاہر کر کے کہا کہ اس معاملہ میں فرشتۂ موت سے گفتگو کرو تاکہ مجھ کو نیک اعمال کے اضافہ کا زیادہ سے
زیادہ موقع ملے۔ اس فرشتہ نے جب یہ سُنا تو حضرت ادریسؑ کو اپنے بازوؤں پر بٹھا کر لے اُڑا
جب یہ چوتھے آسمان سے گزر رہے تھے تو فرشتۂ موت زمین کیلئے اُتر رہا تھا، وہیں دونوں کی
ملاقات ہو گئی۔ دوست فرشتہ نے فرشتۂ موت سے حضرت ادریس کے معاملہ کے متعلق
گفتگو کی۔ فرشتۂ موت نے دریافت کیا، ادریسؑ ہیں کہاں؟ اُس نے کہا میری پُشت پر سوار
ہیں، فرشتۂ موت کہنے لگا درگاہِ الٰہی سے یہ حکم ہوا ہے کہ ادریس کی رُوح چوتھے آسمان پر قبض
کروں، اسلئے میں سخت حیرت و تعجب میں تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ادریسؑ زمین میں
ہیں، اُسی وقت فرشتۂ موت نے حضرت ادریسؑ کی رُوح قبض کر لی"

یہ واقعہ نقل کر کے کعب احبارؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی یہی تفسیر ہے۔

ابن جریرؒ کی طرح ابن ابی حاتمؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قسم کی روایت نقل کی ہے
ان ہر دو نقول کو روایت کرنے کے بعد حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ
سب اسرائیلی خرافات ہیں اور ان میں روایتی اعتبار سے بھی "نکارت" یعنی ناقابلِ اعتبار
اچنبھا ہے۔ اس لئے صحیح تفسیر وہی ہے جو آیت کے ترجمہ میں بیان کی گئی۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ منقول
ہے کہ الیاسؑ نبی کا ہی نام ادریسؑ ہے اور ان کے اس قول کی وجہ حضرت انسؓ کی وہ روایت ہے
کہ جو زہری نے معراج کے سلسلہ میں بیان کی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء
علیہم السلام کی آسمان پر ملاقات کا جو ذکر ہے اس میں کہا گیا ہے کہ جب آپ کی ملاقات حضرت ادریسؑ

Marfat.com

سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا "مرحبا بالاخ الصالح" (برادر نیک تمہارا آنا مبارک) پس اگر حضرت ادریس، اخنوخ ہوتے تو حضرت آدمؑ و حضرت ابراہیمؑ کی طرح "بالابن الصالح" کہتے یعنی نیک بھائی کی جگہ "نیک بیٹے" کے ساتھ خطاب کرتے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دلیل کمزور ہے اس لئے کہ اوّل تو یہ امکان ہے کہ اس طویل حدیث میں راوی الفاظ کی پوری حفاظت نہ کر سکا ہو۔ دوم ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت قدر اور رفعت مرتبت کے پیش نظر انھوں نے پدری انتساب کو نمایاں نہ کیا ہو اور ازرہ تواضع برادرانہ حیثیت کو ہی ظاہر کرنا مناسب سمجھا ہو۔

رہا حضرت آدمؑ و حضرت ابراہیمؑ کا معاملہ سو ایک ابوالبشر اور دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ جلیل القدر اور رفیع الشان پیغمبر جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے "فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا"[1] لہٰذا اُن کا "ابن" کیساتھ خطاب کرنا ہر طرح موزوں اور برمحل ہے

ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ادریسؑ حضرت نوحؑ سے قبل کے نبی نہیں ہیں بلکہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی ہیں اور الیاسؑ ہی ادریسؑ ہیں

توراۃ میں ان مقدس نبی کے متعلق صرف اسی قدر لکھا ہے۔

"اور حنوک (اخنوخ) پینسٹھ برس کا ہوا۔ کہ اُس سے متوسلح پیدا ہوا اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس خدا کے ساتھ چلتا تھا، اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اور غائب ہو گیا۔ اس لئے کہ خدا نے اُسے لے لیا[2]

حضرت ادریس حکماء اور فلاسفر کی نظر میں | اور علامہ جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکماء[3] میں حضرت

---

[1] آل عمران۔ [2] باب پیدائش آیت ۲۱ - ۲۴

[3] اس تاریخ کا پورا نام "المنتخبات الملتقطات من کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء" ہے اور علامہ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف قفطی کی تصنیف ہے اور مختصر زوزنی کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

ادریس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے حضرت ادریس کے متعلق علمائے تفسیر اور ارباب تاریخ وقصص نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہت مشہور ہے۔ اس لئے اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ حکماء اور فلاسفہ نے خصوصیت کے ساتھ اُن کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ادریسؑ کا مولد و منشاء (جائے ولادت و پرورش) کہاں ہے؟ اور انھوں نے نبوت سے پہلے کس سے علم حاصل کیا؟ حکماء اور فلاسفہ کے اقوال ان مسائل میں مختلف ہیں ایک فرقہ کی رائے ہے کہ ان کا نام ہرمس الہرامسہ ہے اور مصر کے قریہ منصف میں پیدا ہوئے۔ یونانی ہرمس کو ارمیس کہتے ہیں۔ ارمیس کے معنی عطارد ہیں۔

اور دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ان کا نام یونانی میں طرمیس، عبرانی میں خنوخ اور عربی میں اخنوخ ہے اور قرآن عزیز میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ادریس کہا ہے، یہی جماعت کہتی ہے کہ اُن کے استاذ کا نام غوثا ذیمون یا اغوثا ذیمون (مصری) ہے وہ غوثا ذیمون کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتاتے کہ وہ یونان یا مصر کے انبیاء میں سے ایک نبی ہیں اور یہ جماعت ان کو اوریا دوم اور حضرت ادریس کو اوریا سوم کا لقب دیتی ہے اور غوثا ذیمون کے معنی "سعد اور بہت نیک بخت" ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہرمس نے مصر سے نکلکر اقطاع عالم کی سیر کی اور تمام دنیا کو چھان ڈالا اور جب مصر واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بیاسی ۸۲ سال کی عمر میں اپنی جانب اٹھا لیا۔

ایک تیسری جماعت یہ کہتی ہے کہ ادریسؑ بابل میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی اور اوائل عمر میں انھوں نے حضرت شیث بن آدم سے علم حاصل کیا۔ علم کلام کے مشہور عالم علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ اغثا ذیمون حضرت شیث علیہ السلام ہی کا نام ہے

---

[1] ارمیس یا ہرمیس یونان کا ایک مشہور منجم اور ماہر فلکیات حکیم تھا اسی لئے اس کو ارمیس (عطارد) کہتے تھے، یونانی غلطی سے ادریس اور ارمیس کو ایک ہی شخص تسلیم کرتے ہیں حالانکہ یہ ایسی فاش غلطی ہے جسکے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

Marfat.com

اور جب حضرت ادریسؑ سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انکو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ تب انھوں نے شریر اور مفسدوں کو راہ ہدایت کی تبلیغ شروع کی مگر مفسدوں نے انکی ایک نہ سُنی اور حضرت آدمؑ و شیثؑ کی شریعت کے مخالف ہی رہے، البتہ ایک چھوٹی سی جماعت ضرور مشرف باسلام ہوگئی۔

حضرت ادریسؑ نے جب یہ رنگ دیکھا تو وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے پیرودں کو بھی ہجرت کی تلقین فرمائی۔ متبعین نے جب یہ سُنا تو انکو ترک وطن بہت شاق گذرا اور کہنے لگے کہ بابل[1] جیسا وطن ہم کو کہاں نصیب ہوسکتا ہے۔ حضرت ادریسؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم یہ تکلیف اللہ کی راہ میں اٹھاتے ہو تو اسکی رحمت وسیع اس کا نعم البدل ضرور عطا کرے گی۔ پس ہمّت نہ ہارو اور خدا کے حکم کے سامنے سر نیاز جھکا دو۔

مسلمانوں کی رضامندی کے بعد حضرت ادریسؑ اور اُن کی جماعت مصر کی جانب ہجرت کر گئی۔ جماعت نے جب نیل کی روانی اور اس کی سرزمین کی شادابی دیکھی تو بہت خوش ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے یہ دیکھکر اپنی جماعت سے فرمایا، بابلیون[2] (تمہارے بابل کی طرح شاداب مقام) اور ایک بہترین جگہ منتخب کرکے نیل کے کنارے بس گئے، حضرت ادریسؑ کے اس جملہ "بابلیون" نے ایسی شہرت پائی کہ عرب کے علاوہ قدیم اقوام اس سرزمین کو بابلیون ہی کہنے لگیں۔ البتہ عرب نے اس کا نام مصر بتایا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ سنائی کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد یہ مصر بن حام کی نسل کا مسکن و موطن بنا ہے۔

حضرت ادریسؑ اور اُن کی پیرو جماعت نے جب مصر میں سکونت اختیار کرلی تو یہاں بھی پیغام الٰہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا شروع کردیا کہا جاتا ہے کہ اُنکے زمانہ میں بہتّر زبانیں بولی جاتی تھیں، اور خدائے تعالیٰ کی عطار و بخشش سے یہ وقت کی تمام زبانوں

---

[1] بابل کے معنی نہر کے ہیں اور چونکہ بابل دجلہ و فرات کی نہروں سے سرسبز و شاداب تھا اس لئے اس نام سے موسوم ہوا یہ عراق کا مشہور شہر تھا جو فنا ہوگیا۔ [2] بابلیون کے معنی میں مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً تمہاری طرح کی نہر۔ مبارک نہر، مگر سب سے بہتر قول یہ ہے کہ "یون" سریانی میں تفضیل کی علامت ہے اور معنی ہیں "بڑی نہر"

Marfat.com

کے زباں داں تھے اور ہر ایک جماعت کو اُسی کی زبان میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔
حضرت ادریسؑ نے دینِ الٰہی کے پیغام کے علاوہ سیاستِ مدن اور شہری زندگی اور بود وماند کے متمدن طریقوں کی بھی تعلیم وتلقین کی اور اس کے لئے انھوں نے ہر ایک فرقہ وجماعت سے طلبا جمع کئے اور ان کو مدنی سیاست اور اُس کے اصول وقواعد سکھائے جب یہ طلبہ کامل و ماہر بنکر اپنے قبائل کیطرف لوٹے تو انھوں نے شہر اور بستیاں آباد کیں جن کو مدنی اصول پر بسایا، ان شہروں کی تعداد کم وبیش دو صد کے قریب تھی، جن میں سب سے چھوٹا شہر رہا[1] تھا۔ حضرت ادریسؑ نے ان طلبہ کو دوسرے علوم کی بھی تعلیم دی جس میں علم حکمت اور علم نجوم جیسے علوم بھی شامل ہیں۔
حضرت ادریس پہلی ہستی ہیں جنھوں نے علم حکمت ونجوم کی ابتدا کی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افلاک اور ان کی ترکیب کواکب اور اُن کے اجتماع وافتراق کے نقاط اور اُن کے باہم کشش کے اسرار اور بھیدوں کی تعلیم دی اور اُن کو علم عدد وحساب کا عالم بنایا۔ اور اگر اس پیغمبر کے ذریعہ ان علوم کا اکتشاف نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی مشکل تھی، انھوں نے مختلف گروہوں اور اُمتوں کے لئے انکے مناسب حال قوانین وقواعد مقرر فرمائے اور اقطاعِ عالم کو چار حصوں میں منقسم کرکے ہر ربع کے لئے ایک حاکم مقرر کیا جو اس حصہ زمین کی سیاست وملوکیت کا ذمہ دار قرار پایا، اور ان چاروں کے لئے ضروری قرار دیا کہ تمام قوانین سے مقدم شریعت کا وہ قانون رہیگا جسکی تعلیم وحی الٰہی کے ذریعے میں نے تم کو دی ہے، اس سلسلہ کے سب سے پہلے چار بادشاہوں کے نام حسب ذیل ہیں۔
(۱) ایلاوس (یعنی رحیم) (۲) زوس (۳) اسقلیبوس (۴) زوس امون یا ایلاوس امون یا بسیلوخس

حضرت ادریسؑ کی تعلیم کا خلاصہ	خدا کی ہستی اور اسکی توحید پر ایمان لانا صرف خالقِ کائنات کی پرستش کرنا، آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لئے اعمالِ صالحہ کو ڈھال بنانا، دنیا سے بے التفاتی

[1] یہ شہر صفحہ عالم سے مٹ گیا مگر اس کے کھنڈرات باقی ہیں۔ ۱۲

اور تمام امور میں عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھنا اور مقررہ طریقہ پر عبادتِ الٰہی ادا کرنا اور ایامِ بیض[1] کے روزے رکھنا، دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، طہارت و نظافت سے رہنا، خصوصیت کے ساتھ جنابت کتےّ اور سُور سے اجتناب کرنا، ہر نشہ آور شے سے پرہیز کرنا اُن کی تعلیم کا لُبِّ لباب ہے۔

اُنھوں نے اپنے پیرُوؤں کے لئے بحکمِ الٰہی سال میں چند دن عید کے مقرر فرمائے اور چند مخصوص اوقات میں نذر اور قربانی دینا فرض قرار دیا۔ ان میں سے بعض رویتِ ہلال پر ادا کی جاتی تھیں اور بعض اس وقت جبکہ سورج کسی برج میں داخل ہونے لگا ہو اور بعض جبکہ سیارے اپنے بیوت و برجِ شرف میں داخل ہوں اور بعض سیارے بعض سیاروں کے مقابل آجائیں۔

نذرِ الٰہی کے طریقے

اللہ تعالیٰ کے سامنے نذر و قربانی پیش کرنے کیلئے اُن کے یہاں تین چیزیں اہمیت رکھتی تھیں، خوشبوؤں کی دھونی، جانوروں کی قربانی اور شراب[2]، اور ان کے علاوہ میووں پھلوں اور پھولوں وغیرہ میں سے موسم کی پہلی چیز کی نذر ضروری تھی اور میووں میں سے سیب کو، اناج میں سے گیہوں کو اور پھولوں میں سے گلاب کو ترجیح حاصل تھی۔

بعد میں آنے والے نبیوں کے متعلق بشارت

حضرت ادریسؑ نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا کہ میری طرح اس عالم کی دینی و دُنیوی اصلاح کیلئے بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائینگے اور انکی نمایاں خصوصیات یہ ہونگی (۱) وہ ہر ایک بُری بات سے بَری اور پاک ہونگے (۲) قابلِ ستائش اور فضائل میں کامل ہونگے، زمین و آسمان کے احوال سے اور ان امور سے کہ جن میں کائنات کے لئے شفا ہے یا مرض وحیِ الٰہی کے ذریعہ اس طرح واقف ہوں گے کہ کوئی سائلِ تشنہ کام نہ رہیگا وہ مستجاب الدعوات ہونگے اور آپکی اور اُن کے مذہب کی دعوت کا خلاصہ اصلاحِ کائنات ہوگا

---

[1] ہر ماہ قمری کی ۱۴۔۱۵۔۱۶ تاریخ۔

[2] حکماء کا یہ تضادِ بیان حیرت میں ڈالتا ہے کہ ایک جانب تو وہ شریعتِ ادریسی میں شراب کو حرام بتاتے ہیں اور دوسری جانب خدا کی جناب میں شراب کی قربانی و نذر کو مقبول کہتے ہیں۔ "ان ھذا لشیٔ عجاب"

Marfat.com

حضرت ادریسؑ کی خلافت ارضی

حضرت ادریسؑ خدا کی زمین کے مالک بنا دیئے گئے تو انھوں نے علم و عمل کے اعتبار سے خدا کی مخلوق کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا، کاہن، بادشاہ رعیت اور حسب ترتیب انکے مراتب مقرر فرمائے۔ کاہن سب سے پہلا اور بلند درجہ قرار پایا اسلئے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنے نفس کے علاوہ بادشاہ اور رعیت کے معاملات میں بھی جوابدہ ہے اور بادشاہ کا دوسرا درجہ رکھا گیا، اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور امور مملکت کا متعلق جوابدہ ہے اور رعیت صرف اپنے نفس ہی کیلئے جوابدہ ہے اسلئے وہ تیسرے طبقہ میں شامل ہے لیکن یہ طبقات فرائض کے اعتبار سے تھے نہ کہ نسل و خاندان کے امتیازات کے لحاظ سے بہرحال حضرت ادریسؑ "رفع الی اللہ" تک انہی قوانین شریعت و سیاست کی تبلیغ فرماتے رہے

مذکورہ بالا چار بادشاہوں میں سے اسقلیبوس بہت پختہ عزم و ارادہ کا بادشاہ تھا، اس نے حضرت ادریس کے کلمات کی حفاظت اور قوانین شریعت کی نگہداشت خوب کی اور حضرت ادریسؑ کے اٹھائے جانے پر بیحد حزن و ملال کا اظہار کیا اور ہیکلوں میں انکی اور ان کے رفع کی حالت کی تصاویر بنوائیں۔

اسقلیبوس اس خطہ پر حکومت کرتا تھا جو طوفان نوح کے بعد خطہ یونان کہلایا۔ یونانیوں نے طوفان کی تباہ کاریوں سے بچے ہوئے ٹوٹے پھوٹے ہیکلوں میں جب حضرت ادریس کے مجسمہ اور ان کے رفع کی تصویر کو دیکھا اور ساتھ ہی اسقلیبوس کی عظمت اور ہیاکل میں حکمت و فلسفہ کی تدوین کا شہرہ سنا تو ان کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اسقلیبوس ہی وہ ہستی ہے جس کا رفع ہوا، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے جو محض اٹکل و تخمین سے انھوں نے اختیار کی۔

حضرت ادریسؑ کا حُلیہ

حضرت ادریسؑ کا حُلیہ یہ ہے۔ گندم گوں رنگ، پورا قد و قامت، سر پر بال کم۔ خوبصورت و خوبرو گھنی ڈاڑھی، رنگ و روپ اور چہرہ کے خطوط میں ملاحت، مضبوط بازو، چوڑے مونڈھے، مضبوط ہڈی، دبلے پتلے، سرمگیں چمکدار آنکھیں، گفتگو با وقار، خاموشی پسند، سنجیدہ اور متین، چلتے ہوئے نیچی نظر، انتہائی فکر و غوص کی عادی، غصہ کے وقت سخت غضبناک

Marfat.com

باتیں کرنے میں شہادت کی انگلی سے بار بار اشارہ کے عادی اور بیاسی سال کی عمر پائی
ان کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی۔

الصبر مع الایمان باللہ یورث الظفر — اللہ پر ایمان کے ساتھ صبر فتح مندی کا باعث

اور کمر سے باندھنے والے پٹکہ پر یہ تحریر تھا۔

الاعیاد فی حفظ الفروض والشریعۃ من — حقیقی عیدیں اللہ تعالیٰ کے فرائض کی حفاظت میں پوشیدہ ہیں

تمام الدین وتمام الدین کمال المروۃ — دین کا کمال شریعت سے وابستہ ہے اور مروت میں کمالِ دین کی تکمیل

اور نمازِ جنازہ کے وقت جو پٹکہ باندھتے اس پر حسب ذیل جملے ثبت ہوتے

السعید من نظر لنفسہ، وشفاعتہ — سعادت مند وہ ہے جو اپنے نفس کی نگرانی کرے اور پروردگار

عند ربہ اعمالہ الصالحہ — کے سامنے انسان کے شفیع اس کے اپنے نیک اعمال ہیں

حضرت ادریس کے بہت سے پند و نصائح اور آدابِ اخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل اور رموز و اسرار کی طرح مستعمل ہیں۔ اُن میں سے بعض درج ذیل ہیں

(۱) خدا کی بیکراں نعمتوں کا شکریہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

(۲) جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہش مند ہو اُس کو جہالت کے اسباب اور بدکردار کے قریب بھی نہ جانا چاہیے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر فن مولا کاریگر اگر سینے کا ارادہ کرتا ہے سوئی ہاتھ میں لیتا ہے نہ کہ برما بس ہر وقت یہ پیش نظر رہے۔

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں — ایں خیال ست و محال ست و جنوں

(۳) دُنیا کی بھلائی "حسرت" ہے اور بُرائی "ندامت"

(۴) خدا کی یاد، اور عمل صالح کے لیے خلوص نیت شرط ہے۔

(۵) نہ جھوٹی قسمیں کھاؤ، نہ اللہ تعالیٰ کے نام کو قسموں کیلئے تختۂ مشق بناؤ، اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو، کیونکہ ایسا کرنے سے تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے

(۶) ذلیل پیشوں کو اختیار نہ کرو جیسے سینگی لگانا جانوروں کے جفتی کرانے پر اجرت لینا وغیرہ

Marfat.com

(۷) اپنے بادشاہوں کی (جو کہ پیغمبر کی جانب سے احکام شریعت کے نفاذ کیلئے مقرر کئے نہیں) اطاعت کرو اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو اور ہر وقت حمد الٰہی میں اپنی زبان کو تر رکھو
(۸) حکمت، روح کی زندگی ہے۔
(۹) دُوسروں کی خوش عیشی پر حسد نہ کرو اس لئے کہ اُن کی یہ مسرور زندگی چند روزہ ہے
(۱۰) جو ضروریات زندگی سے زیادہ طالب ہوا وہ کبھی قانع نہ رہا[1]
تاریخ الحکماء کے ص ۳۴۴ پر ہرمس ثالث کے تذکرہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ طوفان نوح سے قبل دنیا میں جس قدر علوم شائع ہوئے اُن سب کے اوّل یہی ہرمس اوّل ہیں جو مصر کے حصۂ اعلیٰ کے متوطن تھے اور عبرانی حضرات اُن کو اخنوخ نبی مانتے ہیں اور جو اپنے نسب میں حضرت آدم کے پرپوتے ہیں۔ یعنی خنوخ (ادریس) بن یارد بن مہلائیل بن قینان، بن انوش، بن شیث، بن آدم (علیہم السلام)
ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ فلسفہ کی کتابوں میں جن علمی جواہر اور حرکات نجوم کا تذکرہ آتا ہے سب سے پہلے ان کا ذکر ان ہی کی زبان سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے ہیکلوں کی تعمیر علم طب کی ایجاد، ارضی و سماوی اشیاء کے متعلق موزوں قصائد کے ذریعہ اظہار خیال بھی انہی کی اولیات میں سے ہیں اور انہوں نے ہی سب سے پہلے طوفان کی اطلاع دیکر بندگان خدا کو ڈرایا اور بتایا کہ اُن کو دکھایا گیا ہے کہ ایک آسمانی آفت ہے جو زمین کو پانی اور آگ میں لپیٹ لے گی ہے۔ انھیں یہ دیکھ کر علوم کی بربادی اور صنعت و حرفت کی تباہی کا خوف ہوا اور اسلئے انہوں نے مصر میں اہرام اور برابی[2] بنائے اور ان میں تمام صنائع اور نو ایجاد آلات کی تصاویر بنائیں اور تمام علوم کے حقائق و اوصاف کو منقش کیا تاکہ یہ علوم و صناعات تا ابد باقی رہیں اور فنا کا ہاتھ اُن کو گزند نہ پہونچا سکے[3]
یہ الحکماء اور حکمت و فلسفہ کی کتب قدیمہ کی اُن یادہ گوئیوں اور بے سروپا باتوں کا یہ خلاصہ ہے جو

[1] تاریخ الحکماء ج ۱ — [2] برابی ایسے ہیکل جو چلہ کشی کے لئے چہار جانب سے بند ہوں — [3] تاریخ الحکماء جلد ۱

Marfat.com

حضرت ادریسؑ کے متعلق افسانوی حیثیت میں گھڑا گیا ہے کہ جسکو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ نقل اسکی تائید میں ہے بلکہ تحقیق اور صحیح علم تاریخ کے شواہد ان میں سے اکثر باتوں کی خرافات کو آج اس طرح ظاہر کر رہے ہیں کہ جس کا انکار حقیقت کے انکار کے مرادف ہے مثلاً اہرام وبرابی کی تاریخ آج جدید اکتشافات کی بدولت ہمارے سامنے بے نقاب ہے اور اہرام اور ان مقابر کی کھدائی نے علوم ونقوش اور صنائع کی تصویر کے بنانے والوں، اور ان کے مختلف زمانوں میں مختلف مدارج کے ترقی دینے والوں کے نام انکے اجسام اور ان کے زر وجواہر کے خزانوں اور مختلف زمانوں کی تحریروں، اور رسم الخط کی ترکیبوں کو سامنے لاکر روز روشن کی طرح آشکارا کر دیا ہے۔ کہاں وہ حقیقتیں اور کہاں یہ دُور از کار باتیں آج مینا، خوفو، منقرع اور طوطامن خامن وغیرہ بادشاہوں کے حالات سے کون آشنا نہیں ہے۔

تاہم ان بے سروپا باتوں کو بھی نقل کر دینا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہ آگاہی رہے کہ ان پیغمبر کے متعلق حکماء کی کتابوں میں بھی کس قسم کی دور از کار باتیں درج ہیں اس سلسلہ میں بس اُسی قدر سچ اور حق ہے جس کو ہم قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ سے نقل کر آئے ہیں یا توقف کے درجہ میں وہ چند جملے جو تورات سے نقل کئے گئے ہیں یا وہ اقوال جو پیغمبرانہ تعلیمات کے شایان شان ہیں۔

Marfat.com

حضرت ہُود (علیہ السّلام)

قرآن عزیز میں ہود (علیہ السلام) کا ذکر، ہودؑ کا نسب، عاد کی بستیاں انکا طریق عبادت، عاد کی ہلاکت، ہود اور قوم ہود کے واقعہ سے اخذ عبرت

قرآن عزیز میں ہودؑ کا ذکر — قرآن عزیز میں حضرت ہود (علیہ السلام) کا سات جگہ ذکر آیا ہے جو ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

نمبر شمار	سورۃ	آیات
۱	اعراف	۶۵
۲	ہود	۵۰-۵۳-۵۸، ۶۰-۸۹
۳	شعرا	۱۲۴

قرآن عزیز میں عاد کا ذکر — اور عاد کا ذکر نو سورتوں میں ہوا ہے، یعنی اعراف، ہود، مومنون، شعراء، فصلت، احقاف، الذاریات، القمر اور الحاقہ میں۔

قوم عاد — اس سے قبل کہ ہم عاد کے متعلق تفصیلی بحث کریں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن عزیز کے علاوہ کوئی تاریخ کی کتاب یا توراۃ عاد کے متعلق روشنی نہیں ڈالتی۔ اس لئے اس قوم کے حالات کا نقشہ یا قرآن عزیز کے ذریعہ بن سکتا ہے اور یا پھر اُن اثریات کے ذریعہ جو محققین علم الآثار نے اس راہ میں حاصل کی ہیں۔

پہلا ذریعہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے ان کے بیان کردہ حصہ کو بھی بلاشبہ قطعیت حاصل ہے اور دُوسرا ذریعہ تخمینی اور قیاسی، اس لئے اس کے بیان کردہ واقعات کی حیثیت ظن و تخمین سے آگے نہیں جاتی۔

عاد عرب کے قدیم قبیلہ یا امم سامیہ کے صاحب قوت و اقتدار افراد جماعت کا نام

Marfat.com

ہے، تاریخِ قدیم کے بعض یورپی مصنفین عاد کو ایک فرضی کہانی (میتھالوجی) یقین کرتے ہیں۔
مگر ان کا یہ تفنن بالکل غلط اور سراسر وہم ہے، اس لئے کہ جدید تحقیقات کا یہ مسلّم فیصلہ ہے
کہ عرب کے قدیم باشندے کثرتِ افراد و قبائل کے اعتبار سے ایک باعظمت و
سطوت جماعت تھی جو عرب سے نکلکر شام، مصر اور بابل کی طرف بڑھی اور وہاں زبردست
حکومتوں کی بنیاد ڈالی، اب فرق صرف اس قدر ہے کہ عرب ان باشندوں کو امم بائدہ
(ہلاک ہو جانیوالی قومیں) یا عرب عاربہ (خالص عرب) اور ان کی مختلف جماعتوں
کے افراد کو عاد، ثمود، طلسم اور جدیس کہتے ہیں[1] اور مستشرقین یورپ (امم سامیہ)
نام رکھتے ہیں پس اصطلاحات و تعبیرات کے فرق سے حقیقت و واقعہ میں کوئی تبدیلی
نہیں ہو جاتی، اس لئے قرآن عزیز نے اُن کو عادِ اُولیٰ کہا ہے کہ یہ واضح ہو جائے
کہ عرب کی قدیم قوم بنو سام اور عادِ اولیٰ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

اہلِ جغرافیہ کا قول ہے کہ لفظِ عرب دراصل عربہ تھا جس کے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں
خود عربی زبان میں اعراب اہلِ بادیہ کو کہتے ہیں اور عرابہ کے معنی بدویت کے آتے ہیں۔
اور بعض اہلِ تحقیق کی رائے یہ ہے کہ عرب اصل میں غرب (غین معجمہ کے ساتھ) تھا، اور
چونکہ اس کا جائے وقوع فرات کے غرب میں ہے اسلئے وہ آرامی قومیں (امم سامیہ) جو کہ فرات
غربی پر آباد تھیں، وہ اوّل غرب اور پھر غین کے نقطہ کے سقوط کے بعد عرب کہلائیں۔

ان میں سے عرب کی وجہ تسمیہ جو بھی صحیح ہو یہ حقیقت ہے کہ یہ مقام "قدیم امم سامیہ یا بدوی جماعتوں یا
عاد کا مسکن تھا۔ اسلئے عاد بغیر کسی اختلاف کے عرب نژاد تھے، اور لفظ عاد عربی ہے نہ کہ عجمی جسکے معنی
عبرانی میں "بلند و مشہور" کے ہیں، قرآن عزیز میں عاد کیساتھ ارم کا لفظ لگا ہوا ہے اور آرم (سام)
کے معنی بھی "بلند و مشہور" ہی کے ہیں، انہی عاد کو توراۃ کی غلط پیروی میں کہیں کہیں عمالقہ بھی کہا گیا ہے۔

عاد کا زمانہ — عاد کا زمانہ تقریباً دو ہزار قبل حضرت مسیح علیہ السلام مانا جاتا ہے، اور قرآن عزیز میں عاد کو "من
بعد قوم نوح" کہہ کر قومِ نوح کے خلفاء میں سے شمار کیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شام کی

[1] معجم البلدان ص ۴۲۹ جلد ۶

Marfat.com

دوبارہ آبادی کے بعد امم سامیہ کی ترقی عاد ہی سے شروع ہوتی ہے۔

عاد کا مسکن عاد کا مرکزی مقام ارض احقاف ہے یہ حضرموت کے شمال[1] میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے شرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی، مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ انکی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت اور یمن میں خلیج فارس کے سواحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن ان کا دارالحکومت تھا۔

عاد کا مذہب عاد بت پرست تھے اور اپنے پیشرو قوم نوح کی طرح صنم پرستی اور صنم تراشی میں ماہر تھے تاریخ قدیم کے بعض ماہرین کہتے ہیں کہ اُن کے معبودانِ باطل بھی قومِ نوح کی طرح ودّ، سواع یغوث، یعوق، اور نسر ہی تھے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اثر مروی ہے، اس میں ہے کہ ان کے ایک صنم کا نام صمود اور ایک کا نام ہتار تھا[2]

حضرت ہودؑ عاد اپنی مملکت کی سطوت و جبروت، جسمانی قوت و صولت کے غرور میں ایسے چمکے کہ انہوں نے خدائے واحد کو بالکل بھلا دیا اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بیخوف و خطر کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک پیغمبر حضرت ہودؑ کو مبعوث فرمایا حضرت ہودؑ عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے سرخ و سپید رنگ اور وجیہ تھے، ان کی داڑھی بڑی تھی[3]

تبلیغ اسلام انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی عبادت کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم و جور کرنے سے منع فرمایا۔ مگر عاد نے ایک نہ مانی اور ان کو سختی کے ساتھ جھٹلایا اور غرور و تکبر کے ساتھ کہنے لگے "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً"، آج دنیا میں ہم سے زیادہ شوکت و جبروت کا کون مالک ہے؟ مگر حضرت ہودؑ مسلسل اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے، وہ اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے

---

[1] عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ مجھ سے سید عبداللہ بن احمد بن عمر بن یحییٰ علوی نے (جو حضرموت کے باشندہ ہیں) بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کے کھوج میں حضرموت کے شمالی میدان میں مقیم تھے، طویل جد و جہد کے بعد ہم نے مرمر کے بعض ظروف کو ریت کے ٹیلوں کی کھدائی میں حاصل کیا جن پر خط مسماری میں تحریر تھا۔ مگر افسوس کہ مالیہ کی کمی نے اس عظیم الشان مہم کو پورا نہ ہونے دیا۔ (قصص الانبیاء، ص ۷۱)

[2] صدا بھی ان کا مشہور بت تھا، البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۔ [3] عینی جلد ۷، کتاب الانبیاء۔

Marfat.com

غرور و سرکشی کے نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے اور کبھی ارشاد فرماتے :-

اے قوم! اپنی جسمانی طاقت اور حکومت کے جبروت پر گھمنڈ نہ کر بلکہ خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھکو یہ دولت بخشی، قوم نوح کی تباہی کے بعد تجھکو زمین کا مالک بنایا، خوش عیشی، فارغ البالی اور خوشحالی عطا کی لہٰذا اس کی نعمتوں کو نہ بھول اور خود ساختہ بتوں کی پرستش سے باز آجو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ دکھ دے سکتے ہیں، موت و زیست، نفع و ضرر سب ایک خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اے افراد قوم! مانا کہ تم عرصہ تک سرکشی اور اسکی نافرمانی میں مبتلا رہے ہو مگر آج بھی اگر توبہ کر لو، اور باز آجاؤ تو اس کی رحمت وسیع ہے اور دروازۂ توبہ بند نہیں ہوا۔ اس سے مغفرت چاہو وہ بخشدیگا، اس کی طرف رجوع ہو جاؤ، وہ معاف کر دیگا۔ تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کر لو، وہ تم کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کریگا، بیش از بیش عزت دیگا، اور مال و عزت میں سرفرازی بخشیگا۔

حضرت ہود اپنی تبلیغ اور پیغام حق کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی دُہراتے کہ میں تم سے کسی اجر و عوض کا خواہاں نہیں، میرا اجر تو خدا ہی کے پاس ہے۔ اور یہ نبی کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے۔ ان کو کوئی یہ تہمت نہیں لگا سکتا کہ وہ مال کی طلب میں ایسا کرتے ہیں، یا عزت و جاہ اور ریاست کے طالب ہیں۔ وہ نہ قوم سے اپنی ریاست و عزت کے طالب ہوتے ہیں اور نہ مال و منال کے، انکے سامنے تو صرف ایک ہی نقطہ ہوتا ہے اور وہ ادائے فرض اور اپنے مالک حقیقی کے احکام کی پیغامبری ہے۔

عاد میں ایماندار تو چند ہی تھے باقی تمام سرکش اور متمرد انسانوں کا گروہ تھا، ان کو حضرت ہود کی یہ نصائح سخت شاق گذرتی تھیں، اور وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے خیالات انکے عقائد و اعمال، غرض ان کے کسی ارادہ میں بھی کوئی شخص حائل ہو اور انکے لئے ناصح مشفق بنے، اس لئے اب انھوں نے یہ روش اختیار کی کہ حضرت ہودؑ کا مذاق اُڑایا، ان کو بیوقوف گردانا اور انکی معصومانہ حقانیتوں اور صداقتوں کی تمام یقینی دلائل و براہین کو جھٹلانا شروع کر دیا اور حضرت ہود سے کہنے لگے -

يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا　اے ہود! تو ہمارے پاس ایک دلیل بھی نہ لایا، اور تیرے کہنے

Marfat.com

عن قولک وما نحن لک بمومنین ﴿ہود﴾ ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنیوالے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانیوالے

ہم اس ڈھونگ میں آنیوالے نہیں کہ تجھ کو خدا کا رسول مان لیں اور اپنے خداؤں کی عبادت چھوڑ کر یہ یقین کر لیں کہ وہ خدائے اکبر کے سامنے ہمارے سفارشی نہیں ہونگے۔

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ نہ میں بے وقوف ہوں اور نہ پاگل، بلاشبہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے بیوقوف کو منتخب نہیں کیا کرتا کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑھ جائے اور ہدایت کی جگہ گمراہی آجائے وہ اس عظیم الشان خدمت کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو چنتا ہے جو ہر طرح اس کا اہل ہو اور اس خدمت حق کو بخوبی انجام دے سکے۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنے منصب رسالت کو کسجگہ رکھے۔

مگر قوم کی سرکشی اور مخالفت بڑھتی ہی رہی اور ان پر آفتاب سے زیادہ روشن دلائل و نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا، اور وہ حضرت ہودؑ کی تکذیب و تذلیل کے اور زیادہ درپے ہوگئے اور (العیاذ باللہ) مجنون اور خبطی کہہ کر اور زیادہ مذاق اڑانے لگے، اور کہنے لگے کہ جب سے تو نے ہمارے معبودوں کو برا کہنا اور ہم کو انکی عبادت سے باز رہنے کے لئے تلقین کرنا شروع کیا ہے ہم دیکھتے ہیں اسوقت سے تیرا حال خراب ہو گیا ہے اور ہمارے خداؤں کی بددعا سے تو پاگل و مجنون ہو گیا ہے تو اب ہم اسکے علاوہ تجھ کو اور کیا سمجھیں۔

ان کو اپنی اس گستاخانہ جرأت و تہمت سے یہ خیال ہو چلا تھا کہ اب کوئی شخص حضرت ہودؑ کی طرف دھیان نہ دیگا، اور ان کی باتوں کو توجہ سے نہ سنیگا۔

حضرت ہودؑ نے یہ سب کچھ نہایت ضبط و صبر سے سنا اور پھر ان سے یوں مخاطب ہوئے میں خدا کو اور تم سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس اعتقاد سے قطعاً بری ہوں کہ ان بتوں میں یہ قدرت ہے کہ مجھکو یا کسی کو کسی قسم کی بھی کوئی برائی پہنچا سکتے ہیں، اس کے بعد تم کو اور تمہارے ان معبودانِ باطل کو تحدی (چیلنج) کرتا ہوں کہ اگر انہیں ایسی قدرت ہے تو وہ مجھ کو نقصان

Marfat.com

پہنچانے میں جلدی سے اقدام کریں۔ میں اپنے خدا کے فضل و کرم سے صاحبِ عقل و خرد ہوں فراست و کیاست کا مالک ہوں اور حکمت و دانائی کا حامل ہوں تو صرف اپنے اس خدا ہی پر بھروسہ کرتا اور اسی پر وثوق رکھتا ہوں جس کے قبضہ و قدرت میں کائنات کے تمام جانداروں کی پیشانیاں ہیں اور جو حیات و ممات کا مالک ہے۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا اور ہر نقصان پہنچانے والے کے نقصان سے محفوظ رکھیگا۔

آخر حضرتِ ہودؑ نے اُن کی مسلسل بغاوت و سرکشی کے خلاف یہ اعلان کر دیا کہ اگر عاد کا رویہ یہی رہا اور حق سے اعراض و روگردانی کی روش میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہ کی، اور میری پند و نصائح کو گوشِ دل سے نہ سُنا تو میں تو اپنی مفوضہ خدمت کے لئے ہر وقت چست کمر اور باہمت ہوں مگر اُن کے لئے ہلاکت یقینی ہے، اللہ تعالےٰ عنقریب اُنکو ہلاک کردیگا اور ایک دوسری قوم کو زمین کا مالک بنا کر ان کی جگہ قایم کردیگا، اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ تو ہر شئے پر قادر و مسلط اور ہر شئے کا حافظ و نگہبان ہے۔ اور تمام کائنات اس کے یدِ قدرت میں مسخر ہے۔

اے قوم! اب بھی سمجھ عقل و ہوش سے کام لے، قومِ نوحؑ کے حالات سے عبرت حاصل کر اور خدا کے پیغام کے سامنے سرِ نیاز جھکا دے، ورنہ قضا و قدر کا ہاتھ ظاہر ہو چکا ہے اور بہت قریب ہے وہ زمانہ کہ تیرا یہ سارا غرور و گھمنڈ خاک میں مل جائیگا، اور اس وقت ندامت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ہودؑ نے بار بار ان کو یہ بھی یاد کرایا کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، دوست ہوں، تم سے زر و سیم اور ریاست کا طالب نہیں ہوں تمہاری فلاح و نجاح کا طالب مخلص ہوں اللہ تعالےٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے، جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور حسن حال و مآل کے لئے کہتا ہوں اور دائمی و سرمدی نجات کے لئے کہتا ہوں۔

Marfat.com

تم کو اپنی ہی قوم کے ایک انسان پر خدا کے پیغام نازل ہونے سے اچنبھا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ قدیم سے خدا کی سنت جاریہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت وسعادت کے لئے ان ہی میں سے ایک شخص کو چن لیتا اور اپنا رسول بنا کر اس کو خطاب کرتا ہے اور اپنی مرضیات ونامرضیات سے اس کی معرفت اپنے بندوں کو مطلع کرتا رہتا ہے، اور فطرت کا تقاضا بھی تو یہی ہے کہ کسی قوم کے رشد وہدایت کے لئے ایسے شخص کا ہی انتخاب کیا جائے جو بول چال میں ان ہی کی طرح ہو، اُن کے اخلاق وعادات کا واقف ودانا ہو، انکے خصوصی امتیازات سے آشنا، اور اُن ہی کے ساتھ زندگی گزارتا رہا ہو کہ اُسی سے قوم مانوس ہو سکتی ہے اور وہی ان کا صحیح ہادی شفیق بن سکتا ہے۔

عاد نے جب یہ سنا تو وہ عجیب حیرت میں پڑ گئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایک خدا کی پرستش کے کیا معنیٰ؟ وہ غم وغصہ میں آ گئے کہ کس طرح ہم باپ دادا کی ریت "اصنام پرستی" کو چھوڑ دیں؟ یہ تو ہماری اور ہمارے باپ دادا کی سخت توہین ہے۔ ان کا غیظ وغضب بھڑک اٹھا کہ انکو کافر اور مشرک کیوں کہا جاتا ہے جبکہ وہ بتوں کو خدا کے سامنے اپنا شفیع مانتے ہیں؟ اُنکے نزدیک ہود (علیہ السلام) کی بات مان لینے میں انکے ان معبودوں اور بزرگوں کی توہین و تحقیر تھی جنکو وہ خدائے اکبر کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ اور شفیع مانتے تھے اور اُسی کیلئے ان تصویروں اور مجسموں کو پوجتے تھے کہ وہ خوش ہو کر ہماری سفارش کرینگے اور عذاب الٰہی سے نجات دلائینگے۔

آخر وہ شعلہ کیطرح بھڑک اُٹھے اور حضرت ہود (علیہ السلام) سے بگڑ کر کہنے لگے "تو نے ہم کو اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی اور ہم کو اس سے یہ کہکر ڈرایا:

اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ؕ (الشعراء)	میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب آنے سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں تم اُسکے مستحق نہ ٹھہر جاؤ)

تو اے ہود! اب ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں، ہم ایسے ناصح مشفق سے باز آئے۔ اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آ کہ ہمارا تیرا قصہ پاک ہو۔

Marfat.com

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الاعراف) — پس لاتو ہمارے پاس اس شے کو جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو واقعی سچوں میں سے ہے۔

حضرت ہود (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ اگر میری مخلصانہ اور صادقانہ نصائح کا یہی جواب ہے تو بسم اللہ اور تم کو عذاب کا اگر اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی کچھ دور نہیں ہے۔

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (الاعراف) — بلاشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر عذاب و غضب آپہنچا۔

تم کو شرم نہیں آتی کہ تم چند خود ساختہ بتوں کو انکے نام گھڑ کر پکارتے ہو اور تم اور تمہارے آباؤ اجداد ان کو خدا کی دی ہوئی دلیل کے بغیر من گھڑت طریقہ پر ان کو اپنا شفیع اور سفارشی مانتے ہو اور میری روشن دلائل سے انحراف اور سرکشی کر کے عذاب کے طالب ہوتے ہو، اگر ایسا ہی شوق ہے تو اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ وقت قریب آپہنچا۔

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (الاعراف) — کیا تم مجھ سے ان من گھڑت ناموں (بتوں) کے بارہ میں جھگڑتے ہو جنکو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لیا ہے جس کے متعلق تمہارے پاس خدا کی کوئی حجت نہیں آئی پس اب تم (عذاب) الٰہی کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں

الحاصل قوم ہود (عاد) کی انتہائی شرارت و بغاوت اور اپنے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض و عناد کی پاداش عمل اور قانون جزاء کا وقت آپہنچا اور غیرت حق حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی، عاد سخت گھبرائے پریشان ہوئے اور عاجز و درماندہ ہونے لگے تو حضرت ہود کو جوش ہمدردی نے اکسایا اور مایوسی کے بعد پھر ایک مرتبہ ان کو سمجھایا کہ راہِ حق اختیار کر لو، میری نصائح پر ایمان لے آؤ کہ یہی نجات کی راہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ورنہ پچھتاؤ گے لیکن بدبخت و بدنصیب قوم پر کوئی اثر نہ ہوا، اور بغض و عناد دوبالا ہوگیا۔ تب ہولناک عذاب نے ان کو آگھیرا، آٹھ دن اور سات راتیں پیہم تیز و تند ہوا کے طوفان اٹھے اور ان کو اور ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھدیا۔ تنومند اور قوی ہیکل انسان جو اپنی جسمانی قوت

کے گھمنڈ میں سرمست سرکشی تھے اس طرح بے حس و حرکت پڑے نظر آتے تھے جس طرح آندھی سے تناور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے غرض ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنیں اور دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب انپر مسلط کر دیا گیا کہ وہ اسکے مستحق تھے اور حضرت ہودؑ اور ان کے مخلص پیروان اسلام خدا کی رحمت و نعمت میں عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے اور سرکش قوم کی سرکشی و بغاوت سے نجات پائی۔

یہ ہے عاد اولیٰ کی وہ داستان عبرت جو اپنے اندر چشم عبرت بیں کے لئے بیشمار پند و نصائح رکھتی اور خدائے برتر کے احکام کی تعمیل اور تقویٰ و طہارت کی زندگی کی جانب دعوت دیتی ہے۔ شرارت، سرکشی اور خدا کے احکام سے بغاوت کے انجام بد سے آگاہ کرتی اور وقتی خوش عیشی پر گھمنڈ کرکے نتیجہ کی بدبختی پر مذاق اڑانے سے ڈراتی اور باز رکھتی ہے۔

غرض حضرت ہودؑ کے اس واقعہ کا تفصیلی ذکر قرآن عزیز کی ان آیات میں تلاوت کیجئے اور موعظت و عبرت، اور گرانمایہ پند و نصائح کا سامان فراہم کیجئے کہ دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا یہی بہترین ذخیرہ ہے۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ (۶۵) قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (۶۶) قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۶۷) أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ	(اور اسی طرح ہم نے قوم عاد میں اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا، اس نے کہا "اے قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا معبود نہیں، کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟ اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنھوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، کہا "ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو" ہود نے کہا بھائیو! میں احمق نہیں ہوں میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں

ؑ ان ہلاک شدگان کی تعداد مفسرین نے تین سے چار ہزار تک بتائی ہے جیسا کہ روح المعانی وغیرہ میں مذکور ہے لیکن قرآن عزیز نے جس طرح ان کی شوکت و حکومت کا تذکرہ کیا ہے اور بنو سام کی قدیم تاریخ سے جیسا پتہ چلتا ہے اس اعتبار سے یہ تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

Marfat.com

رَبِّیْ وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (۶۸)
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ
رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ
وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْطَةً
فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّکُمْ
تُفْلِحُوْنَ (۶۹) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ
اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (۷۰) قَالَ قَدْ وَقَعَ
عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ
اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا
مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۷۱) فَاَنْجَیْنٰهُ وَ
الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا
دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا
کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۷۲) (الاعراف)
وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (۵۰) یٰقَوْمِ

کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں میں اسکا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں اور
یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرنیوالا ہوں
کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ
تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے خدا
کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تمہیں اسکا جانشین اور تمہاری
نسل کو زیادہ وسعت و توانائی بخشی بس چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں
کی یاد سے غافل نہو۔ تاکہ ہر طرح کامیاب ہو" انہوں نے کہا "کیا تم
اس لئے ہمارے پاس آئے کہ ہم صرف ایک ہی خدا کے پجاری
ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے
آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جسکا ہمیں خوف دلا رہے ہو
ہود نے کہا "یقین کرو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب
اور غضب واقع ہو گیا ہے (کہ عقلیں ماری گئیں ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے
کو تباہی کے حوالے کر رہے ہو) کیا ہے جسکی بنا پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض
چند نام جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں اور
لئے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری، اچھا (آنیوالے وقت کا) انتظار کرو
میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرونگا" پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہود کو اور اسکے
ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جنھوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی
تھیں انکی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانیوالے
تھے اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف، اُس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو
ہود نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے
تمہارا کوئی معبود نہیں یقین کرو تم اسکے سوا کچھ نہیں ہو کر (حقیقت

Marfat.com

لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٥١)
وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا
اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ
وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ (٥٢) قَالُوْا
يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا
نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ
وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (٥٣)
اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ
اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ
اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ (٥٤) مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ
جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (٥٥) اِنِّيْ
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ
مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا
اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٥٦)
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ
اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ
رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ
شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (٥٧)

خلاف، افترا پردازیاں کر رہے ہو" اے میری قوم کے لوگو! میں اس بات کے لئے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (اپنے قصوروں کی) مغفرت مانگو اور (آئندہ کے لئے) اُسکی جناب میں توبہ کرو، وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمہارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمہاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ بڑھتے جاتے ہو) اور (دیکھو) جرم کرتے ہوئے اُس سے منہ نہ موڑو (ان لوگوں نے) کہا "اے ہود تو ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آیا (جسے ہم دلیل سمجھیں) اور ہم ایسا کرنیوالے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، ہم تجھ پر ایمان لانیوالے نہیں ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں، وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے (اسی لئے اسطرح کی باتیں کرنے لگا ہے) ہود نے کہا" میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں تم سب ملکر میرے خلاف جو کچھ تدبیریں کر سکتے ہو ضرور کرو۔ اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟) میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالے نے اسے اسکی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے (یعنی کوئی حرکت کرنیوالی ہستی نہیں کہ اس کے قبضہ سے باہر ہو)

Marfat.com

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا
هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۵۸) وَ
تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَ
اتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (۵۹)
وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَآ اِنَّ
عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا
لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ (۶۰)

(ھود)

میرا پروردگار (حق و عدل کی سیدھی راہ پر ہی) یعنی اُس کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہو سکتی، پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا تھا۔ وہ میں نے پہنچا دی (اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے اور مجھے تو نظر آرہا ہے کہ) کہ میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ دے دیگا، اور تم اُس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگرانِ حال ہے، اور (دیکھو) جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا لیا جو اُس کے ساتھ (سچائی پر) ایمان لائے تھے، اور ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا۔ یہ ہے سرگزشت عاد کی، انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی! اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی۔ تو سُن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ عاد کے لئے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا
اٰخَرِيْنَ (۳۱) فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ (۳۲) وَقَالَ الْمَلَاُ
مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي

پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا۔ ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی میں سے تھا (اس کی پکار بھی یہی تھی) کہ "اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں؟ اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنھیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے" اس سے زیادہ اس کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ
مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (۳۳)
وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ
اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۳۴) اَيَعِدُكُمْ
اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّ
عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ (۳۵)
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ (۳۶)
اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ
وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (۳۷)
اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ (۳۸)
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (۳۹)
قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ (۴۰)
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ (۴۱) (المومنون)

کیا حیثیت ہی کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہی جو تم کھاتے ہو یہ
بھی کھاتا ہی جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہی۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے
ایک آدمی کی اطاعت کرلی تو بس سمجھ لو تم تباہ ہوئے، تم سنتے
ہو یہ کیا کہتا ہی؟ یہ تمہیں امید دلاتا ہی کہ جب مرنے کے بعد
محض مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو جاؤگے تو پھر تمہیں موت سے
نکالا جائیگا کیسی ان ہونی بات ہی جس کی تمہیں توقع باقی ہی
زندگی تو بس یہی زندگی ہی جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں یہیں
مرتے ہیں یہیں جیتا ہی۔ ایسا کبھی ہونا والا نہیں کہ مرکر پھر
جی اٹھینگے کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہی جس نے
اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنادی، ہم کبھی اس پر یقین
لانیوالے نہیں" اس پر اُس رسول نے دعا مانگی "خدایا!
اُنھوں نے مجھے جھٹلایا ہی، پس تو میری مدد کر" حکم ہوا عنقریب
ایسا ہونیوالا ہی کہ یہ اپنے کئے پر شرمسار ہونگے" چنانچہ
فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے اُنہیں آپکڑا اور ہم نے
خس وخاشاک کی طرح انھیں پامال کردیا، تو محرومی ہو اس
گروہ کے لئے کہ ظلم کرنے والا ہی۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ (۱۲۳) اِذْ قَالَ
لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۲۴) اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (۱۲۵) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۱۲۶)
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ

عاد نے (اللہ کے) پیغام لانے والوں کو جھٹلایا جب اُن کے
بھائی ہود نے ان کو کہا "کیا تم کو خدا کا ڈر نہیں؟ میں تمہارے
پاس پیغام لانیوالا معتبر ہوں، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا
مانو، اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر بدلہ میرا بدلہ

Marfat.com

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۷) اَتَبْنُوْنَ — اُس جہان کے مالک پر ہی کیا بناتے ہو تم ہر اونچی زمین پر ایک
بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ (۱۲۸) وَتَتَّخِذُوْنَ — نشان کھیلنے کو، اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (۱۲۹) وَاِذَا بَطَشْتُمْ — رہو گے اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو ظلم کا پنجہ ہی مارتے ہو،
بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (۱۳۰) فَاتَّقُوا اللّٰهَ — سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور ڈرو اُس سے جس
وَاَطِيْعُوْنِ (۱۳۱) وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ — نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو۔ پہنچائے تم کو
بِمَا تَعْلَمُوْنَ (۱۳۲) اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ (۱۳۳) — چوپائے اور بیٹے، اور باغ اور چشمے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۳۴) اِنِّيْٓ اَخَافُ — بڑے دن کی آفت سے وہ بولے" ہم کو برابر ہی تو نصیحت
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۳۵) قَالُوْا — کرے یا نہ کرے، اور کچھ نہیں ہیں یہ باتیں مگر عادت
سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ — ہی اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت آنیوالی نہیں۔ پھر
الْوٰعِظِيْنَ (۱۳۶) اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۳۷) — اُس کو جھٹلانے لگے۔ تب ہم نے ان کو غارت کر دیا۔
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (۱۳۸) فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ — اس بات میں البتہ نشانی ہو اور ان میں بہت لوگ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ — ماننے والے نہیں، اور تیرا رب وہی ہو زبردست رحم والا
مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۱۴۰) (الشعراء)

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ — سو وہ جو عاد تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق، اور
وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ — کہنے لگے" کون ہی ہم سے زیادہ زور و قوت میں کیا دیکھتے
اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا — نہیں کہ اللہ جس نے ان کو بنایا وہ زیادہ ہی اُن سے زور میں؟
بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (۱۵) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا — اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر، پھر بھیجی ہم نے ان پر ہوا
صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ — بڑے زور کی کئی دن جو مصیبت کے تھے۔ تاکہ چکھائیں اُن
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ — کو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگانی میں، اور آخرت کے عذاب
اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ (۱۶) (حم سجدہ) — میں تو پوری رسوائی ہی۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ — اور یاد کر عاد کے بھائی کو جب ڈرایا اُس نے اپنی قوم کو

Marfat.com

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۲۱)
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۲۲)
قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (۲۳)
فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ
قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا
اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲۴)
تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا
يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ (۲۵) وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ
فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ
وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا
يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۲۶) (احقاف)
وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ (۴۱)
مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ
كَالرَّمِيْمِ (۴۲) (الذاریات)

احقاف میں اور گذر چکے تھے ڈرانے والے اس کے سامنے سے اور پیچھے سے (یہ کہتے ہوئے) کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوائے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی۔ بولے! کیا تو آیا ہمارے پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے معبودوں سے! سو لے آ ہم پر جو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو سچا۔ کہا! یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا ہے میرے ہاتھ، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نافرمانی کرتے ہو، پھر جب دیکھا اس (عذاب) کو، ابر سامنے آیا ہوا اپنی وادیوں کے، بولے! یہ ابر ہے ہمارے اوپر برسیگا "کوئی نہیں" یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے۔ ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک، اکھاڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پھر کل کے دن رہ گئے کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے ان کے گھروں کے، یوں ہم سزا دیتے ہیں، گنہگار لوگوں کو اور ہم نے مقدور دیا تھا ان کو ان چیزوں کا جن کا تم کو مقدور نہیں دیا اور ہم نے ان کو دیے تھے کان اور آنکھیں اور دل، پھر کام نہ آئے کان انکے اور نہ آنکھیں ان کی۔ اور نہ دل ان کے کسی چیز میں۔ اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے کہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ اور قوم عاد کے ہلاک ہونے میں بھی قدرت خدا کی بہتری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر ایک منحوس آندھی چلائی جس چیز پر ہو کر گذرتی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا کئے بدون نہ چھوڑتی۔

Marfat.com

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ (۱۸)	جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۱۹) تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ (۲۰) فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ (۲۱) (القمر)	ہم نے بھیجی اُن پر ہوا تند، ایک نحوست کے دن جو ٹلنے والی نہ تھی اکھاڑ پھینکا لوگوں کو گویا وہ جڑ ہیں کھجور کی اکھڑی پڑی، پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا۔
وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (۶) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ (۸) (الحاقہ)	اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے کہ نکلی جائے ہاتھوں سے، مقرر کر دیا اسکو ان پر سات رات اور آٹھ دن تک لگاتار، پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اس میں بچھڑ گئے گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی، پھر تو دیکھتا ہے کوئی اُن میں کا بچا؟
أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (۶) إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۷) الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (۸) (الفجر)	تو نے دیکھا، کیسا کیا تیرے رب نے عاد ارم کے ساتھ جو تھے بڑے ستونوں والے کہ ان جیسی سارے شہروں میں نہیں بنائی گئیں۔

حضرت ہودؑ کی وفات اہل عرب حضرت ہود علیہ السلام کی وفات اور ان کی قبر مبارک کے متعلق مختلف دعوے کرتے ہیں، مثلاً اہل حضرموت کا دعویٰ ہے کہ عاد کی ہلاکت کے بعد وہ حضرموت کے شہروں میں ہجرت کر آئے تھے، وہیں ان کی وفات ہوئی اور وادی برہوت کے قریب حضرموت کے مشرقی حصہ میں شہر تریم سے قریباً دو مرحلے پر دفن ہوئے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر مروی ہے کہ اُن کی قبر حضرموت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر ہے اور ان کے سرہانے جھاؤ کا درخت کھڑا ہے۔

اور اہل فلسطین کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسطین میں دفن ہیں، اور انہوں نے وہاں اُن کی قبر بھی بنا رکھی ہے اور اس کا سالانہ عرس بھی کرتے ہیں[۱]۔

[۱] قصص الانبیاء- ص ۴۷-

Marfat.com

مگر ان تمام روایات میں سے حضر موت کی روایت صحیح اور معقول معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ عاد کی بستیاں حضر موت ہی کے قریب تھیں، لہذا قرینہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی تباہی کے بعد قریب ہی کی آبادیوں میں حضرت ہود (علیہ السلام) نے قیام فرمایا ہوگا اور وہیں پیغام اجل کو لبیک کہا اور وہ یہی حضر موت کا مقام ہے۔

چند عبرتیں علاوہ اس خاص عبرت کے جس کا ذکر اس طویل واقعہ میں ہو چکا ہے چند عبرتیں بھی قابل توجہ اور لائق نظر التفات ہیں۔

(۱) جو شخص قوم عاد کے واقعہ کو پڑھتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسی ہستی کا تصور آجاتا ہے جو وقار اور متانت کا مکمل مجسمہ ہے اور شرافت و نجابت چہرہ سے عیاں، جو کچھ کہتا ہے پہلے اسکو وزن کر لیتا ہے کہ اس کا انجام نیک ہے یا بد، قوم کی دشتی تمسخر و استہزاء کا جواب ضبط و صبر سے دیتا اور پھر بھی اُن کی بھلائی کا جو یاں نظر آتا ہے اخلاص حسن نیت اسکی پیشانی سے عیاں ہے۔ اس کی قوم کہتی ہے :-

انا لنراک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکٰذبین ○	بیشک ہم تجھ کو بے وقوف پاتے ہیں اور بیشک ہم تجھکو جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔

مگر وہ اس کا جواب یہ دیتا ہے :-

یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ سَفَاھَۃٌ وَّلٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنَا لَکُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ ۔	اے قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، البتہ میں جہانوں کے پروردگار کی جانب سے رسول ہوں تم تک اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لئے امانتدار خیر خواہ ہوں۔

یہ سوال و جواب ہم کو توجہ دلاتے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ انسان جب کسی کی نیک خواہی کرتے اور کج رووں کی کجی کو سیدھا کرنے کے لئے نصیحت فرماتے ہیں تو کور چشموں اور بد باطنوں کی ہرزہ سرائی تمسخر و تحقیر کی پرواہ نہیں کرتے، نہ دلگیر و رنجیدہ ہو کر امر حق سے منہ نہیں موڑتے نا راض ہو کر خیر خواہی اور نصیحت کو ترک نہیں چھوڑتے، اور بلندی اخلاق اور نرمی و مہربانی کے ساتھ روحانی مریضوں کے علاج میں مشغول رہتے

Marfat.com

ہیں اور انکی ان تمام خصوصیات میں نمایاں امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس نصیحت و نیک خواہی کے لئے قوم سے مطلق کسی قسم کے نفع کے خواہشمند نہیں ہوتے اور انکی زندگی بدلہ اور عوض سے یکسر بلند اور برتر ہوتی ہے۔

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ اور میں تم سے اس نصیحت پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے

(۲) حضرت ہودؑ نے لطف و مہربانی کے ساتھ اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کی ترغیب دی، اُس کی لازوال نعمتوں کو یاد دلایا اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا مگر بدبخت قوم نے کسی طرح مان کر نہ دیا۔ اس کا سب سے بڑا سبب وہ جاہلانہ عقیدہ تھا کہ باپ دادا کی ریت و رسم اور انکے خود ساختہ اصنام کی قہرمانیت کے خلاف جو شخص بھی آواز اُٹھائیگا وہ ان بتوں کی پھٹکار میں آجائیگا۔ یہ مہلک عقیدہ جن قوموں کے اندر اپنے جراثیم پیدا کر دیتا ہے ان قوموں کا اپنے مصلح اور اپنے نبی و پیغمبر دونوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو قومِ ہود اور قومِ نوحؑ کے تذکروں میں نظر آتا ہے اپنے مصلحین اور انبیاء صادقین کے خلاف قوموں کا بغض و عناد اسی ایک عقیدہ پر مبنی رہا ہے کہ ہمارے باپ دادا کی ریت و رسم اور اُن کے خود ساختہ اصنام کی قہرمانیت کے خلاف کیوں کچھ کہا جاتا ہے۔ یونان کے مشہور حکیم سقراط کو زہر کا پیالہ اسی لئے پینا پڑا کہ وہ اپنی قوم کے معبودانِ باطل کی قہرمانیت کا کیوں انکار کرتا اور ان کو کس لئے ان کے غلبۂ اقتدار کا مخالف بناتا ہے۔ پس یہ جرثومہ اقوام کی روحانی زندگی کے لئے ہمیشہ تباہ کن اور ان کی فلاح و سعادتِ ابدی کے لئے ہلاکت آفریں رہا ہے۔

(۳) حضرت ہود علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ سنت بہترین اسوہ ہے کہ تبلیغ و پیغامِ حق کی راہ میں بدی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے اور تلخی کا جواب شیریں کلامی سے پورا کیا جائے۔ البتہ مبلغ انکی بدکرداری اور مسلسل سرکشی پر اللہ تعالٰی کی بنائے قانون جزائے عمل یا پاداشِ عمل کو ضرور یاد دلائے اور آنیوالے انجامِ بد پر یقیناً ان کو تنبیہ کرے اور یہ حقیقت بار بار سامنے لائے کہ جب کوئی قوم اجتماعی سرکشی ظلم اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتی اور پیہم اصرار کرتی رہتی ہے تو پھر خدائے تعالٰی کا قہر و غضب اسکو صفحۂ عالم سے مٹا دیا کرتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے چنانچہ قومِ نوحؑ اور قومِ ہود اس کی عبرت زا مثالیں ہیں۔

Marfat.com

حضرت صالح (علیہ السّلام)

حضرت صالح (علیہ السلام) کا ذکر قرآنِ عزیز میں، حضرت صالح اور ثمود کا نسب نامہ، ثمود کی آبادیاں، اہلِ ثمود کا دین، قرآنِ عزیز میں قصص کا مطلب، معجزہ کی حقیقت، ناقہ کا واقعہ، ناقہ ثمود کیلئے خدا کا ایک نشان تھی، ثمود کے ہاتھوں ناقہ کی ہلاکت، واقعہ سے متعلق چند عبرتیں۔

حضرت صالح کا نام قرآن عزیز میں — قرآنِ عزیز میں صالح علیہ السلام کا نام آٹھ جگہ آیا ہے۔ حسبِ ذیل اعداد اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

سورۃ	آیات	میزان
اعراف	۷۳-۷۵-۷۷	۳
ہود	۶۱-۶۲-۶۶-۸۹	۴
شعراء	۱۴۲	۱/۸

حضرت صالح جس قوم میں پیدا ہوئے اُس کو ثمود کہتے ہیں۔

حضرت صالح اور ثمود کا نسب نامہ — علماءِ انساب قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح (علیہ السلام) کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں، مشہور حافظ حدیث امام بغوی نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے، صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود اور وہب بن منبہ مشہور تابعی اس طرح نقل کرتے ہیں، صالح بن عبید بن جابر بن ثمود۔[۱]

اگرچہ بغویؒ زمانہ کے اعتبار سے وہبؒ سے بہت بعد میں ہیں اور وہب تورات کے بہت بڑے عالم بھی ہیں، تاہم حضرت صالح سے ثمود تک نسب کی جو کڑیاں بغویؒ نے جوڑی ہیں علماء انساب کے نزدیک وہی تاریخی حیثیت سے راجح اور قرینِ صواب ہیں۔

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ اعراف۔

Marfat.com

اس نسب نامہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اس قوم کو (جس کے ایک فرد حضرت صالح علیہ السلام بھی ہیں) ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُن کے نسب نامہ کا جدِ اعلیٰ ثمود ہی اور اُسی کی جانب یہ قبیلہ یا قوم منسوب ہے۔

ثمود سے حضرت نوح (علیہ السلام) تک بھی دو قول ہیں، اوّل ثمود بن عاثر بن ارم بن سام، دوم، ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

سید محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کہ امام ثعلبی دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں[1]۔

بہر حال ان دونوں روایتوں سے یہ باتفاق ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے اور غالباً بلکہ یقیناً یہی وہ افرادِ قوم ہیں جو عادِ اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہود کے ساتھ بچ گئے تھے اور یہی نسل عادِ ثانیہ کہلائی اور بلاشبہ یہ قوم بھی عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں سے ہے۔

ثمود کی بستیاں ثمود کہاں آباد تھے اور کس خطہ میں پھیلے ہوئے تھے؟ اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ اُن کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب اُن کا مقام سکونت ہے، اور آج کل "فج الناقۃ" کے نام سے مشہور ہے، ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری اہل تحقیق نے انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اُنکا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو "شاہی حویلی" کہی جاتی ہے۔ اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

عرب کا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے:۔

ودیارھم باقیۃ واٰثارھم بادیۃ فی طریق من ورد من الشام (ج ۳ ص ۱۳۹) | جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اُس کی راہ میں اُن کے مٹے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں۔

[1] جلد ۹ ص ۱۴۲

حجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اسکے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح عاد کو عادِ ارم کہا گیا ہے حتیٰ کہ قرآن عزیز نے تو ارم کو انکی مستقل صفت ہی بنا دیا۔ اُسی طرح اُن کی ہلاکت کے بعد انکو ثمود ارم یا عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے

عرب اور مشرق کے بارہ میں یورپ کے مستشرقین[1] جس طرح اپنی حذاقت و مہارتِ تاریخ کا ثبوت دیا کرتے ہیں اور تحقیق کے نام سے غلط دعاوی کرنے کے عادی ہیں اسی طرح انھوں نے ثمود کو بھی اپنی تحقیق کا تختۂ مشق بنایا ہے وہ سوال کرتے ہیں کہ ثمود کی اصل کیا ہے اور انکا وجود کب ہوا اور کس زمانہ میں؟ اس سوال کے جواب میں اُن کے دو گروہ ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ یہ یہود کا ایک گروہ تھا جو فلسطین میں داخل نہیں ہوا تھا اور یہیں بس گیا تھا، مگر یہ قول نہ صرف پایۂ تحقیق سے گرا ہوا ہے بلکہ قطعاً غلط اور مہمل ہے، اسلئے کہ تمام مورخین باتفاق آرا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابھی وہ زمانہ قریب بھی نہ آیا تھا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلتے کہ ثمود کی آبادیاں ہلاک و تباہ ہو چکی تھیں اور اُن کا قلع قمع ہو چکا تھا، نیز قرآن عزیز تصریح کرتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قوم فرعون نے جھٹلایا تو آلِ فرعون ہی میں سے ایک مردِ مومن نے یہ کہکر اپنی قوم کو ڈرایا کہ تمہاری اس تکذیب کا نتیجہ کہیں وہی نہ ہو جو تم سے پہلے قوم نوح، عاد اور ثمود اور انکے بعد کی قوموں کا اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی وجہ سے ہوا تھا۔ مستشرقین کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ عمالقہ میں سے تھے اور فرات کے مغربی ساحل سے اُٹھ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔

ان میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ اُن عمالقہ میں سے تھے جن کو مصر کے بادشاہ احمس نے خارج البلد کر دیا تھا، اور چونکہ مصر کے زمانہ میں فنِ سنگ تراشی میں انھوں نے کمال حاصل کر لیا تھا اسلئے حجر جا کر پہاڑوں اور پتھروں کو تراش کر بے نظیر عمارات تعمیر کیں اور عام

[1] یورپ میں جو علماء مشرق کی تاریخ اور مشرقی علوم سے شغف رکھتے اور ان کے متعلق مباحث و نظریات قائم کرتے ہیں انکو مستشرق کہتے ہیں، ان میں سے بعض اگرچہ حقیقۃً حذاقت و مہارت رکھتے ہیں، مگر اکثر محض ظنی اور تخمینی بلکہ من گھڑت نظریے قائم کر کے مشرق سے یا تعصب کا ثبوت دیتے ہیں یا اپنی کم مائگی علم کا۔

Marfat.com

رائج طریقہ پر بھی عالی شان محل بنائے۔

مگر ہم عاد کے واقعہ میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ عاد و ثمود سامی اقوام میں سے ہیں اور یہ کہ اہل عرب ان کو محض یہود کی غلط تقلید میں عمالقہ میں سے کہہ دیتے ہیں، حالانکہ عملیق بن لُود کا اس نسل سے کوئی رشتہ نہیں ملتا، اس لئے یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔

ان تمام آراء کیخلاف محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ عاد کا بقیہ ہیں اور یہی صحیح اور راجح قول ہے اور اہل حضرموت کا یہ دعویٰ کہ ثمود کی آبادیاں اور محلات عاد کی صناعی کا نتیجہ ہیں اس قول کا مخالف نہیں ہے کہ ثمود فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور یہ عمارات اُن کی اپنی تعمیر ہیں اس لئے کہ عادِ اُولیٰ اور عادِ ثانیہ بہرحال عاد ہیں، حضرت صالح کا اپنی قوم سے یہ خطاب بھی اسی کا مؤید ہے۔

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ	اور تم اُس وقت کو یاد کرو کہ تم کو خدا نے عاد کے بعد ان کا قائم مقام بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اسکی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے ہو اور سنگ تراشی کرکے پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو۔

رہا ثمود کے زمانہ کا مسئلہ سو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن منضبط وقت نہیں بتایا جاسکتا اس لئے کہ تاریخ اس بارہ میں غیر مطمئن ہے البتہ یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے پہلے کا زمانہ ہے اور وہ اس جلیل القدر پیغمبر کی بعثت سے بہت پہلے ہلاک ہوچکے تھے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ثمود کی آبادیوں کے قریب بعض ایسی قبریں پائی جاتی ہیں کہ جن پر آرامی زبان کے کتبے لگے ہوئے ہیں اور ان کتبوں پر جو تاریخ کندہ ہے وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت سے پہلے کی ہے تو اس سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ قوم حضرت موسیٰ کے بعد وجود میں آئی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

Marfat.com

یہ دراصل ان لوگوں کی قبریں ہیں جو اس قوم کی ہلاکت کے ہزاروں برس کے بعد اتفاقاً یہاں آکر بس گئے ہیں اور انھوں نے اپنے بزرگوں کے آثار کی قدامت ظاہر کرنے کے لیے آرامی خط میں (جو کہ قدیم خط ہے) اپنے کتبے لکھ کر لگا دیئے تاکہ یادگار رہیں ورنہ وہ قبریں نہ ثمود کی ہیں اور نہ اُن کا یہ زمانہ ہے۔

مصر کا مشہور عیسائی مورخ جورجی زیدان اپنی کتاب "العرب قبل الاسلام" میں اسی کے قریب قریب لکھتا ہے۔ کہتا ہے۔

آثار و کتبات کے پڑھنے سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ صالح (علیہ السلام) کی قوم کی بستیاں ولادت مسیح سے کچھ پہلے نبطیوں کے اقتدار میں آگئی تھیں یہ لوگ بطرہ کے ساکنین میں سے تھے جن کا ذکر عنقریب کتاب میں آئیو الاہی) اور ان کے آثار اور ٹیلوں کو بہت سے مستشرقین نے خود دیکھا ہے اور مقدمہ کتاب میں اس کا ذکر تفصیل سے کرچکا ہوں ان ہی کے آثار کو انھوں نے پڑھا ہے جو پتھروں پر کندہ ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم وہ کھنڈر ہیں جو قصر بنت، قبر باشا، قلعہ اور برج کے ناموں سے موسوم ہیں، ان پر جو کچھ تحریر ہے وہ نبطی تحریر میں ہے اور ان میں سے بعض یا سب کی سب وہی تحریریں ہیں جو قبروں پر کندہ ہیں۔

مستشرقین نے یہاں جو کچھ پایا اُن میں سے حسب ذیل ایک کتبہ بھی ہے جو پتھر پر نبطی حروف میں کندہ ہے اور ولادت مسیح علیہ السلام سے قریب زمانہ کا مکتوب ہے (کندہ عبارت کا مضمون یہ ہے)

"مقبرہ کمکم بنت وائلہ بنت حرم نے اور کمکم کی بیٹی کلیبہ نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کیلئے بنوایا ہے اس کی بناء بہت اچھے مہینوں میں شروع کی گئی ہے یہ نبطیوں کے بادشاہ حارث کی تخت نشینی کا نواں سال ہے وہ حارث جو اپنے قبیلے کا عاشق صادق ہو۔

پس "ذوالشریٰ دعرشہ"[1] لات، عمند، منوت اور قیس کی اُن پر لعنت ہو جو ان قبروں کو فروخت کرے یا رہن رکھے، یا اُن سے کسی جسم کو یا عضو کو نکالے، یا کمکم، اس کی بیٹی اور اس کی اولاد

---

[1] سوالیہ نشان زدہ عربی عبارت کتبہ پر صاف نہیں پڑھی جا سکی اس لیے اصل الفاظ نقل کر دیئے گئے۔

Marfat.com

کے علاوہ کسی کو دفن کرے۔

اور جو شخص بھی اس پر لکھے ہوئے کی مخالفت کرے اس پر ذوالشریٰ، ہبل، منوت کی پانچ لعنتیں ہوں اور جو ساحر اس کے خلاف کرے اس پر ایک ہزار درہم حارثی کا تاوان واجب ہے؟

مگر یہ کہ اس کے ہاتھ میں کمکم کلیبیہ یا اس کی اولاد میں سے کسی کے ہاتھ کی تحریر ہو جس میں اس اجنبی قبر کے لئے صاف اور صریح الفاظ میں اجازت موجود ہو، اور وہ اصلی ہو جعلی نہ ہو۔

اس مقبرہ کو وہب اللات بن عبد عبادہ نے بنایا۔[1]

اہل ثمود کا مذہب

ثمود اپنے بت پرست پیشروؤں کی طرح بُت پرست تھے، وہ خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودانِ باطل کے پرستار اور شرک میں مبتلا تھے، اس لئے اُنکی اصلاح اور احقاقِ حق کیلئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح کو ناصح پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ اُن کو راہِ راست پر لائیں، اُن کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں جن سے صبح و شام وہ محظوظ ہوتے رہتے ہیں اور اُن پر واضح کریں کہ کائنات کی ہر شے خدا کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے اور یقینی دلائل اور مسکت براہین کے ساتھ اُنکی گمراہی کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ پرستش و عبادت کے لائق ذاتِ احد کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے

قرآن عزیز میں قصص کا مطلب

قرآن عزیز کی یہ سنت ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے گذشتہ اقوام اور انکے ہادیوں کے قصص بیان کر کے نصیحت و موعظت کا سامان مہیا کرتا ہے، اس کا موضوع حکایات و قصص بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جبکہ انسان کو عقل کی روشنی عطا فرمائی ہے تو اسکی ہدایت و نجاتِ اخروی کا کیا سامان کیا ہے تاکہ وہ ان اسباب کی مدد سے اپنی عقل سے کام لے اور خدا کی مرضیات و نامرضیات کو پہچانے، اُس نے بتایا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے ان ہی میں سے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے، وہ انکو حق کی راہ بتاتے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور تائید میں اقوام و امم کے واقعات بیان کرتا اور تاریخ ماضی کو دُہراتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی ہدایات کو تسلیم کیا انھوں نے دنیا و آخرت کی فلاح پائی اور جن امتوں نے انکی تلقین کا انکار کیا، اُن کا

[1] ص ۸۰ ۔

Marfat.com

مذاق اڑایا اور اُن کو جھٹلایا تو خدائے تعالیٰ نے اپنے سچے رسُول کی تصدیق کے لئے کبھی بطور خود اور کبھی قوم کے مطالبہ پر ایسی نشانیاں نازل فرمائیں جو نبیوں اور رسولوں کی تصدیق کا باعث بنیں اور "معجزہ" کہلائیں۔

لیکن اگر قوم نے اس نشانی "معجزہ" کے بعد بھی تکذیب کو نہ چھوڑا اور بغض و عناد سے وہ انکار پر اڑے رہے تو پھر "عذابِ الٰہی" نے آکر اُن کو تباہ و ہلاک کر دیا اور اُنکے واقعات کو آنے والی اقوام کے لیے عبرت و موعظت کا سامان بنا دیا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى	اور تیرا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک کرنیوالا نہیں جبتک
يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ	نہ بھیجدے اُن کے صدر مقام میں اپنا رسول جو پڑھ کر سنائے
اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا	انکو ہماری آیات اور ہم (اُس وقت تک) بستیوں کو ہلاک نہیں
وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (قصص)	کرتے جب تک ان کے بسنے والے خود ہی ظلم پر نہ اُتر آئیں۔

معجزہ کی حقیقت "معجزہ" لغت میں عاجز کر دینے اور تھکا دینے والی چیز کو کہتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں ایسے عمل کا نام ہے جو سلسلۂ اسباب کے بغیر عالم وجود میں آجائے، اس کو عام بول چال میں "خرقِ عادت" بھی کہتے ہیں، اور اسی بنا پر اس جگہ یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا "عادت اللہ" (کہ جس کو ناموسِ فطرت بھی کہا جاتا ہے) کا ٹوٹنا ممکن ہے؟

دوسرے الفاظ میں اس سوال کی تعبیر اس طرح کی جا سکتی ہے کہ کیا قانونِ قدرت میں تبدیلی ممکن ہے؟

اس سوال کا حل یہ ہے کہ معجزہ کی یہ تعبیر کہ وہ خارق عادت شئی کا نام ہے، غلط تعبیر ہے اسلئے کہ خدائے تعالیٰ کے قوانینِ قدرت یا نوامیسِ فطرت دراصل دو قسموں میں تقسیم ہیں، عادتِ عام اور عادتِ خاص، عادتِ عام سے قدرت کے وہ قوانین مراد ہیں جو باہم اسبابِ مسببات کے سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں مثلاً آگ جلاتی ہے اور پانی خنکی پہنچاتا ہے اور عادتِ خاص کا مطلب یہ ہے کہ اسباب و مسببات میں علاقہ پیدا کرنیوالے یدِ قدرت نے کسی خاص مقصد کیلئے

Marfat.com

سبب اور مسبب کے درمیانی رشتہ کو کسی شے سے الگ کر دیا یا بغیر سبب کے مسبب کو وجود بخش دیا۔ جیسا کہ جلنے کے اسباب موجود ہونیکے باوجود کسی جسم کا آگ سے نہ جلنا یا دو تین انسانوں کے قابل خوراک سے سَتّر دو سو انسانوں کا شکم سیر ہو جانا اور اپنی اصل مقدار کی حد تک پھر بھی باقی بچ جانا۔

یہ دونوں باتیں چونکہ عام نگاہوں میں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اسلئے جب یہ اور اسی طرح کی کوئی شے رُونما ہوتی یا اس کے وجود پذیر ہو جانے کی اطلاع دیجاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قدرت کے قانون یا عادت اللہ کے خلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ قوانینِ فطرت کی پہلی قسم یعنی عام عادت کے خلاف تو ہوتا ہے مگر عادتِ خاص کے خلاف نہیں ہوتا اور وہ بھی قانونِ قدرت ہی کی ایک کڑی ہوتی ہے جو عام حالات سے الگ کسی خاص مقصد کے پورا کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہے اور اس جگہ وہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح خدائے تعالیٰ اپنے سچے رسول اور پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی تصدیق کرتا اور جھٹلانے والوں کو یہ باور کراتا ہے کہ اگر یہ مدعیٔ رسالت اپنے دعوے میں صادق نہ ہوتا تو خدا کی تائید کبھی اس کے ساتھ نہ ہوتی، پس عام قانونِ قدرت سے جُدا رسول و پیغمبر کا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ درحقیقت یہ اس کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا اپنا فعل ہے جو عادتِ خاص کی صورت میں نبی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا تاکہ اُس کی صداقت کی دلیل بن سکے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اگر کسی نبی اور پیغمبر کو معجزہ نہ بھی دیا جاتا تب بھی عقلی دلائل و براہین کی روشنی میں اس کی صداقت کا ثبوت اظہر من الشمس ہوتا اور اس کا انکار محض بغض عناد سمجھا جاتا اور بے دلیل انکار مانا جاتا اور اگرچہ آفتابِ صبح سے زیادہ روشن دلائل و براہین خواص و عوام کو قائل کرنیکے لئے کافی و شافی ہیں مگر عوام عموماً اُس وقت تک اُن کی جانب متوجہ نہیں ہوتے اور ان کا قلب و دماغ اس وقت تک اُن سے متاثر نہیں ہوتا، جب تک ان دلائل کے ساتھ ساتھ ایسی کوئی نشانی بھی نہ ہو جو یک لخت انکو مرعوب کر دے اور وہ یہ یقین

Marfat.com

کرلیں کہ ایسی طاقت کا مالک وہی ہو سکتا ہے جسکو خدا کی تائید حاصل ہو، اسلئے ہر خاص و عام کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ انبیاء و رسل سے جو معجزات ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ثابت ہو چکے ہیں اُن پر ایمان لائے اور اُن کے وجود اور اُن کی حقیقت کا اعتراف کرے، اسلئے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار درحقیقت اسلام سے انکار ہے۔

البتہ یہ حقیقت کبھی فراموش نہ ہونی چاہیئے کہ کسی شخص سے صرف اس قسم کے خارق عادت عمل صادر ہونیکا نام معجزہ نہیں ہے اور محض اس عمل کے بروئے کار لانے سے وہ نبی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ نبی اور رسول کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُسکی تمام زندگی اس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اُتر چکی ہو کہ اس کا کوئی شعبۂ زندگی ناقص اور قابل اعتراض نہ ہو بلکہ اس کی تمام تر زندگی میں اخلاق کی بلندی، گناہوں سے معصومیت اور صداقتِ گفتار و کردار کا کمال ہی پایا جاتا ہو پھر اگر ایسا شخص دعوئے نبوت کرتا اور اپنے دعوے کی صداقت میں علمی دلائل و براہین کے علاوہ خدا کے نشانات (معجزات) بھی پیش کرتا ہے تو بلاشبہ وہ نبی ہے اور بلاریب اس کا یہ فعل "معجزہ" ہے۔

ہم نے ابھی کہا کہ "معجزہ" درحقیقت نبی کا اپنا عمل نہیں ہوتا بلکہ وہ خدائے تعالےٰ کا فعل ہی ہے جو نبی کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا اور معجزہ کہلاتا ہے یہ اس لئے کہ نبی و رسول بھی ایک انسان اور بشر ہی ہوتا ہے اور کسی انسان کی قدرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے قوانین عام و خاص میں دخل اندازی یا دراندازی کر سکے۔ یہ تو خدا ہی کی مرضی پر ہے کہ اگر وہ چاہے اور مناسب حال اور مقتضاءِ وقت سمجھے تو نبی اور رسول کے ہاتھ پر ایسے فعل کا ظہور کرا دے جو اس کے قوانین فطرت کی عادت خاص کی قسم میں داخل ہوں، اور اگر نہ چاہے تو نبی و رسول کے لئے بھی اُس کا اظہار ناممکن اور محال ہے۔

غزوۂ بدر میں جبکہ تین سو تیرہ کے مقابلہ میں ساز و سامان سے مسلح ایک ہزار دشمنوں کا لشکر مسلمانوں پر یلغار کر کے آیا تھا تو آپ نے ان کی جانب مٹھی بھر خاک پھینکی جس کی وجہ سے ہر

Marfat.com

لشکری کی آنکھ میں خاک کے ریزے پہنچے اور وہ بے چین ہو کر آنکھیں ملنے لگے اور اس طرح مسلمانوں کو حملہ کر کے فتح حاصل ہو گئی۔ اس واقعہ کا مختصر اور معجزانہ انداز میں جو تذکرہ قرآن عزیز نے کیا ہے وہ ہمارے اس دعوے کی قوی اور یقینی دلیل ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ	اور تم نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ مٹھی بھر خاک نہیں پھینکی تھی جو تم نے (اپنے
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال)	ہاتھ سے) پھینکی لیکن وہ تو درحقیقت میں) اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

اس جگہ نبی کے اس عمل کو جو اُن کے ہاتھوں انجام پایا تھا کس عجیب و غریب انداز سے معجزہ ہونا ثابت کیا گیا، کہا جاتا ہے کہ مٹھی بھر خاک بیشک تمہارے ہاتھ سے پھینکی گئی اسلئے کہ تمہارے ہاتھ میں تھی، لیکن مٹھی بھر خاک کا یہ اثر کہ دشمن کے محاذ کی دوری اور دشمن کے اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ان سب کی آنکھوں میں جھونک دی گئی تمہارے ہاتھ سے ناممکن تھا، یہ درحقیقت خدا کا فعل تھا کہ اُس کے ید قدرت نے ان تمام دشواریوں کو یک لخت ختم کر کے اس مٹھی بھر خاک کو اس حالت تک پہونچا دیا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو آپ کے سامنے اس انداز سے کہا گیا کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھوں سے اسکی تائید میں کیا جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا	اور کسی رسول کی طاقت میں نہیں کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لاسکے خدا
بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ	کی اجازت کے بغیر، پس جب خدا کا حکم آپہنچا ہر حق کیساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ (المومن)	اور اس موقع پر جھٹلانے والے خسارہ میں پڑجاتے ہیں۔
وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ	اور وہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر انکے پاس کوئی نشانی آجائے تو
جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا	اس پر ضرور ایمان لے آئینگے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ
الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا	نشانیاں تو اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور (اے مسلمانو) تمکو خبر نہیں کہ ان
جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (الانعام)	کے پاس اگر یہ نشانیاں آبھی جائیں تو یہ ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

Marfat.com

معجزہ سے متعلق ہماری بحث اُسی شخص کیلئے باعثِ تسکین ہے جو مذہب کے اس بنیادی عقیدہ کا قائل ہو کہ تمام اشیاء کے خواص انکے اپنے ذاتی خواص نہیں ہیں بلکہ کسی پیدا کرنیوالے نے اُن کو عطا کئے ہیں۔ پس جو شخص اس عقیدہ کا حامی ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آگ میں جلانے کی خاصیت پیدا کرنیوالے نے عام قانونِ قدرت اُسکے لئے یہی رکھا ہے کہ جو شے اس سے چھو جائے وہ جل جائے لیکن یہ عقلاً ناممکن نہیں ہے کہ وہ کسی اہم مقصد کی تکمیل کیلئے آگ کی اس خاصیت کو کسی خاص حالت میں سلب کرلے اور وہ اس کے قانونِ قدرت کی خاص حالت یا خاص عادت شمار ہو۔

لیکن جو شخص اس بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتا اور ہر شے کے خواص کو اس طرح اسکے ذاتی خواص مانتا ہے کہ کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اس خاصیت کا اُس شے سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے تو اس شخص سے اوّل یہ طے کرنا چاہئے کہ کیا عقل یہ باور کرسکتی ہے کہ جو شے خود اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہو اس کا کوئی خاصّہ بھی ذاتی اور غیر منفک ہوسکتا ہے؟ گذشتہ سال لندن اور امریکہ میں خدا بخش کشمیری نے دہکتی ہوئی آگ پر چلنے کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ خود بھی چلا اور دوسرے اشخاص کو بھی اپنے ساتھ آگ پر سے گزارا اور اسکے بعد تمام سائنسدانوں نے اسکے جسم کا طرح طرح سے تجربہ کرکے یہ معلوم کرنا چاہا کہ شاید وہ فائر پروف ہو مگر ناکام رہے اور اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ اس کا جسم اور آگ پر گزرنیوالے دوسرے اشخاص کا جسم عام انسانوں کے جسم سے زیادہ کوئی خاص کیفیت نہیں رکھتا اور انتہائے حیرت و استعجاب کے ساتھ اس کا اعتراف کیا کہ وہ اس حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آگ موجود ہے اور نہیں جلاتی[1] تو اس کا اُس کے پاس کیا جواب ہے۔

پس علم کی فراوانی کے باوجود جبکہ ہمارے عجز کا یہ عالم ہے تو ہم کو کیا زیبا ہے کہ علم یقین (وحی) کی بیان کردہ حقیقت (معجزہ) کا اس لئے انکار کردیں کہ ہماری عقل عام حالات میں سبب کے بغیر کسی مسبّب کو دیکھنے کی عادی نہیں ہے۔

[1] لندن ٹائمز۔

Marfat.com

بہر حال ایسے شخص کو خدا اور اس کی صفات خصوصاً صفت قدرت پر پہلے بحث
کرنی چاہیے اس کے بعد اس مسئلہ کی نوبت آسکتی ہو مگر اسکا اصل مقام یہ نہیں بلکہ "علم کلام" ہے۔

ناقۃ اللہ | الحاصل حضرت صالح (علیہ السلام) قوم (ثمود) کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت فرماتے
رہے، مگر قوم پر مطلق اثر نہیں ہوا بلکہ اُس کا بغض و عناد ترقی پاتا رہا اور اُن کی مخالفت
بڑھتی رہی اور وہ کسی طرح بت پرستی سے باز نہ آئی، اگرچہ ایک مختصر اور کمزور جماعت نے ایمان
قبول کرلیا اور وہ مسلمان ہوگئی مگر قوم کے سردار اور بڑے بڑے سرمایہ دار اسی طرح باطل پرستی
پر قائم رہے اور انھوں نے خدا کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی اور رفاہیت کا شکریہ ادا کرنے کی
بجائے کفران نعمت کو شعار بنالیا وہ حضرت صالح کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کرتے کہ صالح!
اگر ہم باطل پرست ہوتے، خدا کی صحیح مذہب کے منکر ہوتے اور اس کے پسندیدہ طریقہ پر قائم
نہ ہوتے تو آج ہم کو یہ دھن دولت سرسبز و شاداب باغات کی فراوانی سیم و زر کی بہتات
بلند و عالی شان محلات کی رہائش میوہ جات اور پھلوں کی کثرت، شیریں نہروں اور عمدہ مرغزاروں
کی افزائش حاصل نہ ہوتی تو خود کو اور اپنے پیرؤوں کو دیکھ اور پھر ان کی تنگ حالی اور غربت پر نظر
کر اور بتلا کہ خدا کے پیارے اور مقبول کون ہیں، ہم یا تم؟

حضرت صالح فرماتے کہ تم اپنی اس رفاہیت اور عیش سامانی پر شیخی نہ مارو اور خدا کے
سچے رسول اور اس کے دین برحق کا مذاق نہ اُڑاؤ، اگر تمہارے کبر و غرور اور عناد کا یہی حال
رہا تو کل پھر یہ سب کچھ فنا ہو جائیگا اور پھر نہ تم رہو گے اور نہ تمہارا یہ ساز و سامان، بیشک
یہ سب کچھ خدا کی نعمتیں ہیں اگر ان کو حاصل کرنے والے اس کا شکر ادا کریں اور اس کے سامنے
سر نیاز جھکائیں اور بلا شبہ یہی سامان عذاب و لعنت ہے اگر ان کا استقبال شیخی اور غرور کے
ساتھ کیا جائے اس لئے یہ سمجھنا سخت غلطی ہو کہ ہر سامان عیش خوشنودی الٰہی کا ثمرہ ہے۔

ثمود کو یہ بھی حیرانی تھی کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ہی میں کا ایک انسان خدا کا پیغمبر
بن جائے اور وہ خدا کے احکام سُنانے لگے، وہ سخت تعجب سے کہتے۔

Marfat.com

أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا۔ کیا ہماری موجودگی میں اس پر (خدا کی) نصیحت اُتری ہے۔

یعنی اگر ایسا ہونا ہی تھا تو اس کے اہل ہم تھے نہ کہ صالح اور کبھی اپنی قوم کے کمزور افراد کو (جو کہ مسلمان ہو گئے تھے) خطاب کر کے کہتے:۔

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ کیا تم کو یقین ہے کہ بلاشبہ صالح اپنے پروردگار کا رسول ہے؟

اور مسلمان جواب دیتے:۔

قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ انھوں نے کہا بیشک ہم تو اُسکے لائے ہوئے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں۔

تب یہ متکبرین غصہ میں کہتے:۔

إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ بلاشبہ ہم تو اُس شے کا جس پر تمہارا ایمان ہے انکار کرتے ہیں۔

بہرحال حضرت صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے اُنکی پیغمبرانہ دعوت و نصیحت کو یوں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے نشان (معجزہ) کا مطالبہ کیا تب صالح (علیہ السلام) نے درگاہ الٰہی میں دعا کی اور قبولیت کے بعد اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہارا مطلوبہ نشان اُونٹنی کی شکل میں یہ موجود ہے، دیکھو تم نے اسکو ایذا پہنچائی تو پھر یہی تمہاری ہلاکت کا نشان ثابت ہوگی۔ اور خدائے تعالیٰ نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی کے لئے باری مقرر فرما دی ہے، ایک دن تمہارا ہے اور ایک دن اس کا لہٰذا اس میں فرق نہ آئے۔

قرآن عزیز نے اس کو ناقۃ اللہ (خدا کی اونٹنی) کہا ہے تاکہ پیش نظر رہے کہ یوں تو تمام مخلوق خدا ہی کی ملکیت ہے، مگر ثمود نے چونکہ اسکو خدا کی ایک نشانی کی شکل میں طلب کیا تھا اسلئے اسکی موجودہ خصوصیت اور اعزاز نے اسکو "ناقۃ اللہ" کا لقب دلایا۔ اور نیز اس کو "لکم آیۃ"

لہ قرآن عزیز سے اس مسئلہ میں صرف دو باتیں ثابت ہیں ایک یہ کہ ثمود نے حضرت صالح سے نشان (معجزہ) طلب کیا اور حضرت صالح نے "ناقہ" کو بطور نشانی پیش کیا، دوسرے یہ کہ حضرت صالح نے قوم کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ اس کو ضرر نہ پہنچائے اور پانی کی باری مقرر کرلے کہ ایک روز ناقہ کا اور دوسرا قوم کا اور اگر اسکو نقصان پہنچا تو یہی قوم کی ہلاکت کا نشان ہوگی چنانچہ انھوں نے "ناقہ" کو ہلاک کر دیا اور خدا کے عذاب سے خود بھی ہلاک ہو گئے۔

اس سے زائد جو کچھ ہے اس کا مدار یا ان روایات حدیثی پر ہے جو اخبار آحاد کے درجہ میں شمار (بقیہ بر صفحہ ۱۱۸)

Marfat.com

کہہ کر یہ بھی بتایا کہ یہ نشانی اپنے اندر خاص اہمیت رکھتی ہے لیکن بدقسمت قوم ثمود زیادہ دیر تک اسکو برداشت نہ کرسکی اور ایک روز سازش کرکے قدار بن سالف کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷) اور بائبل اور تاریخ قدیم کی روایات پر جہاں تک اخبار آحاد کا تعلق ہے محدثین کے نزدیک ان میں سے بعض صحیح روایات ہیں اور بعض ضعیف، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے سورۂ اعراف کی تفسیر میں "ناقۃ اللہ" کے وجود میں آنے کی روایات کو سندِ روایات کے اصول پر نقل نہیں فرمایا بلکہ ایک تاریخی واقعہ کی طرح تحریر فرمایا ہے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قوم ثمود جب حضرت صالح کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو اس کے سرغنہ اور سرگردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں مطالبہ کیا کہ اے صالح اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشانی دکھا تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے۔ تب حضرت صالح نے انہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں، انھوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا بستی کے اس پتھر میں سے جو کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے درگاہِ الٰہی میں دعا کی اور اسی وقت اُن سب کے سامنے پہاڑ یا پتھر میں سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا۔ یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمرو تو اُسی وقت مشرف باسلام ہوگیا اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیاکل و منادر کے مہنتوں ذواب بن عمرو اور حباب اور ان کے کاہن رباب بن صفر نے اُن کو اس سے باز رکھا اور اسی طرح باقی دوسروں کو بھی اسلام لانے سے روکا۔

اب حضرت صالح (علیہ السلام) نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے، خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر رہو، ایک دن اس ناقہ کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم اور اس کے سارے چوپاؤں کا۔ اور خبردار اس کو کوئی اذیت نہ پہونچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں ہے۔

قوم نے اگرچہ اس حیرت زا معجزہ کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کیا لیکن دلوں کے اقرار نے اُسکو آزار پہنچانے سے باز رکھا، اور یہ دستور جاری رہا کہ پانی کی باری ایک روز ناقہ کی رہتی اور تمام قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی اور دوسرے روز قوم کی باری ہوتی، اور ناقہ اور اس کا بچہ بغیر روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے، مگر آہستہ آہستہ یہ بات بھی ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح و مشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کردیا جائے تو اس باری والے قصے سے نجات ملے، کیوں کہ ہمارے چوپاؤں کے لئے اور خود ہمارے اپنے لئے یہ قید ناقابلِ برداشت ہے، یہ باتیں اگرچہ ہوتی رہتی تھیں لیکن کسی کو اس کے قتل کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ مگر ایک حسین و جمیل مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قدار کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کردیں (باقی برصفحہ ۱۱۹)

Marfat.com

اُس کے قتل میں پہل کرے اور باقی اعانت کریں اور اس طرح ناقہ کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح (علیہ السلام) کو جب یہ معلوم ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے، بدبخت قوم! آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) تو یہ تمہاری ملک ہیں تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو۔ آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کر لیا گیا۔ اور طے پایا کہ وہ راہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کر دیں گے اور چند دوسرے آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی کیا گیا اور ناقہ کو اس طرح سازش کر کے قتل کر ڈالا اور پھر آپس میں حلف کیا کہ رات ہونے پر ہم سب صالحؑ اور اس کے اہل وعیال کو بھی قتل کر دیں گے اور پھر اسکے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلائینگے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے اور بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا اور بولتا ہوا پہاڑی میں غائب ہو گیا۔

صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر ہوئی تو حسرت و افسوس کیساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا، اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا۔ اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

اس واقعہ کے ساتھ ساتھ محدث ابن کثیر نے چند روایات حدیثی بھی بیان فرمائی ہیں مثلاً:۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب آپ کا گذر حجر پر ہوا تو صحابہ نے ثمود کے کنوئیں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو پانی گرا دینے اور ہانڈیاں اوندھی کر دینے، اور آٹا بے کار کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب ہوا، یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ، آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم ان حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے عجز وزاری کرتے اور روتے ہوئے داخل ہوا کرو، ورنہ ان میں داخل ہی نہ ہوا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کیا کرو۔ (دیکھو صالح (علیہ السلام) کی قوم نے نشان طلب کیا تھا اور وہ ناقہ پہاڑ کی کھوہ سے نکلتی اور اپنی باری میں کھا پی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اس کی باری کا دن تھا اس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی مگر ثمود نے آخر کار سرکشی کی اور ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے اُن پر "چیخ کا عذاب" مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مُردہ ہو کر رہ گئے، صرف ایک شخص ابورغال نامی باقی بچا جو حرم میں گیا ہوا تھا لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر آیا تو فوراً اسی عذاب کا شکار ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر نے یہ تینوں روایات سند کے ساتھ مسند احمد سے نقل کر کے اُن کی توثیق کی ہے۔[1]

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن عزیز سے یہ تو یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ "ناقۃ اللہ" خدا کا ایک نشان تھی اور اپنے اندر ضرور کوئی ایسی خصوصیت رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نشان کہلا سکے جس کا ذکر قرآن عزیز اس اہمیت کیساتھ کر رہا ہے۔ "هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً" "یہ ناقۃ اللہ تمہارے لئے نشان ہو" اور پھر (باقی بر صفحہ ۱۲۰)

[1] تاریخ ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۳۸ - ۱۳۹۔

Marfat.com

خدا کے عذاب کا انتظار کرو تین روز کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئیگا اور تم سب کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر جائے گا۔

سید آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی سے شروع ہو گئیں یعنی پہلے روز اُن سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہو جایا کرتا ہے اور دوسرے روز سب کے چہرے سُرخ تھے گویا خوف و دہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا اور تیسرے روز اُن سب کے چہرے سیاہ تھے اور تاریکی چھائی ہوئی تھی یہ خوف و دہشت کا وہ تیسرا مقام ہے جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے تین دن کی ان علاماتِ عذاب نے اگرچہ ان کے چہروں کو واقعی زرد سُرخ اور تاریک بنا دیا تھا لیکن ان رنگوں کی ترتیبی خصوصیت یہ صاف بتا رہی ہے کہ اُنکے دلوں کو صالح علیہ السّلام کے سچّے ہونے کا یقین تھا اور صرف حسد و بغض سے انکار کرتے تھے، اب جبکہ خدا کے حکم کے خلاف "جرم" کر چکے اور اُس کی پاداش میں صالح (علیہ السّلام) سے عذاب کی ہولناک خبر سنی تو ان پر خوف و دہشت کے وہ فطری رنگ اور نقوش نمایاں ہونے لگے جو موت کے یقین کے وقت خوف و دہشت سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

بہرحال ان تین دن کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبتناک آواز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) پانی کی باری جس طرح ناقہ اور قوم ثمود کے درمیان تقسیم فرمائی وہ خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ "ناقہ" ضرور اپنے اندر ایسی حیثیت رکھتی تھی جو نشانِ الٰہی کہلا سکے لیکن یہ بات کہ "ناقہ" کا وجود کس طرح ہوا اور کن وجوہ سے "نشانِ الٰہی" یا معجزہ تھی، قرآنِ عزیز اس سے ساکت ہے، البتہ مختلف صحیح اخبار آحاد سے اس واقعہ پر ضرور روشنی پڑتی ہے جس کی تفصیل ابن کثیر سے ابھی نقل ہو چکی مگر واقعہ کی تفصیلی صراحت و وضاحت وہاں بھی موجود نہیں ہے بلکہ کتبِ تفسیر میں اسرائیلیات سے منقول ہے یا ضعیف روایات سے اخذ کی گئی ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ واقعہ کے اجمال و تفصیل میں فرقِ مراتب کا ضرور خیال رکھا جائے جس قدر قرآنِ عزیز نے تصریح کی ہے وہ بغیر کسی تاویل کے واجب الاعتقاد ہے اور جس قدر صحیح روایات سے اگرچہ وہ آحاد ہی کے درجہ کی ہیں" اس اجمال کی تفصیل کا پتہ ملتا ہے وہ اجمال کی تفصیل کی حیثیت سے قابلِ قبول ہیں، گو قرآنِ عزیز کی تصریحات کے درجہ کو نہ پہنچ سکیں اور ان سے زیادہ باقی تفصیلات کی حیثیت وہی ہے جو عام تاریخی وقائع اور اسرائیلیات کی حیثیت ہے۔

Marfat.com

نے ہر شخص کو اُسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔ قرآن عزیز نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی) اور کسی جگہ رجفہ (زلزلہ ڈال دینے والی شئے) اور بعض جگہ طاغیہ (دہشتناک) اور بعض جگہ صیحہ (چیخ) فرمایا۔ اس لئے کہ یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدائے تعالےٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔ تم ایک ایسی کوندنے والی بجلی کا تصور کرو جو بار بار اضطراب کے ساتھ چمکتی، کڑکتی اور گرجتی ہو اور اس طرح کوند رہی ہو کہ کبھی مشرق میں ہے تو کبھی مغرب میں اور جب ان تمام صفات کے ساتھ چمکتی کوندتی، گرجتی لرزتی لرزاتی ہوئی کسی مقام پر ایک ہولناک چیخ کے ساتھ گرے تو اُس مقام اور اُسکے نواح کا کیا حال ہو گا؟ یہ ایک معمولی اندازہ ہے اُس عذاب کا جو ثمود پر نازل ہوا اور اُن کو اور اُنکی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کیلئے آنے والی نسلوں کے سامنے عبرت پیش کر گیا۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب صالح علیہ السلام اور اُن کے پیرو مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور اُنکو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

حضرت صالح (علیہ السلام) حزن و ملال کے ساتھ ہلاک شدگان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے:۔

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ۔ اے قوم! بلاشبہ میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچایا اور تم کو نصیحت کی لیکن تم تو نصیحت کرنیوالوں کو دوست ہی نہ رکھتے تھے۔

ہلاک شدہ قوم کی جانب حضرت صالح (علیہ السلام) کا یہ خطاب اسی طرح کا خطاب تھا جس طرح بدر میں مشرکین مکہ کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد مردہ نعشوں کے گڑھے پر کھڑے ہو کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

یا فلان بن فلان و فلان بن فلان اے فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کیا تم کو

Marfat.com

الیس کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا	اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پسند آئی؟ بلاشبہ ہم نے وہ
قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم	سب کچھ پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا،
ما وعد ربکم حقا (الحدیث)	پس کیا تم نے بھی وہ پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا

اس قسم کے خطاب کے بارہ میں علماء کی چند رائیں ہیں:۔

(۱) اس قسم کا خطاب انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اسلئے کہ اللہ تعالے ان کے اس کلام کو بلاشبہ مُردوں کو سنوا دیتا ہے اگرچہ وہ جواب دینے سے قاصر ہیں، اسلئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی لاشوں کو اس طرح مخاطب کیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا. کیا یہ سن رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں تم سے زیادہ مگر جواب سے عاجز ہیں"

(۲) یہ طریق خطاب حزن و ملال کے اظہار کے لئے ہوتا ہے مثلاً تم نے کسی شخص کو منع کیا کہ اس باغ میں نہ جانا سانپ بڑی کثرت سے ہیں ڈسے جانے کا خطرہ ہے، مگر وہ شخص باغ میں گیا اور ڈسا گیا تو جب یہ تنبیہ کرنیوالا اسکی نعش پر پہنچتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے افسوس کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ باغ میں نہ جانا ورنہ ڈسا جائیگا آخر وہی ہوا۔

(۳) اس قسم کے خطاب کے اصل مخاطب وہ زندہ انسان ہوتے ہیں جو ان مردہ نعشوں کو دیکھ رہے ہیں تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ اس قسم کی سرکشی کی جرأت نہ کر سکیں۔

اقامت صالحؑ بعد ہلاکت قوم	یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ جب ثمود ہلاک و برباد ہوگئے تو صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں نے کہاں سکونت اختیار کی؟

اس سوال کا جواب یقینی اور حتمی طور پر دینا تو قریب قریب ناممکن ہے البتہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ قوم کی ہلاکت کے بعد علاقہ فلسطین میں آکر آباد ہوئے اسلئے کہ حجر کے قریب ہی یہی علاقہ تھا جو سرسبز و شاداب اور مویشیوں کے پانی اور چارہ کے لئے بہترین تھا اور فلسطین کے علاقہ میں یہ جگہ نواحی رملہ ہوگی یا کوئی دوسرا مقام. علماء تفسیر اسکے جواب میں متعدد اقوال پیش فرماتے ہیں

ل بخاری ج ۲ باب المغازی۔

Marfat.com

(۱) وہ فلسطین کے علاقہ میں رملہ کے قریب آباد ہوئے خازن نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

(۲) وہ حضر موت میں آکر آباد ہوئے اسلئے کہ اُن کا اصل وطن یہی تھا یا اس لئے کہ یہ احقاب ہی کا ایک حصہ ہے۔ یہاں ایک قبر ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ صالح علیہ السلام کی قبر ہے۔

(۳) وہ ثمود کی ہلاکت کے بعد اُن ہی بستیوں میں آباد رہے، یہ عام مورخین کی رائے ہے۔

(۴) وہ قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور وہیں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال فرمایا، اور ان کی قبر مبارک کعبہ سے غربی جانب حرم ہی میں ہے۔ سید آلوسی اسی کو راجح سمجھتے ہیں۔

سید آلوسی نے اپنی تفسیر میں ایک قول نقل کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے جو مسلمان ان کے ساتھ عذاب سے محفوظ اور نجات یافتہ رہے انکی تعداد تقریباً ایک سو بیس تھی اور ہلاک شدہ قریباً ڈیڑھ ہزار گھرانے تھے۔

اب اس تمام اینِ داں کے بعد اس کلام بلاغت نظام "قرآن عزیز" کی آیات کا مطالعہ فرمائیے جو ان واقعات کا حقیقی سرچشمہ ہیں اور عبرت و موعظت کا بے نظیر سامان۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

اور (اسی طرح) ہم نے قومِ ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔ اُس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی ہے۔ یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اسکی پاداش میں) عذاب جانکاہ تمہیں آپکڑے اور وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل

Marfat.com

مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ
اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا
مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ
اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ
وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا
يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝
(الاعراف)

بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے
ہو (یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو، اور
ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ۔ قوم کے جن سرآوردہ
لوگوں کو (اپنی دولت و طاقت کا) گھمنڈ تھا انہوں نے مومنوں سے
کہا، اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس و بیچارگی کی
وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے۔ "کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ
صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں
دکھائی دیتی نہیں) انہوں نے کہا ہاں بیشک جس پیام حق کے
ساتھ وہ بھیجا گیا ہے، ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں" اس پر گھمنڈ
کرنیوالوں نے کہا "تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار
ہے۔ غرضکہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا، اور اپنے پروردگار
کے حکم سے سرکشی کی۔ انہوں نے کہا اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبروں
میں سے ہو، تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا پس ایسا
ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا۔ اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں
میں اوندھے منہ پڑے تھے! پھر صالح ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے کہا
"اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمہیں پہنچایا اور نصیحت
کی، مگر افسوس تم پر! تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

(۲) وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح
کو بھیجا۔ اُسنے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس
کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے
پیدا کیا اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا پس چاہیے کہ اس سے بخشش

Marfat.com

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ
رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۞ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ
كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ
اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۞ قَالَ
يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ
اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ
غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۞ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ
فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ ۞ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا
فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ
وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۞ فَلَمَّا جَآءَ
اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ
خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۞ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ

مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو کر رہو یقین کرو میرا پروردگار (ہر ایک کے)
پاس ہے۔ اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے"۔ لوگوں نے
کہا "اے صالح پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ
سے وابستہ تھیں۔ پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا
نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ (یہ کیسی بات ہے؟)
ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے
ہو کہ ہمارے دل میں اترتی نہیں"۔ صالح نے کہا "اے میری قوم کے
لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف
سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا
فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کریگا اگر میں
اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم اپنی توقع کے مطابق دعوت کا دیکر
مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے تباہی کی طرف لیجانا چاہتے ہو" اور
اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کا نشان)
تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اُسے چھوڑ دو اللہ کی زمین
میں چرتی رہے اُسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا، ورنہ فوراً عذاب
تمہیں آپکڑیگا" لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آکر) اُسے
ہلاک کر ڈالا۔ تب صالح نے کہا "اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت
ہے اپنے گھروں میں کھا پی لو۔ یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ نکلیگا" پھر جب ہماری
ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں
کو جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچا لیا اور اُس دن
کی رسوائی سے نجات دیدی (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے

Marfat.com

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَأَنْ
لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ
ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا
بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ (هود)

جو قوت والا اور سب پر غالب ہے! اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا
انکا یہ حال ہوا کہ ایک روز کی کڑک نے آلیا جب صبح ہوئی تو سب
اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے (وہ اس طرح اچانک مر گئے)
گویا اُن گھروں میں گویا کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنی
پروردگار کی ناشکری کی، اور ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لئے محرومی ہے!

(۳) وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ
الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ
اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ
وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُصْبِحِيْنَ ۙ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (حجر)

اور دیکھو حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی ہم نے
اپنی نشانیاں اُنہیں دکھائیں مگر وہ رُوگردانی ہی کرتے رہے۔
وہ پہاڑ تراش کر گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں لیکن (یہ حفاظتیں
کچھ بھی کام نہ آئیں) ایک دن صبح کو اُٹھے تو ایک ہولناک
آواز نے آپکڑا تھا۔ اور جو کچھ اُنہوں نے اپنی سعی و عمل سے
کمایا تھا وہ کچھ بھی اُن کے کام نہ آیا۔

(۴) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ
لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا
هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّ
زُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۚ وَتَنْحِتُوْنَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو
ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں، میں تمہارے
پاس پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مان
اور نہیں مانگتا میں تم سے اسپر کچھ بدلا، میرا بدلا ہے اسی جہان
کے پالنے والے پر۔ کیا چھوڑے رکھینگے تم کو یہاں کی چیز
میں بے خوف۔ باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں
اور کھجوروں میں جن کا خوشہ نرم ہے اور تراشتے ہو
میں گھر تکلف کے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا
کہا مانو، اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں
کا جو خرابی ....

Marfat.com

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا
شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے، بولے تجھ پر تو
کسی نے جادو کیا ہے۔ تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم، سو
لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے۔ کہا یہ اونٹنی ہے اس کے
لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری
ایک دن مقرر۔ اور مت چھیڑیو اس کو بُری
طرح سے پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی،
پھر کونچیں کاٹیں اس اونٹنی کی پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے۔
پھر آپکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی
ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا
رب وہی ہے زبردست رحم کرنے والا۔

(۵) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ
يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ
وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ
تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا
يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ
وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا
مَهْلِكَ اَهْلِهٖ ......

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح
کو کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے
کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے
بھلائی سے، کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے
شاید تم پر رحم ہو جائے، بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ
کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا تمہاری بُری قسمت اللہ
کے پاس ہے تمہارا کہنا صحیح نہیں بلکہ تم جانچے جاتے ہو
اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے ملک میں اور
اصلاح نہ کرتے بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ
البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دینگے
اسکے دعوی کرنیوالے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا

Marfat.com

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا
مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا
ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

(النمل)

اُس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں اور انہوں نے بنائی ایک خفیہ تدبیر ہم نے بنائی ایک پوشیدہ تدبیر اور اُن کو خبر نہ ہوئی پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام اُن کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم کو سب کو سو یہ پڑے ہیں اُن کے گھر ڈھے ہوئے بسبب انکے انکار کے۔ البتہ اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں، اور بچا دیا ہم نے اُن کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہتے تھے۔

(۶) وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا
الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (فصلت)

اور جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتائی پھر انکو پسند آیا اندھا رہنا راہ سوجھنے سے۔ پھر پکڑا انکو کڑک نے ذلت کے عذاب کی، بدلا اس کا جو کماتے تھے اور بچا دیا ہم نے ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے برائی سے)

(۷) وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى
حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا
مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ (الذاریات)

اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا انکو فائدہ اٹھا لو ایک وقت تک۔ پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے پھر نہ ہو سکا ان سے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے کہ بدلا لیں۔

(۸) وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝ وَ
ثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ۝ (النجم)

اور یہ کہ اُس نے غارت کیا عاد اول کو، اور ثمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

(۹) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا
اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ
ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ

جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو، پھر کہنے لگے ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے کہے پر چلینگے تو تو ہم غلطی میں پڑے اور آگ میں جھکے کیا اتری اسی پر نصیحت

Marfat.com

بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ
غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا
النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ
اصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاۤءَ قِسْمَةٌ ۢ
بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا
صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر)

ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے بڑائی مارتا ہے۔ اب
جان لیں گے کہ کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا۔ ہم بھیجتے ہیں
اونٹنی ان کے جانچنے کے واسطے سو انتظار کر ان کا اور سہتا
رہ۔ اور سنا دے ان کو کہ پانی کی تقسیم ہے ان میں ہر ایک
(فریق) اپنی باری پر پہنچے پھر پکارا انہوں نے اپنے
رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب
اور میرا ڈرانا۔ ہم نے بھیجی ان پر ایک (خوفناک) چیخ۔
پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کانٹوں کی۔ اور ہم نے
آسان کر دیا قرآن کو سمجھنے کے لئے، پھر ہے کوئی
سوچنے والا۔

(۱۰) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ ۢ بِالْقَارِعَةِ ۝
فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ (الحاقة)

جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی (بات) کو سو
جو ثمود تھے سو غارت کر دیے گئے اچھال کر (سخت بھونچال سے)

(۱۱) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ
انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ
فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝
(الشمس)

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے جب اٹھ کھڑا ہوا ان کا
بدبخت۔ پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ
کی اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے کی باری سے پھر انہوں
نے اس کو جھٹلایا پھر پاؤں کاٹ ڈالے اس کے پھر الٹ
مارا ان پر ان کے رب نے بسبب ان کے گناہوں کے
پھر برابر کر دیا سب کو اور اللہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے

چند عبرتیں (۱) "ناقۃ اللہ" اگرچہ صالح علیہ السلام کی صداقت رسالت کا ایک نشان ہے۔
تاہم قرآن عزیز کی تصریح ہے کہ وہ ثمود کے لئے آزمائش اور ابتلاء کا بھی نشان تھی۔
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ بیشک ہم بھیجنے والے ہیں ناقہ کو ان کی آزمائش اور امتحان

Marfat.com

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ (القمر) کے لئے پس تو ان کے انتظار میں رہ اور صبر اختیار کر۔

(۲) سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اگر وہ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے اور قوم اُس کی ہدایت پر کان نہ دھرے تو ضروری نہیں کہ وہ قوم ہلاک ہی کر دی جائے لیکن جو قوم اپنے نبی سے اس وعدہ پر نشان طلب کرے کہ اگر انکا مطلوبہ نشان ظاہر ہو گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئینگے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اسکو معاف نہیں کرتا تا آنکہ وہ تائب ہو جائے اور خدا کے دین کو قبول کرلے اور یا عذاب الہی سے صفحۂ ہستی سے مٹ کر دوسروں کے لئے عبرت کا سبب بن جائے۔

(۳) مگر اس سنت اللہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت مستثنیٰ ہے اس لئے کہ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری اُمت (امتِ دعوت ہو یا امتِ اجابت) میں عذابِ عام مسلط نہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور قرآن عزیز میں اللہ تعالےٰ نے آپ کی اس تصریح کی یہ کہہ کر تصدیق بھی فرما دی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ اے رسول اس حال میں کہ تو ان میں موجود ہے خدائے تعالیٰ (ان کافروں) پر عام عذاب مسلط نہ کریگا۔

(۴) یہ مہلک غلطی اور نفس کا دھوکا ہے کہ انسان خوش عیشی، رفاہیت اور دنیوی جاہ و حشم کو دیکھکر یہ سمجھ بیٹھے کہ جس قوم یا جس فرد کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے وہ ضرور خدائے تعالیٰ کے سایہ میں ہے اور یہ کہ انکی یہ خوش عیشی اسکی علامت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی خوشنودی ان کے ساتھ ہے یہ دھوکا اور غلطی اسلئے ہے کہ اس واقعہ میں جگہ جگہ یہ تصریح موجود ہے کہ بعض مرتبہ زیادہ سے زیادہ رفاہیت اور خوش عیشی زیادہ سے زیادہ عذابِ ہلاکت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اگرچہ قوم کے لئے اسکی مدت چند ماہ یا چند سال نہیں بلکہ گھبرا دینے والی مدت ہی کیوں نہو مگر ہمہ قسم کی کامرانیوں اور خوش عیشیوں کے ساتھ ساتھ جب ظلم، سرکشی اور غرور کسی قوم کا مستقل شعار ہو تو سمجھو کہ اسکی تباہی و ہلاکت کا وقت قریب آپہنچا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ "تیرے خدا کی پکڑ

Marfat.com

سخت ہے" البتہ ان تمام رفاہتیوں کے ساتھ اگر قوم کے اکثر افراد خدا کے شکر گذار ہوں، اسکے بندوں کے ساتھ انصاف کرنیوالے اور باہم حسن نیت اور خیر خواہی پر عامل ہوں تو بلا شبہ وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور ان ہی کو دنیا و آخرت کی کامرانیوں کی بشارت ہے، اور اُن ہی کے لئے یہ دنیوی عیش خدا کی بے غایت نعمتوں کی علامت ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا (نور)	اللہ نے اُن لوگوں سے وعدہ کر لیا جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں یہ کہ انکو زمین کی خلافت دیگا جیسا کہ اُن سے اگلوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لئے اُنکا دین مضبوط کر دیگا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دیگا (جنکی شان یہ ہوگی کہ) وہ میری بندگی کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو (کسی حیثیت سے بھی) شریک نہ کرینگے۔
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء)	اور بلا شبہ ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ زمین کی وراثت میرے نیک بندوں کو حاصل ہوگی۔

یہ آیات صراحت کر رہی ہیں کہ حکومت و دولت کا "وعدہ" "وراثت" کی حیثیت سے صرف اُنہی کا حصہ ہے جو مومن بھی ہیں اور خدا کے احکام پر عامل بن کر صالحین (نکوکاروں) کی صف میں بھی شامل ہیں یعنی اُن کی اجتماعی زندگی کا قالب ایک ساتھ ان دونوں صفات سے متصف ہے۔ اُن کے لئے بلا شبہ یہ حکومت و دولت خدا کا انعام و اکرام ہے۔

اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر "حکومت و دولت" کے لئے مومن و کافر کی کوئی تخصیص نہیں خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر یہ دنیوی اسباب کی شکل میں چلتی پھرتی چھاؤں ہے اور ایسی "حکومت و دولت" کے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے ساتھ خدا کی خوشنودی اور اس کا فضل و کرم بھی شامل حال ہو۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم (علیہ السّلام)

نسب ابراہیم، آزر کی تحقیق، مستشرقین کی ہرزہ سرائی کا جواب، قرآنِ عزیز میں حضرت ابراہیم کا تذکرہ ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے ساتھ معاملہ، اسلام کے متعلق باپ سے مناظرہ، قوم سے مناظرہ اور محاکمہ، بادشاہِ وقت سے مناظرہ، سکونت و قیام، قوم کی ہدایت کے لئے اضطراب، مصر کی جانب سفر، ابراہیم و ہاجرہ، ولادت اسمٰعیل (علیہ السلام) سارہ و ہاجرہ (رضی اللہ عنہما) سنتِ ختنہ، ارضِ حجاز و ہاجرہ و اسمٰعیل، اسحٰق (علیہ السلام)، بناءِ کعبہ، چند اہم نتائج۔

نسب | ابراہیم (خلیل اللہ) بن تارخ بن ناحور بن سروج، بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفکشاذ بن سام بن نوح (علیہ السّلام)

یہ تصریح تورات اور تاریخ کے مطابق ہے مگر قرآن عزیز نے ان کے والد کا نام آزر بتایا ہے

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (انعام)

اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟"

آزر کی تحقیق | چونکہ تاریخ اور تورات ابراہیم (علیہ السلام) کے والد کا نام تارخ بتلاتے ہیں اور قرآن عزیز آزر۔ اسلئے علماء اور مفسرین نے اس مسئلہ کی تحقیق میں دو راہیں اختیار کی ہیں

(۱) ایسی صورت کی جائے کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہو جائے اور یہ اختلاف جاتا رہے۔

(۲) تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں کون صحیح ہے اور کون غلط یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا ہستیوں کے نام ہیں۔

پہلے خیال کے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت سے وابستہ ہیں او

لہ ابن کثیر جلد ۱ ص ۶۷۔

Marfat.com

تارخ علَم اسمی (اسمی نام) ہے اور آزر علم وصفی (وصفی نام)

ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آزر عبری زبان میں "محب صنم" کو کہتے ہیں اور چونکہ تارخ میں بت تراشی و بت پرستاری دونوں وصف موجود تھے اس لئے آزر کے لقب سے مشہور ہوا، اور بعض کا گمان ہے کہ آزر کے معنی اعوج (کم فہم) یا بے وقوف اور پیر فرتوت[1] کے ہیں۔ اور چونکہ تارخ میں یہ باتیں موجود تھیں اسلئے اس وصف سے موصوف کیا گیا، قرآن عزیز نے اُسی مشہور وصفی علم کو بیان کیا ہے۔

سہیلی نے روض الانف میں اسی کو اختیار کیا ہے[2]۔

اور دوسرے خیال کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اُس بُت کا نام ہے تارخ جسکا پجاری اور مہنت تھا چنانچہ مجاہد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ قرآن عزیز کی مسطورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے۔

اتتخذ ازر الھا ای اتتخذ اصناما الھۃ کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے؟

اور صغانی کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے، صرف نحوی اعتبار سے تقدیر کلام میں وہ ایک دوسری راہ اختیار کرتے ہیں۔ غرض ان دونوں کے نزدیک آزر "ابیہ" کا بدل نہیں ہے بلکہ بُت کا نام ہے اور اس طرح قرآن عزیز میں اُنکے والد کا نام مذکور نہیں۔

ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا آزر، اور چونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور بمنزلہ اولاد کے پالا تھا اسلئے قرآن عزیز میں آزر کو باپ کہہ کر پکارا گیا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے "العم صنو ابیہ" چچا باپ ہی کی طرح ہے۔

علامہ عبد الوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں سے مجاہد کا قول قرین قیاس اور قابل قبول ہے اس لئے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں ایک نام ازوریس بھی آتا ہے

---

[1] تاج العروس ج ۳ ص ۱۲ [2] جلد ۱ [3] تاج العروس ج ۳ ص ۱۲ [4] قصص الانبیاء ص ۹۶

Marfat.com

معنیٰ "خدائے قوی و معین" ہیں، اور اصنام پرست اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام ہی پر جدید دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے، اس لئے اس بت کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے نام پر رکھا گیا۔ اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا۔

ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات بارده ہیں، اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو اب ابراہیم (ابراہیم کا باپ) کہا ہے تو پھر محض علماء انساب اور بائیبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھکر خواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدرات ماننے پر کون سی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔ برسبیل تسلیم اگر آزر عاشقِ صنم کو کہتے ہیں، یا بت کا نام ہے تب بھی بغیر تقدیر کلام اور بغیر کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان ہر دو وجہ سے آزر کا نام آزر رکھا گیا جیسا کہ اصنام پرست اقوام کا قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کبھی اپنی اولاد کا نام بتوں کا عاشق ظاہر کرکے رکھتے تھے اور کبھی خود بت ہی کے نام پر نام رکھدیا کرتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ "آدار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی "آزر" کہلایا۔ تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس لئے "آزر" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا اور جبکہ لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔

جس مقدس انسان (ابراہیمؑ) کی اخلاقی بلندی کا یہ عالم ہو کہ جب بت پرستی کی مذمت کے سلسلہ میں آزر سے اسکا مناظرہ ہو گیا اور آزر نے زچ ہو کر یہ کہا۔

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا — اے ابراہیم کیا تو میرے خداؤں سے بیزار ہے تو اگر اس سے باز نہ آیا میں ضرور تجھ کو سنگسار کر دونگا اور جا میری آنکھوں سے دور ہو جا

تو اس سخت گیر اور دل آزار گفتگو کے موقعہ پر بھی اس نے پدری رشتہ کی بزرگی کا احترام کیا اور جواب میں صرف یہ فرمایا:

Marfat.com

سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۔ (مریم) تجھ پر سلامتی ہو، میں عنقریب تیرے لئے اپنے پروردگار سے بخشش چاہونگا بلاشبہ وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے

اس ہستی سے یہ کیسے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے باپ آزر کو بے وقوف، پیر فرتوت اور اسی قسم کے تحقیر آمیز الفاظ کے ساتھ خطاب کرے ؟

پس بلاشبہ تاریخ کا تارخ، آزر ہی ہے اور وہ علَم اسمی ہے نہ کہ علَم وصفی اور تارخ یا غلط نام ہے اور یا آزر کا ترجمہ ہے جو تورات کے دوسرے اعلام کی طرح ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل بن گیا۔

مراکشی سترہویں صدی کا ایک عیسائی عالم ہے اُس نے قرآن عزیز کا ترجمہ کیا ہے اور قرآن عزیز پر نہایت رکیک اور متعصبانہ حملے کئے ہیں، اسنے اس موقعہ پر بھی عادت کے مطابق ایک مہمل اور لچر اعتراض کیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ یوزبیوس کی تاریخ کنیسہ کی ایک عبارت میں یہ لفظ آیا ہے جسکو غلط صیغہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عزیز میں درج کر دیا۔

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ مراکشی اپنے اس دعوے کے ثبوت میں نہ تاریخ کینسہ کی وہ عبارت پیش کرتا ہے جس سے یہ لفظ ماخوذ بتایا گیا ہے اور نہ اس اصل لفظ ہی کا پتہ دیتا ہے کہ جس سے یہ غلط لفظ بنا لیا گیا اور نہ یہ بتلاتا ہے کہ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نقل کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اس لئے یہ قطعاً بے دلیل اور بے سر و پا بات ہے جو محض تعصب اور جہالت کی وجہ سے کہی گئی اور حق وہی ہے جو ہم نے ابھی واضح کیا۔

شجرۂ نسب ابراہیم تا نوح علیہما السلام تورات اور تاریخ نے حضرت ابراہیم سے حضرت نوح (علیہما السلام) تک نسب کی جو کڑیاں شمار کرائی ہیں وہ درج ذیل ہیں، اس شجرۂ نسب کی صحت و عدم صحت کا معاملہ قیاسی اور تخمینی رائے سے زیادہ نہیں ہے اس لیے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب کے متعلق اس یقین کے باوجود کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں، عدنان سے اوپر کی کڑیوں کے متعلق خود ذاتِ اقدس کا یہ فیصلہ ہے کہ "کذب النسابون" علماءِ نسب نے ناموں کی تعیین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے" تو حضرت ابراہیمؑ سے حضرت نوحؑ تک کا سلسلہ

Marfat.com

کس طرح اس کذب بیانی اور وضع سے پاک رہ سکتا ہے؟

نام	باپ کا نام	بیٹے کی پیدائش کے وقت باپ کی عمر
سام	نوحؑ	۵۰۰
ارفکشاذ	سام	۱۰۰
شالح	ارفکشاذ	۳۵
عابر	شالح	۳۰
فالج	عابر	۳۴
رعو	فالج	۳۰
سروج	رعو	۳۲
ناحور	سروج	۳۰
آزر (تارخ)	ناحور	۲۹
ابراہیمؑ	آزر (تارخ)	۷۰

۸۹۰ مجموعی مدت

ان اعداد و شمار کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی ولادت سے حضرت نوحؑ تک آٹھ سو نو سال ہوتے ہیں اور جبکہ حضرت نوحؑ کی کل عمر نو سو پچاس سال بتائی جاتی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت نوحؑ کی عمر کے ساٹھ سال پائے اور وہ دونوں اس مدت کے اندر معاصر رہے ہیں اور یہ بلا شبہ بے سروپا بات اور قطعاً غلط او مہمل ہے اسلئے یہ ماننا پڑیگا کہ تورات کے یہ اعداد و شمار محض خود تراشیدہ کہانیوں اور حکایتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور واقعہ یہی ہے کہ قدیم زمانہ میں یہود کے یہاں تاریخ کا باب اسی قسم کی حکایات و روایات پر قائم رہا ہے اس میں تاریخی حقائق اور زمانوں کے تضاد و اختلاف کا مطلق لحاظ و پاس نہیں رکھا گیا۔

مستشرقین یورپ کی ہرزہ سرائی | مستشرقین یورپ کی ایک جماعت اسلام دشمنی میں ید طولیٰ رکھتی ہے

اور بغض و عناد کی مشتعل آگ میں حقائق و واقعات تک کے انکار پر آمادہ ہو جاتی ہے۔
چنانچہ اس قسم کے مواقع میں سے کہ جہاں قرآن عزیز کے خلاف بے دلیل ان کی تنقید کی تلوار چلتی رہتی ہے ایک موقعہ حضرت ابراہیم ع کی شخصیت کا بھی ہے۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ[1] نے ونسنک[2] کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے اسپرنگر[3] نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں ایک عرصہ تک حضرت ابراہیم ع کی شخصیت کعبہ کے بانی اور دینِ حنیف کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی البتہ عرصہ دراز کے بعد انکی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اُن کی ذات کی خاص اہمیت نظر آتی ہے، چونکہ یہ دعویٰ اپنی اجمالی تعبیر کے لحاظ سے ابھی تشنۂ تکمیل تھا اس لئے ایک طویل زمانہ کے بعد اسپرنگر کے اس دعوے کو سنوگ ہیکرونیہ نے بڑے شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا اور اپنے مزعومہ دلائل کے ذریعہ اس کو خاص آب و رنگ سے رنگین بنایا۔

اُس نے کہا: قرآن پاک میں جسقدر مکی آیات اور سورتیں ہیں ان میں کسی ایک مقام پر بھی اسمٰعیل (علیہ السلام) کا ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ رشتہ نظر نہیں آتا اور نہ ان کو اولِ مسلمین بتایا گیا ہے بلکہ وہ صرف ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت میں نظر آتے ہیں اُنکے تذکرہ کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جو ان کو موسسِ کعبہ، اسمٰعیل علیہ السلام کا باپ، عرب کا پیغمبر و ہادی اور ملت حنیفی کا داعی ظاہر کرتی ہو سورۂ الذاریات، الحجر، الصافات، الانعام، ہود، مریم، انبیاء اور عنکبوت جو سب مکی سورتیں ہیں ہمارے اس دعوے کی شاہد ہیں اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے سرزمین عرب میں کوئی نبی نہیں آیا اور یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

البتہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدنی زندگی شروع ہوتی ہے تو مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیم کے ذکر کے وقت یہ تمام خصوصیات نمایاں کی جاتی اور اہمیت کے ساتھ

[1] جلد ۱ ص ۲۷-۲۸ [2] Wensinck [3] Sprenger

Marfat.com

روشنی میں لائی جاتی ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟ اور یہ اختلاف کیوں موجود ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ مکی زندگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے تمام امور میں یہود پر اعتماد رکھتے اور انھیں کے طریقوں کو پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا اس وقت تک ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو بھی اُنہوں نے اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے یہود دیکھتے تھے لیکن جب مدینہ پہنچکر انہوں نے یہود کو اپنے "مشن اسلام" کی دعوت دی تو اُنہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ آپکے دشمن ہو گئے اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فکر و تامل کیا اور خوب سوچا، آخر اُنکی ذکاوت اور جودتِ طبع نے رہنمائی کی اور اُنہوں نے عرب کے لئے یہود کی یہودیت سے جُدا ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جسکو یہودیت ابراہیمی کہنا چاہیئے، لہٰذا اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے قرآن کی مدنی سورتوں میں ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ ملتِ حنیفی کے داعی، عرب کے پیغمبر اسمٰعیلؑ کے والد، کعبہ کے موسس نظر آتے ہیں،، انتہٰی۔

یہ ہے وہ دعویٰ اور اسکی دلیل جو اسپرنگر، سنوک اور ونلسنک جیسے اسلام دشمن مستشرقین کی جانب سے محض اس لئے اختراع کیے گئے ہیں کہ اس قسم کی لچر بنیادوں پر مسیحیت کی برتری اور اسلام کی تحقیر کی عمارت تیار ہو سکے اور نیز یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ ثابت کیا جا کہ اُن کا عرب کے ساتھ نہ نسلی تعلق ہے اور نہ دینی۔ لیکن جب ایک مورخ اور ایک نقاد مستشرقین کے اس دعوے اور دعوے کے دلائل کو صرف تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے دیکھتا ہے تب بھی اس کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے حقائق اور واقعات سے قصداً چشم پوشی کر کے محض عداوت اور بغض و عناد کی راہ سے بے دلیل کہا گیا ہے، اسلئے کہ اس سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مکی صورتوں میں حضرت ابراہیم کے متعلق وہ اوصاف نظر نہیں آتے جو مدنی آیات میں پائے جاتے ہیں، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سر تا

Het Meh haa n Soh Feest

غلط بلکہ قصد و ارادہ کے ساتھ علمی بددیانتی ہے کہ مکّی سورتوں میں سے صرف اُنہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں حضرت ابراہیم کو فقط ایک پیغمبر کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے لیکن وہ مکی سورت جو ابراہیمؑ کی شخصیت کو ہمہ حیثیت سے نمایاں کرنے کے لئے انکے نام ہی سے معنون کرکے نازل کی گئی یعنی سورہ ابراہیم اس کو نظر انداز کر دیا گیا تاکہ قرآن عزیز سے براہ راست فائدہ نہ اٹھا سکنے والے حضرات کے سامنے جہالت کا پردہ پڑا رہے اور اُن کی کورانہ تقلید میں وہ ان کے غلط دعوے کو صحیح سمجھتے رہیں۔

سورہ ابراہیم مکّی ہے، اسکی آیات کا نزول ہجرت سے قبل مکّہ ہی میں ہوا ہے اور وہ حسب ذیل حقائق کا اعلان کرتی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ عرب (حجاز) کے اندر قیام پذیر ہیں اور خدا کے رسول کی حیثیت سے خود کو اور اپنی اولاد کو بت پرستی سے بچنے اور اُس مقام کو امنِ عالم کا مرکز بنانے کی دعا کر رہے ہیں:-

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۳۵) — اے پروردگار اس شہر (مکّہ) کو تو امن کا مرکز بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے دُور رکھ۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (۳۶) — اے پروردگار بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میری جماعت میں ہے اور جو میری نافرمانی کرے پس بلاشبہ تو بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے

(۲) حضرت ابراہیمؑ اقرار کرتے ہیں کہ سرزمین حجاز (جو عرب کا قلب ہے) ان ہی کی اولاد سے آباد ہوئی اور اُنہوں نے ہی اس کو بسایا ہے اور وہی اس چٹیل میدان میں بیت محرم (کعبہ) کے مؤسس ہیں۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا — اے ہمارے پروردگار بیشک میں نے اپنی بعض ذریت کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے گھر (کعبہ) کے نزدیک آباد کیا ہے اے

Marfat.com

الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ ہماری پروردگار یہ اسلئے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں

تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ میں سے کچھ کے دل اسطرف پھیر دے کہ وہ (اس کعبہ کی بدولت)

لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (۳۷) انکی جانب مائل ہوں اور انکو پھلوں سے رزق عطا کر تاکہ یہ شکر گذار بنیں

(۳) حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق (علیہم السلام) کے والد ہیں اور حضرت

اسمٰعیل اہل عرب کے باپ ہیں اور حضرت ابراہیم اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ملت

کے شعار "صلوٰۃ" کی اقامت کی دعا کر رہے ہیں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جسنے مجھ کو بڑھاپے میں اسمٰعیل

اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ اسحٰق بخشے بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دعا کا سننے والا

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ اے پروردگار مجھکو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنیوالا بنا

ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ۔ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ اے ہمارے پروردگار ہماری دعا سن، اے ہمارے پروردگار

وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ تو مجھکو اور میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب

(۳۹-۴۰-۴۱) (قیامت) کے روز بخشدے۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کسی شخص کو یہ جرأت ہوسکتی

ہے کہ وہ ان لغو اور بے سروپا دعووں کی تصدیق کرے جنکو مستشرقین یورپ نے اپنی جہالت

یا ارادی جھوٹ کے ساتھ علمی تنقید کا عنوان دیا ہے، کیا یہ آیات مکی نہیں ہیں، اور کیا ان

سے وہ سب کچھ ثابت نہیں ہوتا جو مدنی آیات میں مذکور ہے؟

(۴) اسی طرح سورۂ ابراہیم کے علاوہ سورۂ انعام اور سورۂ النحل بھی مکی سورتیں ہیں ان میں

بصراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم شرک کے مقابلہ میں ملتِ حنیفی کے داعی ہیں اور ان کی

شخصیت اس دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بلاشبہ میں اپنی چہرہ کو اسی ذات کی طرف جھکاتا ہوں جو آسمانوں

وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے) اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں

(الانعام)

Marfat.com

...نی اِنَّنِیۡ ھَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ ...نًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ مَا کَانَ ...نَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو بلاشبہ مجھکو میرے رب نے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے جو کج مج راہ سے الگ صاف اور سیدھا دین ہے ملت ہے ابراہیم کی جو تھے ایک خدا کی طرف جھکنے والے اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے۔
(انعام - ۱۶۱)	
...اِبۡرٰہِیۡمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیۡفًا ؕ وَ لَمۡ ...ُ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿ (النحل)	بیشک ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار صرف ایک خدا کی طرف جھکنے والا اور نہ تھا وہ شرک کرنیوالوں میں سے
...اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ ...نِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ	پھر وحی کی ہم نے تیری جانب (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کی کہ تو پیروی کر اس ابراہیم کی ملت کی جو صرف خدائے واحد کی جانب جھکنے والا ہے اور نہیں ہے مشرکوں میں سے۔
(۱۲۳)	

تو کیا ان اوصاف اور واضح آیات کے بعد بھی ان دلائل کو دلائل کہنا کوئی حقیقت رکھتا ...اس سلسلہ میں سنوک اور اس کے ہمنواؤں نے بیان کئے ہیں؟ مکی سورتیں ہوں یا مدنی دونوں ...براہیم کی شخصیت ایک ہی طرح نمایاں نظر آتی ہے، وہ دونوں حالتوں میں ملت حنیفی کے ...ی حضرت اسمٰعیلؑ اور عرب کے باپ، کعبہ کے موسس و بانی، عرب کے ہادی ہیں، اور اس لئے ...ستشرقین یورپ کا یہ کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت قرآن عزیز کی مکی اور مدنی آیات میں ...دا جدا صورتوں میں نظر آتی ہے کذب اور صریح بہتان ہے نیز یہ بھی خلاف واقعہ ہے کہ عرب میں رسول ...صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت سے قبل کوئی بھی اور پیغمبر نہیں گذرا کیونکہ ابراہیم و اسمٰعیل اور ...و صالح اسی سرزمین کے ہادی و پیغمبر ہیں۔

ان مدعیان علم کو تعصب نے ایسا نادان بنا دیا کہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...عتراض کرتے وقت یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس قسم کے دعوے سے ہم صرف قرآن ہی کی نہیں ...بل (توارات) کی بھی تکذیب کر رہے ہیں، اسلئے کہ تورات میں تصریح ہے کہ اسمٰعیلؑ، ابراہیمؑ کی ...یں اور اسمٰعیل ہی عرب کے باپ ہیں اور ابراہیمؑ کی اسی اولاد سے حجاز کی سرزمین آباد ہوئی

Marfat.com

اور یہ دونوں باپ بیٹے عرب کی نمایاں شخصیتیں ہیں۔

نیز یہ الزام بھی قطعاً بے بنیاد اور لغو ہے کہ "مکّہ کی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور اُن کے مذہبی امور کی تقلید کی اور جب مدینہ میں پہنچکر یہود کے انکار اور اُن کے مخالفانہ جذبہ کو دیکھا تو یہود سے الگ ایک نئی یہودیت کی بنیاد ڈالی اور اسکو ملت ابراہیم کا لقب دیا" اس لئے کہ مکّہ کی زندگی میں تو یہود سے آپ کا سابقہ ہی نہیں پڑا تو پھر مخالفت و موافقت یا اتباع کا سوال ہی کیا۔ البتہ مدینہ میں آکر آپ نے مشرکین کے مقابلہ میں یہود کی جانب زیادہ توجہ فرمائی اور یہ اس لئے کہ وہ اسلام کے عقیدہ کے مطابق دین موسوی کے پیرو تھے، اگرچہ اس میں تحریف ہو چکی تھی مگر وہ مشرکین کے خلاف توحید کے قائل تھے اُنکی محرف کتابوں میں تحریف کے بعد بھی بہت سے جملے ایسے موجود تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رسالت کے شاہد اور گواہ ہیں اور اُن سے آپ کے حق میں نکلتی ہیں اس لئے آپ کو خیال تھا کہ یہ مشرکین کے مقابلہ میں جلد ہی ملت ابراہیمی اسلام قبول کر لینگے لیکن جب آپ نے انکے انکار، بغض و حسد کا تجربہ کر لیا تو پھر اُنکے ساتھ کا معاملہ وہی ہو گیا جو مشرکین کے ساتھ تھا اور بمصداق "الکفر ملۃ واحدۃ" (کفر سب ایک ملت ہی) آپ نے اُن سب کو ایک ہی حیثیت میں رکھا۔

اسپرنگر، سنوک اور انکے ہمنوا اتنی صاف بات سمجھنے سے بھی قاصر ہیں یا عمداً سمجھنا نہیں چاہتے کہ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے دادا اور یہود اپنے دین کی نسبت حضرت اسرائیل علیہ السلام کی جانب کرتے اور بنی اسرائیل ہونیکی حیثیت سے اس پر فخر کرتے تھے تو انکا یہ کہنا کہ ابراہیم بھی یہودی تھے کس قدر مضحکہ خیز تھا کیا پوتے کے دین کے متعلق کسی طرح یہ کہنا درست ہو سکتا ہی کہ عرصہ دراز گذرے ہوئے دادا کا دین پوتے کے دین کے تابع تھا۔

پس اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن عزیز نے یہ اعلان کیا

Marfat.com

مَاكَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی، اور البتہ وہ تھے ایک خدا کی جانب جھکنے والے مسلمان۔

مگر ان کور چشموں نے اس کے معنی یہ لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تو یہود کے دین پر تھے لیکن مدینہ جاکر جب یہود نے ان کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا تو یہود کے دین کے مقابلہ میں ذکاوت طبع سے یہودیت ابراہیمی ایجاد کر لی۔ سبحانك هٰذا بهتان عظيم۔

سنوک اور اس کے ہمنواؤں نے اس دعوے کی دلیل میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں کوئی پیغمبر نہیں گذرا، قرآن عزیز کی اس آیت کو بھی پیش کیا ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔ تاکہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ڈرائے ایسی قوم کو کہ نہیں آیا انکے پاس تجھسے پہلے کوئی ڈرانیوالا۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر ابراہیم و اسمٰعیل عرب کے پیغمبر ہوتے تو قرآن عزیز امت عربیہ کے متعلق اسطرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہ کرتا۔

مگر یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآن عزیز کے طرز خطابت، اسلوب بیان اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوا ہے یا گذشتہ اعتراضات کی طرح محض بغض و عناد کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کا بہت بڑا حصہ بت پرستی میں مبتلا تھا، اور اس سلسلہ میں انہوں نے عقائد اور دین کے نام سے کچھ احکام مرتب کر رکھے تھے۔ مثلاً دیوتاؤں کی نذر اور قربانی کے لئے سائبہ، بحیرہ اور وصیلہ کی ایجاد مختلف بتوں کی پرستش کے مختلف قواعد و ضوابط وغیرہ، اس لئے جب نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے انکو توحید اور اسلام کی دعوت دی اور شرک اور بت پرستی سے روکا تو وہ کہنے لگے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہم بددین ہیں اور ہمارا کوئی الہامی دین نہیں ہے، غلط ہے ہم تو خود مستقل دین رکھتے ہیں اور وہ ہمارے باپ دادا کا قدیمی دین ہے۔

Marfat.com

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا۔ مشرکین نے کہا ہم نے اسی (بت پرستی) پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اللہ نے ہمکو اسی کا حکم دیا ہے۔

تب قرآن عزیز نے ان کے باطل عقائد کی حقیقت کو ان پر واضح کرنیکے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کو بتایا جائے کہ کسی دین کے خدائی دین ہونیکے لئے دو ہی قسم کے دلائل ہو سکتے ہیں، یا حسی اور عقلی راہ سے یہ واضح ہو جائے کہ یہ خدا کا دین اور اس کا مرغوب مذہب ہے، اور یا نقلی روایات اس کا قطعی یقینی اور ناقابل انکار ثبوت پیش کرتی ہوں کہ یہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت ہے اور اگر یہ دونوں راہیں کسی دعوے کے لئے بند ہیں تو وہ دعوے باطل اور اس کا مدعی کاذب ہے۔

پس قرآن عزیز نے مشرکین کے اس دعوے کی تردید کے لئے آیات قرآنی کے تین حصے کر دیے ایک حصہ میں انکے اس دعوے کا انکار اور دعوے کی غیر معقولیت کا اظہار کیا اور بتایا کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ "اللہ امرنا بھا" (ہم کو خدا نے ایسا شرک کرنے ہی کا حکم دیا ہے) بالکل غلط اور سرتاسر باطل ہے اسلئے کہ،

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (اعراف) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بیہودہ خرافات کا حکم نہیں دیا کرتا اے مشرکین، کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

اور دوسرا حصہ اُن کے باطل دعوے پر حسی اور عقلی سند کے مطالبہ سے متعلق کیا اور بتایا کہ وہ عقل سے یہ فتویٰ صادر کریں کہ جو کچھ خدا کے ساتھ انہوں نے غلط نسبتیں قائم کر رکھی ہیں اور جن پر اُنکے مزعومہ دین کی بنیاد قائم ہے، وہ کس طرح صحیح اور اہل عقل کے نزدیک قابل تسلیم ہیں؟ کہا تنبیہ

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ان سے دریافت کرو کیا تمہارے پروردگار کے لئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لئے لڑکے، کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں بنایا اور وہ اُس وقت موجود تھے خبردار بلاشبہ یہ سب ان کی بہتان طرازی ہے، البتہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے

Marfat.com

اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ - اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝ (الصافات)

اولاد ہو اور بلاشبہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ خدا نے) اپنے لئے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند کر لیا ہے (اے مشرکین) تم کو کیا ہوا یہ تم کیسا (جھوٹا) حکم کرتے ہو، پس کیا تم نصیحت نہ حاصل کرو گے ؟

اور تیسرا حصہ ان کے باطل عقیدوں کے متعلق نقلی سند کے مطالبہ سے وابستہ کیا، قرآن عزیز ان سے سوال کرتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اور اس کو خدا کا دین بتا رہے ہو تو کیا تمہارے پاس اسکے لئے خدا کی جانب سے کوئی "حجت" اور "دلیل" نازل ہوئی ہے یا اس کے پاس سے ان عقائد کی صداقت کے لئے کوئی کتاب بھیجی گئی ہے اگر ایسا ہے تو پیش کرو؟

اَمۡ لَكُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِيۡنٌ ۝ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ (الصافات)

کیا تمہارے پاس کوئی ظاہر حجت اور صاف دلیل ہے پس تم اپنی (خدا کی جانب سے نازل شدہ) وہ کتاب لاؤ، اگر تم سچے ہو؟

پس اگر ان کے اپنے دعوے کی صداقت کے لئے ان کے پاس نہ کوئی حسی و عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی سند کے طور پر کوئی حجت و کتاب، تو پھر ان کا یہ دعویٰ کہ ان کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سے خدا کا دین موجود ہے اور اس کی منضبط شریعت بھی! بالکل غلط اور باطل دعویٰ ہے۔

اسی طرح مشرکین پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہارے پاس اپنے دعوئے باطل کے سلسلہ میں نہ عقلی سند ہے اور نہ نقلی اور ان کو لاجواب بنانے کے لئے سورۂ احقاف میں بھی یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اِیۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ (احقاف)

تم مجھے بتاؤ کہ اللہ کے ماسوا جن کو تم پوجتے ہو مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے زمین سے کیا بنایا، یا کیا ان کی آسمانوں میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت ہے، اس سے پہلی کوئی کتاب اگر تمہارے پاس ہے (جو اس دعویٰ کی تصدیق کرتی ہو) تو وہ لے آؤ، یا علم (اولین میں سے کوئی بقیہ علم تمہارے پاس ہو تو وہ پیش کرو)

Marfat.com

یہی وہ حقیقت ہے جس کو ایک دوسرے پیرایہ میں قرآن عزیز کی اُن آیات میں بیان کیا گیا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کے پاس محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ ان آیات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سرزمین عرب (حجاز) ہمیشہ سے خدا کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم ہے۔ اور اس ملک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سب سے پہلی آواز ہے۔ قرآن عزیز ایسی خلاف حقیقت بات کس طرح کہہ سکتا تھا جبکہ سورۂ ابراہیم الانعام اور نحل کی آیات میں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے عربی نبی ہونیکی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں جو ابھی نقل کی جا چکی ہیں اور قرآن عزیز اس قسم کے تضاد اور اختلاف سے قطعاً بری ہے، کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ اسی بات کا اقرار، اسلئے کہ وہ خدا کے عالم الغیب والشہادہ کا کلام ہے نہ کہ بھول چوک کرنیوالے انسان کا کلام۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔ کیا انہوں نے قرآن پر غور نہیں کیا اور اگر وہ ہوتا اللہ کے سوا کسی اور کا کلام تو تم ضرور پاتے اس میں بہت سا اختلاف۔

لہذا قرآن عزیز کے خلاف سنوک، اسپرنگر اور وینسنک کے یہ تمام دعاوی اور ان کے دلائل تاریخی حقائق اور واقعات کی روشنی میں قطعاً باطل اور افترا ہیں اور انکے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے ناقدین قرآنِ عزیز پر علمی دیانت کیساتھ تنقید نہیں کرتے اور نہ انکی فہم اور سمجھ کا قصور ہے بلکہ اس کے برعکس وہ علمی بددیانتی سے کام لیکر قرآن کے خلاف زہر اُگلتے، غلط الزام قائم کرتے، اور صریح اور واضح مسائل میں اپنے پیشِ نظر مقاصد کے مطابق کنجلک پیدا کر کے ناواقف دنیا کو گمراہ کرتے ہیں، بلکہ اس قسم کے الزامات سے ان کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے جس کو قرآنِ عزیز نے اس قسم کے معاندین کے لئے ایک مستقل قانون کی طرح واضح کر دیا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً ۔ یہ (منکرین قرآن و اسلام) یہ خواہش رکھتے ہیں کہ کاش تم بھی انکی طرح بن جاؤ تاکہ وہ اور تم سب یکساں ہو جائیں۔

Marfat.com

اس لئے ان منکرین و کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ہمیشہ ایک ہی جواب رہا ہے۔
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ اے پروردگار ہمارے دلوں کو ہدایت یافتہ اور راہیاب کرنے کے بعد کجی کی جانب مت مائل کرنا۔

بہرحال قرآن حکیم کی مسطورہ بالا زیر بحث آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے اور اُسکے درمیان اور الانعام، النحل اور ابراہیم جیسی سورتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے پیغمبر عرب کے درمیان قطعاً کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔

اس پیش کردہ تفصیل و تشریح کے علاوہ عام مفسرین نے اس قسم کی آیات کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ خطاب صرف اُن ہی لوگوں سے متعلق ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں موجود تھے۔ اُن کے گذشتہ آباء و اجداد اور گذشتہ تاریخ عرب سے اس خطاب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر قرآن میں

قرآن عزیز کے رشد و ہدایت کا پیغام چونکہ ملت ابراہیمی کا پیغام ہے اسلئے اُس نے جگہ جگہ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں کہا جا چکا ہے حضرت ابراہیم کا ذکر مکی اور مدنی دونوں قسم کی صورتوں میں موجود ہے۔ مندرجہ ذیل جدول اُن تمام سورتوں اور آیتوں کو ظاہر کرتی ہے۔

سورة	شمار	آیات
البقر	۲	۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۳۰ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۴۰ - ۲۵۸ - ۲۶۰ -
آلِ عمران	۳	۳۳ - ۳۵ - ۶۷ - ۶۸ - ۸۴ - ۹۵ - ۹۷ -
النساء	۴	۵۴ - ۱۲۵ - ۱۶۳
الانعام	۶	۷۴ - ۷۵ - ۸۳ - ۱۵۱
التوبہ	۹	۷۰ - ۱۱۴ -

Marfat.com

سورۃ	شمار	آیات
ہود	۱۱	۶۹-۷۴-۷۵،۷۶
ابراہیم	۱۴	۳۶
النحل	۱۶	۱۲۰ - ۱۲۳
الانبیار	۲۱	۵۱-۶۰-۶۲-۶۹
الشعرار	۲۶	۶۹
الاحزاب	۳۳	۷۰
صٓ	۳۸	۴۵
الزخرف	۴۳	۲۶
النجم	۵۳	۳۷
الممتحنہ	۶۰	۴

سورۃ	شمار	آیات
یوسف	۱۲	۶-۳۸
الحجر	۱۵	۵۱
مریم	۱۹	۴۱-۴۶-۵۸
الحج	۲۲	۲۶-۴۳-۷۸
العنکبوت	۲۹	۱۶-۳۱
الصافات	۳۷	۸۳-۱۰۴-۱۰۹
الشوریٰ	۴۲	۱۳
الذاریات	۵۱	۲۴
الحدید	۵۷	۲۶
الاعلیٰ	۸۷	۱۹

مجموعہ ۲۵ سورت ۶۴ آیات

حضرت ابراہیم کے قصہ کے ساتھ دوسرے چند انبیار علیہم السلام کے قصص بھی وابستہ ہیں مثلاً حضرت لوط کا قصہ اسلئے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بھی ہیں اور اُن کے پیرو بھی۔ اسی طرح اُن کے صاحبزادوں حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہما السلام کے قصے اسلئے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ستاسی سال[1] تھی اور حضرت اسحٰق[2] کی ولادت کے وقت ان کی عمر پورے سو سال تھی اور حضرت ابراہیمؑ کی کل عمر ایک سو پچھتر[3] سال ہوئی۔ مگر ان تینوں پیغمبروں کے تفصیلی واقعات مستقل عنوان میں درج کئے جائینگے اور یہاں صرف حضرت ابراہیم کے واقعہ کے ضمن میں کہیں کہیں ذکر آئیگا۔

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ قرآنِ عزیز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کو کسی جگہ اختصار کے ساتھ

[1] تورات اصحاح ۱۶ و تکوین ۱۶ - [2] تورات آیت ۵ اصحاح ۲۱ تکوین [3] تورات آیت ۷ اصحاح ۲۵ تکوین

Marfat.com

کسی جگہ مختلف شئون و اوصاف کے پیش نظر، اور کسی جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہی اسلئے ہم اس جگہ مناسب ترتیب سے ان کا تذکرہ کرینگے۔

تورات یہ بتاتی ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) عراق کے قصبہ اُور کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے اور ان کی قوم بت پرست تھی اور انجیل برنابا میں تصریح ہو کہ اُنکے والد نجاری کا پیشہ کرتے اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لکڑی کے بُت بناتے اور فروخت کیا کرتے تھے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں، اور نہ نفع و نقصان کا اُن سے کوئی واسطہ، اور نہ لکڑی کے کھلونوں اور دوسری بنی ہوئی چیزوں کے اور ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز ہی۔ وہ صبح و شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بیجان مورتوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہی اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہی ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا اور پھر خریدنیوالوں کی ہاتھ فروخت کر دیتا ہی۔ کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے مثیل و ہمسر کہے جاسکتے ہیں؟ حاشا وکلا پس بعثت سے سرفراز ہو کر سب سے پہلے انہوں نے اسی طرف توجہ فرمائی۔

بعثت

قرآنِ عزیز حضرت ابراہیم کی اس حقیقت بیں اور بصیرت افروز رشد و ہدایت کا اس طرح ذکر کرتا ہی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ	اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اوّل ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی، اور ہم اس کے (معاملہ کے) جاننے والے تھے جب اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا "یہ مجسّمے کیا ہیں جن کو تم لیے بیٹھے ہو" کہنے لگے "ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے پایا ہی" ابراہیم نے کہا "بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھُلی گمراہی میں ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا

Marfat.com

مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (انبیاء)

کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا "(یہ بت تمہارے تمہارے رب نہیں ہیں) بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔

اور جب کہ اس جلیل القدر ہستی پر اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور عطاء و نوال کا فیضان بے غایت و بے نہایت سرعت رفتار کے ساتھ ہو رہا تھا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی صف میں نمایاں جگہ پائی اور اس کی دعوت و تبلیغ کا محور و مرکز "دین حنیف" قرار پایا۔

اس نے جب یہ دیکھا کہ قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں اسقدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقہ اور اسکی احدیت و صمدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا۔ اور ان کے لئے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں رہی تب اس نے کمر ہمت چست کی اور ذات واحد کے بھروسہ پر انکے سامنے دین حق کا پیغام رکھا اور اعلان کیا۔ اے قوم! یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش میں مشغول ہو، کیا تم اسقدر خواب غفلت میں ہو کہ جس بیجان لکڑی کو اپنے آلات سے گھڑ کر مجسمے تیار کرتے ہو اور اگر وہ مرضی کے مطابق نہ بنے تو اس کو توڑ کر دوسرا بنا لیتے ہو اور بنا لینے کے بعد اسکو پوجنے اور نفع و ضرر کا مالک سمجھنے لگتے ہو تم اس خرافات سے باز آؤ، خدا کی توحید کے نغمے گاؤ۔ اور اسی ایک مالک حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکاؤ جو میرا، تمہارا اور کل کائنات کا خالق و مالک ہے۔

مگر قوم نے اس کی آواز پر مطلق کان نہ دھرا اور چونکہ گوش حق نیوش اور نگاہ حق بیں سے محروم تھی اسلئے اس نے جلیل القدر پیغمبر کی دعوت حق کا مذاق اڑایا۔ اور زیادہ سے زیادہ تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

باپ کو دعوتِ اسلام اور باپ بیٹے کا مناظرہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کیا اور دعوت حق کو خاندان ہی سے شروع کیا اور بتایا کہ انکی یہ قدیم راہ گمراہی کی راہ ہے

Marfat.com

اور میں جس راہ کی دعوت دیتا ہوں وہ صراطِ مستقیم ہے۔ مگر والد پر مطلق اثر نہوا، اور اس کے برعکس آزر نے بیٹے کو دھمکایا کہ اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہ آئیگا تو میں تجھکو سنگسار کر دونگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اب معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا، ایک جانب باپ کے احترام کا مسئلہ ہے اور دوسری جانب ادائے فرض، حمایت حق اور اطاعت امر الٰہی کا سوال، اُنھوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتبت پیغمبر کے شایانِ شان تھا، اُنھوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا، تحقیر و تذلیل کا رویہ نہیں برتا بلکہ نرمی، ملاطفت اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا، اے باپ! اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا تیرا اسلام ہے۔ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا، اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا میں آج سے تجھ سے جدا ہوتا ہوں، مگر غائبانہ تیرے لئے درگاہِ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہونگا تاکہ ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔

سورۂ مریم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْــًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کر، یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ اس وقت کا ذکر جب اُس نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے، نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے؟ اے میرے باپ میں سچ کہتا ہوں علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی بس میرے پیچھے چل میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤنگا اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر شیطان تو خدائے رحمٰن سے نافرمان ہو چکا۔ اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو۔ خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب تجھے گھیرے، اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے!"

Marfat.com

لِلشَّیۡطٰنِ وَلِیًّا ٭ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا ٭ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیۡ حَفِیًّا ٭ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ٭ (مریم)

باپ نے (یہ باتیں سُنکر) کہا "ابراہیم کیا تو میرے معبود سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کرکے چھوڑونگا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔" ابراہیم نے کہا "اچھا میرا سلام قبول ہو (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی دُعا کرونگا۔ وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہونگا۔

اور سورہ انعام میں آزر کو حضرت ابراہیمؑ کی نصیحت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیۡۤ اَرٰىكَ وَقَوۡمَكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ٭ (انعام)

اور (وہ وقت یاد کر) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا "کیا ٹھہراتا ہے تو بتوں کو خدا، میں تجھکو اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

قوم کو دعوتِ اسلام اور اُس سے مناظرہ

باپ اور بیٹے کے درمیان جب اتفاق کی کوئی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیمؑ آزر سے جُدائی اختیار کرلی اور اپنی دعوتِ حق اور پیغام رسالت کو وسیع کردیا اور اب صرف آزر ہی مخاطب نہ رہا بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنالیا۔ مگر قوم اپنے باپ دادا کے دین کو کب چھوڑ سکتی تھی۔ اُس نے ابراہیم (علیہ السلام) کی ایک نہ سنی اور دعوتِ حق کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگے، اندھے اور بہرے بن گئے۔

اُن کے کان موجود تھے مگر حق کی آواز کے لئے بہرے تھے پتلیاں آنکھوں کے حلقوں میں زندہ انسان کی آنکھوں کی طرح حرکت ضرور کرتی تھیں مگر حق کی بصارت سے محروم تھیں، زبان گویا ضرور تھی لیکن کلمۂ حق کے اعتبار سے گنگ تھی۔

Marfat.com

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ٥ (الاعراف)

ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، اُن کے آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے زیادہ زور دے کر پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی قسم کا بھی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ ان باتوں کے جھگڑے میں ہم پڑنا نہیں چاہیئے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں لہذا ہم بھی وہی کر رہے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک خاص انداز سے خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی۔ فرمانے لگے میں تو تمہارے اُن سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں یعنی میں ان سے بے خوف و خطر ہو کر اُن سے اعلان جنگ کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔

البتہ میں صرف اُس ہستی کو اپنا مالک سمجھتا ہوں جو تمام جہانوں کی پروردگار ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی، جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے، اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو جو مجھ کو شفا بخشتا ہے، اور جو میری زیست و موت دونوں کا مالک ہے اور اپنی خطا کاری کے وقت جس سے یہ طمع کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے روز مجھکو بخشدے اور میں اسکے حضور میں یہ دعا کرتا رہتا ہوں۔

اے میرے پروردگار تو مجھکو صحیح فیصلہ کی قوت عطا کر اور مجھ کو نکوکاروں کی فہرست میں داخل کر اور مجھ کو زبان کی سچائی عطا کر اور جنت نعیم کے وارثوں میں شامل کر۔

نصیحت و موعظت کے اس موثر انداز خطابت کو جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد اور قوم کے سامنے پیش کیا، سورۂ شعراء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ٥ اِذْ قَالَ

اور سنادے ان کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو

Marfat.com

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ
اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ
يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ
يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ
وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝
قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ
عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ
فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ
يَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ
يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ
اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ رَبِّ
هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝
وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَ
اغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ
مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ
سَلِيْمٍ ۝ (شعراء)

اور اپنی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو۔ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں
کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں کہا کچھ سنتے ہیں
تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو، یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا۔ بولے
نہیں۔ پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے کہا
بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو، تم اور تمہارے باپ
دادے اگلے، سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب
جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے اور وہ
جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی
شفا دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا اور پھر جلائیگا۔ اور
جس سے مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف
کے دن۔ اے میرے رب دے مجھکو حکم اور ملا مجھ کو
نیکوں میں، اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں۔ اور کر مجھکو
وارثوں میں نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر
میرے باپ کو وہ ہے راہ بھولے ہوؤں میں۔ اور
رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی اٹھیں جس دن
نہ کام آوے کوئی مال اور نہ بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا
اللہ کے پاس لے کر بے روگ دل۔

مگر آزر اور قوم آزر کے دل کسی طرح قبولِ حق کے لئے نرم نہ ہوئے اور ان کا انکار اور جحود حد سے گذرتا ہی رہا۔

Marfat.com

گذشتہ سطور میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی بھی کرتی تھی، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت و حیات، ان کا رزق، ان کا نفع و ضرر، خشک سالی اور قحط سالی، فتح و ظفر اور شکست و ہزیمت، غرض تمام کارخانہ عالم کا نظم و نسق کواکب اور ان کی حرکات کی تاثیر پر چل رہا ہے۔ اور یہ تاثیر ان کے ذاتی اوصاف میں سے ہے اس لئے ان کی خوشنودی ضروری ہے اور یہ انکی پرستش کے بغیر ممکن نہیں۔

اس لئے حضرت ابراہیم نے جس طرح ان کو انکے سفلی معبودان باطل کی حقیقت واشگاف کر کے راہ حق کی طرف دعوت دی اسی طرح ضروری سمجھا کہ انکے علوی معبودان باطل کی بے ثباتی اور فنا کے منظر کو پیش کر کے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیں کہ تمہارا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ ان چمکتے ہوئے ستاروں، چاند اور سورج کو خدائی طاقت حاصل ہے ہرگز نہیں۔ یہ خیال خام اور باطل عقیدہ ہے۔ مگر یہ باطل پرست جبکہ اپنے خود ساختہ اصنام سے اسقدر خائف تھے کہ ان کو برا کہنے والے کے لئے ہر آن یہ تصور کرتے تھے کہ وہ انکے غضب میں آکر برباد و تباہ ہو جائیگا تو ایسے اوہام پرستوں کے دلوں میں بلند ستاروں کی پرستش کے خلاف جذبہ پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس لئے "مجدد انبیاء" ابراہیم (علیہ السلام) نے ان کے دماغوں کے مناسب ایک عجیب اور دلچسپ پیرایہ بیان اختیار فرمایا۔

تاروں بھری رات تھی، ایک ستارہ خوب روشن تھا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اسکو دیکھ کر فرمایا "میرا رب یہ ہے؟" اسلئے کہ اگر ستارے ربوبیت کر سکتے ہیں تو یہ ان سب میں ممتاز اور روشن ہے لیکن جب وہ اپنے وقت مقررہ پر نظر سے اوجھل ہو گیا، اور اسکو یہ مجال نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کے لئے ایک گھڑی اور رونمائی کر سکتا اور نظام کائنات سے منحرف ہو کر اپنے پوجنے والوں کیلئے زیارتگاہ بنا رہتا تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "میں چھپ جانیوالے کو پسند نہیں کرتا" یعنی جس شے پر مجھ سے بھی زیادہ تغیرات کا اثر پڑتا ہو، اور جو جلد جلد ان اثرات کو قبول کر لیتا ہو وہ میرا معبود کیونکر ہو سکتا ہے؟ پھر نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ چاند آب و تاب کے ساتھ سامنے موجود ہے، اسکو دیکھکر فرمایا "یہ میرا رب

لہ قرآن عزیز نے یہ تصریح نہیں کی کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو متعدد راتوں کا نتیجہ ہے یا ایک ہی شب کا اگر ایک ہی شب کا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسی رات کا واقعہ ہے جبکہ چاند کچھ رات گئے نکلتا ہے۔

Marfat.com

ہے؟" اس لئے کہ یہ خوب روشن ہے اور اپنی خنک روشنی سے سارے عالم کو بقعۂ نور بنائے ہوئے ہے
پس اگر کواکب کو رب بنانا ہی ہے تو اسی کو کیوں نہ بنایا جائے کیونکہ یہی اس کا زیادہ مستحق نظر آتا ہے
اب سحر کا وقت ہونے لگا تو قمر کے بھی ماند پڑ جانے اور روپوش ہو جانیکا وقت آپہنچا اور
جس قدر طلوع آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل
ہونے لگا، تو یہ دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسا جملہ فرمایا جس سے چاند کے رب ہونے
کی نفی کے ساتھ ساتھ خدائے واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ اس خاموشی کے ساتھ پھیر
دی جائے کہ قوم اس کا احساس بھی نہ کر سکے اور اس گفتگو کا جو مقصدِ وحید ہے "یعنی صرف
خدائے واحد پر ایمان" وہ اُن کے دلوں میں بغیر قصد و ارادے کے پیوست ہو جائے فرمایا، "اگر
میرا حقیقی پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی ضرور گمراہ قوم ہی میں سے ایک ہوتا"
بس اس قدر فرمایا اور خاموش ہو گئے اسلئے کہ ابھی اس سلسلہ کی ایک کڑی اور
باقی ہے اور قوم کے پاس ابھی مقابلہ کے لئے ایک ہتھیار موجود ہے اس لئے اس سے زیادہ
کہنا مناسب نہیں تھا۔

"تاروں بھری رات ختم ہوئی چمکتے ستارے اور چاند سب نظر سے اوجھل ہو گئے کیوں؟
اس لئے کہ اب آفتاب عالمتاب کا رُخِ روشن سامنے آرہا ہے دن نکل آیا اور وہ پوری آب
تاب سے چمکنے دمکنے لگا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو دیکھ کر فرمایا "یہ ہے میرا رب کیونکہ یہ کواکب میں سے
بڑا ہے اور نظامِ فلکی میں اس سے بڑا ستارہ ہمارے سامنے دوسرا نہیں ہے"۔ لیکن دن بھر چمکنے
اور روشن رہنے اور تمام عالم کو روشن کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اُسنے بھی عراق کی نگاہوں سے
پہلو بچانا شروع کر دیا اور شب دیجور آہستہ آہستہ سامنے آنے لگی اور آخر کار وہ نظروں سے غائب
ہو گیا، تو اب وقت آپہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام اصل حقیقت کا اعلان کر دیں اور قوم کو لاجواب
بنا دیں کہ اُنکے عقیدہ کے مطابق اگر ان کواکب کو ربوبیت اور معبودیت حاصل ہے تو اسکی

Marfat.com

کیا وجہ کہ ہم سے بھی زیادہ ان میں تغیرات نمایاں ہیں اور یہ جلد جلد اُن کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور اگر معبود ہیں تو ان میں "افول" کیوں ہے جس طرح چمکتے نظر آتے تھے اسی طرح کیوں چمکتے نہ رہے چھوٹے ستاروں کی روشنی کو ماہتاب نے کیوں ماند کر دیا اور ماہتاب کے رُخِ روشن کو آفتاب کے نور نے کس لئے بے نور بنا دیا۔

پس اے قوم! میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار، بلاشبہ میں نے اپنا رُخ صرف اسی ایک خدا کی جانب کر لیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ میں "حنیف" ہوں اور "مشرک" نہیں ہوں۔

اب قوم سمجھی کہ یہ کیا ہوا، ابراہیم (علیہ السلام) نے ہمارے تمام ہتھیار بیکار اور ہمارے تمام دلائل پامال کر دیے، اب ہم ابراہیم (علیہ السلام) کے اس مضبوط و محکم برہان کا کسطرح رد کریں اور اس کی روشن دلیل کا کیا جواب دیں؟ وہ اسکے لئے بالکل عاجز و درماندہ تھی اور جب کوئی بس نہ چلا تو قائل ہونے اور صدائے حق کو قبول کر لینے کے بجائے ابراہیمؑ سے جھگڑنے اور اپنے معبودانِ باطل سے ڈرانے لگے کہ وہ تیری توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لینگے اور تجھ کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم مجھ سے جھگڑتے اور اپنے بتوں سے مجھ کو ڈراتے ہو حالانکہ خدائے تعالیٰ نے مجھکو صحیح راہ دکھا دی ہے اور تمہارے پاس گمراہی کے سوا کچھ نہیں مجھے تمہارے بتوں کی مطلق کوئی پروا نہیں جو کچھ میرا رب چاہیگا وہی ہوگا۔ تمہارے بت کچھ بھی نہیں کر سکتے کیا تم کو ان باتوں سے کوئی نصیحت حاصل نہیں ہوتی؟ تم کو تو خدا کی نافرمانی کرنے اور اُس کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے میں بھی کوئی خوف نہیں آتا جسکے لئے تمہارے پاس ایک دلیل بھی نہیں ہے اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ خدائے واحد کا ماننے والا اور امنِ عالم کا ذمہ دار ہو کر میں تمہارے بتوں سے ڈر جاؤنگا، کاش کہ تم سمجھتے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح و امن پسند؟

صحیح امن کی زندگی اُسی شخص کو حاصل ہے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتا اور شرک سے بیزار

Marfat.com

رہتا ہے اور وہی راہیاب ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کی یہ وہ عظیم الشان حجت تھی جو اُس نے ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان سے بت پرستی کے خلاف ہدایت وتبلیغ کے بعد کواکب پرستی کے رد میں ظاہر فرمائی اور اُن کی قوم کے مقابلہ میں ان کو روشن دلائل و براہین کے ساتھ سربلندی عطا فرمائی۔

اس سلسلہ میں سورۂ انعام کی یہ آیات شاہد عادل ہیں۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ٥ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْأٓفِلِينَ ٥ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ج فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَآ أَكْبَرُ فَلَمَّآ أَفَلَتْ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ٥ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا۠ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ج وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَٰٓجُّوٓنِّي فِي اللَّهِ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھا دیے، تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اُس پر رات کی تاریکی چھا گئی، تو اس نے (آسمان پر) ایک کوکب (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اُس نے کہا یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا، تو کہا "نہیں میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانیوالے ہیں (یعنی طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو راہِ راست سے بھٹک گیا ہے!" پھر صبح ہوئی اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے" لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اس نے کہا اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں اس سے بیزار ہوں میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اُسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو کسی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ آسمان و زمین کی بنانیوالی ہے اور جس کے حکم و قانون پر تمام آسمانی اور ارضی مخلوقات

وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ
مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ
شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ
وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ
اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ
يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ
وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ
عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ
نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝
(انعام)

رہی ہیں) اور میں اُن میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!" اور پھر ابراہیم سے اُس کی قوم نے ردوکد کی، ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردوکد کرتے ہو، حالانکہ اُسنے مجھے راہِ حق دکھادی ہے جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے میں اُنسے نہیں ڈرتا، میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے" اور دیکھو میں اُن ہستیوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ جن کے لئے اس نے کوئی سند ودلیل تم پر نہیں اُتاری؟ بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں سے کسکی راہ امن کی راہ ہوئی اگر علم وبصیرت رکھتے ہو" جن لوگوں نے خدا کو مانا اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا تو انہی کے لئے امن ہے اور وہی ٹھیک راستہ پر ہیں" اور دیکھو یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم پر دی تھی، ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے ہیں اُسے علم ودلیل کا عرفان دیکر بلند کردیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت والا علم رکھنے والا ہے۔

آیات کی تفسیر میں قول فیصل

اس بارہ میں کلی اتفاق کے باوجود کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے کبھی کواکب پرستی نہیں کی اور اُنکی تمام زندگی شرک کی تلوثیات سے پاک ہے سورۂ انعام کی مسطورہ بالا آیات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ان آیات کی تمہید میں جو کچھ لکھا گیا وہ اُن اقوال میں سے ایک قول کے مطابق ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو قوم کی کواکب پرستی کی رد میں اسکو لاجواب کرنے کے لئے تھی اسلئے کہ جب دو فریق کسی مسئلہ میں اختلاف کر بیٹھتے ہیں تو احقاق حق

Marfat.com

کے لئے مناظرانہ دلائل میں سے دلیل کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف نظریوں اور تھیوریز سے کام نہ لیا جائے بلکہ مشاہدہ اور معائنہ کی ایسی راہ اختیار کیجائے کہ مخالف اس کے دعوے کے مقابلہ میں لاجواب ہو جائے اور اُس کی دلیل کے رد کرنیکی تمام راہیں اُس کے سامنے بند ہو جائیں۔ اب اگر اُس میں سلامت روی باقی ہے اور اس کے قلب میں قبولِ حق کی گنجائش ہے تو وہ اس کو قبول کر لیتا ہے ورنہ بے دلیل لڑنے اور جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے بس اس طرح حق و باطل میں امتیاز ہو جاتا ہے اور اصلی اور حقیقی بات نکھر صاف ہو جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں اس لئے انکی تبلیغ کا مشن منطقی صغریٰ کبریٰ پر قائم نہ تھا بلکہ حقیقت کو فطری دلائل کی سادگی کے ساتھ واضح کرنا ہی ان کا طغرائے امتیاز تھا، اس لئے انہوں نے یہی راستہ اختیار کیا اور قوم پر واضح کر دیا کہ ستارے خواہ شمس و قمر ہی کیوں نہ ہوں رب کہلانے کے قابل نہیں ہیں بلکہ ربوبیت صرف اُسی کو زیبا ہے جو رب العلمین ہے اور ارضی و سماوی، سفلی و علوی کل کائنات کا خالق و مالک ہے اور چونکہ قوم کے پاس اس بہترین دلیل کا کوئی جواب نہ تھا اسلئے وہ زچ ہوئی اور امرِ حق کو قبول کرنے کی بجائے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو گئی، مگر اس کے ضمیر کو ماننا پڑا کہ یہ جو کچھ کہا گیا حق ہے اور ہمارے پاس اس کا کوئی صحیح جواب نہیں ہے۔ یہی حضرت ابراہیم کا مقصد تھا اور انکے ادائے فرض کی حد یہیں تک تھی۔ کیونکہ دل چیر کر حق کو اُس میں اُتار دینا اُن کی طاقت سے باہر تھا۔

اس تفسیر کے مطابق قرآن عزیز کی ان آیات میں نہ تاویل کی ضرورت باقی رہتی اور نہ مقدرات ماننے کی۔ نیز مشاہدہ کواکب سے متعلق آیات کا سیاق و سباق بھی ذکر اسی کی تائید کرتا ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کی پہلی دو آیات یہ ہیں۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا	جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کیا تو بناتا ہے بتوں

Marfat.com

اٰلِھَۃً اِنِّیۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○	کو خدا۔ میں تجھکو اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کا مشاہدہ کرادیا اور تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں سے ہو جائے۔

ان ہر دو آیات سے حسب ذیل نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) رُویتِ کواکب کا یہ معاملہ ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ ایسے زمانہ میں پیش آیا ہی جبکہ وہ اپنے والد اور قوم کے ساتھ تبلیغ حق کے مناظرہ میں مصروف تھے۔ اسلئے کہ پہلی آیت کے بعد دوسری آیت کو وَکَذٰلِكَ کہہ کر شروع کرنا یہی معنی رکھتا ہی پھر تیسری آیت کے شروع میں فَلَمَّا کی ف یہ ظاہر کرتی ہی کہ یہ دوسری آیت سی وابستہ ہی، اور اس طرح ان تینوں آیات کا سلسلہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کو جس طرح اصنام پرستی کے مقابلہ میں روشن دلائل عطا فرمائے تھے تاکہ وہ آزر اور قوم کو لاجواب کرسکیں اور راہ ہدایت دکھا سکیں، اسی طرح کواکب پرستی کے مقابلہ میں بھی اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کا مشاہدہ کرادیا تاکہ وہ اُن سب مخلوق کی حقیقت سے آگاہ ہوجائیں اور اُنکو حق الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے، اور پھر وہ کواکب پرستی کے رد میں بھی بہترین دلائل دے سکیں اور اس سلسلہ میں بھی قوم کو حق کی راہ دکھلا کر انکی غلط روش کے متعلق لاجواب بنا سکیں۔ یہ تو آیاتِ رویت کا سیاق تھا اب سباق قابل توجہ ہی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخر میں آفتاب پر نظر فرمائی اور پھر وہ بھی نظروں سے غائب ہونے لگا تو اسی آیت میں یہ جملہ موجود نظر آتا ہی۔

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ — ابراہیم نے کہا "اے قوم میں شرک کرنیوالوں سے بری ہوں"

اور ساتھ ہی یہ آیت مذکور ہی:۔

Marfat.com

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ بلاشبہ میں نے اپنا رُخ صرف اس خدا کی جانب پھیر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اس حالت میں کہ میں حنیف ہوں اور مشرک نہیں ہوں

اور پھر اسی کے متصل آیت میں ہے:۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ۔ اور ابراہیم کی قوم نے اُس سے جھگڑنا شروع کیا ابراہیم نے کہا کیا تو مجھ سے اللہ کے بارہ میں جھگڑتی ہے

اور سب سے آخر آیت میں کہا گیا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کا درجہ بلند کرنا چاہتے ہیں کر دیا کرتے ہیں۔ بیشک تیرا رب دانا ہے جاننے والا۔

ان آیات سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

(۱) رویتِ کواکب کا یہ معاملہ قوم سے ضرور وابستہ تھا تب ہی تیسری مرتبہ میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذات سے خطاب کرنے کے بجائے فوراً قوم سے خطاب شروع کر دیا۔

(۲) اور قوم نے بھی یہ سب کچھ سن کر دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی جگہ ابراہیم (علیہ السلام) سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی اس گفتگو کو قوم کے مقابلہ میں اپنی جانب سے حجت قرار دیا اور بتایا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا رُتبہ رسالت بہت بلند اور ارفع ہے اس لئے اُس کی قوم اسکی رہنمائی کی سخت محتاج ہے، اور ان سب کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝ اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت عطا کی تھی اور ہم ہی اس کے واقف کار ہیں۔

Marfat.com

لہذا یہ معاملہ حضرت ابراہیمؑ کے نہ لڑکپن کا ہو سکتا ہے اور نہ ان کے اپنے عقیدہ اور ایمان کا۔
اس تفصیل سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری بیان کردہ تفسیر ہی آیات کی صحیح تفسیر ہے اور بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے قوم پر یہ زبردست حجت تھی کہ افرادِ قوم کا کواکب کی پرستش کرنا، انکے لئے ہیکل بنانا، اپنے سفلی معبودوں کے نام انکے نام پر رکھنا غرض ان کو معبود، رب، اور خدا سمجھنا قطعًا باطل اور گمراہی ہے۔ اسلئے کہ یہ سب ایک خاص نظام میں جکڑے ہوئے ہیں، دن اور رات کے تغیر کے ساتھ تغیرات کو قبول کرنیوالے ہیں، اور اس پورے نظام کی مالک و خالق ضرور ہی ہستی ہے جسکے ید قدرت میں ان سب کی تسخیر ہے، اور وہ "اللہ" ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ۔ — نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ قمر کو پاسکے اور نہ رات میں یہ قدرت کہ وہ دن کو پیچھے ہٹا کر اسکی جگہ خود لے لے۔

غرض ان تمام روشن دلائل و براہین کے بعد بھی جب قوم نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا اور اصنام پرستی و کواکب پرستی میں اسی طرح مبتلا رہی تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک دن جمہور کے سامنے اعلان جنگ کر دیا کہ میں تمہارے ان بتوں کے متعلق ایک ایسی چال چلونگا جو تمکو زچ کر کے ہی چھوڑیگی۔

وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ۔ (انبیاء) — اور اللہ کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ چال چلونگا۔

اس معاملہ سے متعلق اصل صورت حال یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور قوم جمہور کو ہر طرح بت پرستی کے معائب ظاہر کر کے باز رکھنے کی سعی کر لی اور ہر قسم کے پند و نصائح کے ذریعہ ان کو یہ باور کرانے میں قوت صرف کر دی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور تمہارے کاہنوں اور پیشواؤں نے انکے متعلق تمہارے دلوں میں غلط خوف بٹھا دیا ہے کہ اگر تم انسے منکر ہو جاؤ گے تو یہ تم پر غضبناک ہو کر تم کو تباہ کر ڈالینگے۔ یہ تو اپنی آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے مگر ان پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اپنے دیوتاؤں کی خدائی قوت کے عقیدہ سے کسی طرح باز نہ آئے

Marfat.com

بلکہ اُن کے کاہنوں اور سرداروں نے اُن کو اور زیادہ پختہ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت پر کان دھرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا تب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے سوچا کہ اب مجھ کو رشد و ہدایت کا ایسا پہلو اختیار کرنا چاہیے جس سے جمہور کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے دیوتا صرف لکڑیوں اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بہری بھی ہیں اور اندھی بھی، اور اُن کو یہ یقین ہو جائے کہ اب تک اُن کے متعلق ہمارے کاہنوں اور سرداروں نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل غلط اور بے سروپا بات تھی اور ابراہیم ہی کی بات سچی ہے۔ اگر ایسی کوئی صورت بن آئی تو پھر میرے لئے تبلیغ حق کے لئے آسان راہ نکل آئیگی۔ یہ سوچ کر اُنھوں نے ایک نظام عمل تیار کیا جس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، اور اس کی ابتدا اس طرح کی کہ باتوں باتوں میں اپنی قوم کے افراد سے یہ کہہ گذرے کہ "میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ چال چلونگا" گویا اس طرح ان کو متنبہ کرنا تھا کہ اگر تمہارے دیوتاؤں میں کچھ قدرت ہے جیسا کہ تم دعوی کرتے ہو تو وہ میری چال کو باطل اور مجھ کو مجبور کر دیں کہ میں ایسا نہ کر سکوں" مگر چونکہ بات صاف تھی اسلئے قوم نے اس جانب کچھ توجہ نہ کی حسن اتفاق کہ قریب ہی زمانہ میں قوم کا ایک مذہبی میلہ پیش آ گیا جب سب اس کے لئے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں حضرت ابراہیم نے اول انکار فرمایا اور جب اُس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ اٹھائی اور فرمانے لگے "اِنِّی سَقِیْم" میں آج کچھ علیل ساہوں" چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو کواکب پرستی کی وجہ سے نجوم میں کمال تھا اس لیے اپنے عقیدہ کے لحاظ سے وہ یہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی نحس ستارہ کے اثر بد میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھکر بغیر کسی تشریح حال کے ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر میلہ میں چلے گئے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۔ فَقَالَ اِنِّي سَقِيْمٌ ۔ پس (ابراہیم نے) ایک نگاہ اوٹھا کر ستاروں کی جانب دیکھا
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (الصافات) اور کہنے لگا میں کچھ علیل ہوں پس وہ اسکو چھوڑ کر چلے گئے

اب جبکہ ساری قوم، بادشاہ، کاہن اور مذہبی پیشوا میلہ میں مصروف اور شراب و کباب میں

Marfat.com

مشغول تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے نظام عمل کی تکمیل کروں اور مشاہدہ کی صورت میں جمہور پر واضح کردوں کہ اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے؟ وہ اُٹھے اور سب سے بڑے دیوتا کے مندر (ہیکل) میں پہنچے۔ دیکھا تو وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلووں، پھلوں، میووں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجہ میں چپکے چپکے ان مورتیوں سے خطاب کرکے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے میں بات کر رہا ہوں کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے؟ اور پھر اُن سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر تبر رکھ کر واپس چلے گئے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (الصافات)

پس چپکے سے جا گھسا اُن کے بتوں میں اور کہنے لگا، (ابراہیم) اُن کے دیوتاؤں سے کیوں نہیں کھاتے تم کو کیا ہوگیا کیوں نہیں بولتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے اُن سب کو توڑ ڈالا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ (انبیاء)

پس کر دیا انکو ٹکڑے ٹکڑے مگر اُن میں سے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تا کہ (اپنے عقیدہ کے مطابق) وہ اُس کی طرف رجوع کریں (کہ یہ کیا ہو گیا)

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو ہیکل (مندر) میں بتوں کا یہ حال پایا سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟ انہیں وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ[1] کہہ چکے تھے، اُنہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ (الانبیاء)

وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا ہے بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے (ان میں سے بعض) کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر سنا ہے، اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے (یعنی یہ اس کا کام ہے)

کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غم و غصہ سے سُرخ ہو گئے اور کہنے لگے اس کو مجمع کے

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ سورۂ انبیاء

Marfat.com

سامنے پکڑ کر لاؤ تاکہ سب دیکھیں کہ مجرم کون شخص ہے۔
ابراہیم علیہ السلام سامنے لائے گئے تو بڑے رعب و داب سے انہوں نے پوچھا کیوں
ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے؟

قَالُوا فَأْتُوا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۔ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝

اُنہوں نے کہا ابراہیم کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں وہ کہنے لگے کہا اے ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اب وہ بہترین موقعہ آگیا ہے جسکے لئے میں نے یہ تدبیر اختیار کی، مجمع موجود ہے جمہور دیکھ رہے ہیں کہ انکے دیوتاؤں کا کیا حشر ہو گیا، اسلئے اب کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کو جمہور کی موجودگی میں اُن کے باطل عقیدہ پر نام کر دینے کا وقت آگیا ہے تاکہ عوام کو آنکھوں دیکھتے معلوم ہو جائے کہ آجتک ان دیوتاؤں کے متعلق جو کچھ ہم سے کاہنوں اور پجاریوں نے کہا تھا یہ سب ان کا مکر و فریب تھا مجھے اُنسے کہنا چاہئے کہ یہ سب اس بڑے بت کی کارروائی ہے۔ اس سے دریافت کرو؟ لامحالہ وہ یہی جواب دیں گے کہ کہیں بت بھی بولتے اور بات کرتے ہیں، تب میرا مطلب حاصل ہے اور پھر میں اُن کے عقیدے کا پول جمہور کے سامنے کھول کر صحیح عقیدہ کی تلقین کر سکونگا اور بتاؤنگا کہ کسطرح وہ باطل اور گمراہی میں مبتلا ہیں اسوقت ان کاہنوں اور پجاریوں کے پاس ندامت کے سوائے کیا ہوگا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (انبیاء)

ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے بس اگر یہ (تمہارے دیوتا) بولتے ہوں تو ان سے دریافت کر لو؟

ابراہیم (علیہ السلام) کی اس یقینی حجت اور دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا، وہ ندامت میں غرق تھے، دلوں میں ذلیل و رسوا تھے، اور سوچتے تھے کہ کیا جواب دیں؟ جمہور بھی آج سب کچھ سمجھ گئے اور اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا جس کے لئے وہ تیار نہ

Marfat.com

اور بالآخر چھوٹے اور بڑے سب ہی کو دل میں اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیمؑ ظالم نہیں ہے بلکہ ظالم ہم خود ہیں کہ ایسے بے دلیل اور باطل عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں اور نہایت شرمساری کیساتھ سر نگوں ہو کر کہنے لگے ابراہیمؑ تو خوب جانتا ہے کہ ان دیوتاؤں میں بولنے کی سکت نہیں ہے، یہ تو بے جان مورتیاں ہیں۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○

پس اُنہوں نے اپنے جی میں سوچا پھر کہنے لگے بیشک تم ہی ظالم ہو بعد ازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیم) تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت و دلیل کامیاب ہوئی اور دشمنوں نے اعتراف کر لیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اور انکو جمہور کے سامنے زبان سے اقرار کرنا پڑا کہ ہماری یہ دیوتا جواب دینے اور بولنے کی طاقت نہیں رکھتے، چہ جائیکہ نفع و نقصان کے مالک ہوں۔

تو اب ابراہیم علیہ السلام نے مختصر مگر جامع الفاظ میں ان کو نصیحت بھی کی اور ملامت بھی، اور بتایا کہ جب یہ دیوتا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تو پھر یہ خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے یا عقل سے کام نہیں لیتے؟ فرمانے لگے۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (انبیاء)

کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں۔ تم پر افسوس ہے اور تمہارے ان معبودان باطل پر بھی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ○ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات)

پس وہ سب ہلّہ کر کے ابراہیم کے گرد جمع ہو گئے، ابراہیم نے کہا کیا جن بتوں کو ہاتھ سے گھڑتے ہو انہی کو پھر پوجتے ہو اور اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمکو پیدا کیا ہے اور انکو بھی جن کاموں کو تم کرتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس نصیحت و موعظت کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدہ سے

Marfat.com

تائب ہوکر ملت حنیفی کو اختیار کرلیتی اور کجروی چھوڑکر راہ مستقیم پر گامزن ہوجاتی لیکن دلوں کی کجی نفوس کی سرکشی وتمرد، اور باطنی خباثت ودیانت نے اس جانب نہ آنے دیا اور اس کے برعکس ان سب نے ابراہیم (علیہ السلام) کی عداوت ودشمنی کا نعرہ بلند کردیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر دیوتاؤں کی خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو اس گستاخی اور مجرمانہ حرکت پر سخت سزا دو اور دہکتی ہوئی آگ میں جلا ڈالو تاکہ اسکی تبلیغ ودعوت کا قصہ ہی پاک ہوجائے۔

بادشاہ کو دعوت اسلام اور اس سے مناظرہ

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ شدہ شدہ بادشاہ وقت تک یہ باتیں پہنچ گئیں اس زمانہ میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود کو انکا رب اور مالک جانتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح اس کو اپنا خدا اور معبود جانتی اور اس کی بھی اسی طرح پرستش کرتی تھی جس طرح دیوتاؤں کی، بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس وادب کے ساتھ، اس لئے کہ وہ صاحب عقل وشعور بھی ہوتا تھا اور صاحب تخت وتاج بھی۔

نمرود کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت برافروختہ ہوا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ ودعوت کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت سے بھی سب رعایا کو برگشتہ کردیگا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ میری یہ سلطنت بھی زوال میں آجائیگی۔ اس لئے اس قصہ کا ابتدا ہی میں خاتمہ کردینا بہتر ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ ابراہیم (علیہ السلام) جب نمرود کے دربار میں پہنچے تو نمرود نے گفتگو شروع کی اور ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تو باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتا ہے اور مجھکو رب ماننے سے تجھے کیوں انکار ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدائے واحد کا پرستار ہوں، اُس کے علاوہ کسی کو اُسکا شریک نہیں مانتا ساری کائنات اور تمام عالم اُسی کی مخلوق ہے اور وہی ان سب کا خالق ومالک ہے نہ کہ تو، اُسی طرح ایک انسان ہے جسطرح ہم سب انسان ہیں پھر تو کسطرح رب یا خدا ہو سکتا ہے اور کسطرح

یہ گونگے بہرے لکڑی کے بُت خدا ہو سکتے ہیں؟ میں صحیح راہ پر ہوں اور تم سب غلط راہ پر ہو اسلئے میں تبلیغِ حق کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے خود ساختہ دین کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں؟

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے تو اُسکا ایسا وصف بیان کر کہ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو، تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، میرا رب وہ ہے جسکے قبضہ میں موت وحیات ہے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے، کج فہم نمرود موت و حیات کی حقیقت سے نا آشنا نمرود کہنے لگا، اس طرح موت وحیات تو میرے قبضہ میں بھی ہے، اور یہ کہکر اُسی وقت ایک بے قصور شخص کے متعلق جلاد کو حکم دیا کہ اسکی گردن ماردو اور موت کے گھاٹ اتاردو، جلاد نے فوراً حکم کی تعمیل کر دی اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو جیل سے بُلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخشی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا، دیکھا میں بھی کس طرح زندگی بخشتا اور موت دیتا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ نمرود یا موت وحیات کی اصل حقیقت سے نا آشنا ہے اور یا جمہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس فرق کو نہ سمجھ سکیں کہ زندگی بخشنا اسکا نام نہیں ہے بلکہ نیست سے ہست کرنے کا نام زندگی بخشنا ہے اور اسی طرح کسی کو قتل یا پھانسی سے بچا لینا موت کا مالک ہونا نہیں ہے، موت کا مالک وہی ہے جو روحِ انسانی کو اُس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے، اس لئے بہت سے دار رسیدہ اور شمشیر چشیدہ انسان زندگی پا جاتے ہیں اور بہت سے قتل و دار سے بچائے ہوئے انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو نہیں روک سکتی اور اگر ایسا ہو سکتا تو ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کرنیوالا نمرود سریر آرائے سلطنت نہ ہوتا بلکہ اُس کے خاندان کا پہلا شخص ہی آج بھی اس تاج و تخت کا مالک ہوتا، مگر نہ معلوم کہ عراق کی اس سلطنت کے کتنے مدعی زیر زمین دفن ہو چکے اور ابھی کتنوں کی باری ہے۔

Marfat.com

بہرحال ابراہیم (علیہ السلام) نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت وحیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائے گا اور وہ جمہور کو مغالطہ میں ڈالکر اصل معاملہ کو اُلجھا دے گا اور اس طرح میرا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور تبلیغ حق کے سلسلہ میں سرِ محفل نمرود کو لاجواب کرنیکا موقعہ ہاتھ سے جاتا ہے، کیونکہ بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ میرا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دماغ و قلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا میرا مقصد وحید ہے اسلئے انھوں نے اس دلیل کو نظر انداز کر کے سمجھانیکا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح و شام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا اور بغیر کسی منطقی دلیل کے روز و شب کی زندگی میں اس سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔

ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا میں اُس ہستی کو "اللہ" کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا اور مغرب کی جانب لیجاتا ہے، پس اگر تو بھی اسی کی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا، یہ سُن کر نمرود مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا اور اس طرح ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان سے نمرود پر خدا کی حجت پوری ہوئی۔

نمرود اس دلیل سے مبہوت کیوں ہوا اور اُس کے پاس اسکے مقابلہ میں مغالطہ کی گنجائش کیوں نہ رہی؟ یہ اسلئے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایک ایسی ہستی "اللہ" مانتا ہوں جس کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس کا سارا نظام اُسی نے بنایا ہے اور اُس نے اس پورے نظام کو اپنی حکمت کے قانون سے ایسا مسخر کر دیا ہے کہ اس کی کوئی شے نہ وقت مقررہ سے پہلے اپنی جگہ سے ہٹ سکتی اور نہ اِدھر اُدھر ہو سکتی ہے، تمام پورے نظام میں سے آفتاب ہی کو دیکھو کہ عالم ارضی اس سے کس قدر فائدہ حاصل کرتا ہے، با اینہمہ اللہ نے اسکے طلوع وغروب کا بھی ایک نظام مقرر کر دیا ہے، پس اگر آفتاب لاکھ بار بھی چاہے کہ وہ اِس نظام سے باہر ہو جائے تو وہ اس پر قادر نہیں ہے، کیونکہ اس کی باگ ایک خدا کے قبضہ قدرت میں ہے، اُسکو بیشک یہ قدرت ہے کہ جو چاہے کر گزرے لیکن وہ کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے،

Marfat.com

لہٰذا اب نمرود کیلئے تین ہی صورتیں جواب دینے کی ہوسکتی تھیں یا وہ یہ کہے کہ مجھے آفتاب پر پوری قدرت حاصل ہے اور میں نے ہی یہ سارا نظام بنایا ہے مگر اس نے یہ جواب اسلئے نہیں دیا کہ وہ خود اس کا قائل نہیں تھا کہ یہ ساری کائنات اُس نے بنائی ہے اور آفتاب کی حرکت اس کے قبضۂ قدرت میں ہے بلکہ وہ تو خود کو اپنی رعایا کا رب اور دیوتا کہلاتا تھا

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ کہتا "میں اس عالم کو کسی کی مخلوق نہیں مانتا اور آفتاب تو خود مستقل دیوتا ہے اُس کے اختیارات میں خود بہت کچھ ہے" مگر اس نے یہ بھی اسلئے نہ کہا کہ اگر وہ ایسا کہتا تو ابراہیم علیہ السلام کا وہی اعتراض سامنے آجاتا جو انھوں نے جمہور کے سامنے آفتاب کی ربوبیت کے خلاف اٹھایا تھا کہ اگر یہ "رب" ہے تو عابدوں اور پجاریوں سے زیادہ اس معبود اور دیوتا میں تغیرات اور فنا کے اثرات کیوں موجود ہیں "رب" کو فنا اور تغیر سے کیا علاقہ، اور کیا اسکی قدرت میں یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو وقت مقررہ سے پہلے یا بعد طلوع یا غروب ہوجائے

تیسری صورت یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کی تحدی (چیلنج) کو قبول کرلیتا اور مغرب سے نکالکر دکھا دیتا، مگر نمرود چونکہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی جواب پر قادر نہ تھا اسلئے مبہوت اور لاجواب ہوجانے کے علاوہ اُس کے پاس دوسرا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا۔[1]

---

[1] عیسائی پادریوں اور ان کی اندھی تقلید میں آریہ سماجیوں نے ابراہیم علیہ السلام کے اس ذکر کردہ مناظرہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر نمرود یہ کہہ بیٹھتا کہ ابراہیم تو ہی اپنے خدا سے آفتاب کو مغرب سے طلوع کرادے تو ابراہیم کے پاس کیا جواب تھا؟ یہ اعتراض بہت ہی لچر اور سطحی ہے اسلئے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کی جو تشریح بیان کی ہے اور جو حقیقت واقعہ ہے اس کے بعد یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، نمرود جانتا تھا کہ وہ ایسا اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ پہلے وہ خود اپنی عاجزی و درماندگی کا اقرار کرے اور پھر تسلیم کرے کہ آفتاب ہمارا دیوتا بھی نہیں ہے اور نہ اس میں یہ قدرت کہ وہ ہماری اس استدعا کو ابراہیم کے مقابلہ میں منظور کرلے، بدیں وجہ اس نے خاموشی کو ترجیح دی اور اگر وہ ایسا سوال کر ہی بیٹھتا تو ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین تھا کہ ایسے تحدی (چیلنج) کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبر کو ذلیل نہیں کریگا اور ابراہیم کی دعا پر وہ بلاشبہ آفتاب کو مغرب سے طلوع کرکے ابراہیم کی صداقت کو واضح کردیگا، البتہ یہ مسئلہ مادیین اور خدا کی قدرت پر کنٹرول کرنیوالوں کے لئے ضرور تعجب خیز ہوسکتا ہے لیکن جن کا عقیدہ یہ ہے کہ "کائنات کا یہ سارا نظام اگرچہ خاص قوانین کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے لیکن اس کا یہ شکنجہ ان اشیاء کے ذاتی خواص کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس شکنجہ میں کسنے والی ہستی اور ہے اور تمام اشیاء کی تاثیر اور اس کے خواص اسی کے مخلوق ہیں لہٰذا وہ چاہے تو ان کے خواص و تاثیر کو بدل بھی سکتا ہے اور فنا بھی کرسکتا ہے اور اسی قادر مطلق اور بے قید مالک و متصرف کا نام "اللہ" ہے تو ان کے لئے یہ تعجب انگیز بات نہیں ہے۔

Marfat.com

قرآن عزیز نے (بقرہ) میں اس واقعہ کو مختصر مگر لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرۃ)۔

کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کا واقعہ جس کو اللہ نے بادشاہت بخشی تھی اُس نے کس طرح ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارہ میں مناظرہ کیا؟ جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے، بادشاہ نے کہا میں بھی زندگی بخشتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھلا، بس وہ کافر (بادشاہ) مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

الحاصل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد آزر کو اسلام کی تلقین کی پیغامِ حق سُنایا اور راہِ مستقیم دکھائی، اُس کے بعد عوام اور جمہور کے سامنے اس دعوت عام کیا اور سب کو امرِ حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول و دلائل کو پیش کیا اور نرمی، شیریں کلامی مگر مضبوط و محکم اور روشن حجت و دلیل کیساتھ ان پر حق کو واضح کیا، سب سے آخر میں بادشاہِ نمرود سے مناظرہ کیا اور اس پر روشن کیا کہ ربوبیت و الوہیت کا حق صرف خدائے واحد ہی کیلئے سزاوار ہے اور بڑے سے بڑے شاہنشاہ کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اس کی ہمسری کا دعویٰ کرے، کیونکہ وہ اور کُل دنیا اُسی کی مخلوق ہے، مگر اس کے باوجود بادشاہ، آزر اور جمہور، ابراہیم (علیہ السلام) کے دلائل سے لاجواب تھے اور دلوں میں قائل بلکہ بتوں کے واقعہ میں تو زبان سے اقرار کرتے تھے کہ ابراہیمؑ جو کچھ کہتا ہے وہی حق صحیح و درست ہے تاہم ان میں سے کسی نے راہِ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور نہ وہ قبول حق کیلئے آمادہ ہوئے بلکہ اس کے برعکس اپنی ندامت و ذلت سے متاثر ہو کر زیادہ غیظ و غضب میں آگئے اور دشاہ سے رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی

Marfat.com

ہیں ابراہیم کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہئیے کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔

آگ کا سرد ہو جانا | اس مرحلہ پر پہنچکر ابراہیم علیہ السّلام کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہو گیا اور اب دلائل و براہین کی قوت کے مقابلہ میں مادی طاقت وسطوت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ باپ اُس کا دشمن، جمہور اُسکے مخالف، اور بادشاہِ وقت اسکے درپئے آزار، ایک ہستی اور چہار جانب سے مخالفت کی آواز، دشمنی کے نعرے، اور نفرت و حقارت کے ساتھ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے ارادے تھے، ایسے وقت میں اس کی مدد کون کرے، اور اسکی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہو؟

ابراہیم علیہ السلام کو نہ اسکی پرواہ تھی نہ خوف، وہ اُسی طرح بے خوف و خطر اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر اعلانِ حق میں سرشار، اور دعوتِ رُشد و ہدایت میں مشغول تھے، البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم، دُنیوی اسباب ناپید، اور حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد کا سہارا تھا، اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر، قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے ابراہیم (علیہ السلام) کی سزا کیلئے ایک مخصوص جگہ بنوائی اور اُس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی، حتیٰ کہ اس کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیا تک جھلسنے لگیں، جب اس طرح بادشاہ اور قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیمؑ کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تب ایک گوپھن میں ابراہیمؑ کو بٹھا کر دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ رہتے ہوئے اُسکے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے

Marfat.com

آگ اسی وقت حضرت ابراہیمؑ کے حق میں "بردو سلام" بن گئی اور دشمن انکو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے اور ابراہیم علیہ السلام دہکتی آگ سے سالم و محفوظ دشمنوں کے نرغہ سے نکل گئے ؎ " دشمن اگر قویست نگہبان قوی ترست "

اس مقام پر ایک مذہبی انسان کی طمانیت قلب اور سکون خاطر کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ آگ کے بردو سلام ہو جانے کو اسلئے صحیح اور مبنی بر حقیقت سمجھے کہ اس نے اپنی عقل اور اپنے شعور سے اوّل اس امر کا امتحان کر لیا ہے کہ قرآن عزیز کی تعلیم وحی الٰہی کی تعلیم ہے اور اسکی لانیوالی ہستی کی زندگی کا ہر پہلو پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ کہ وہ جن معجزانہ حقائق کی اطلاعات بہم پہنچاتا اور وحی الٰہی کے ذریعہ ہم کو سناتا ہے وہ عقل کیلئے اگرچہ حیران کن ہیں لیکن عقل کی نگاہ میں محال اور ناممکن نہیں اس لئے ایک مخبر صادق (کہ جسکی زندگی کی صداقت کا ہر پہلو سے امتحان کر کے اطمینان کر لیا گیا ہے) کی اس قسم کی خبریں بلاشبہ صحیح اور حق ہیں اور بقول قیصر روم ہرقل اعظم (ہرکلیوس) کہ جو شخص انسانوں کیساتھ جھوٹ نہیں بولتا اور اُن سے دغا و فریب نہیں کرتا وہ ایک لمحہ کیلئے بھی خدا کی جانب کسی غلط بات کو منسوب نہیں کر سکتا اور کبھی اس پر جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا" اور مذہبی زندگی میں صاف اور سیدھی راہ بھی یہی ہے کہ جس مذہب کی مکمل تعلیم کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر ہر طرح قابل اطمینا[ن] پا لیا جائے اُسکے بتائے ہوئے چند ایسے امور پر جو عقل کیلئے صرف حیران کُن ہوں مگر اُس کے نزدیک محال ذاتی اور ناممکن کے مرادف نہوں فلسفیانہ موشگافیوں کے بغیر ایمان لے آنا چاہئے اور رضا و رغبت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس یقینی اور غیر مشکوک اطلاع کو آفتاب کی روشنی سے زیادہ روشن سمجھنا چاہئے اور یقین کرنا چاہئے کہ تمام اشیاء میں خواص و تاثیرات پیدا کرنیوالے خدا میں یہ بھی قدرت ہے کہ جب چاہے انکو دی ہوئی تاثیر اور خاصہ کو سلب کر لے اور جب چاہے دوسری کیفیت کے ساتھ [بد]ل ڈالے لیکن مادیین کیلئے اگر یہ راہ باعث اطمینان نہو اور فلسفہ کے شیدائی مذہب کے اس [مسئلہ] کو بھی اس کی موشگافیوں سے پاک نہ رہنے دینا چاہتے ہوں تو ان کیلئے بھی اس معجزہ سے [ان]کار

Marfat.com

کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ آگ کا طبعی خاصہ جلادینا ہے اور جو شے بھی اس میں پڑیگی جل جائیگی لیکن اس کی کیا وجہ کہ بعض وہ کپڑے اور وہ اشیاء جنکو فائر پروف کیا جاتا ہے آگ کے شعلوں کے اندر کیوں محفوظ رہتی ہیں اور ان کو آگ جلاکر کیوں خاکستر نہیں کردیتی۔

تم کہو گے کہ آگ بدستور جلانیکا خاصہ رکھتی ہے مگر کپڑے یا چیز پر ایک ایسا مسالہ لگادیا گیا ہے جس پر آگ اپنا اثر نہیں کرسکتی یہ نہیں ہے کہ آگ نے جلانے کا خاصہ ترک کردیا ہے تو ایک مذہبی انسان کے لئے اسی طرح آپ کے فلسفیانہ رنگ میں یہ جواب دینے کا کیوں حق نہیں ہے کہ نمرود اور اسکی قوم کی دہکتی آگ میں جلانیکا خاصہ بدستور اسی طرح باقی تھا جس طرح آگ کے عناصر میں موجود ہے، مگر وہ ابراہیم کے جسم کیلئے بے اثر ثابت ہوا، فرق صرف اس قدر ہے کہ تمہارے "فائر پروف" میں انسانوں کی سوچی ہوئی تدابیر کا دخل ہے اور اسلئے ہر سیکھنے والے کو ایک فن کی طرح سیکھ لینے کا موقع حاصل ہے اور ابراہیم کے جسم کا آگ سے محفوظ ہوجانا بلا واسطہ خدائے برتر کی تدبیر کے زیر اثر تھا اور اس قسم کا عمل پیغمبر کی صداقت اور دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برتری کیلئے کبھی کبھی بہ تقاضائے حکمت اس کی جانب سے سامنے آجاتا اور شریعت کی اصطلاح میں "معجزہ" شمار ہوتا ہے، بیشک وہ نہ فن ہوتا ہے اور نہ وہ وسائل واسباب سے پیدا کردہ تدابیر کا محتاج لیکن اگر خدا کی مخلوق "انسان" کو یہ قدرت حاصل ہے کہ کسی شے کے طبعی خاصہ کو بعض اشیاء پر موثر نہ ہونے دے تو اشیاء کے خواص کے خالق کو کیوں یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی خاص موقع پر شے کی تاثیر کو عمل سے روک دے۔

اور اگر آج سائنس کی دریافت پر فضا میں ایسی گیسیں موجود ہیں جن کے بدن پر اثر کرنے سے آگ کی سوزش سے محفوظ رہا جاسکتا ہے تو گیسوں کے پیدا کرنیوالے خالق کیلئے کون مانع ہے کہ نمرود کی دہکتی آگ میں انکو ابراہیم تک پہنچادے اور اس طرح آگ کو حق ابراہیم (علیہ السلام) پر دو سلام نہ بنادے بہر حال قرآن عزیز میں ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ، قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ٥ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ٥ (الانبیاء)

وہ سب کہنے لگے اس (ابراہیم) کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو ہم نے حکم دیا، اے آگ! تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا، اور انھوں نے ابراہیم کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پس ہم نے انکو اُن کے ارادہ میں ناکام بنا دیا۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ٥ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ٥ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ٥ (الصافات)

انھوں نے کہا اس کے لئے ایک جگہ بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو، پس انھوں نے اس کیساتھ ارادۂ بد کیا تو کردیا ہم نے ان کو (اسکے مقابلہ میں) پست و ذلیل اور کہا ابراہیم نے میں جانیوالا ہوں اپنے پروردگار کے پاس قریب ہے وہ مجھے راہ یاب کرے گا۔

حدیث بخاری ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں قرآن عزیز نے اس موقعہ پر جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) اور قوم کے بعض افراد کے درمیان میلے کی شرکت کیلئے گفتگو ہو رہی تھی ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے "قَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ" (ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں بیمار ہوں) اور جب بتوں کی شکست و ریخت کے سلسلہ میں اُن سے دریافت کیا گیا تو ان کا جواب اس طرح منقول ہے

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے سب سے بڑے بُت نے یہ کیا۔

فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ٥ پس ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں؟

ان دونوں جملوں کے متعلق ایک خالی الذہن انسان ایک لمحہ کیلئے بھی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ ان میں جھوٹ کا بھی کوئی شائبہ ہوسکتا ہے؟ "اِنِّيْ سَقِيْمٌ" میں علالت طبع کا ذکر ہے جسکو ابراہیم علیہ السلام ہی خوب جان سکتے ہیں کہ وہ کیا بیمار ہیں" اس میں دوسرے کو خواہ مخواہ شک اور تردد کا کونسا موقع ہے، حتیٰ کہ اگر ایک شخص ظاہر بین نگاہوں میں تندرست نظر آتا ہو تب بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ واقعی تندرست ہی ہو سکتا ہے کہ اُس کا مزاج کسی وجہ سے حد اعتدال پر نہ ہو اور ایسی تکلیف میں مبتلا ہو جس کا اظہار کئے بغیر دوسرا اُس کو نہ سمجھ سکے، اسی طرح دوسری بات کا معاملہ ہے اسلئے کہ دو مختلف الخیال انسانوں کے درمیان اگر مناظرہ اور تبادلۂ خیالات کی نوبت آجاتی

Marfat.com

ہی تو معمولی حرف شناس بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اپنے حریف کو اُس کی غلطی پر متنبہ کرکے اور لاجواب کردینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کے مسلمات میں سے کسی مسلمہ عقیدہ کو صحیح فرض کرکے اس طرح اس کا استعمال کرے کہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ حریف کیخلاف اور اپنے موافق ظاہر ہو۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہی کیا، اُنکی قوم کا یہ عقیدہ تھا کہ اُن کے دیوتا سب کچھ سنتے اور ہماری مُرادوں کو پُورا کرتے ہیں‘ وہ اپنے پجاریوں اور معتقدوں سے خوش اور اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سخت انتقام لیتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے جب ان دیوتاؤں کو توڑ پھوڑ ڈالا تو بڑے بت کو چھوڑ دیا، آخر جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو انھوں نے مناظرہ کا وہی بہترین اسلوب اختیار کیا جس کا تفصیلی ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ کاہنوں، پجاریوں اور ساری قوم کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہم ہی غلطی پر ہیں اور تو خود حقیقت شناس ہے کہ ان میں گویائی کی طاقت نہیں ہے

لہٰذا ان دونوں جملوں میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جسکو حقیقۃً یا صورۃً جھوٹ کہا جاسکے یہ دو باتیں تو قرآن عزیز میں مذکور ہیں لیکن ایک تیسری بات بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث کی ایک روایت میں موجود ہے اور اس میں مسطورۂ بالا ان دونوں باتوں کا بھی ذکر ہے، وہ حدیث ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

لم یکذب ابراھیم النبی علیہ السّلام قط الا ثلث کذبات الخ[1]	نہیں جھوٹ بولا کبھی ہرگز ابراہیم نبی علیہ السلام نے مگر تین جھوٹ۔

اور پھر تفصیل کیساتھ ان تینوں کو شمار کیا ہے، ان میں سے دو کا ذکر ابھی ہو چکا اور تیسری بات یہ مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا جب مصر سے گذر ہوا تو انھوں نے مصر پہنچنے سے پہلے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا کہ یہاں کا بادشاہ جابر و ظالم ہے، اگر کسی حسین عورت کو دیکھتا ہے تو اُسکو زبردستی چھین لیتا ہے اور اس کے ساتھی مرد کو اگر وہ اس عورت کا

[1] بخاری جلد ۶ ص ۳۶۔

Marfat.com

شوہر ہے تو قتل کر ڈالتا ہے اور اگر کوئی دوسرا عزیز ہے تو اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا تم چونکہ میری دینی بہن ہو اور اس سرزمین میں میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان نہیں ہے اس لئے تم اُس سے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور جب شب میں اُس نے ارادۂ بد کیا تو اُس کا ہاتھ شل ہو کر رہ گیا اور وہ کسی طرح حضرت سارہ کو ہاتھ نہ لگا سکا، یہ دیکھ کر اس نے سارہؓ سے کہا اپنے خدا سے دعا کر کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے تو میں تجھ کو رہا کر دونگا سارہ نے دعا کی مگر اس نے پھر ارادۂ بد کیا، دوبارہ اُس کا ہاتھ شل ہو گیا، تیسری مرتبہ پھر یہی تمام قصہ پیش آیا تب اُس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ "جن" ہے انسان نہیں ہے اس کو میری پاس سے جلد لیجاؤ اور ساتھ ہی ہاجرہؓ کو حوالہ کر کے کہا کہ اس کو بھی اپنے ساتھ لیجاؤ میں نے تیرے حوالہ کیا۔ جب سارہؓ ہاجرہؓ کو ساتھ لیکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو انھوں نے حال دریافت کیا۔ سارہؓ نے مبارکباد دی اور کہا شکر ہے خدائے عزوجل کا کہ اس نے ہم کو اس فاسق و فاجر سے نجات دی اور آپ کے لئے ایک خادمہ اور ساتھ کر دی، حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث نقل کر کے فرمایا "اے شریف النسب اہل عرب یہ ہیں وہ ہاجرہ جو تم سب کی ماں ہیں"

یہ حدیث مختلف طریقوں سے کتب احادیث میں منقول ہے، اس کے علاوہ بخاری میں ایک اور طویل حدیث ہے جو حدیث شفاعت کے نام سے موسوم ہے اور متعدد ابواب بخاری مثلاً سورۂ بقرہ کی تفسیر کے باب میں "کتاب الاستئذان میں" اور کتاب التوحید میں مذکور ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم کا جو تذکرہ ہے اس کا حاصل یہ ہے :-

میدان حشر میں جب سب مخلوق آدم، نوح علیہما السلام اور دوسرے انبیاء سے شفاعت کے لئے کہہ چکی تو حضرت ابراہیم کے پاس پہنچی اور اُن سے کہا کہ آپ خلیل الرحمٰن ہیں آپ ہماری سفارش بارگاہ الٰہی میں کیجئے کہ جلد فیصلہ ہو، تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو شرم آتی ہے اس لئے کہ میں نے دنیا میں تین جھوٹ باتیں کہی تھیں۔ انی سقیم، بل فعلہ کبیرھم اور اپنی بیوی کو کہا تھا کہ اُختی۔

Marfat.com

بخاری کے علاوہ یہ روایت مسلم، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم، معجم طبرانی مصنف ابن ابی شیبہ، ترمذی اور مسند ابی عوانہ میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ روایت کتب حدیث میں اجمال و تفصیل کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے بعض میں صرف اجمالی طور پر اسی قدر تذکرہ ہے کہ ہر نبی اس وقت اپنی لغزش کو بیان کرکے معذرت کریں گے کہ وہ شفاعت نہیں کرسکتے اور بعض میں ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں فقط "ثلث کذبات" ہی کا ذکر ہے اور بعض روایات میں اُن تینوں کی تفصیل ہے، اور ان ہی میں سے بعض روایات میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔

ما منها کذبۃ الا ماحل بھا عن دین اللہ — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ان تینوں جھوٹ میں سے ہر ایک صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی مدافعت و حمایت ہی کیلئے بولا گیا ہے۔

بہر حال یہ دونوں روایات صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایات ہیں جو ہر قسم کے سقم روایت سے پاک اور صاف ہیں، یہ روایات ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اور مجدد انبیاء کی جانب "کذب" کی نسبت کررہی ہیں اگرچہ انہی روایات کے بعض طرق روایت نے یہ صاف کردیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر "کذب" سے مراد وہ عام معنی نہیں لئے جو اخلاقی بول چال میں نہایت شنیع اور گناہ کبیرہ میں شمار ہیں بلکہ اسکے برعکس یہ واضح کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ تینوں باتیں نہ ذاتی غرض کے لئے کہی ہیں اور نہ دنیوی مصلحت کے پیش نظر بلکہ دشمنان خدا کے مقابلہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت میں کہی ہیں، مگر پھر بھی جو بات دل میں کھٹکتی اور قلب پر ایک بھاری بوجھ محسوس ہوتی ہے وہ حدیث کی یہ تعبیر ہے۔

یہ تسلیم کہ روایت کی بعض تصریحات نے اسکو "کذب" کے عام معنی سے جدا کردیا تاہم اوّل تو یہ زیادت "صحیحین" میں مذکور نہیں اگرچہ صحیح روایت میں موجود ہے، دوسرے جبکہ "صدق لسانی" انبیاء علیہم السلام کی غیر منفک اور عصمت نبی کے لئے ایک ضروری صفت ہے نیز جبکہ خصوصیت کے ساتھ قرآن عزیز نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حسب ذیل امتیازات کا صراحت کیساتھ

Marfat.com

ذکر فرمادیا ہے تو پھر اُن کے ساتھ صورۃً بھی کذب کی نسبت کیسی؟

(۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم) — اور یاد کر کتاب میں ابراہیم کا ذکر بے شک تھا وہ صدیق (صادق النفس) نبی۔

"صدیق" مبالغہ کا صیغہ ہے اور اسی ہستی پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے "صدق" جسکی ذاتی اور نفسیاتی صفت ہو۔

(۲) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل) — بیشک ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار خالص اللہ کی طرف جھکنے والا اور نہ تھا وہ مشرکوں میں سے، خدا کی نعمتوں کا شکر گزار تھا خدا نے اُسکو چن لیا تھا اور سیدھی راہ کی اسکو ہدایت دی

مجتبیٰ اور مہدی ایسی صفات ہیں کہ جن کے ساتھ کذب نہ حقیقۃً جمع ہو سکتا ہے اور نہ صورۃً

(۳) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل) — (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ تو ملت ابراہیم کی پیروی کر جو ابراہیم کہ خالص خدا کی جانب جھکنے والا ہے۔

یہ وہ ابراہیم ہیں جن کی ملت کی اقتدا اور پیروی کا حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ اور ان کی اُمتِ مرحومہ کو دیا جا رہا ہے۔

(۴) وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (الانبیاء) — اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو رشد و ہدایت شروع ہی سے بخش دی تھی اور ہم ہی اُس کو جاننے والے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات حضرت ابراہیم کی اُن خصوصی صفات کا ذکر کرتی اور نصوص قطعیہ پیش کرتی ہیں کہ جن کے بعد ایک لمحہ کیلئے بھی اس جیسی مقدس اور جلیل القدر ہستی کے متعلق "کذب" کا تصور نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ وقوع اور عمل "خواہ وہ کذب حقیقی معنی میں ہو یا محض کذب کی صورت میں"

زیر بحث مسئلہ اس مقام پر پہنچکر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ مسئلہ زیر بحث یہ نہیں ہے کہ "العیاذ باللہ" ابراہیم علیہ السلام نے واقعی جھوٹ بولا، کیونکہ قرآن عزیز کی قطعی نصوص اور زیر بحث روایات کے علاوہ

Marfat.com

احادیثی نصوص ابراہیم علیہ السلام کو نبی، پیغمبر اور رسول بتاتی اور اُن کی امتیازی صفات صدیق مجتبیٰ، مہدی، نبی، حنیف اور رسول ثابت کرتی ہیں، نیز زیر بحث روایت میں بھی یہ واضح ہے کہ ان کے یہ کلمات خدا کے دین کی حمایت و مدافعت کیلئے تھے نہ کہ کسی اور غرض سے، لہٰذا۔ ایک لمحہ کیلئے بھی اس میں تردّد کی گنجائش نہیں ہے کہ "کذب" اُن سے اسی طرح دُور ہے جس طرح دن سے رات اور روشنی سے تاریکی، اور بلا شبہ وہ ایک نبی معصوم ہیں اور ہر قسم کی معصیت و گناہ سے پاک۔

البتہ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ ان دو صحیح روایات میں ان تینوں باتوں کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جلیل القدر پیغمبر کے بارہ میں "کذب" کی تعبیر کیوں فرمائی جبکہ آپ کی ذات اقدس ضروریات دین اور عقائد اسلامی کے بارہ میں ابہام اور گنجلک کو دُور کرنے کا باعث ہے نہ کہ ابہام والتباس پیدا کرنے کا؟ خصوصاً جبکہ یہ تینوں باتیں خود اپنی جگہ کسی حال میں نہ صورت میں کذب ہیں اور نہ حقیقی معنی میں۔

بلا شبہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کی دینی بہن تھیں اور بیوی کے رشتہ سے اسلامی اخوت کا رشتہ منقطع نہیں ہو جاتا، نیز ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین کی تحقیق میں وہ اُن کے چچا حاران کی بیٹی تھیں، اس لئے چچا زاد بہن بھی تھیں، اور بلا شبہ انکا مزاج ناساز تھا گو سخت بیماری نہ سہی اس لئے "اِنِّی سَقِیْمٌ" ہر حیثیت سے صحیح ہے اور بلا شبہ انھوں نے مناظرانہ طرز خطابت میں دشمن کو لاجواب کرنے کیلئے فرمایا "بل فعلہ کبیرھم" اور یہ علمی دنیا میں کسی حیثیت سے بھی جھوٹ نہیں تھا، تو پھر ان ہر دو احادیث میں اس قدر سخت تعبیر کیوں اختیار کی گئی؟ اس اشکال کے جواب میں علماء اسلام نے دو راہیں اختیار فرمائی ہیں۔

(۱) یہ اخبار آحاد ہیں اسلئے جرأت کیساتھ یہ کہہ دینا چاہیئے کہ اگرچہ یہ روایتیں صحیحین کی ہیں اور اس لئے مشہور کی حد تک پہنچ گئی ہیں مگر راوی کو ان روایات میں سخت مغالطہ ہوا ہے لہٰذا ہرگز قابل قبول نہیں ہیں اس لئے کہ ایک نبی کی جانب کذب کی نسبت کے مقابلہ میں راویوں کی غلطی کا اعتراف بدرجہا بہتر اور صحیح طریق کار ہے۔

Marfat.com

امام رازی (رحمۃ اللہ علیہ) کا رجحان اسی جانب ہے اور انھوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) یہ قطعی اور یقینی عقیدہ ہے کہ نبی اور رسول کی جانب "کذب" کی نسبت کسی حال میں درست نہیں ہے ایسی صورت میں اگر مستند اور صحیح روایات میں جو کہ حد شہرت و تواتر کو پہنچ چکی ہوں۔ اس قسم کی کوئی نسبت موجود ہو جو نبی کی نبوت کے شان کے منافی ہو تو ان روایات کو صحیح مانتے ہوئے ان خصوصی جملوں کی ایسی توجیہ کرنی چاہیئے جس سے اصل مسئلہ پر بھی زد نہ پڑے اور صحیح روایات کا انکار بھی لازم نہ آئے۔ پس چونکہ صحیحین کی یہ روایات "تلقی بالقبول" کی وجہ سے صحت اور شہرت کے اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچ چکی ہیں جو اخبار آحاد میں شمار نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ان روایات کو مردود قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ "ثلث کذبات" کے جملہ کی یہ توجیہ کرنی چاہیئے کہ اس مقام پر کذب سے مراد یہ ہے کہ "ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کیلئے بولا گیا ہو لیکن مخاطب اس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے بلکہ ان الفاظ کو اپنی ذہنی مراد کے مطابق سمجھے" اور یہ معنی صرف ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کیلئے ہی نہیں تراشے گئے بلکہ علم بدیع کی اصطلاح میں اس کو "معاریض" کی اقسام میں شمار کیا گیا ہے اور فصحا و بلغا کے کلام میں اکثر رائج ہے اس طرح روایات کا انکار بھی لازم نہیں آئیگا اور صداقت نبی کا مسئلہ بھی اپنی جگہ بغیر کسی غل و غش کے صحیح رہیگا، چنانچہ حدیث شفاعت کے وہ الفاظ ما منھا کذبۃ الا ماحل بہا عن دین اللہ" ہماری اس توجیہ کی تائید کرتے ہیں جمہور علماء اسلام کی یہی رائے ہے اور وہ امام رازی اور ان کے ہم نوا علماء کی پہلی رائے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

مشہور مصری عالم عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں امام رازی کی رائے کیساتھ موافقت کی ہے اور مصری علماء عصر کی رائے کے خلاف جو دراصل جمہور کی تائید میں نجار کی رائے پر تنقید کی شکل میں ظاہر کی گئی ہے" کافی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ و سارہ کے اس واقعہ سے انکار کیا ہے۔

مؤلف کی رائے | مگر ان ہر دو آراء سے الگ سادہ اور صاف راہ یہ ہے کہ صحیح حدیث کے انکار اور

Marfat.com

اس کے الفاظ کی رکیک تاویل کئے بغیر ہی مسئلہ کو اس طرح حل کر دیا جائے کہ اصل مسئلہ "عصمتِ پیغمبر" پر بھی حرف نہ آنے پائے اور اس قسم کے مواقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں، اور احادیثِ نبویؐ کے ساتھ تمسخر اور مذاق کرنیوالوں کو بھی الحاد کی جرأت نہ ہو سکے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "عصمتِ پیغمبر" کا مسئلہ بلاشبہ اصولِ دین اور مہماتِ عقائد میں سے ہے بلکہ دین و مذہب کی صداقت کی اساس و بنیاد صرف اسی ایک مسئلہ پر قائم ہے کیونکہ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ بعض حالات میں نبی اور پیغمبر بھی "کذب" کی کوئی نہ کوئی شکل و صورت اختیار کر سکتا ہے خواہ وہ حمایتِ حق ہی کے لئے کیوں نہ ہو اسکی لائی ہوئی تمام تعلیم سے یہ امتیاز اُٹھ جائیگا کہ اس میں سے کونسا جزء اپنی حقیقی مراد کیساتھ وابستہ ہے اور کونسا "کذب" کے رنگ میں رنگا ہوا اور اگر یہ مان لیا جائے تو پھر دین، دین نہیں رہ سکتا اور نہ مذہب مذہب

اس لئے قرآن عزیز کا یہ منصوص عقیدہ "عصمتِ پیغمبر" اپنی جگہ غیر متزلزل اور غیر متبدل عقیدہ ہے اور اسلئے بلاشبہ جو اس عقیدہ کی صداقت پر حرف گیری کا باعث بنے خود اپنی جگہ یا قابلِ رد و انکار ہے اور یا اپنی صحت تعبیر کیلئے جوابدہ۔ پس اس محکم عقیدہ کو اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی بلکہ اُس سے معارض شے کو یا اس کے مطابق ہونا پڑے گا ورنہ تو مٹ جانا ہو گا۔

اسی طرح یہ امر بھی مسلّم ہے کہ قرآن عزیز کی تفسیر و تشریح صرف لغتِ عرب سے ہی نہیں کی جا سکتی بلکہ جس طرح اُس کے مفہوم سمجھنے کے لئے "لغت کی معرفت" ضروری ہے اسی طرح بلکہ اُس سے کہیں زیادہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور احوال کی معرفت کی ضرورت ہے جو کلام اللہ کی صحیح توجیہ، تفسیر اور تشریح کے حامل ہیں۔

بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ مثلاً قرآنی احکام "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" "وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ" "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" میں نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ کے مفہوم اور معنی کو ہم کسی طرح بھی "لغتِ عربی" کے ذریعہ متعین نہیں کر سکتے اور تنہا یہ لغوی معنی و مفہوم قرآنی احکام کا مصداق نہیں بن سکتے بلکہ ان کی معرفت کیلئے ہم مجبور ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و

Marfat.com

اعمال کی طرف رجوع کریں جو ان فرائض کی تفسیر و تشریح میں کہے گئے یا کیے گئے ہیں، اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ صرف تعامل کے ذریعہ ہم ان فرائض کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں اسلئے کہ اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ تعامل کا مبدأ بھی آخر کار قول و عملِ رسول پر ہی جا کر منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و عمل کو بھی جزو دین سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے اور بغیر اس تسلیم و رضا کے آیت۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ‎ بلاشبہ خدا کے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس شخص کے لئے

لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ‎ عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر امید لگاتا ہو۔

کے کوئی معنی نہیں بنتے، کیونکہ یہ "اسوۂ حسنہ" خود قرآن عزیز اور اُسکی آیات نہیں ہیں بلکہ اُس پیغمبر کا قول عمل اور حال ہی اسوۂ حسنہ ہے اور جبکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال، اعمال اور احوال جزو دین ہیں تو ضروری تھا کہ انکی حفاظت کا ایسا سامان مہیا ہو جو "خاتم النبیین" کی اُمت کیلئے رہتی دنیا تک محفوظ طریقے سے پہنچ سکے اور اس جوہر خالص میں جب کبھی کھوٹ کی ملاوٹ کی جائے تو اسکے محافظین اور فن کے ماہرین فوراً دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے کھرے کھوٹے کو الگ کر سکیں پس اسی طریقۂ حفاظت کا نام روایتِ حدیث اور نقدِ حدیث ہے اور اسی فن کو "فنِ حدیث" کہتے ہیں، اور یہی وہ شریف اور مقدس خدمت ہے جس نے اپنوں سے نہیں بلکہ غیروں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کیا ہے اور اس خدمت کو اسلام کا امتیازی نشان تسلیم کرایا ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و اعمال کی روایت کی حفاظت کے سلسلہ میں کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کیلئے زمانۂ نبوت سے اب تک جو خدمت ہوتی آرہی ہے اسکی اہمیت اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ "روایتِ حدیث" کا فن تقریباً چودہ فنون اور شاخوں میں منقسم ہے۔

لہٰذا از بس ضروری ہے کہ ہم کسی ایک ایسی روایت یا روایت کے جملہ کو جو اپنی لفظی اور ظاہری تعبیر میں مسلمہ عقیدہ کے بارہ میں ایہام پیدا کرتا ہے صحیح اور مقبول مشہور اور متواتر روایاتِ حدیثی کے انکار پر حجت و دلیل قائم نہ کریں اور اس کو انکارِ حدیث کا ذریعہ بنا کر قرآن عزیز کو ایک ایسی اجنبی کتاب

Marfat.com

نہ بنا دیں جس کی تعبیر کے لئے نہ کسی پیغمبر کے تفسیری اقوال ہیں اور نہ تشریحی اعمال بلکہ وہ کسی ویرانہ یا پہاڑ پر نازل ہوئی ہے اور صرف اپنی زبان کی لغت اور ڈکشنری سے حل کیجا سکتی ہو

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب مسئلہ زیر بحث کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ بخاری کی احادیث کو بلا شبہ "تلقی بالقبول" حاصل ہے اور یہ کتاب جرح و نقد پر کسے جانے اور پرکھے جانے کے بعد اُمت میں شہرت و قبولیت کا وہ درجہ رکھتی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد اسکو اصح الکتب کہا جاتا ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ روایت بالمعنی ہونیکی وجہ سے اسکی کسی روایت میں راوی سے لفظی تعبیر میں سقم ہو گیا ہو اور روایت اگرچہ اپنے سلسلۂ سند اور مجموعۂ متن کے اعتبار سے اصولاً قابل تسلیم ہو مگر اس کے اس جملہ کی تعبیر کو سقیم سمجھا جائے اور اصل روایت کو رد کرنیکی بجائے صرف اُس کے سقم کو ظاہر کر دیا جائے اس کی بہترین مثال بخاری کی حدیث معراج ہے۔

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم کی حدیث اسریٰ عن انس (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں بخاری کی حدیث عن عبداللہ بن ابی نمرہ میں سقم ہے اور اس کی ترتیب میں غلطیاں ہیں اور مسلم کی روایت ان سقام و اغلاط سے پاک صاف ہے، حالانکہ یہ دونوں روایتیں نفس روایت کے اعتبار سے صحیح اور قابل تسلیم ہیں۔

پس بغیر کسی شک اور تردد کے یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ سے متعلق دونوں طویل روایا "روایت بالمعنی" کی قسم میں داخل ہیں، اور یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ الفاظ اور جملوں کی یہ پوری نشست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست ہے بلکہ آپ کے مفہوم اور معنی کو ادا کرتی ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ہر دو روایات میں بیان کردہ واقعات کی صحت کے باوجود زیر بحث الفاظ سلسلۂ سند کے کسی راوی کے اختلال لفظی کا نتیجہ ہوں اور اس سے یہ تفسیری سقم پیدا ہو گیا ہو۔

اس کیلئے یہ قرینہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم و سارہ اور شاہ مصر کا یہ واقعہ توراۃ میں بھی مذکور ہے اور وہاں اس قسم کے غیر محتاط جملے بکثرت موجود ہیں لہٰذا یہ ممکن ہے کہ راوی سے اسرائیلی

Marfat.com

روایت اور صحیح روایت کے درمیان تعبیر میں خلط ہو گیا ہو اور اس لئے اُس نے معاملہ کی تعبیر زیر بحث الفاظ سے کر دی۔

ہدایتِ قوم کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا اضطراب

گذشتہ سطور سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کیلئے کس درجہ مضطرب اور بے چین تھے اور دلائل و براہین کی وہ کونسی صورت ہو سکتی ہے جو انھوں نے حق کے آشکارا کرنے میں صرف نہ کر دی ہو؟ سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو سمجھایا پھر "جمہور" کے سامنے حق کی اُس روشنی کو پیش کیا، اور آخر میں نمرود سے مناظرہ کر کے اُس کے سامنے بھی احقاقِ حق کو بہتر سے بہتر اسلوب کے ساتھ ادا کیا اور ہر لمحہ یہی سب کو تلقین کی کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں، اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی کا نتیجہ خسران اور ذلت کے سوائے دوسرا نہیں ہے اسلئے شرک سے باز آنا چاہیے اور "ملتِ حنیفیہ" ہی کو صراطِ مستقیم سمجھنا چاہیے جسکی اساس و بنیاد صرف "توحیدِ الٰہی" پر قائم ہے مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سنا، اور کسی طرح رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا اور ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) اور ان کے برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایک بھی ایمان نہیں لایا، اور تمام قوم نے حضرت ابراہیمؑ کو جلا دینے کا فیصلہ کر لیا اور دہکتی آگ میں ڈال دیا۔

پس جب خدائے تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر کے حضرت ابراہیم کے حق میں "نار" کو "بردو سلام" بنا دیا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغامِ الٰہی سُنائیں اور دعوتِ حق پہنچائیں اور یہ سوچ کر "فدان آرام"[1] سے ہجرت کا ارادہ کیا

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ۝ — اور ابراہیم نے کہا "میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی طرف قریب ہی وہ میری رہنمائی کریگا۔

یعنی اب مجھے کسی ایسی آبادی میں ہجرت کر کے چلا جانا چاہیے جہاں خدا کی آواز گوشِ حق نیوش سے سُنی جائے، خدا کی زمین تنگ نہیں ہے یہ نہیں اور سہی میرا کام پہنچانا ہے، خدا اپنے دین کی اشاعت

[1] بابل کی حکومت نمارده میں ایک مشہور شہر تھا، یہ حضرت ابراہیم کا مولد ہے۔

Marfat.com

سامان خود پیدا کر دے گا۔

اور کلدانیین کی جانب ہجرت

بہر حال حضرت ابراہیمؑ اپنے والد آزر اور قوم سے جدا ہو کر فرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جو اور کلدانیین کے نام سے مشہور ہے، یہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور حضرت لوط (علیہ السلام) اور حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) ہم سفر ہیں اور کچھ دنوں کے بعد یہاں سے حرّان یا حاران کی جانب روانہ ہو گئے اور وہاں "دین حنیف" کی تبلیغ شروع کر دی مگر اس عرصہ میں برابر اپنے والد آزر کیلئے بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے، اور اس کی ہدایت کیلئے دعا مانگتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ وہ نہایت رقیق القلب، رحیم اور بہت ہی نرم دل و بردبار تھے اس لئے آزر کی جانب سے ہر قسم کی عداوت کے مظاہرہ کے باوجود انھوں نے آزر سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگرچہ میں تجھ سے جدا ہو رہا ہوں اور افسوس کہ تو نے خدا کی رشد و ہدایت پر توجہ نہ کی تاہم میں برابر تیرے حق میں خدا سے مغفرت کی دعا کرتا رہونگا آخر کار حضرت ابراہیمؑ کو وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ آزر ایمان لانیوالا نہیں ہے اور یہ ایسے اشخاص میں سے ہے جنھوں نے اپنی نیک استعداد کو فنا کر کے خود کو اس کا مصداق بنا لیا۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (بقرہ)

اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو جب یہ معلوم ہو گیا تو آپ نے آزر سے اپنی برأت کا صاف صاف اعلان کر دیا کہ جو امید موہوم میں نے لگا رکھی تھی وہ ختم ہو گئی، اس واقعہ کو سورۂ توبہ کی اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَآ اِیَّاہُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗٓ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنْہُ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ ۝ (توبہ)

اور نہ تھا ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کیلئے مگر اس وعدہ کے مطابق جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا، پھر جب اس پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ خدا کا دشمن ہے (یعنی اس کا آخری انجام یہی ہوگا) تو اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا، بیشک ابراہیمؑ ہے ضرور رقیق القلب بردبار۔

Marfat.com

ہجرت فلسطین | ابراہیم (علیہ السلام) اس طرح تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے اس سفر میں بھی اُن کے ہمراہ حضرت سارہ حضرت لوطؑ اور لوط علیہ السلام کی بیوی تھیں سورۂ عنکبوت میں

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (عنکبوت) پس لوط ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور کہنے لگا میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت عثمان ذی النورین (رضی اللہ عنہ) اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان عثمان اوّل مهاجر باهله بعد لوط (الحدیث) بلاشبہ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے مہاجرین جنھوں نے اپنی بیوی سمیت

حضرت ابراہیمؑ نے فلسطین کے غربی اطراف میں سکونت اختیار کی، اس زمانہ میں یہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ پھر قریب ہی شکیم (نابلس) میں چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام اس کے بعد یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہیں فرمایا اور غرب ہی کی جانب بڑھتے چلے حتیٰ کہ مصر تک جا پہنچے۔

ہجرت مصر اور حضرت ہاجرہؓ | جب نابلس سے چل کر مصر پہنچے تو بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق جبار کا وہ واقعہ پیش آیا جو گذشتہ سطور میں سپرد قلم ہو چکا ہے اور تورات میں اس قصہ کو اس طرح نقل کیا گیا ہے:-

سو جب ابرام مصر پہنچا مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور فرعون کے امیروں نے بھی اسے دیکھ اور فرعون کے حضور میں اُسکی تعریف کی اور اُس عورت کو فرعون کے گھر میں لے گئے اور اُس نے اسکے سبب ابرام پر احسان کیا کہ اسکو بھیڑ بکری اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹ ملے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان کو ابرام کی جورو سری کے سبب بڑی مار ماری تب فرعون نے ابرام کو بلا کر اُس سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیوں نہ بتایا کہ یہ میری جورو ہے، تو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟ یہاں تک کہ میں نے اسے اپنی جورو بنانے کو لیا، دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا، اور فرعون نے اس کے حق

Marfat.com

یں لوگوں کو حکم کیا تب انھوں نے اُسے اور اس کی جورو کو اور جو کچھ اُس کا تھا روانہ کیا۔[۱]

صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت اور تورات کی اس روایت کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ صحیحین کی روایت میں حضرت سارہؓ کے بددعا والے واقعہ کو ملک جبار" فرعون" نے شیطانی (جنی) اثر سمجھ کر سارہ سے جان چھڑائی اور حضرت ہاجرہ کو ان کے حوالہ کر کے ابراہیمؑ کو مع ان کے رفقاء اور ساز و سامان کے مصر سے چلے جانے کی اجازت دی فتح الباری میں ہے کہ مصری "جن" کی عظمت کے قائل تھے، اس لئے شیطان سے مراد یہاں جن ہے۔

اور تورات کی روایت یہ کہتی ہے کہ فرعون مصر نے سارہ کے واقعہ کو کرامت یقین کیا۔ اور حضرت ابراہیم پر یہ عتاب کیا کہ انھوں نے شروع ہی سے یہ کیوں نہ بتا دیا کہ سارہ انکی بہن نہیں ہے بلکہ بیوی ہے اور پھر بڑے انعام و اکرام اور عزت کے ساتھ ان کو مصر سے رخصت کیا، تورات کی روایت کے مطابق اس وقت سارہ کی عمر ستر سال کی تھی۔

بہر حال صحیحین کی روایت ہو یا تورات کی معنی اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں روایات قریب قریب ہیں اور دونوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ ان تمام روایات سے اس قدر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہؓ اور اپنے برادر زادہ حضرت لوطؑ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں ہے جو سامی قوم سے تعلق رکھتے، اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ سے نسبی سلسلہ میں وابستہ تھے یہاں پہنچکر ابراہیم علیہ السلام اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اسکو یقین ہو گیا کہ ابراہیمؑ اور اسکا خاندان خدا کا مقبول و برگزیدہ خاندان ہے یہ دیکھ کر اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی بیوی حضرت سارہؓ کا بہت اعزاز کیا اور ان کو ہر قسم کے مال و منال سے نوازا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتہ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کیلئے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی اُن کی زوجیت میں دیدیا جو اس زمانے کے رسم و رواج کے اعتبار سے پہلی اور بڑی بی بی کی خدمت گذار

[۱] پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۴-۲۰ تورات۔

Marfat.com

قرار پائیں، چنانچہ اس تاریخی قیاس کی سب سے بڑی شہادت خود یہود کے یہاں بھی موجود ہے
سفر الیشار میں (جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے) مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں مصر
کا بادشاہ حضرت کا ہم وطن تھا [۱]

اور اسی طرح یہود کی معتبر روایات سے یہ مسئلہ بھی صاف اور روشن ہو جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ
"شاہ مصر" فرعون کی بیٹی تھیں، لونڈی اور باندی نہیں تھیں، توراۃ کا ایک معتبر مفسر ربی شلوملو
اسحٰق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱ کی تفسیر میں لکھتا ہے اَبتْ برعُہ ہایتاکشۃ انسیم شنعسو اسارۃ امر
مر ابات شہا ابتی شفحہ بیت زہ ولو کبیرہ ببیت آخیر حبا سُن نے رقیون شاہ مصر نے) سارہ کی وجہ سے کرامات کو دیکھ
تو کہا، میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے [۲]

اس تفسیر اور تورات کی آیت کو جمع کرنے سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے کہ تورا
میں ہاجرہ کو صرف اسی لئے لونڈی کہا گیا کہ شاہ مصر نے انکو سارہ اور ابراہیمؑ کے سپ
کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ وہ سارہ کی خدمت گذار رہیگی، یہ مطلب تھا کہ وہ لونڈی بمعن
"جاریہ" ہیں اس لئے کہ ربی شلومو تصریح کرتا ہے کہ ہاجرہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں
بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملک جبار کی جو روایت مذکور ہے ا
میں بھی یہ جملہ موجود ہے اور ربی شلوملو کی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔
وَاَخْدَمَہَا ہَاجَرۃ [۳] ۔ اور ہاجرہ کو سارہ کے حوالہ کر دیا کہ ان کی خدمت گذار ہے۔

اس لئے بنی اسرائیل کا یہ طعن کہ بنی اسمٰعیل ہم سے اس لئے کمتر ہیں کہ وہ لونڈی سے ہیں د
حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ سے صحیح نہیں ہے اور واقعہ اور تاریخ دونوں کیخلاف ہے، اور
تورات میں دوسرے مضامین میں تحریف کی گئی ہے اسی طرح اس واقعہ میں بھی تحریف کی گئی ہے او
واقعہ کی تمام تفصیلات کو حذف کر کے صرف "لونڈی" کا لفظ باقی رہنے دیا گیا ہے

[۱] ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۱ - [۲] ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۱
[۳] براہین باہرہ فی حریتہ ہاجرہ از مولانا غلام رسول چڑیا کوٹی [۴] بخاری باب الانبیاء جلد ۶ ص ۴۳

Marfat.com

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ "ہاغار" ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں[1]۔ ان کا وطن چونکہ مصر تھا اس لئے یہ نام پڑ گیا لیکن اسی اصول کے پیشِ نظر زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ "ہاغار" کے معنی "جدا ہونے والے" کے ہیں اور عربی میں "ہاجرہ" کے معنی بھی یہی ہیں یہ چونکہ اپنے وطن مصر سے جدا ہو کر یا ہجرت کر کے حضرت ابراہیمؑ کی شریکِ حیات اور حضرت سارہ کی خدمت گذار بنیں اس لئے ہاجرہ کہلائیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور دو اہم مقام

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زیرِ عنوان بحث ختم کرنے سے قبل دو ایسے اہم مقامات کا ذکر کر دینا از بس ضروری ہے جن کے ساتھ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بہت گہرا تعلق ہے اور جو پیروانِ ملتِ ابراہیمی کے لئے "مقامِ بصیرت" کی حیثیت رکھتے اور مجدد انبیاء حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیغمبرانہ عظمت و جلال کو تابندہ تر بناتے ہیں۔

مقام اوّل

سورۂ ممتحنہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السّلام) کی ایک خاص دعا کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں دستِ طلب دراز کئے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۔ — اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان لوگوں کے لئے "فتنہ" نہ بنا جو کافر ہیں۔

فتنہ "فَتَن" سے ماخوذ ہے، جب سونے کو اس لئے آگ میں تپاتے ہیں کہ کھوٹ اور میل جل کر خالص سونا باقی رہ جائے تو اس کے لئے "فتن الذہب" بولتے ہیں، اب اصطلاح میں امتحان، آزمائش اور پرکھ کو کہتے ہیں اور اس لئے حضرت انسان پر جو شدائد و مصائب آتے ہیں وہ اس مناسبت سے "فتنہ" کہلاتے ہیں، قرآنِ حکیم نے بھی مال، اولاد اور منصب و جاہ کو اسی معنی کے پیشِ نظر "فتنہ" کہا ہے اور صاف صاف اعلان کیا ہے کہ صادق و کاذب کی جانچ کے لئے "مومن" کو اس کسوٹی پر ضرور پرکھا جاتا ہے۔

---

[1] ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۰۔

Marfat.com

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ (عنکبوت)	کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جو لوگ دعویٰ ایمان کرتے ہیں وہ یوں ہی چھوڑ دیے جائیں گے اور آزمائے نہ جائیں گے۔
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال)	اور اُن مشرکوں سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور دین سب کا سب خالص اللہ کے لئے رہ جائے۔

تو اب قابلِ توجہ ہے یہ بات کہ اس دعا ابراہیمی کی مراد کیا ہے؟ اور وہ کافروں کے لئے فتنہ نہ بننے سے متعلق کیا خواہش رکھتے ہیں؟

اختلافِ ذوق کے پیشِ نظر علماءِ حق نے اس سوال کو تین طرح سے حل کیا ہے لیکن ان تینوں حقیقتوں پر غائر نظر ڈالنے کے بعد بآسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی یہ دعا اپنی وسعت اور دقیق تعبیر کے لحاظ سے بیک وقت تینوں باتوں پر حاوی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ درگاہِ رب العزت میں یہ دعا کر رہے ہیں "پروردگارِ عالم" مجھ کو وہ زندگی بخش کہ میرا قول و عمل اور میری رفتار و گفتار "اسوۂ حسنہ" کی تعبیر ہو، میں اگر ہادی بنوں تو اسوۂ حسنہ کا اور مجھ کو قیادت نصیب ہو تو رشد و ہدایت کی اور پھر اس پر استقامت عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ میں اسوۂ سیئہ کا رہنما اور قائد بن جاؤں اور فردائے قیامت میں اُمت کے گمراہ اور کافر تیرے حضور مجھ کو یہ کہہ کر شرمندہ کریں۔

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (احزاب)	اے ہمارے پروردگار! اس میں ذرا شک نہیں کہ ہم نے اپنے قائدین اور اپنے بڑوں کی پیروی اختیار کر لی تھی پس انھوں نے ہی ہم کو راہ سے بے راہ کیا

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ اگر راہنمائی اور قیادت ان کا نصیب ہو تو پھر وہ اسوہ اور قدم چھوڑ کر جائیں کہ کل کے دن "اولیاء الرحمٰن" کے زمرہ میں جگہ ملے اور انکی زندگی کا راز اولیاء الشیطان کیساتھ عداوت بن جائے، آیت کا سیاق و سباق اس معنی کی پوری تائید کرتا ہے اسے

Marfat.com

کہ آیت سے قبل مشرکین کے مقابلہ میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی پاکباز امت کے اس اعلان کا تذکرہ ہے۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ	اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت
وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا	و بغض کا آغاز ہو گیا ہے تا این کہ تم خدائے واحد
بِاللَّهِ وَحْدَهُ ۝	پر ایمان نہ لے آؤ۔

اور زیر بحث آیت کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ اور انکے پیرو "مومنین قانتین" کے اسوۂ حسنہ کی تلقین کیجا رہی ہے اور شروع سورۃ میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ کا ذکر موجود ہے۔

(۲) ابراہیم (علیہ السلام) اپنے ان جامع کلمات میں بارگاہ حق سے اسکے بھی طالب ہیں کہ خدایا! تو ہم کو کافروں کے ہاتھوں آزمائش کیلئے نہ چھوڑ دینا کہ وہ ہم کو ایمان سے برگشتہ اور کفر کے قبول کرنے کیلئے طرح طرح کے مصائب و آلام کا شکار بنائیں اور جبر و ظلم کے ذریعہ راہ سے بے راہ بنانے پر آمادہ و دلیر ہو جائیں۔

اس معنیٰ کا قرینہ یہ ہے کہ آیت زیر عنوان سے قبل یہ ذکر آ چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور انکی امت اجابت نے ذی اقتدار اور با اختیار کافر و مشرک جماعت کے سامنے جرأت حق کیساتھ یہ اعلان کر دیا کہ ہم تمہارے معتقدات کے قطعاً منکر ہیں "کفرنا بکم" اور ہمارے اور تمہارے درمیان اسلام کے اقرار و انکار اور قبول و عدم قبول کیلئے کھلا چیلنج ہے، تو اس صورت حال میں ازبس ضروری تھا کہ ایک با خدا انسان، جلیل القدر پیغمبر عظیم المرتبہ ہادی اپنی انسانی کمزوریوں پر نظر رکھتے ہوئے درگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر وہ اپنی لازوال قدرت کے ہاتھوں کسی حالت میں بھی کافروں کو ہم پر غلبہ عطا نہ فرمائے اور کافر کسی شکل میں بھی ہم پر ایسے قابو یافتہ نہ ہو سکیں کہ ایمان و کفر سے متعلق ہمارا یہ اعلان جنگ ہمارے لئے باعث امتحان و فتنہ بن جائے اور مشرک ہم کو کفر کی جانب واپس لانے کی جرأت بیجا کر سکیں۔

Marfat.com

(۳) حضرت ابراہیمؑ اس مقام پر فتنہ کہہ کر "عذاب" مراد لیتے ہیں اسلئے کہ فتنہ کی مختلف شکلوں میں سے ایک بھیانک شکل یہ بھی ہے اور عرض کرتے ہیں، پروردگار ہم کو ایسی حالت پر کبھی نہ پہنچانا کہ ہم کافروں اور مشرکوں کے ہاتھوں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ اپنی پستی، نکبت، ذلت و غلامی اور دشمنوں کی دنیوی عزت و جاہ، عروج و ترقی، اور حاکمانہ اقتدار کو دیکھ دیکھ کر ہم یہ کہہ اٹھیں کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو ہم اس ذلت و نکبت میں نہ ہوتے اور اگر شرک و کفر خدا کی نگاہ میں مبغوض ہوتا تو ان کافر اور مشرک جماعتوں کو یہ عزت و جاہ اور یہ فروغ حاصل نہ ہوتا یعنی ہم سے حق و باطل کا امتیاز ہی اُٹھ جائے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کا یہ پہلو ہمارے لئے صد ہزار سامان عبرت و بصیرت رکھتا ہے اسلئے کہ گزشتہ ڈیڑھ صدی سے خصوصیت کیساتھ اسلامی دنیا اپنی خود ساختہ غیر اسلامی روش کی بدولت جس طرح غیر مسلم اقتدار، حاکمانہ جبر اور پنجۂ استبداد کے نیچے دبی ہوئی ہے اور ہر طرح بیچارہ و مجبور نظر آتی ہے اُس نے ہم کو اس درجہ حقیر و ذلیل بنا دیا ہے کہ ہم سے ہمارے قوائے فکر و عمل بھی مفقود ہو چکے ہیں اور ہم بے خوف و خطر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اسلام نہ خدا پرستی کا نام ہے اور نہ عقائد و اعمال صالحہ کی زندگی کا بلکہ صرف مادی قوت و شوکت (حکومت) اور اسکے ذریعہ حصولِ عیش و عشرت کا دوسرا نام "مذہب" یا "اسلام" ہے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اس مادی قوت کے حصول کیلئے ڈسپلن اور ضبط و نظم کیلئے صرف ایک طریق کار ہیں نہ مقصد حیات ملی اور صرف یہی حقیقت ہے اُس "جنت" کی جس کا وعدہ اربابِ حق کے لئے قرآن میں کیا گیا ہے پس اگر یہ حاصل نہیں تو پھر اس کا دوسرا نام "جہنم" ہے اور وعدۂ آخرت بعثت و حشر اور جنت و جہنم سب محض فرضی تخیلات ہیں جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہونگے (العیاذ) پس جن قوموں کو دنیا میں اقتدار اور طاقت اور اُس کے ذریعہ عیش و عشرت حاصل ہے قرآن میں مذکورہ "حقیقی مومن" وہی ہیں اور وہی اس طغرائے امتیاز کا مستحق، نہ کہ وہ خدا پرست

مسلمان جو اس دولت سے محروم اور مجبور ہیں، چنانچہ کتاب "تذکرہ" اسی خیال کی صدائے بازگشت ہے اور دینِ حق (اسلام) کی تعلیم سے ناآشنا اور مادیت سے مرعوب اکثر نوجوانانِ قوم کے بیباک خیالات اور ملحدانہ جذبات اسی پست اور شکست خوردہ ذہنیت کے آئینہ دار ہیں، یہی وہ خوفناک حقیقت ہے جس کے تصور نے مرکزِ وحدت کعبہ کے مؤسس ملّتِ ابراہیمی کے داعی، دینِ حق کے مبلغ اور خدا کے مقدس رسول، ابراہیم (علیہ السلام) کو لرزہ براندام کر دیا اور انھوں نے عجز و زاری کے ساتھ اس ناپاک زندگی سے محفوظ رہنے کے لیے حضرت حق کے سامنے دستِ طلب دراز کیا کہ ہم پر وہ وقت کبھی نہ آئے کہ کفر کی شوکت و طاقت اس طرح کچل ڈالے کہ پرستارانِ توحید اس سخت اور کڑی آزمائش میں مبتلا ہو کر حق و باطل کے درمیان امتیاز بھی کھو بیٹھیں۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥

مقامِ ثانی | سورۂ شعراء میں بہ سلسلہ عبرت و بصیرت، انبیاء علیہم السلام کی دعوت رشد و ہدایت کا جو ذکر ہو رہا ہے، اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بھی تذکرہ ہے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اپنی قوم کو توحیدِ الٰہی کی تلقین اور شرک و کفر سے بیزاری و نفرت کی ترغیب دلا رہے ہیں اسی حالت میں وہ توحید ذات و صفات کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے یک بیک خدائے واحد کی جانب دست بدعا ہو جاتے ہیں، گویا ایک دوسرے رنگ میں قوم کو اللہ رب العٰلمین کا پرستار بنانے کی سعی فرما رہے ہیں، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) دعا کرتے کرتے درگاہِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں "وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ" (پروردگار! اور جس روز لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو اس دن مجھ کو رسوا نہ کرنا"۔

اس آیت کے تحت امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جو کتاب التفسیر میں مختصر اور کتاب الانبیاء میں تفصیل کے

Marfat.com

ساتھ منقول ہے، کتاب التفسیر میں منقول حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) قیامت کے دن اپنے والد کو پراگندہ حال اور روسیاہ دیکھینگے تو فرمائیں گے " پروردگار! دنیا میں تونے میری اس دعا کو قبول فرمایا تھا" وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ" (یعنی پھر یہ رسوائی کیسی کہ میدان حشر میں اپنے باپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، ابراہیمؑ! میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

اور کتاب الانبیاء میں یہ روایت ان اضافات کے ساتھ مذکور ہے :-

جب قیامت میں حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کو پراگندہ حال اور روسیاہ دیکھیں گے تو باپ سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے! " کیا میں نے بارہا تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میری راہِ ہدایت کی مخالفت نہ کر، آزر کہیگا!" جو ہوا سو ہوا آج کے دن سے میں تیری مخالفت نہیں کروں گا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام، درگاہِ الٰہی میں عرض رسا ہوں گے!" پروردگار! تونے میری اس دعا کو قبول فرمایا تھا "رب لاتخزنی یوم یبعثون" مگر اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ (آزر) تیری رحمت سے انتہائی دور ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا "میں نے بلاشبہ کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے" پھر ہاتفِ غیبی آواز دے گا (اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پکاریگا) ابراہیم! قدموں کے نیچے دیکھ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) دیکھیں گے کہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو پیروں میں پڑا لوٹ رہا ہے، تب فرشتے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں اس کو پھینک دیں گے۔

مختصر حدیث میں قیامت کے دن آزر کی ہیئت کذائی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ تو ٹھیک ٹھیک قرآن عزیز سورہ عبس کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں قیامت کے دن کافروں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝	اور کتنے (لوگوں کے) منہ اُس دن (ایسے) ہوں گے کہ اُن پر گرد پڑی ہوگی اور اُن پر کلونس چھا رہی ہوگی، یہی وہ (وہ لوگ) ہیں جو (دنیا میں) کافر اور بدکار ہیں۔

Marfat.com

اور سورۂ یونس میں مومنوں اور اصحاب جنہ کے لئے اسی حالت کی نفی کی گئی ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۚ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

جن لوگوں نے دنیا میں بھلائی کی اُن کیلئے (آخرت میں بھی) بھلائی ہے اور کچھ بڑھ کر بھی اور گنہگاروں کی طرح ان کے منُہ پر نہ کلونس چھائی ہوئی ہوگی اور نہ ذلت یہی ہیں جنتی کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

طویل حدیث میں دو ہی باتیں کہی گئی ہیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) آزر کی یہ حالت دیکھ کر درگاہِ الہٰی میں مسطورۂ بالا دعا کا ذکر کریں گے جو انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کی طرح شرف قبول حاصل کر چکی ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ باپ کی یہ رسوائی در اصل میری رسوائی ہے' دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کر دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمہ اللہ) اس حدیث کے اجزاء پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آزر کو اسلئے مسخ کردیگا تاکہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا وہ حزن وملال جاتا رہے جو آزر کے بشکل انسان رہنے کی صورت میں ناری اور جہنمی ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر متنفر ہو جائیں اور فطرتِ ابراہیمی اس سے بیزار ہو جائے۔

اور بجو کی شکل میں مسخ ہو جانے کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ ماہرین علم الحیوانات کے نزدیک بجو گندہ بھی ہے اور درندوں میں احمق بھی تو چونکہ آزر بھی بُت پرست ہونے کی وجہ سے نجاست میں ملوث تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی پیش کردہ آیات بینات اور توحید الہٰی کے روشن دلائل وبراہین کے نہ قبول کرنے کی بنا پر احمق بھی تھا اس لئے قانونِ الہٰی پاداشِ عمل از جنس عمل" کے پیشِ نظر اُسی کا مستحق تھا کہ ایک احمق اور نجس درندہ کی شکل میں مسخ کر دیا جائے مگر مشہور محدث اسمٰعیلی اس روایت ہی کو مجروح اور لائق طعن سمجھتے اور صحت سند کے اعتراف کے باوجود "سقم درایت" کی بنا پر اس کو قبول نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

اس حدیث میں "یہ سقم" ہے کہ اس سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ العیاذ باللہ خدائے برتر کے متعلق "خُلفِ وعدہ" کا شک کرتے تھے، تب ہی تو یہ سوال کیا؟ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں اور وہ بلاشبہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتا۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ" لہٰذا ابراہیم علیہ السّلام کی جانب ایسی بات کی نسبت کرنا قطعاً درست نہیں، وہ کسی طرح بھی آزر کی مشرکانہ زندگی و موت کے علم ہوتے ہوئے ایسا سوال نہیں کر سکتے۔

اسمٰعیلی کے علاوہ بعض دوسرے محدثین نے بھی اس تفصیلی روایت پر جرح کی ہے وہ کہتے ہیں:-

یہ روایت بظاہر قرآن کے خلاف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ	اور (وہ جو) ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی
لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ	دعا مانگی تھی سو (وہ) ایک وعدہ کی (وجہ) سے مانگی تھی
وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ	جو ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کرلیا تھا، پھر انکو جب معلوم ہو گیا کہ یہ دشمن
لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ	خدا ہے تو باپ سے (مطلقاً) دست بردار ہو گئے، بے شک
مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝	ابراہیمؑ البتہ بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

یہ آیت ناطق ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ انکا باپ آزر حیات کے آخری لمحہ تک خدا کا دشمن ہی رہا اور اسی پر اس کی موت ہوئی اسلئے انھوں نے دنیا ہی میں اس سے اپنی بیزاری اور بے تعلقی کا اعلان کر دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ خلیل الرحمٰن کو عدوّ الرحمٰن کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہیں ہو سکتا۔

پس اس صورت حال کے بعد روایت کا یہ مضمون کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن حجر ان ہر دو جرح کو نقل کرنے کے بعد ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ آذر سے اظہارِ بیزاری کس وقت پیش آیا؟ اس سلسلہ میں دو روایات منقول ہیں، ایک حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ابن جریرؒ نے بسندِ صحیح اس طرح روایت کی ہے جب آذر کا بحالتِ شرک و کفر انتقال ہوگیا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو یقین ہوگیا کہ وہ دشمنِ خدا ہو کر مرا لہٰذا انھوں نے آذر سے جو وعدہ استغفار کیا تھا اب اس کو ترک کر دیا اور اُس سے اظہارِ بیزاری کر دیا۔

اور دوسری روایت کہ وہ بھی ابن جریر ہی نے روایت کی ہے یہ ہے:۔

"ابراہیم (علیہ السلام) کی "تبرّی" (آذر سے اظہارِ بیزاری) کا یہ معاملہ دنیا میں نہیں قیامت کے دن پیش آئیگا اور اسی طرح پیش آئیگا جیسا کہ مسطورہ بالا تفصیلی روایت میں مذکور ہے یعنی جب آذر مسخ کر دیا گیا تو ابراہیم (علیہ السلام) نے یقین کر لیا کہ اب استغفار کی قطعاً گنجائش باقی نہیں رہی۔

پس ان ہر دو روایات کے درمیان تطبیق کی شکل یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دنیا ہی میں آذر کی مشرکانہ موت کے پیشِ نظر اس سے اظہارِ بیزاری کر دیا تھا لیکن جب میدانِ حشر میں باپ کی زبوں حالت کو دیکھا تو صفتِ رافت و رحمت جوش میں آگئی اور بہ تقاضائے فطرت انہوں نے پھر طلبِ مغفرت پر اقدام کیا مگر جب اللہ تعالیٰ نے آذر کو مسخ کر دیا تب ابراہیمؑ اس کے انجام سے مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اسکی مغفرت کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہے لہٰذا دوسری مرتبہ اس دارِ دگیر کے دن بھی "تبرّی" کا اعلان فرمایا۔[1]

حافظ ابن حجر کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نمایاں خصوصیات میں سے اس صفت کا بھی اعلان کیا ہے "اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ" چنانچہ اسکے مختلف مظاہر میں سے ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آذر کی شرکت پر موت اور ابراہیم (علیہ السلام) کے دنیا ہی میں اُس سے اظہارِ تبرّی کے باوجود کہ جس کا ذکر قرآنِ عزیز کی سورۂ توبہ میں موجود ہے جب وہ فردائے قیامت میں آذر کو اس زبوں حال میں دیکھیں گے "غَبَرَۃٌ عَلَیْھَا قَتَرَۃٌ" تو ان کی رافت و رحمت جوش میں آجائیگی اور اولوالعزم پیغمبر کی طرح حقیقتِ حال سے باخبر رہتے ہوئے بھی ان

[1] جلد ۸ کتاب التفسیر

Marfat.com

کی صفات کریمانہ کا اس درجہ فطری غلبہ برسر کار آجائیگا کہ وہ آزر کیلئے مطلب مغفرت پر آمادہ ہو جائینگے مگر یہ دیکھ کر آزر کی مشرکانہ زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ہے کہ اسکو حیلۂ شفاعت بنایا جاسکے ابراہیم اپنی اُس دعا کی پناہ لیں گے جو دنیا ہی میں قبولیت کا شرف دوام حاصل کر چکی تھی اور باپ کی رسوائی کو اپنی رسوائی ظاہر کر کے درگاہِ حق میں وعدہ کا ذکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں یہ فرما کر کہ کافر پر میں نے جنت کو حرام کر دیا ہے" ابراہیم (علیہ السلام) کو اس جانب توجہ دلائی کہ اپنی اس فطری رأفت و رحمت کے باوجود یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ دنیا عمل نہیں بلکہ روز جزا ہے اور آج "میزانِ عدل" قائم ہے جسکے لئے ہمارا یہ غیر متبدل قانون ابدیت کا شرف حاصل کر چکا ہے کہ کافر و مشرک کے لئے جنت میں کوئی جگہ نہیں اور یہ "مشرک کی رسوائی" "ہرگز مومن کی رسوائی" کا باعث نہیں ہو سکتی خواہ ان دونوں کے درمیان علاقۂ دنیوی کے مضبوط رشتے ہی کیوں نہ قائم رہے ہوں۔

اور ساتھ ہی حکمتِ الٰہی نے عملاً ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ حضرت ابراہیمؑ پر حزن و ملال کی وہ تاثیر ہی باقی نہ رہی جسکی وجہ سے اُنکے فطری ملکات نے اس مطلب مغفرت پر آمادہ کیا، چنانچہ آزر کو درندہ کی شکل میں مسخ کر دیا جس سے حضرت ابراہیم کی پاک فطرت نفرت و کراہت کرنے لگے تو ابراہیمؑ کا یہ سوال اسلئے نہ تھا کہ وہ العیاذ باللہ اس صورتِ حال کو "خُلفِ وعد" سمجھ رہے تھے بلکہ ایک فطری تقاضے کے پیش نظر تھا جو اگرچہ نتائج و ثمرات کو تو نہیں بدل سکتا مگر اُس شخصیت کے ملکات حسنہ اور اوصافِ کریمانہ کے نمایاں کرنے کا باعث ضرور بن جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا یہ جواب اگرچہ اسمٰعیلی اور بعض دوسرے محدثین کے طعن و جرح کو بلاشبہ بڑی حد تک ہلکا کر دیتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول بخاری کی مختصر حدیث کے علاوہ طویل حدیث کے بعض اجزاء ضرور محل نظر ہیں تب ہی تو غالباً حافظ حدیث عماد الدین ابن کثیر نے ان روایات کو اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد مختصر حدیث کو قبول کرتے ہوئے بخاری کی کتاب الانبیاء والی طویل حدیث پر "تفرد" کا اور نسائی کی حدیث پر "غرابت" و "نکارت" کا حکم لگایا ہے مشہور محدث کرمانی نے بھی اس مسئلہ کو سوال و جواب کی شکل میں پیش کر کے اسکے حل کرنے کی سعی فرمائی جو اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہے۔

ف۱ فتح الباری جلد ۸ کتاب الانبیاء۔

Marfat.com

حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام)

اسمٰعیل (علیہ السلام) کی ولادت

حضرت ابراہیم ابھی تک اولاد سے محروم تھے اور ان کے گھر کا مالک ایک خانہ زاد الیعزر دمشقی تھا، ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کیلئے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو قبول فرمالیا اور اُن کو تسلّی دی۔

ابراہیم نے کہا کہ اے خداوند تو مجھ کو کیا دے گا میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار الیعزر ہے پھر ابرام نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا، تب خداوند کا کلام اُس پر اترا اور اُس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صُلب سے پیدا ہو وہی تیرا وارث ہوگا۔[1]

اور یہ دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھوٹی بی بی حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں

اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔[2]

جب حضرت سارہ کو یہ پتہ چلا تو انھیں بتقاضائے بشریت ہاجرہ سے رشک پیدا ہوگیا اور انھوں نے حضرت ہاجرہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا، حضرت ہاجرہ مجبور ہو کر ان کے پاس سے چلی گئیں

اور خداوند کے فرشتہ نے اُسے میدان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس پایا یعنی اُس چشمہ کے پاس جو سور کی راہ پر ہے اور اُس نے کہا کہ اے سری کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی؟ اور کدھر جاتی ہے؟ وہ بولی کہ میں اپنی بی بی سری کے سامنے سے بھاگی ہوں، اور خداوند کے فرشتے نے اُسے کہا کہ تو اپنی بی بی کے پاس پھر جا اور اُس کے تابع رہ۔ پھر خداوند کے فرشتے نے اُسے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خداوند کے فرشتے نے اُسے کہا کہ تو حاملہ ہے، اور ایک بیٹا جنے گی، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دُکھ سُن لیا، اور وہ وحشی (بدوی) آدمی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔[3]

---

[1] توراۃ پیدائش باب ۱۵ آیت ۲-۴ [2] ایضاً باب ۱۶ آیت ۴ [3] ایضاً باب ۱۶ آیت ۷-۱۲

Marfat.com

حضرت ہاجرہ جس مقام پر فرشتہ سے ہمکلام ہوئیں اُس جگہ ایک کنواں تھا، ہاجرہ نے یادگار کے طور پر اُسکا نام "زندہ نظر آنے والے کا کنواں" رکھا، تھوڑے عرصہ کے بعد ہاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا اور فرشتہ کی بشارت کے مطابق اُس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔

"اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے اُس بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا[1]

اللہ تعالٰی نے اسمٰعیلؑ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق کی بشارت دی جیسا کہ ابھی مفصل ذکر آئیگا، مگر ابراہیم علیہ السلام نے اس بشارت پر چنداں مسرت کا اظہار نہیں کیا اور اسکی جگہ یہ دعا مانگی۔

"اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے[2]"

اور اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم کی اس دعاء کا یہ جواب دیا۔

"اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا، اور اُسے برومند کروں گا اور اسکو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس کو بڑی قوم بناؤں گا۔[3]

اسمٰعیل "اسمع" اور "ایل" دو لفظوں سے مرکب ہے عبرانی میں "ایل" اللہ کے مرادف ہے اور عربی کے اسمع اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سن" چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارہ میں اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم کی دعا سن لی اور ہاجرہ کو فرشتہ سے بشارت ملی اسلئے انکا یہ نام رکھا گیا، عبرانی میں اس کا تلفظ "شماع ایل" ہے

وادی غیر ذی زرع اور ہاجرہ و اسمٰعیل

حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسمٰعیل کا پیدا ہو جانا حضرت سارہ پر بیحد شاق گذرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اور بڑی بیوی، قدیم سے گھر کی مالکہ، ہاجرہ چھوٹی بیوی اور اُن کی خدمت گذار، یہ سب باتیں تھیں جنھوں نے بشری تقاضے کے پیش نظر اسمٰعیل کی ولادت کو سارہؓ کے لئے سوہان روح بنا دیا تھا اس لئے سارہ نے حضرت ابراہیم سے اصرار کیا کہ ہاجرہ اور اس کا بچہ اسمٰعیلؑ میری نگاہ کے سامنے نہ رہیں، ان کو علیحدہ کسی جگہ لے جاؤ حضرت ابراہیم کو یہ اصرار بیحد ناگوار گذرا مگر اللہ تعالٰی نے ان کو مطلع کیا کہ ہاجرہ، اسمٰعیل

---

[1] پیدائش باب ۱۶ آیات ۱۵-۱۶ [2] پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸ [3] باب ۱۷ آیت ۲۰

Marfat.com

تیرے لئے مصلحت اسی میں ہے کہ سارہ جو کچھ کہتی ہے اس کو مان لے۔

اور سرہ نے دیکھا ہے کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحٰق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہیم کی نظر میں نہایت بُری معلوم ہوئی، خدا نے ابراہیم سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو، ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی اس کی آواز پر کان رکھ، کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائیگی، اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کردوں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے[1]

توراۃ کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت اسحٰق پیدا ہو چکے تھے اس لحاظ سے حضرت اسمٰعیلؑ سن رشد کو پہنچ چکے ہوں گے کیونکہ توراۃ ہی کی روایت کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰق سے تیرہ سال بڑے ہیں۔

لیکن اسی واقعہ میں توراۃ کی دوسری آیات مسطورۂ بالا آیات کے خلاف یہ کہتی ہیں۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ ابھی شیر خوار بچہ تھے۔

"تب ابراہام نے صبح سویرے اُٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اسکے کاندھے پر دھر کر دی اور اس کے لڑکے کو بھی اور اُسے رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئی اور بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چُک گیا تب اُس نے اُس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈالدیا۔ اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی کیونکہ اس نے کہا کہ میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں[2]۔

اس لئے توراۃ کے ان مخالف و متضاد بیانات کے مقابلہ میں صحیح قول یہ ہو کہ ہاجرہ و اسمٰعیلؑ کے خروج کے وقت اسمٰعیل شیر خوار بچہ تھے اور اسحٰق ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ بھی اسی قول کی تائید کرتی ہے، اس روایت کا مضمون یہ ہے:۔

---

[1] توراۃ پیدائش ۲۱ آیت ۹-۱۳ [2] ایضاً، پیدائش ۲۱ آیت ۱۴-۱۶

Marfat.com

ابراہیم (علیہ السلام) ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچہ اسمٰعیل کو لے کر چلے، اور جہاں آج کعبہ ہے اُس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر اُن کو چھوڑ گئے، وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا، اس لئے ابراہیم نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی اُنکے پاس چھوڑ دیں اور پھر مُنہ پھیر کر روانہ ہو گئے ہاجرہ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں، اے ابراہیم تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غم خوار، ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے، آخر ہاجرہ نے دریافت کیا، کیا خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم نے فرمایا "ہاں" یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلا شبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کریگا، اور پھر واپس لوٹ آئیں، ابراہیم چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل و عیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اُس جانب جہاں کعبہ ہے رُخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِیۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ○ (ابراہیم)

اے ہم سب کے پروردگار! تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل ہو جائیں) اور اُن کے لئے زمین کی پیداوار سے سامانِ رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے شکر گزار رہیں!

ہاجرہ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور خورجی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں، لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں تب وہ سخت پریشان ہوئیں، چونکہ وہ خود بھی پیاسی تھیں اس لئے دُودھ بھی نہ اُترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو ہاجرہ اسمٰعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تاکہ اس حالتِ زار میں اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں، کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے مگر کچھ نظر نہ آیا، پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں

Marfat.com

اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں، اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہ کے پاس آگئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر پہنچ کر فرمایا کہ یہی وہ "سعی بین الصفا والمروۃ" ہے جو حج میں لوگ کرتے ہیں، آخیر میں جب یہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے، کان لگایا تو پھر آواز آئی۔ ہاجرہ کہنے لگیں اگر تم مدد کرسکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سنی گئی، دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرئیل) ہے فرشتہ نے اپنا پیر (یا ایڑی) اس جگہ مارا جہاں زمزم ہے، اُس جگہ سے پانی اُبلنے لگا، ہاجرہ نے یہ دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔

اس جگہ پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُم اسمٰعیل پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اُس کے چار جانب باڑھ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔

ہاجرہ نے پانی پیا اور پھر اسمٰعیل کو دودھ پلایا، فرشتہ نے ہاجرہ سے کہا خوف اور غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھ کو اور اس بچہ کو ضائع نہ کریگا، یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچہ (اسمٰعیل) اور اس کے باپ ابراہیم کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہلاک نہیں کریگا، بیت اللہ کی یہ جگہ قرب کی زمین سے نمایاں تھی مگر پانی کا سیلاب اپنے بائیں اس بلند حصہ کو برابر کرتا جا رہا تھا، اسی دوران میں بنی جرہم کا ایک قبیلہ اس وادی کے قریب آکر ٹھہرا، دیکھا تو تھوڑے فاصلہ پر پرند اُڑ رہے ہیں، جرہم نے کہا یہ پانی کی علامت ہے، وہاں ضرور پانی موجود ہے، جرہم نے بھی قیام کی اجازت مانگی، ہاجرہ نے فرمایا قیام کرسکتے ہو۔ لیکن پانی میں ملکیت کے حصہ دار نہیں ہوسکتے، جرہم نے یہ بات بخوشی منظور کرلی اور وہیں مقیم ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاجرہ خود بھی باہمی انس و رفاقت کے لئے یہ چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آکر مقیم ہو، اس لئے انھوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو قیام کی اجازت دے دی۔

جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہلِ خاندان کو بھی بلالیا اور یہاں مکانات بنا کر رہنے سہنے لگے۔ اُن ہی میں اسمٰعیل بھی رہتے اور کھیلتے اور اُن سے اُن کی زبان سیکھتے، جب اسمٰعیل بڑے ہوگئے تو اُنکا طرز و انداز اور اُنکی خوبصورتی بنی جرہم کو بہت بھائی اور اُنھوں نے اپنے خاندان کی لڑکی سے اُن کی شادی کردی۔

Marfat.com

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہاجرہ کا انتقال ہوگیا، ابراہیم برابر اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آتے رہتے تھے ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسمٰعیل گھر پر نہ تھے اُن کی اہلیہ سے دریافت کیا انھوں نے جواب دیا کہ روزی کی تلاش میں باہر گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا، گذران کی کیا حالت ہے؟ وہ کہنے لگی سخت مصیبت وپریشانی میں ہیں اور سخت دُکھ اور تکلیف میں، ابراہیم علیہ السلام نے یہ سُنکر فرمایا۔ اسمٰعیل سے میرا سلام کہدینا اور کہدینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کردو۔ اسمٰعیل علیہ السلام واپس آئے تو ابراہیم علیہ السلام کے نورِ نبوت کے اثرات پائے پوچھا کوئی شخص یہاں آیا تھا، بی بی نے سارا قصہ سُنایا اور پیغام بھی۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے باپ ابراہیم تھے اور اُن کا یہ مشورہ ہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں، لہذا میں تجھ کو جُدا کرتا ہوں۔

اسمٰعیل نے پھر دوسری شادی کرلی، ایک مرتبہ ابراہیم علیہ السلام پھر اسمٰعیلؑ کی غیبت میں آئے اور اسی طرح اُن کی بی بی سے سوالات کئے، بی بی نے کہا خدا کا شکر واحسان ہے اچھی طرح گذر رہی ہے دریافت کیا کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اسمٰعیل کی بی بی نے جواب دیا گوشت، ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور پینے کو؟ اُس نے جواب دیا، پانی، تب حضرت ابراہیم نے دعا مانگی

اللّٰھمّ بارك لھم فی اللحم والماء اللہ تعالیٰ اُن کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔ اور چلتے ہوئے پیغام دے گئے کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو محفوظ رکھنا حضرت اسمٰعیل آئے تو ان کی بی بی نے تمام واقعہ دُہرایا اور پیغام بھی سُنایا، اسمٰعیل علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ میرے باپ ابراہیم تھے اور اُن کا پیغام یہ ہے کہ تو میری زندگی بھر رفیقۂ حیات رہے۔ (الخ)

یہ طویل روایت بخاری کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں دو جگہ منقول ہے اور دونوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل (علیہ السلام) وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی سرزمین) یعنی مکہ میں بحالت شیر خوارگی پہونچے تھے۔

مگر سید سلیمان ندوی ارض القرآن میں تورات کی روایت کی تردید یا تصحیح کرتے ہوئے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسمٰعیل (علیہ السلام) اُس وقت سنِ رشد کو پہنچ چکے تھے، اور قرآن کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں

Marfat.com

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ .... وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اِسْحٰقَ (صافات)

اے پروردگار عطا کر مجھ کو نیک لڑکا، پس بشارت دی ہم نے اس کو بردبار لڑکے کی، پھر جب پہنچا وہ اس سن کو کہ باپ کے ساتھ دوڑے۔ تو باپ نے کہا، میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، دیکھو تم کیا سمجھتے ہو، بیٹے نے کہا میرے باپ جو حکم کیا گیا ہے کر گزرو مجھے صابر پاؤ گے .... اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت دی جو نبی ہوگا اور نکوکاروں میں سے ہوگا اور اس پر اور اسحٰق پر برکت نازل کی۔

رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراہیم)

اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا ہے اپنی اولاد میں سے بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے محترم گھر کے پاس (اور آخر میں ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (ابراہیم)

سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے بخشا مجھ کو بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق کو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ صافات کی پہلی آیت میں "بلغ معہ السعی" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل (علیہ السلام) سن رشد تک حضرت ابراہیم کے ساتھ رہے اور آخر کی آیت بتاتی ہے کہ اسحٰق (علیہ السلام) اُس وقت پیدا ہو چکے تھے اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اسحٰق (علیہ السلام) سے تیرہ سال بڑے تھے۔

اور سورۂ ابراہیم کی آیتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل جب مکہ میں لائے گئے ہیں تو وہ سن رشد کو پہنچ چکے تھے تب ہی تو ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا میں دونوں کا ذکر فرمایا ہے[1]

اس استدلال کے بعد سید صاحب بخاری کی روایت کو ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر موقوف اور اسرائیلیات سے قرار دیتے ہیں۔ مگر سید صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور نہ اُن کی پیش کردہ آیات سے اس کی تائید نکلتی ہے۔

اوّل۔ اس لئے کہ صافات میں "بلغ معہ السعی" کا یہ مطلب لینا کہ اسمٰعیل (علیہ السلام)

[1] ارض القرآن جلد ۲ ص ۳۴۔۴۴

Marfat.com

حضرت ابراہیم کے زیر سایہ فلسطین ہی میں پرورش پاتے رہے تب صحیح ہو سکتا تھا کہ اس جملہ کے بعد آیت میں کوئی دوسرا جملہ حضرت اسمٰعیل کے مکہ پہنچنے کے متعلق مذکور ہوتا تاکہ ذبح اسمٰعیل کو واقعہ کے ساتھ صحیح جوڑ لگ سکتا، کیونکہ اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے اور سید صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ذبح اسمٰعیل کا واقعہ مکہ کی زندگی سے وابستہ ہے، اور آیت یہ کہتی ہے کہ "جب اسمٰعیل سنِ رشید کو پہنچے تو اُن کے باپ نے اُن سے اپنا رؤیا بیان کیا" پس سید صاحب کی توجیہ کے مطابق اس آیت میں سخت ابہام ہے، حالانکہ قرآن عزیز کے طرزِ خطابت اور اصولِ بیان کے یہ قطعاً خلاف ہے کہ ایک آیت کے اندر اس طرح کا ابہام پیدا کر دے جس سے دو اہم زندگیوں کے درمیان کوئی ربط قائم نہ ہو سکے۔

دوم۔ اس لئے کہ صافات میں اسمٰعیل (علیہ السلام) سے متعلق جس واقعہ کا ذکر ہے وہ "ذبحِ عظیم" کا تذکرہ ہے نہ کہ مکہ پہنچنے کا اور وہ بلاشبہ اسمٰعیل (علیہ السلام) کے سنِ رشد کا زمانہ ہے اور اسحٰق (علیہ السلام) اس وقت پیدا ہو چکے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اگرچہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو مکہ کے بیابان صحرا میں چھوڑ آئے تھے لیکن باپ تھے، نبی و پیغمبر تھے، اہلیہ اور بیٹے کو کیسے بھول سکتے، اور اُن کی نگہداشت سے کیسے بے پرواہ ہو سکتے تھے، وہ برابر اس بے آب و گیاہ صحرا میں آتے رہتے اور اپنے خاندان کی نگرانی کرتے رہتے تھے اور آیت "بلغ معہ السعی" سے یہی مراد ہے لہٰذا اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت کا ذکر بالکل یہ محل ہے خود سید صاحب تورات کے ایک فقرہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> تورات میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم بھی ساتھ آئے تھے لیکن کون شقی ہو گا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اُس نے خود دعا کی ہو جس کے لئے زندگی اُس نے خدا سے مانگی ہو اُس کو تنہا بے آب و گیاہ مقام میں ہمیشہ کے لئے جا لے دے۔[۱]

اسی طرح سورۂ ابراہیم کی آیت میں "عند بیتك المحرم" کے بعد یہ جملہ ہے رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً اے ہمارے پروردگار (میں نے کعبہ کے پاس انکو اسلئے بسایا) تاکہ یہ

[۱] ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۰۔

Marfat.com

مِنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْھِمْ (ابراہیم) کو قائم کریں پس تو لوگوں کو اُن کی طرف پھیر دے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سے متعلق ہے اور آیت کا سیاق وسباق صاف صاف اسی پر دلالت کرتا ہے، اس میں قیامِ صلوٰۃ کا ذکر ہے اس میں حج کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہاں کے بسنے والوں کیلئے رزق کی وسعت کی تمنا جھلکتی ہے اور یہ سب باتیں جب ہی موزوں ہو سکتی ہیں کہ بیت اللہ اپنی تعمیر کے ساتھ موجود ہو، البتہ ابن عباس رضؓ کی روایت میں بھی اس دعا کا ذکر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان کو یہاں چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جو دعا مانگی تھی وہ اسی کے قریب قریب تھی اس لئے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں اس آیت کو بطور استشہاد نقل کر دیا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ بعینہٖ یہی وہ دعا ہے جو اُس وقت انھوں نے مانگی تھی اور اس میں اسحٰق کا بھی ذکر تھا جب ابن عباس (رضی اللہ عنہ) خود روایت کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ اسمٰعیلؑ کی شیر خوارگی کا ہے تو وہ کس طرح یہ کہہ سکتے تھے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اُس وقت ایسی دعا مانگی کہ جس کے آخر میں اسمٰعیلؑ کے ساتھ اسحٰق کی ولادت کا بھی ذکر تھا۔

سوم۔ اس بن کھیتی کی سرزمین "مکہ" کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں شور پانی کے سوائے شیریں پانی کا نام ونشان نہیں ہے اور آج بھی آلاتِ جدیدہ کی اعانت کے باوجود اُس میں سے شیریں پانی کا اخراج ناممکن بنا ہوا ہے تو "زمزم" کا وجود یہاں کیسے ہوا؟ یہ مذہبی اور تاریخی دونوں حیثیت سے اہم سوال ہے، سو اس کے متعلق اگرچہ آیاتِ قرآنی کوئی تصریح نہیں کرتیں، مگر بخاری کی یہی ابنِ عباس والی ہر دو روایات اسکے وجود کی تاریخ بیان کرتی ہیں جن میں حضرت اسمٰعیل کو شیر خوار ظاہر کیا گیا ہے اور تورات میں بھی جس طرح اس کا ذکر ہے وہ اُن ہی آیات میں ہے جو اسمٰعیل کو شیر خوار ظاہر کرتی ہیں۔

بہر حال اگرچہ قرآن عزیز کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسمٰعیل (علیہ السلام) اس سرزمین "مکہ" میں کس سن میں پہنچائے گئے۔ مگر بخاری کی روایات کہتی ہیں کہ یہ زمانہ اسمٰعیل کی شیر خوارگی کا تھا۔ اور یہی صحیح ہے پس ابن عباس کی یہ روایت اسرائیلیات میں سے نہیں ہے بلکہ زبانِ وحی ترجمان

Marfat.com

کے بیان کردہ تفصیلات کی صحیح ترجمانی ہے۔

قرآن عزیز نے حضرت اسمٰعیل کی ولادت کے متعلق ان کا نام لیکر صاف صاف کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ بغیر نام ذکر کیے ہوئے اُن کی ولادت کی بشارت کا ذکر موجود ہے۔

ابراہیم علیہ السلام ابھی تک لاولد ہیں اس لئے درگاہِ الٰہی میں ایک نیک اور صالح فرزند کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا اور ولادتِ فرزند کی بشارت دیتا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اے پروردگار مجھ کو ایک نکوکار لڑکا عطا کر، پس

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (الصّافات) ہم نے اُس کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

"یہ غلام حلیم" کون ہے؟ وہی اسمٰعیل جو ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا، اسلئے کہ قرآنِ عزیز کی اس آیت سے دوسری آیت کے بعد حضرت اسحٰق کی بشارت کا ذکر ہے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اور بشارت دی ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کی جو نکوکاروں

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ (الصّافات) میں سے ہوگا نبی ہوگا اور برکت دی ہم نے اُس پر اور اسحٰق پر

پس جبکہ حضرت ابراہیم کے ابھی دو بیٹے تھے اسمٰعیل اور اسحٰق اور تورات و تاریخ کی متفقہ نقول کے پیشِ نظر اسمٰعیل بڑے ہیں اور اسحٰق چھوٹے تو صاف ظاہر ہے کہ صافات کی پہلی آیت میں جس لڑکے کی بشارت مذکور ہے اس سے حضرت اسمٰعیل کے علاوہ دوسرا کون مراد ہو سکتا ہے؟

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے ہاجرہ و اسمٰعیل کو مکہ میں آباد کیا تھا تو اُن کیلئے دعا کرتے ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ تمام تعریف اُس کے لئے ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (ابراہیم) میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کیے۔

یہ آیت بھی اسی بات کی تصدیق کرتی ہے کہ الصافات کی آیت میں جس بشارت کا ذکر ہے اس سے اسمٰعیل ہی مراد ہیں۔

Marfat.com

ختنہ | جب حضرت ابراہیم کی عمر ننّانوے سال ہوئی اور حضرت اسمٰعیل کی تیرہ سال تو اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ختنہ کرو۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے تعمیل حکم میں پہلے اپنی ختنہ کی اور اسکے بعد اسمٰعیل (علیہ السلام) اور تمام خانہ زادوں اور غلاموں کی ختنہ کرائیں۔

تب ابراہام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زر خریدوں کو یعنی ابراہام کے گھر کے لوگوں میں جتنے مرد تھے سب کو لیا، اور اُسی روز اُن کا ختنہ کیا، جس طرح خدا نے اُسکو فرمایا تھا جس وقت ابراہام کا ختنہ ہوا وہ ننانوے برس کا تھا اور جب اس کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا وہ تیرہ برس کا تھا۔[1]

یہی رسم ختنہ آج بھی ملّتِ ابراہیمی کا شعار ہے اور سنّتِ ابراہیمی کے نام سے مشہور ہے۔

ذبحِ عظیم | مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کیساتھ ہے اُن کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گذرنا پڑتا۔ اور قدم قدم پر جاں سپاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم گروہِ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے اس لئے اُن کو بھی مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، اور اپنی جلالتِ قدر کے لحاظ سے ہر دفعہ امتحان میں کامل و مکمل ثابت ہوئے جب اُن کو آگ میں ڈالا گیا تو اُس وقت جس صبر اور رضاء بہ قضاءِ الٰہی کا انھوں نے ثبوت دیا۔ اور جس عزم و استقامت کو پیش کیا وہ انہی کا حصّہ تھا، اس کے بعد جب اسمٰعیل اور ہاجرہ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا تو وہ بھی معمولی امتحان نہ تھا، آزمائش اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ بڑھاپے اور پیری کی تمناؤں کے مرکز، راتوں اور دنوں کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے چشم و چراغ اسمٰعیل کو صرف حکمِ الٰہی کی تعمیل و امتثال میں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑتے ہیں اور پیچھے پھر کر بھی اُس کی طرف نہیں دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری جوش میں آجائے اور امتثالِ امرِ الٰہی میں کوئی لغزش ہو جائے۔

[1] پیدائش باب ۱۷ آیات ۲۳-۲۵

Marfat.com

ان دونوں کٹھن منزلوں کو عبور کرنے کے بعد اب ایک تیسرے امتحان کی تیاری ہے جو پہلے دونوں سے بھی زیادہ زہرہ گداز اور جاں گسل امتحان ہے یہی حضرت ابراہیم تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابراہیم تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔

انبیاء علیہم السلام) کا خواب "رویاء صادقہ" اور وحی الٰہی ہوتا ہے اسلئے ابراہیم (علیہ السلام) رضاء و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں، مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزء "وہ بیٹا" تھا جسکی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اس لئے باپ نے بیٹے کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا، بیٹا ابراہیم جیسے مجدد انبیاء و رسل کا بیٹا تھا فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگا کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنیکے لئے جنگل روانہ ہو گئے باپ نے بیٹے کی مرضی پاکر مذبوح جانور کی طرح ہاتھ پیر باندھے، چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے، فوراً خدا کی وحی ابراہیم پر نازل ہوئی، اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھلایا، بیشک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اب لڑکے کو چھوڑ اور تیرے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے اسکو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر، ہم نکوکاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں، ابراہیم (علیہ السلام) نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جھاڑی کے قریب ایک مینڈھا کھڑا ہے حضرت ابراہیم نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا

یہی وہ قربانی" ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ہمیشہ کے لئے ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیاء اسلام میں یہ "شعار" اسی طرح منایا جاتا ہے۔

مگر اس پورے واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ذبیح کون ہے۔ اسمٰعیل (علیہ السلام) یا اسحٰق (علیہ السلام)؟

قرآن عزیز نے اگرچہ "ذبیح" کا نام نہیں لیا مگر جس طرح اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اس سے بغیر کسی کنج وکاؤ کے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نص قرآنی اسمٰعیل کو ذبیح بتاتی ہے اور یہی واقعہ اور حقیقت

Marfat.com

والصافات میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى، قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يٰإِبْرٰهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى إِسْحٰقَ (الصافات)

اے پروردگار مجھ کو ایک نکوکار لڑکا عطا کر، پس بشارت دی ہم نے انکو بردبار لڑکے کی۔ پھر جب وہ اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے، ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس تو دیکھ کیا سمجھا ہے کہا اے میرے باپ جس بات کا تو حکم کیا گیا ہے وہ کر، اگر اللہ نے چاہا تو مجھ کو صبر کرنیوالوں میں سے پائیگا، پس جب ان دونوں نے رضاء و تسلیم کو اختیار کرلیا اور پیشانی کے بل اُس (بیٹے) کو پچھاڑ دیا، ہم نے اُس کو پکارا، اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، بیشک ہم اسی طرح نکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں بلاشبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے اور بدلہ دیا ہم نے اُس کو بڑے ذبح (مینڈھے) کے ساتھ اور ہم نے آنے والی نسلوں میں اُس کے متعلق یہ باقی چھوڑا کہ ابراہیم پر سلام ہو، اس طرح ہم نکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہے اور بشارت دی ہم نے اسکو اسحٰق کی جو نبی ہوگا اور نکوکاروں میں سے ہوگا اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحٰق پر۔

ان آیات میں ابراہیم (علیہ السلام) کے دو صاحبزادوں کی بشارت کا ذکر ہے پہلے لڑکے کا نام نہیں لیا اور "غلام حلیم" کہہ کر اُس کے ذبح عظیم کے واقعہ کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد دوسرے لڑکے کی بشارت کا ذکر نام لے کر کیا "بشرنٰہ باسحٰق" اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ابراہیم (علیہ السّلام) کے دونوں صاحبزادوں اسمٰعیل و اسحٰق میں سے اسمٰعیل بڑے ہیں اور اسحٰق چھوٹے پس جبکہ چھوٹے لڑکے کا ذکر بعد کی آیت میں نام لیکر کر دیا گیا تو پہلی آیت میں اسمٰعیل کے علاوہ اور کس کا ذکر ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ وہ اسمٰعیل (علیہ السلام) ہی ہیں جنھوں نے "ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین" کہہ کر اور "وتلہ للجبین"

Marfat.com

کا نمونہ پیش کر کے "وفدینٰہ بذبح عظیم" کا اعزاز حاصل کیا، علاوہ ازیں صرف قرآن عزیز ہی اسمٰعیل کو ذبیح نہیں کہتا بلکہ تورات کی عبارت کو اگر غور سے مطالعہ کیجیے تو وہ بھی یہی بتاتی ہے کہ اسمٰعیل اور صرف اسمٰعیل ہی ذبیح ہیں۔

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اُسے کہا کہ تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جس کو تو پیار کرتا ہے "اضحاق کو لے" اور زمین موریاہ میں جا اور اُسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک جو میں تجھے بتاؤں گا، سوختنی قربانی کے لیے چڑھا۔[1]

تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا اور کہا کہ۔ خداوند فرماتا ہے اسلئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا "اپنا اکلوتا ہی بیٹا" دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔[2]

تورات کی ان ہر دو عبارات کے نشان زدہ فقروں "اپنے اکلوتے بیٹے" اور "اپنا اکلوتا ہی بیٹا" کو دیکھیے اور پھر تورات کی اُن گذشتہ آیات کو پڑھیے کہ جس میں اسمٰعیل (علیہ السلام) کو حضرت ابراہیم کا اکلوتا بیٹا بتایا گیا ہے کیونکہ اسمٰعیل علیہ السلام جب چودہ برس کے ہو چکے ہیں تب اسحٰق (علیہ السلام) کی ولادت ہوئی ہے، کیا ان سے یہ صاف طور سے واضح نہیں ہوتا کہ "ذبیح" جیسے اعزاز کو بنی اسرائیل کے ساتھ وابستہ کرنے کی یہ غلط حرص تھی جس نے یہود کو اس تحریف پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے اس عبارت میں "اکلوتے بیٹے" کے فقرے کے ساتھ "اسحٰق" کا نام بے محل جوڑ دیا؟ پس یہ اضافہ تورات کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اور نصِ قرآنی کے بھی خلاف اور واقعہ و حقیقت کے بھی قطعاً خلاف۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ "ذبیح اللہ" کا عظیم الشان شرف اسمٰعیل (علیہ السلام) ہی کے لئے مقسوم تھا۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہے اسکو دے اور اللہ

---

[1] تورات پیدائش باب ۲۲ آیت ۱-۲ [2] ایضاً باب ۲۲ آیت ۱۵-۱۶

Marfat.com

ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ — بڑے فضل والا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ چند علماءِ اسلام بھی اس غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ "ذبیح" اسمٰعیل نہ تھے، اسحٰق تھے اور جو دلائل انہوں نے اس سلسلہ میں بیان کئے ہیں افسوس کہ ہم ان سے متفق نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کی بنیاد و اساس محض وہم و ظن پر قائم ہے نہ کہ یقین کی روشنی پر۔ مثلاً اُنکی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ "والصّافات" کی مسطورۂ بالا آیات میں سے پہلی آیت "بشرناہ بغلام حلیم" میں کوئی نام مذکور نہیں ہے اور اسکے بعد کی آیات میں اُس کے ذبح سے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا "بشرناہ باسحٰق" تو گویا "غلام حلیم" بھی یہی "اسحٰق" ہیں، خود اندازہ کیجیے کہ یہ کس قدر غلط استدلال ہے اوّل ان آیات کے سیاق و سباق کا مطالعہ کیجئے اور پھر غور کیجئے کہ "وبشرناہ بغلام حلیم" کے بعد "وبشرناہ باسحٰق" کو عطف کے ذریعہ جس طرح جدا کیا گیا ہے عربی اصولِ نحو کے مطابق کونسی گنجائش ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دیا جائے خصوصاً جبکہ دونوں کی بشارت کے ذکر کے ساتھ ساتھ جُدا جُدا اُن کے اوصاف بھی بیان کئے گئے ہیں۔

صاحب قصص الانبیاء عبدالوہاب نجار نے اس موقع پر آیت "وبارکنا علیہ وعلیٰ اسحٰق" میں علیہ کی ضمیر "ذبیح" کی جانب راجع کی ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے "ہم نے برکت نازل کی اس ذبیح پر اور اسحٰق پر" اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت کا ذکر اس بات کیلئے "نص" ہے کہ صاحب قصہ لڑکا اسحٰق کے علاوہ ہے اور وہ صرف اسمٰعیلؑ ہی ہوسکتے ہیں علاوہ ازیں یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا ہے اور تورات کا جملہ "اکلوتا بیٹا" اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ ابھی تک حضرت اسحٰق کی ولادت بھی نہیں ہوئی لہٰذا تورات کا اس واقعہ کو موریا کے قریب بتانا اسی قسم کی تحریف ہے جس سے تورات کا کوئی باب خالی نہیں اور جس کا انکار ہدایت کا انکار ہے [1]

یہ مسئلہ اگرچہ بہت زیادہ تفصیل طلب ہے لیکن ہم نے صرف ضروری امور کے بیان کر دینے پر اکتفا

[1] تحریف کے لئے مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی قدس اللہ سرہٗ کی کتاب "اظہار الحق" قابل مطالعہ ہے۔

Marfat.com

کیا ہے۔

بنائے کعبہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اگرچہ فلسطین میں مقیم تھے مگر برابر مکہ میں ہاجرہ و اسمٰعیل کو دیکھنے آتے رہتے تھے، اسی اثناء میں ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کرو، حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے تذکرہ کیا اور دونوں باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں[2] ایک روایت نقل کی ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ "بیت اللہ" کی سب سے پہلی اساس حضرت آدم (علیہ السلام) کے ہاتھوں رکھی گئی اور ملائکۃ اللہ نے اُن کو وہ مقام بتا دیا تھا جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔ مگر ہزاروں سال کے حوادث نے عرصہ ہوا اُس کو بے نشان کر دیا تھا البتہ اب بھی وہ ایک ٹیلہ یا اُبھری ہوئی زمین کی شکل میں موجود تھا یہی وہ مقام تھا جسکو وحی الٰہی نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بتایا اور انھوں نے اسمٰعیل (علیہ السلام) کی مدد سے اُس کو کھودنا شروع کیا تو سابق تعمیر کی بنیادیں نظر آنے لگیں، انہی بنیادوں پر "بیت اللہ" کی تعمیر کی گئی، مگر قرآن عزیز نے "بیت اللہ" کی تعمیر کا معاملہ حضرت ابراہیم ہی سے شروع کیا ہے اور اس سے قبل حالت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

حاصل یہ کہ اس واقعہ سے قبل تمام کائنات اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں بتوں اور ستاروں کی پرستش کیلئے ہیکل اور مندر موجود تھے اور اُن ہی کے ناموں پر بڑی بڑی تعمیرات کی جاتی تھیں مصریوں کے یہاں سورج دیوتا، آزدریس، ایزیس، حوریس اور بیل دیوتا سب ہی کے مندر تھے اور ہیکل، اشوریوں نے بعل دیوتا کا ہیکل بنایا اور ابوالہول کا مجسمہ بنا کر اسکی جسمانی عظمت کا مظاہرہ کرایا، کنعانیوں نے مشہور قلعہ بعلبک میں اسی بعل کا مشہور ہیکل بنایا تھا جو آج تک یادگار رہتا چلا جاتا ہے، غزہ کے باشندے داجون مچھلی دیبی کے مندر پر چڑھاوے چڑھاتے تھے جس کی شکل انسان کی اور جسم مچھلی کا بنایا گیا تھا، عمونیوں نے سورج دیوتا کے ساتھ عشتارو (قمر) کو دیبی بنا کر پوجا اور اُن کیلئے عظیم الشان ہیکل تیار کئے، فارس نے آگ کی تقدیس کا اعلا

---

[1] اس مسئلہ پر مولانا عبدالحمید صاحب فراہی مرحوم کا رسالہ "الرائے الصحیح فی من ہو الذبیح" بہترین معلومات کا حامل ہے [2] جلد ۸ ص

کر کے آتشکدے تیار کئے، رومیوں نے مسیح اور کنواری مریم کے بُت بنا کر کلیساؤں کو زینت دی اور ہندیوں نے مہاتما بُدھ، شری کرشن، شری رام چندر اور مہادیو کو دیوتا اور اوتار مان کر اور کالی دیوی، سیتلا دیوی، سیتا دیوی، اور پاربتی دیوی ناموں سے ہزاروں بتوں کی پرستش کے لئے کیسے کیسے عظیم الشان مناد تیار کئے۔ ہردوار، پریاگ، کاشی اور پوری جیسے مذہبی مقامات اس کی زندہ شہادتیں ہیں۔

مگر ان سب کے برعکس صرف خدائے واحد کی پرستش اور اس کی یکتائی کے اقرار میں سرِ نیاز جُھکانے کیلئے یا یوں کہئے کہ توحیدِ الٰہی کی سربلندی کے اظہار کیلئے دنیا کے بُت کدوں میں پہلا گھر جو "خدا کا گھر" کہلایا وہ یہی "بیت اللہ" ہے۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بِنا کا

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ ۔۔۔ بیشک سب سے پہلا وہ گھر جو لوگوں کیلئے (خدا کی یاد کیلئے) بنایا گیا البتہ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آلِ عمران) ۔۔۔ وہ ہی جو مکہ میں ہے وہ سراپا برکت ہی جہانوں کیلئے ہدایات (کا سرچشمہ)

اسی تعمیر کو یہ شرف حاصل ہو کہ ابراہیم جیسا جلیل القدر پیغمبر اُس کا معمار ہو اور اسمٰعیل جیسا نبی و ذبیح اُس کا مزدور، باپ، بیٹے برابر اس کی تعمیر میں مصروف ہیں اور جب اُسکی دیواریں اُوپر اُٹھتی ہیں اور بزرگ باپ کا ہاتھ اُوپر تعمیر سے معذور ہو جاتا ہے تو قدرت کی ہدایت کے مطابق ایک پتھر کو پاڑ بنایا جاتا ہے جس کو اسمٰعیل علیہ السلام اپنے ہاتھ سے سہارا دیتے اور ابراہیم علیہ السلام اُس پر چڑھکر تعمیر کرتے جاتے ہیں، یہی وہ یادگار ہے جو آج "مقامِ ابراہیم" کے نام سے موسوم ہے، جب تعمیر اس جگہ پہنچی جہاں آج حجرِ اسود نصب ہے، تو جبرئیل امین نے انکی راہنمائی کی اور "حجرِ اسود" کو انکے سامنے ایک پہاڑی سے محفوظ نکال کر دیا جس کو جنّت کا لایا ہوا پتھر کہا جاتا ہے تاکہ وہ نصب کر دیا جائے

بیت اللہ تعمیر ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو بتایا کہ یہ ملّتِ ابراہیمی کیلئے "قبلہ" اور ہمارے سامنے جھکنے کا نشان ہے، اس لئے یہ توحید کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ تب ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اور انکی ذریت کو اقامتِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی ہدایت دے اور سنّتِ

بخشے اور ان کیلئے پھلوں، میووں اور رزق میں برکت عطا فرمائے اور تمام اقطاعِ عالم کے بسنے والوں میں سے ہدایت یافتہ گروہ کو اس طرف متوجّہ کرے کہ وہ دُور دُور سے آئیں اور مناسکِ حج ادا کریں اور ہدایت و رشد کے اس مرکز میں جمع ہو کر اپنی زندگی کی سعادتوں سے دامن بھریں۔

قرآنِ عزیز نے بیت اللہ کی تعمیر، تعمیر کے وقت ابراہیم و اسمٰعیل کی دعاؤں، اقامتِ صلوٰۃ اور مناسکِ حج کی ادا کیلئے شوق و تمنّا کے اظہار، اور بیت اللہ کے مرکزِ توحید ہونے کے اعلان کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے اور نئے نئے اسلوب و طرزِ ادا سے اُس کی عظمت اور جلالت و جبروت کو ان آیات میں واضح فرمایا ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

(آلِ عمران)

بلاشبہ پہلا گھر جو انسان کیلئے (خدا پرستی کا معبد و مرکز) بنایا گیا ہے، وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام انسانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت اس میں (دینِ حق کی) روشن نشانیاں ہیں۔ از انجملہ مقامِ ابراہیم ہے (یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ، جو اس وقت سے لیکر آج تک بغیر کسی شک و شبہ کے مشہور و معین رہی ہے) اور (از انجملہ یہ بات ہے کہ) جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا، وہ امن و حفاظت میں آگیا اور (از انجملہ یہ کہ) اللہ کی طرف سے لوگوں کیلئے یہ بات ضروری ہوگئی کہ اگر اس تک پہونچنے کی استطاعت پائیں تو اس گھر کا حج کریں۔ باایں ہمہ جو کوئی (اس حقیقت سے) انکار کرے اور اس مقام کی پاکی و فضیلت کا اعتراف نہ کرے) تو یاد رکھو اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (وہ اپنے کاموں کیلئے کسی فرد اور قوم کا محتاج نہیں!)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ

اور پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اس گھر کو (یعنی خانہ کعبہ کو) انسانوں کی گرد آوری کا مرکز اور امن و حرکت کا مقام ٹھہرا دیا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کیلئے) نماز کی جگہ بنا لی جائے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے اُسے طواف

Marfat.com

إِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿﴾ وَإِذْ قَالَ
إِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ
وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا
ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ
النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿﴾
وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيْلُ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿﴾ رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ
رَبَّنَا وَابْعَثْ

کرنے والوں، عبادت کیلئے ٹھہرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے (ہمیشہ) پاک رکھنا (اور ظلم و معصیت کی گندگیوں سے آلودہ نہ کرنا) اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی "اے پروردگار! اس جگہ کو (جو دنیا کی آباد سرزمینوں سے دور اور سرسبزی و شادابی سے یک قلم محروم ہے) امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے' اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں۔ اُن کے رزق کیلئے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے"! اس پر ارشادِ الٰہی ہوا تھا کہ (تمہاری دعا قبول کی گئی اور یہاں کے باشندوں میں سے) جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کریگا، سو اُسے بھی ہم (سروسامان رزق سے) فائدہ اٹھانے دیں گے۔ البتہ یہ فائدہ اٹھانا بہت تھوڑا ہوگا، کیونکہ بالآخر اسے (پاداشِ عمل میں) چار و ناچار دوزخ میں جانا ہے۔ اور (جو بدبخت نعمت کی راہ چھوڑ کر عذاب کی راہ اختیار کرلے، تو کیا ہی بُری اُس کی راہ ہے' اور) کیا ہی بُرا اُس کا ٹھکانا ہے! اور (پھر دیکھو وہ کیسا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیم خانہ کعبہ کی بنیاد چُن رہا تھا اور اسمٰعیل بھی اُس کے ساتھ شریک تھا (اُن کے ہاتھ تو پتھر چُن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا طاری تھی!) "اے پروردگار! (ہم تیرے دو عاجز بندے تیرے مقدس نام پر اس گھر کی بنیاد رکھ رہے ہیں سو) ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو! بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم (یعنی تیرے حکموں کے فرمانبردار) ہو جائیں اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی اُمت پیدا کردے جو تیرے حکموں کی فرماں بردار ہو! خدایا ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتادے' اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے۔

Marfat.com

فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ۝ (البقرہ)
وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ
الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَ
طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي
النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا
وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن
كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ
لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي
أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم
مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا
مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝
ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا
نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ
الْعَتِيقِ ۝ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ
حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ
رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ

جو رحمت سے درگزر کرنیوالی ہے اور جسکی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں! اور خدایا (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول مبعوث ہو جو انہی میں سے ہو، وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے، کتاب اور حکمت کی انھیں تعلیم دے اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے"

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کردی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لئے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں، رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں! اور (حکم دیا کہ) "لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے، لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے یا پیادہ، اور ہر طرح کی سواریوں پر جو (مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی، وہ اس لئے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو جانور پائے ان کیلئے مہیا کر دیئے ہیں، ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم و لباس کا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام اتار دیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانہ قدیم (یعنی خانہ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں"۔ تو دیکھو (حج کی) بات یوں ہوئی اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے، تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں کو چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے تمام چارپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی

Marfat.com

إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (الحج)

سے بچتے رہو، نیز جھوٹ بولنے سے۔ صرف اللہ ہی کے ہوکر رہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، تو اس کا حال ایسا سمجھو، جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گر گئی، اُسے یا تو کوئی پرندہ اُچک لیگا یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جاکر پھینک دیگا! (حقیقت حال) یہ ہے، پس (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی، تو اُس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیزگاری کی باتوں میں سے ہے ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لئے (طرح طرح) کے فائدے ہیں۔ پھر اس خانۂ قدیم تک پہونچا کر اُن کی قربانی کرنی ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ

اور (دیکھو) قربانی کے یہ اونٹ (جنھیں دور دور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ہے، تو ہم نے اُسے ان چیزوں میں سے ٹھہرا دیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بہتری کی بات ہے۔ پس چاہیے کہ اُنہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرو، پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ، اس طرح ہم نے اُن جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ (احسانِ الٰہی کی) شکرگزار رہو۔ یاد رکھو اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اسکے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے، وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے) ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ اللہ کی رہنمائی پر اس کے شکرگذار رہو۔ اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو، اور نیک کرداروں کے لئے

Marfat.com

عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (الحج) (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے۔

اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کا ذکر قرآن عزیز یا احادیث نبوی میں تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، البتہ توراۃ نے اُن کے ناموں کا علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، توراۃ کے قول کے مطابق اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے جو بارہ سردار کہلائے اور عرب کے مستقل قبائل کے جد قبیلہ بنے اور ایک لڑکی تھی جس کا نام بشامہ یا محلاۃ تھا۔

اور ابرہام کے بیٹے اسمٰعیل کا جسے سارہ کی لونڈی مصری ہاجرہ ابرہام کے لیے جنی تھی یہ نسب نامہ ہے

اور اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں مطابق اُن کے ناموں اور نسبوں کی فہرست کے اسمٰعیل کا پہلوٹھا

نبایوت، قیدار، ادبئیل، مبسام، مشماع، دومہ، مسّا، حداد، تیما، یطور، نافیش، قدمہ۔ اسمٰعیل

کے بیٹے یہ ہیں، اور انہی کے نام اُن کی بستیوں اور گڑھوں میں یہ ہیں اور یہ اپنی اُمّتوں کے بارہ رئیس تھے[1]

ان میں سے دو بڑے بیٹے نابت یا نبایوت اور قیدار بہت مشہور ہیں اور انکا ذکر توراۃ میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے، مؤرخین عرب بھی ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہیں، یہی وہ نابت ہیں جن کی نسل اصحاب الحجر کہلائی اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی ان کے علاوہ دوسرے بھائیوں اور ان کے خاندانوں کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

قرآن عزیز میں حضرت اسمٰعیل کا تذکرہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر قرآن عزیز میں متعدد بار ہوا ہے، ان میں سے ایک جگہ صرف اوصاف مذکور ہیں نام مذکور نہیں ہے یہ ذبح عظیم والی آیت ہے اور دو مقام پر اس بشارت کے موقع پر ذکر آیا ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کو بسری اولاد کی بشارت دی گئی ہے اور سورۂ مریم میں اُن کا نام لیکر اُن کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ	اور یاد کر کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر تھا وہ وعدہ کا سچا اور تھا
الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ	رسول نبی، اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (مریم)	تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ۔

حضرت اسمٰعیل کی وفات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر جب ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال کی ہوئی تو آپکا انتقال

[1] ۲۵- آیت ۱۲- ۱۶ پیدائش۔

Marfat.com

ہو گیا۔ اُس وقت ان کے سامنے ان کی اولاد اور نسل کا سلسلہ بہت پھیل گیا تھا جو حجاز، شام عراق، فلسطین اور مصر تک پھیلی۔

توراۃ ایک موقع پر اشارہ کرتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی قبر فلسطین ہی میں ہے[1] اور وہیں اُنکی وفات ہوئی اور عرب مورخین کہتے ہیں کہ وہ اور ان کی والدہ ہاجرہ بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں[2]

---

[1] پیدائش باب ۲۵ [2] تاریخ طبری جلد ۱

Marfat.com

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت سنائی کہ سارہ کے بطن سے بھی تیرے ایک بیٹا ہوگا اُس کا نام اسحٰق رکھنا۔

اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تیری جورو سری جو ہے اُس کو سری مت کہا کر بلکہ اس کا نام سرہ ہے اور میں اُسے برکت دوں گا، اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اُسے برکت دُوں گا کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی اور ملکوں کے بادشاہ اُس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام منہ کے بل گرا اور ہنس کے دل میں کہا کہ کیا سو برس کے مرد کو بیٹا پیدا ہوگا اور کیا سارہ جو نوّے برس کی ہے بیٹا جنے گی؟ اور ابراہیم نے خدا سے کہا کہ کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے کہا کہ بیشک تیری جورو سرہ تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اُس کا نام اضحٰق رکھنا۔[1]

اور قرآن عزیز میں ہے :-

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ

اور بلاشبہ ہمارے ایلچی (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے، انھوں نے ابراہیم کو سلام کیا اور ابراہیم نے سلام کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بچھڑے کا بُھنا گوشت لایا اور جب اس نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھتے تو اُن کو اجنبی محسوس کیا اور اُن سے خوف کھایا وہ کہنے لگے خوف نہ کرو، ہم لوط کی قوم پر (عذاب کے لئے) بھیجے گئے ہیں، اور ابراہیم کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی ہنس رہی تھی پس ہم نے اسکو اسحٰق کی اور اُس کے بعد (اس کے بیٹے) یعقوب کی بشارت دی سارہ کہنے لگی کیا میں نگوڑی بڑھیا جنوں گی اور جبکہ یہ ابراہیم میرا شوہر

[1] باب ۱۷، آیت ۱۵ تا ۱۹۔

Marfat.com

شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۝ قَالُوۡۤا	بوڑھا ہے۔ واقعی یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے
اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ	کہا کیا تو خدا کے حکم پر تعجب کرتی ہے۔ اے اہلِ بیت تم پر خدا
عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ۝ (ہود)	کی رحمت و برکت ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر طرح قابلِ حمد ہے اور بہت بزرگ
فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ	پس محسوس کیا (ابراہیمؑ) اُن سے خوف، وہ (فرشتے) کہنے لگے
وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ۝ فَاَقۡبَلَتِ	خوف نہ کھا اور بشارت دی اس کو ایک سمجھدار لڑکے کی، پس
امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَکَّتۡ وَجۡهَهَا	آئی بی بی (سارہ) ابراہیم کی سخت بے چینی کا اظہار کرتی ہوئی پھر
وَقَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ۝ قَالُوۡا کَذٰلِكِ	پیٹ لیا اُس نے اپنا مُنہ اور کہنے لگی بانجھ بڑھیا (اور بچہ) فرشتوں
قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ۝	نے کہا تیرے پروردگار نے یہی کہا ہے، ایسا ہی ہوگا وہ
(الذاریات)	دانا ہے حکمت والا۔
قَالَ اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ ۝ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ	ابراہیم نے کہا بیشک مجھ کو تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِیۡ	فرشتوں نے کہا ہم سے نہ ڈر بلاشبہ ہم تجھ کو ایک سمجھ دار لڑکے کی
عَلٰۤی اَنۡ مَّسَّنِیَ الۡکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ۝	بشارت دینے آئے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو اس بڑھاپا آجانے
قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ	پر بھی بشارت دیتے ہو، یہ کیسی بشارت دے رہے ہو؟ فرشتوں نے
الۡقٰنِطِیۡنَ ۝ قَالَ وَمَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ	کہا ہم تجھ کو حق بات کی بشارت دے رہے ہیں پس تو نا اُمید ہونے
رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ۝	والوں میں سے نہ ہو، ابراہیم نے کہا اور نہیں نا اُمید ہوتے
(حجر)	اپنے پروردگار کی رحمت سے مگر گمراہ۔

ختنہ جب حضرت اسحٰق آٹھ دن کے ہوئے تو حضرت ابراہیم نے اُن کی ختنہ کرا دیں۔

اور ابراہام نے جیسا کہ خدا نے اُسے حکم دیا تھا اپنے بیٹے اضحاق کا جب وہ آٹھ دن کا ہوا ختنہ کیا۔[1]

اسحٰق اصل تلفظ کے اعتبار سے "یضحق" ہے، یہ عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ "یضحک" (ہنستا) ہوتا ہے

خدا کے فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم کو سو برس اور حضرت سارہ کو نوّے سال کے سن میں بیٹا ہونے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیم نے اچنبھا سمجھا تھا اور حضرت سارہ کو بھی یہ سُن کر

[1] توراۃ باب ۲۱ آیت ۴

Marfat.com

ہنسی آگئی تھی اس لئے اُن کا یہ نام تجویز ہوا، یا اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ اُن کی پیدائش حضرت سارہ کی مسرت و شادمانی کا باعث ہوئی۔

عربی قاعدہ سے "یضحک" مضارع کا صیغہ ہے اہلِ عرب کا ہمیشہ سے ہی یہ دستور رہا ہے کہ وہ مضارع کے صیغوں کو بھی بطور نام کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ یعرب، یملک جیسے نام عرب میں معروف و مشہور ہیں۔

اسحٰق علیہ السلام کی شادی

قرآنِ عزیز میں اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ تورات میں اس سلسلہ میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خانہ زاد الیعزر دمشقی سے فرمایا کہ میں یہ طے کر چکا ہوں کہ اسحاق کی شادی فلسطین کے ان کنعانی خاندان میں ہرگز نہ کروں گا بلکہ میری یہ خواہش ہے کہ میں اپنے خاندان اور باپ دادا کی نسل میں اس کا رشتہ کروں اس لئے تو سامان لے کر جا اور فدّان آرام میں میرے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کو یہ پیغام دے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اسحٰق سے کر دے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو اُس سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں اسحٰق کو اپنے پاس سے جدا کرنا نہیں چاہتا لہٰذا لڑکی کو تیری ساتھ رخصت کر دے۔ الیعزر حضرت ابراہیم کے حکم کے مطابق فوراً آرام کو روانہ ہو گیا، جب آبادی کے قریب پہنچا تو اپنے اونٹ کو بٹھایا تاکہ حالات معلوم کرے۔ الیعزر نے جس جگہ اونٹ بٹھایا تھا اُسی کے قریب حضرت ابراہیم کے بھائی بتوئیل کا خاندان آباد تھا۔ ابھی یہ اس میں مشغول تھا کہ سامنے ایک حسین لڑکی نظر آئی جو پانی کا گھڑا بھر کر مکان کو لئے جا رہی تھی، الیعزر نے اُس سے پانی مانگا، لڑکی نے اس کو بھی پانی پلایا اور اس کے اونٹ کو بھی اور پھر حال دریافت کیا۔ الیعزر نے بتوئیل کا پتہ دریافت کیا۔ لڑکی نے کہا کہ وہ میرے باپ ہیں اور الیعزر کو مہمان بنا کر لے گئی، مکان پر پہنچ کر اپنے بھائی لابان کو اطلاع دی، لابان نے الیعزر کی بیحد مدارات کی اور آمد کی وجہ دریافت کی، الیعزر نے حضرت ابراہیم کا پیغام سنایا۔ لابان کو اس پیغام سے بیحد مسرت ہوئی اور اس نے بہت ساز و سامان دے کر اپنی بہن "رفقہ" کو الیعزر کے ہمراہ

Marfat.com

رخصت کر دیا۔

حضرت اسحٰقؑ کی اولاد | رفقہ سے حضرت اسحٰق کے توأم دو لڑکے علی الترتیب عیسو اور یعقوب پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسحٰق کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اسحٰق علیہ السلام عیسو کو زیادہ چاہتے تھے اور رفقہ یعقوب سے زیادہ پیار رکھتی تھیں، عیسو شکاری تھا اور بوڑھے ماں باپ کو شکار کا گوشت لاکر دیتا تھا اور یعقوب خیمہ میں ہی رہتا تھا۔

ایک روز عیسو تھکا ماندہ آیا اور یعقوب سے کہنے لگا میں ماندہ ہوں اور آج شکار بھی ہاتھ نہ آیا تو اپنے کھانے مسور اور لپسی میں سے مجھے بھی کچھ دے۔ یعقوب نے کہا کہ فلسطینیوں کا یہ دستور ہے کہ میراث بڑے لڑکے کو ملتی ہے اس لئے باپ کا وارث تو ہوگا اگر تو اس حق سے دست بردار ہو جائے تو میں تجھ کو کھانا کھلاؤں گا، عیسو نے کہا مجھے اس میراث کی کوئی پرواہ نہیں تو ہی وارث ہو جانا تب یعقوب نے عیسو کو کھانا کھلایا۔

ایک مرتبہ حضرت اسحٰق نے (جبکہ بہت بوڑھے اور ضعیف البصر ہو گئے تھے) یہ چاہا کہ عیسو کو برکت دیں، اور اس سے کہا کہ جا شکار کر کے لا اور عمدہ کھانا پکا کر میرے سامنے پیش کر رفقہ نے یہ سنا تو دل سے چاہا کہ یہ برکت یعقوب کو ملے، فوراً یعقوب کو بلا کر کہا کہ جلدی عمدہ کھانا تیار کرکے باپ کے سامنے لیجا اور دعاءِ برکت کا طالب ہو، یعقوب نے نام بتائے بغیر ایسا ہی کیا اور اسحٰق سے دعاءِ برکت حاصل کر لی، جب عیسو آیا اور اس نے سب قصہ سنا تو انتہائی ناگواری محسوس کی اور یعقوب سے کینہ رکھنے لگا۔ تب رفقہ نے یعقوب کو رائے دی کہ وہ یہاں سے اپنے ماموں لابان کے پاس کچھ دنوں کیلئے چلا جائے۔ یعقوب ماموں کے یہاں پہنچا اور وہیں کچھ مدت گزاری اور یکے بعد دیگرے لابان کی دونوں لڑکیوں لئیہ اور راحیل سے شادی کر لی[1]

یہ روایت اگرچہ اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت زیادہ ناقابلِ اعتماد ہے اور اس میں جو اخلاقی زندگی پیش کی گئی ہے وہ تورات کی دوسری محرف روایات کی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاندان کے شایانِ شان بھی نہیں ہے مگر اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی شادی

[1] پیدائش باب ۲۴ آیات ۱-۶۵۔

Marfat.com

اُن کے ماموں کے یہاں ہوئی اور وہ ایک عرصہ تک اُن کے پاس رہے۔

اور عیسو بھاگ کر اپنے چچا اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور وہاں اُنکی صاحبزادی بشامہ یا باسمہ یا محلاۃ (جو بھی نام صحیح ہو) سے شادی کرلی، اور ان کے علاوہ بھی شادیاں کیں اور اپنے خاندان کو لے کر سعیر (یا ساعیر) کو اپنا وطن بنا لیا اور یہاں ادوم کے نام سے مشہور ہوئے اور اس لیئے اُن کی نسل بنی ادوم کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت ابراہیمؑ اور حق الیقین کی طلب

گذشتہ سطور میں چونکہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق (علیہما السلام) کا ذکر آگیا تھا اسلیئے اُن سے متعلق واقعات کو تفصیل سے بیان کر دینا مناسب سمجھا گیا تاکہ واقعات کے تسلسل میں انتشار پیدا نہ ہو، نیز یہ واقعات بھی درحقیقت حضرت ابراہیم ہی کی زندگی سے متعلق ہیں اسلیئے انکا تذکرہ بے محل نہیں ہے، اب حضرت ابراہیم کے باقی حالات قابل توجہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق اشیاء کی جستجو اور طلب کا طبعی ذوق تھا۔ اور وہ ہر شے کی حقیقت تک پہنچنے کی سعی کو اپنی زندگی کا خاص مقصد سمجھتے تھے تاکہ اُن کے ذریعہ ذات واحد "اللہ جل جلالہ" کی ہستی، اُس کی وحدانیت، اور اس کی قدرت کاملہ کے متعلق علم الیقین کے بعد حق الیقین حاصل کریں۔

آزر، جمہور اور نمرود کے ساتھ مناظروں میں اُن کے اس طبعی ذوق کا بخوبی پتہ چلتا ہے، اس لیئے حضرت ابراہیم نے "حیات بعد الممات" یعنی مرجانے کے بعد جی اُٹھنے کے متعلق خدائے تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ کس طرح ایسا کریگا؟ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا، اے ابراہیم کیا تم اس مسئلہ پر یقین و ایمان نہیں رکھتے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فوراً جواب دیا، کیوں نہیں میں بلا توقف اُس پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میرا یہ سوال ایمان و یقین کیخلاف اس لیئے نہیں ہے کہ میں علم الیقین کیساتھ ساتھ عین الیقین اور حق الیقین کا خواستگار ہوں، میری تمنا یہ ہے کہ تو مجھ کو آنکھوں سے مشاہدہ کرا دے کہ "حیات بعد الممات" کی شکل کیا ہوگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم کو اس کے مشاہدہ کی طلب ہے تو چند پرند لو، اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے

Marfat.com

پہاڑ پر ڈال دو، اور پھر فاصلہ پر کھڑے ہو کر انکو پکارو، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ایسا ہی کیا جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اُن کو آواز دی تو اُن سب کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر فوراً اپنی اپنی شکل پر آ گئے اور زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اُڑتے ہوئے چلے آئے۔ سورۂ بقرہ میں اس واقعہ کو اس معجزانہ بلاغت کیساتھ بیان کیا گیا ہے:

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ	(یاد کر) جب ابراہیم نے کہا، اے میرے پروردگار مجھے دکھلا تو
الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى	کس طرح مُردوں کو زندہ کردے گا۔ کہا، کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟
وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً	کہا، کیوں نہیں لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں، کہا، پس چار
مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ	پرندے پھر انکو اپنے ساتھ مانوس کر پھر رکھدے ہر ہر پہاڑ پر
عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ	ان کے جزء جزء ڈال کر، پھر ان کو بلا وہ آئیں گے تیرے پاس دوڑتے
ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ	ہوئے اور تو جان بے شک اللہ تعالیٰ غالب
اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (البقرہ)	ہے حکمت والا۔

سلف صالحین سے ان آیات کی تفسیر یہی ثابت ہے اور بعض روایاتِ حدیثی بھی اسکی تائید کرتی ہیں، اس لئے جن حضرات نے اس مسئلہ کی غرابت کے پیشِ نظر ان آیات میں طرح طرح کی تاویلات کر کے دُور از کار باتیں بیان کی ہیں وہ ناقابلِ التفات ہیں، ہم اس سے قبل واضح کر چکے ہیں کہ جس طرح یہ راہ غلط ہے کہ ہر موقعہ پر اچنبھوں اور عجوبہ کاریوں کی داستان سرائی اور رطب و یابس روایات کے اعتماد پر بے اصل باتوں پر یقین کیا جائے اسی طرح یہ بھی گمراہی کی راہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے متعلق جن خوارقِ عادات (معجزات) کا ذکر نصوصِ قرآنی اور صحیح روایات سے معلوم ہو جائے اُن کا بھی اس لئے انکار کیا جائے یا باطل تاویلات گھڑی جائیں کہ مدعیانِ عقل و فلسفہ (مادیین) ہمارے اس یقین و علم پر ٹھٹھا کریں گے اور اس کا مذاق اُڑائیں گے۔

قطورہ | حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ ایک

Marfat.com

اور شادی کی تھی ان بی بی کا نام قطورہ تھا، اُن کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام کے چھ[6] بیٹے پیدا ہوئے۔

اور ابراہیم نے ایک اور جورو کی جس کا نام قتورہ تھا اور اس سے زمران، یقسان، مدان، مدیان یشباق اور شوحا پیدا ہوئے اور یقسان سے صبا اور دُدان پیدا ہوئے، اور اُن کے فرزند اسوری اور لطوسی اور لومی تھے اور مدیان کے فرزند عیفہ، عفر، حنوک، ابیداع اور دعا تھے، یہ سب بنی قطورہ تھے[1]

"مدین یا مدیان" کی نسل نے اپنی آبادی اپنے باپ کے نام پر مدین کے نام سے بسائی اور یہ اصحاب مدین کہلائے اور حضرت ابراہیم کے پوتے ودان کی نسل اصحاب الایکہ نام سے مشہور ہوئی یہی اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ دو[2] قومیں ہیں جن میں ہدایت سعادت کی پیغامبری کیلئے حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ یہ قتادہ کی روایت اور مؤرخین حاضر کی تحقیق ہے، اس کیخلاف حافظ ابن کثیر اصحاب مدین و ایکہ کو ایک ہی تسلیم کرتے ہیں اور یہی تحقیق راجح ہے تفصیل حضرت شعیبؑ کے واقعہ میں آئے گی۔

---

[1] پیدائش ۲۵۔ آیت ۱-۴۔

Marfat.com

حضرت لوط علیہ السلام

لوط و ابراہیمؑ | صفحات گزشتہ میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے برادر زادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران تھا، حضرت لوط کا بچپن حضرت ابراہیم ہی کے زیر سایہ گذرا اسی لئے وہ اور حضرت سارہ "ملت ابراہیمی" کے پہلے مسلم اور "السابقون الاولون" میں داخل ہیں۔

فَاٰمَنَ لَہٗ لُوْطٌ وَّقَالَ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ — پس ایمان لایا لوط ابراہیم (کے دین) پر اور کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی جانب۔

یہ اور ان کی بی بی حضرت ابراہیم کی ہجرتوں میں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم مصر میں تھے تو اس وقت بھی یہ ہم سفر تھے۔

تورات میں ہے کہ مصر کے قیام میں چونکہ دونوں کے پاس کافی سازوسامان تھا اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ تھے اس لئے ان کے چرواہوں اور محافظوں کے درمیان بہت زیادہ کشمکش رہتی تھی حضرت ابراہیم کے چرواہے چاہتے تھے کہ اس چراگاہ اور سبزہ زار سے پہلے ہمارے ریوڑ فائدہ اٹھائیں اور حضرت لوط کے چرواہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے حضرت لوط سے مشورہ کیا، اور دونوں کی صلاح سے یہ طے پایا کہ باہمی تعلقات کی خوشگواری اور دائمی محبت والفت کی بقا کیلئے ضروری ہے کہ حضرت لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عمورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کرتے اور حضرت ابراہیم کی رسالت کا پیغام حق سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم و تبلیغ کو سربلند کریں۔

سدوم | اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے، یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم

Marfat.com

اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں، اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصّہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اُس پر شہر آباد تھے، سدوم و عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں، یہ مقام شروع سے بحر نہ تھا جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا، اسی لئے اُس کا نام بحرِ میّت اور بحرِ لوط ہے[1]۔

یہ صحیح ہو یا غلط بہر حال یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحرِ میّت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جو قوم لوط کے عذاب سے موسوم ہے اور جو گذشتہ دو[2] سال کی اثری تحقیق نے بحرِ میّت کے ساحل پر لوطؑ کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ہویدا کر کے اُس علم و یقین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے جس کا اعلان ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآنِ عزیز نے کر دیا تھا۔

قوم لوط

لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان، الحفیظ، دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں جو ان میں پائی جاتی ہو، دنیا کی سرکش، متمرد اور بد اخلاق بد اطوار اقوام کے دوسرے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے وہ عورتوں کی بجائے مرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اُس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا، یہی بدبخت قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اس عمل کا نام "لواطت" مشہور ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ شرارت، خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے، اور علی الاعلان فخر و مباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ

اور لوط کا واقعہ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے فحش کام میں مشغول ہو جس کو دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا یہ کہ بلاشبہ تم عورتوں کی بجائے اپنی شہوت کو مردوں سے

[1] بستانی جلد ۹ ص ۵۳۷

Marfat.com

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (اعراف) پوری کرتے ہو، یقیناً تم حد سے گزرنے والے ہو۔

عبدالوہاب بخار کہتے ہیں کہ میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہو کہ اہلِ سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا، اور تاجر بیچارہ حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا۔ اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا۔ لو تمہاری یہ چیز موجود ہے، وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ میں اس کو لیکر کیا کروں گا، جہاں میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی، جا تو ہی اپنے پاس رکھ، جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا۔ اور سوداگر رنج و غم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا۔ اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

اُسی کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی نقل کیا ہو کہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک مرتبہ حضرت لوطؑ کی عافیت و خبر معلوم کرنے کیلئے اپنے خانہ زاد الیعزر دمشقی کو سدوم بھیجا، یہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر کھینچ مارا، الیعزر کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر کی وجہ سے یہ تیرا سر سرخ ہوا ہے لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر، اور اس مطالبہ کیلئے کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا، حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ بیشک الیعزر کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہیئے۔ الیعزر یہ سن کر غصہ میں آگیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی جو اجرت ہو وہ تو اس سدومی کو دیدینا اور یہ کہہ کر وہاں سے

Marfat.com

بھاگ گیا[1]

یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط لیکن ان سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہلِ سدوم اس قدر ظلم، فحش، بے حیائی بد اخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اُس زمانہ کی قوموں میں اُن کی جانب اس قسم کے واقعات منسوب کئے جاتے تھے۔

حضرت لوط اور تبلیغ حق

ان حالات میں حضرت لوطؑ نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی کی رغبت دلائی اور حسن خطابت، لطافت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہو سکتے تھے اُن کو سمجھایا اور موعظت و نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی، مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ پڑا، بلکہ اُس کا یہ اُلٹا اثر ہوا کہ کہنے لگے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ○ (اعراف)

لوط کی قوم کا جواب اس کے سوائے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے ان (لوط اور اس کے خاندان) کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ بے شک بہت ہی پاک لوگ ہیں۔

"بیشک یہ پاک لوگ ہیں" قوم لوط کا یہ مذاقیہ فقرہ تھا، گویا حضرت لوطؑ اور اُنکے خاندان پر طنز کرتے اور اُن کا ٹھٹھا اُڑاتے تھے کہ بڑے پاک باز ہیں، ان کا ہماری بستی میں کیا کام یا ناصحِ مشفق کی مربیانہ نصیحت سے غیظ و غضب میں آکر کہتے تھے کہ اگر ہم ناپاک اور بے حیا ہیں اور وہ بڑے پاکباز ہیں تو اُن کا ہماری بستی میں کیا کام اُن کو یہاں سے نکالو۔

حضرتِ لوطؑ نے پھر ایک مرتبہ بھری محفل میں اُن کو نصیحت کی اور فرمایا تم کو اتنا بھی احساس نہیں رہا کہ یہ سمجھ سکو کہ مردوں کیساتھ بے حیائی کا تعلق، لوٹ مار، اور اسی قسم کی بداخلاقیاں بہت بُرے اعمال ہیں، تم یہ سب کچھ کرتے ہو اور بھری محفلوں اور مجلسوں میں کرتے ہو اور شرمندہ ہونے کے بجائے بعد میں انکا ذکر اس طرح سُناتے ہو کہ گویا یہ کارنمایاں ہیں جو تم نے انجام دیئے ہیں

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ — کیا تم ہی وہ نہیں ہو کہ تم مردوں سے بدعملی کرتے، لوگوں کی راہ مارتے

[1] ص ۱۴۶ -

Marfat.com

السَّبِیْلَ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ (عنکبوت) اور اپنی مجلسوں میں اور اہل و عیال کے روبرو فواحش کرتے ہو۔
قوم نے اس نصیحت کو سنا تو غم و غصہ سے تلملا اٹھی اور کہنے لگی: لوط: بس یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کر اور اگر ہمارے ان اعمال سے تیرا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لاکر دکھا جس کا ذکر کرکے بار بار ہم کو ڈراتا ہے۔ اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو بس اب ہمارا تیرا فیصلہ ہو جانا ضروری ہے۔
فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (عنکبوت) پس اُس (لوط) کی قوم کا جواب اس کے سوائے کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔

حضرت ابراہیم اور ملائکۃ اللہ
ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کیساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنگل میں سیر کر رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ تین اشخاص سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت ابراہیم نہایت متواضع اور مہماں نواز تھے اور ہمیشہ اُن کا دسترخوان مہمانوں کے لئے وسیع تھا، اس لئے ان تینوں کو دیکھ کر وہ بیحد مسرور ہوئے اور اُن کو اپنے گھر لے گئے اور بچھڑا ذبح کرکے کلیجے بنائے اور اُن کو بھون کر مہمانوں کے سامنے پیش کئے۔ مگر انھوں نے کھانے سے انکار کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے سمجھا کہ یہ کوئی دشمن ہیں جو حسب دستور کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اور کچھ خائف ہوئے کہ آخر یہ کون ہیں؟
مہمانوں نے جب حضرت ابراہیم کا اضطراب دیکھا تو اُن سے ہنسکر کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں، اس لئے سدوم جا رہے ہیں۔
جب حضرت ابراہیم کو اطمینان ہو گیا کہ یہ دشمن نہیں ہیں بلکہ ملائکۃ اللہ ہیں تو اب اُن کی رقت قلب، جذبۂ ہمدردی اور محبت و شفقت کی فراوانی غالب آئی اور انھوں نے قوم لوط کی جانب سے جھگڑنا شروع کر دیا اور فرمانے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے برباد کرتے جا رہے ہو جس میں لوط جیسا خدا کا برگزیدہ نبی موجود ہے، اور میرا برادر زادہ بھی ہے، اور ملت حنیف کا پیرو بھی، فرشتوں نے کہا، ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی، بدعملی، بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک کی جائیگی، اور لوط اور اُس کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہے گا، البتہ

Marfat.com

لوطؑ کی بیوی قوم کی حمایت اور ان کی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں شرکت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب پائے گی۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ (ہود)

پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کو ہماری بشارت (ولادت اسحٰق) کی پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگا، بیشک ابراہیم بُردبار، غمخوار، رحیم ہے، اے ابراہیم اس معاملہ میں نہ پڑ بلاشبہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے اور بلاشبہ ان پر عذاب آنے والا ہے، جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ (الذاریات)

ابراہیم نے کہا "اے خدا کے بھیجے ہوئے فرشتو تم کس لیے آئے ہو؟ انھوں نے کہا" ہم مجرم قوم کی جانب بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر پتھروں کی بارش کریں یہ نشان کردیا گیا ہے تیرے رب کی جانب سے حد سے گزرنے والوں کیلیے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (عنکبوت)

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے بشارت لے کر آئے لگے بیشک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس (سدوم) قریہ کے بسنے والوں کو بلاشبہ اس کے باشندے ظالم ہیں، ابراہیم نے کہا کہ اس بستی میں تو لوط ہے فرشتوں نے کہا ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں آباد ہیں۔ ہم البتہ لوط کو اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے، مگر اس کی بی بی کو نہیں کہ وہ بھی بستی میں رہ جانے والوں کے ساتھ ہے۔

غرض حضرت لوطؑ کے ابلاغ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قوم پر مطلق کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بداخلاقیوں پر اسی طرح مصر رہی حضرت لوطؑ نے یہاں تک غیرت دلائی کہ تم میں کوئی ... کو نہیں سوچتے کہ میں رات دن جو اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت و پیغام کیلیے تمہارے ...

Marfat.com

حیران و سرگرداں ہوں کیا کبھی میں نے تم سے اس سعی و کوشش کا کوئی ثمرہ طلب کیا، کیا کوئی اجرت مانگی، کبھی نذر و نیاز کا طالب ہوا؟ میرے پیش نظر تو تمہاری دینی و دنیوی سعادت و فلاح کے سوائے اور کچھ بھی نہیں ہے، مگر تم ہو کہ مطلق توجہ نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء)

جھٹلایا قوم لوط نے پیغمبروں کو جب کہ کہا ان کے بھائی لوط نے کیا تم نہیں ڈرتے، بیشک میں تمہارے لیے پیغامبر ہوں امانت والا پس اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو، اور میں تم سے (اس نصیحت پر) اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ رب العالمین کے سوائے کسی کے پاس نہیں ہے۔

مگر ان پر اس کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور وہ حضرت لوط کو "اخراج" اور سنگساری کی دھمکیاں دیتے رہے جب نوبت یہاں تک پہنچی اور ان کی سیہ بختی نے کسی طرح اخلاقی زندگی پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ تب ان کو بھی وہی پیش آیا۔ جو خدا کے بنائے ہوئے قانون جزا کا یقینی اور حتمی فیصلہ ہے۔ یعنی بدکرداریوں پر اصرار کی سزا بربادی و ہلاکت۔ غرض ملائکۃ اللہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے روانہ ہو کر سدوم پہنچے اور لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے۔ یہ اپنی شکل و صورت میں حسین و خوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی حیثیت میں تھے حضرت لوط نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور ڈرے کہ بدبخت قوم میری ان مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کریگی۔ کیونکہ ابھی تک ان کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں۔

ابھی حضرت لوط اسی حیص بیص میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ تم ان کو ہمارے حوالہ کرو حضرت لوط نے بہت سمجھایا اور کہا کیا تم میں کوئی بھی "رجل رشید" نہیں ہے کہ وہ انسانیت کو برتے اور حق کو سمجھے؟ تم کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو، اور خواہشات نفس کے ایفا کیلیے فطری طریق عمل کو چھوڑ کر اور حلال

Marfat.com

طریقہ سے عورتوں کو رفیقۂ حیات بنانے کی جگہ اس ملعون بے حیائی کے درپے ہو، اے کاش میں "رکن شدید" کی زبردست حمایت کو حاصل کر سکتا۔

حضرت لوطؑ کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا، آپ ہماری ظاہر صورتوں کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں ہم ملائکہ عذاب ہیں اور خدا کے قانون "جزائے اعمال" کا فیصلہ ان کے حق میں اٹل ہے وہ اب انکے سر سے ٹلنے والا نہیں، آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا، مگر آپ کی بیوی اُن ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور تمہارا ساتھ نہ دیگی۔

آخر عذاب الٰہی کا وقت آپہونچا ابتداء شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوطؑ اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم سے رخصت ہوگئے اور اُن کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کردیا اور راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم واپس آگئی، آخر شب ہوئی تو اوّل ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ وبالا کردیا اور پھر آبادی کا تختہ اُوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گذشتہ قوموں کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝	اور پھر جب ایسا ہوا کہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندان لوطؑ کے پاس پہنچے تو اس
قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا	نے کہا "تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو" انھوں نے کہا "نہیں یہ بات نہیں ہے ب
بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝	ہم تمہارے پاس وہ بات لیکر آئے ہیں، جس میں لوگ شک کیا کر
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ	تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) ہمارا آنا ایک
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ	امرِ حق کے لئے ہے اور ہم اپنے بیان میں سچے ہیں، پس چاہئے کہ کچھ رات
وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ	اپنے گھروں کے لوگوں کو لیکر نکل جاؤ اور اُن کے پیچھے قدم اٹھاؤ اور
مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝	کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ	اُسی طرف رخ کئے چلے جائیں" غرضکہ ہم نے لوطؑ پر حقیقت حال واضح
دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝	کردی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشند

Marfat.com

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا
اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ
هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِىْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝
(الحجر)

شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوئے اُکھڑ جانے والی ہے اور اس اثناء میں (ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے، لوط نے کہا دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو۔ تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟ انھوں نے کہا کیا ہم نے تجھے اس بات سے نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو لیکن اپنے یہاں ٹھہراؤ" لوط نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو میری بیٹیاں (کھڑی) ہیں (یعنی باشندگانِ شہر کی بیویاں جنکی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے تھے) اُنکی طرف ملتفت ہو (تب فرشتوں نے لوط سے کہا) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں) غرضکہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا، پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی اُن پر بارش کی بلاشبہ اس واقعہ میں اُن لوگوں کیلئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ
بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ
هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ
قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۝ وَمِنْ
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۝
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ
اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ۝ اَلَيْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ اُن کے آنے سے خوش نہ ہوا اور اُن کی موجودگی نے اُسے پریشان کر دیا، وہ بولا "آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے" اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنےکی خبر سُن کر) دوڑتے ہوئے آئے وہ پہلے سے بُرے کاموں کے عادی ہو رہے تھے۔ لوط نے اُن سے کہا "لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں جنھیں وہ اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتا تھا، اور جنھیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لئے جائز اور پاک ہیں، پس (ان کی طرف ملتفت ہو، دوسری بات کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟" ان لوگوں نے کہا "تجھے

Marfat.com

مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ
اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ
لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ
اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ
اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْۤا
اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ
مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا
مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝
مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اور تو اچھی
طرح جانتا ہے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔" لوط نے کہا "کاش تمہارے مقابلہ
کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی اور سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا" (تب ...
مہمانوں نے کہا "اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے
ہیں (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ پاسکیں گے تو یوں
کر کہ جب رات کا ایک حصہ گذر جائے تو اپنے گھر کے آدمیوں کو ساتھ لیکر نکل
چل اور تم میں سے کوئی ادھر اُدھر نہ دیکھے (یعنی کسی بات کی فکر نہ کرے) مگر ہاں
تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں، وہ پیچھے رہ جائے گی، اور) جو کچھ ان
لوگوں پر گذرتا ہے وہ اس پر بھی گذرے گا۔ ان لوگوں کے لیے عذاب کا
مقررہ وقت صبح کا ہے، اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں" پھر جب ہماری (...
ہوئی) بات کا وقت آپہنچا تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس (بستی) کی تمام بلندی
پستی میں بدل دی (یعنی بستی کو الٹ دیا اور زمین کی برابر کر دیا) اور ...
پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے تاکہ تیرے پروردگار ...
حضور (اس غرض سے) نشانی کیے ہوئے تھے۔ یہ (بستی) ان ظالموں ...
(یعنی اشرار مکہ سے) کچھ دور نہیں ہے۔ (یہ اپنی سیر و سیاحت میں ہاں سے گذ...
رہتے ہیں۔ اور اگر چاہیں، تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)

(ہود)

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا
فِی الْغٰبِرِيْنَ ۚ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝
وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو
مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں۔ پھر اٹھا مارا ہم نے
ان دوسروں کو اور برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا
بُرا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا، البتہ اس بات میں نشانی ہے
اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

Marfat.com

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الشعراء) زبردست رحم والا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (التحریم)

اللہ نے بتلائی ایک مثال منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی۔ گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے۔ پھر انھوں نے ان سے خیانت کی پھر وہ کام نہ آئے ان کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ۔

مسائل: (۱) مسطورۂ بالا آیات میں حضرت لوطؑ کے یہ مقولے مذکور ہیں "هٰٓؤُلَاۤءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ" "هٰٓؤُلَاۤءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ" یعنی حضرت لوطؑ نے قوم کی چڑھائی اور مہمانوں سے متعلق مطالبہ سے تنگ آ کر یہ فرمایا کہ "تم ان سے کچھ تعرض نہ کرو اگر ایسی خواہش ہی ہے تو "یہ میری بیٹیاں موجود ہیں تمہارے لئے پاک ہیں" اس کا کیا مطلب ہے؟ ایک باعصمت و باعزت انسان اور پھر وہ بھی نبی معصوم! کس طرح یہ گوارا کر سکتا ہے کہ وہ اپنی باعصمت لڑکیوں کو ایسے بے حیا اور خبیث انسانوں کے سامنے پیش کرے؟ اس سوال کے حل میں علماءِ محققین نے مختلف جواب دیئے ہیں۔

(أ) حضرت لوطؑ نبی ہیں اور ہر ایک نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ قوم مسلمان ہو کر اس کی اطاعت گذار ثابت ہو، یا انکار کر کے متمرد و منحرف، دونوں صورتوں میں وہ اس کی "امت" میں داخل ہے اگرچہ پہلی امت "امتِ اجابت" ہے اور دوسری "امتِ دعوت" اور اس لیے تمام امت اس کی اولاد ہوتی ہے اور نبی اور رسول اس کا روحانی باپ۔ لہٰذا حضرت لوطؑ کا مطلب یہ تھا کہ بدبختو تمہارے گھروں میں یہ سب میری بیٹیاں تمہاری رفیقۂ حیات ہیں اور تمہارے لیے حلال پھر تم ان کو چھوڑ کر اس ملعون اور خبیث کام پر اصرار کرتے ہو ایسا نہ کرو "العیاذ باللہ" یہ مقصد نہ تھا کہ وہ اپنی صلبی لڑکیاں ان کو پیش فرما رہے تھے۔

(ب) تورات اور دیگر روایات سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے جو حضرت ابراہیمؑ کو "اسحٰق" کی

Marfat.com

بشارت دیگر قوم لوط کو ہلاک کرنے آئے تھے تین تھے، اس لئے یہ ناممکن تھا کہ تین افراد کیلئے پوری بستی خواہش مند ہو جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس قوم میں دو سردار تھے اور انھوں نے ہی لوط علیہ السلام کے مہمانوں کا مطالبہ کیا تھا باقی قوم اپنی اس نام بدکرداری کی وجہ سے اُن کی حمایت میں جمع ہو گئی تھی اور چونکہ حضرت لوط کی دو بیٹیاں کنواری موجود تھیں اسلئے انھوں نے ان دونوں سرداروں کو سمجھایا کہ تم اپنے اس خبیث و شنیع مطالبہ سے باز آجاؤ اور میں اس کیلئے تیار ہوں کہ اپنی دونوں لڑکیوں کا نکاح تم سے کر دوں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے۔ لوط! تجھے معلوم ہے کہ ہم عورتوں کی جانب رغبت نہیں رکھتے

(ج) حضرت لوط نے بیشک اپنی بیٹیوں ہی کے متعلق یہ جملہ فرمایا تھا مگر اس کی حیثیت اُس بزرگ کے مقولہ کی طرح ہے جو کسی کو ناحق پٹتا ہوا دیکھ کر ظالم مارنے والے سے یہ کہے کہ اس کو نہ مار اس کے عوض مجھ کو مارلے۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ کبھی ایسی جرأت نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اس کا چھوٹا ہے یا ماتحت۔

پس جس طرح اس شخص کا مقصد مارنے والے کو عار اور شرم دلانا ہوتا ہے اسی طرح حضرت لوط نے اُن کو شرم اور عار دلانے اور اس قبیح فعل پر ذلیل و نادم کرنے کے لئے یہ جملہ فرمایا اور اُن کو یہ یقین تھا کہ نہ یہ بدبخت اس طرف راغب ہوں گے اور نہ وہ عملاً ایسا کریں گے۔

امام رازی، اصفہانی، اور ابو السعود اسی توجیہ کو پسند فرماتے ہیں اور عبدالوہاب نجار مصری کی بھی یہی رائے ہے، مگر میرے نزدیک پہلی توجیہ زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے اور علامہ عبدالوہاب کا اُس کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ قول اس لئے کمزور ہے کہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت لوط تمام قوم کی عورتوں کے باپ تسلیم کیے جائیں اس لئے کہ ہم شروع جواب ہی میں تشریح کر چکے ہیں کہ نبی معصوم اپنی اس تمام اُمت کا روحانی باپ ہوتا ہے جس کی جانب اس کو مبعوث کیا گیا ہے، یہ جدا بات ہے کہ اُمت اجابت اس کی عطا کردہ سعادت و خیر سے مستفید ہوتی ہے اور اُمت دعوت اس سے محروم رہتی ہے نیز آج بھی یہ دستور ہے کہ کا فر و مسلم کے امتیاز کے بغیر بڑے بوڑھے بستی کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں

Marfat.com

کہا کرتے ہیں۔

(۲) حضرت لوطؑ نے جب دیکھا کہ قوم اُن کے مہمانوں کیساتھ بداخلاقی پر تُلی ہوئی ہے اور کسی طرح اُنکو حیا و مروّت اور انسانیت اپیل نہیں کرتی تب پریشانِ خاطر ہو کر فرمایا:-

لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝	کاش میرے لیئے تم سے (مقابلہ کی) طاقت ہوتی یا پناہ ملتی کسی زبردست قوت پناہ کے ساتھ۔

اس رُکنِ شدید سے کیا مُراد ہے، کیا حضرت لوطؑ العیاذ باللہ خدا کی قدرت پر بھروسہ نہیں رکھتے تھے جو کسی "رکن شدید" کی پناہ کے طالب تھے؟

اس مشکل کا حل بخاری کی روایت نے بخوبی کر دیا ہے اُس روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

یغفر اللہ للوط ان کان لیأوی الی رکن شدید وھو ربہ و خالقہ (الحدیث)	اللہ تعالیٰ لوطؑ کی بخشش کرے کہ وہ اس درجہ پریشان کیئے گئے کہ رکنِ شدید کی پناہ کے طالب ہوئے اور ان کیلئے رکنِ شدید اُن کا پروردگار اور اُن کا خالق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت لوطؑ خدا کو بھول کر کسی اور قوت کی پناہ کے طالب نہ تھے بلکہ وہ اس درجہ قابلِ رحم حالت میں تھے کہ اُس وقت اُن کی یہ تمنا ہوئی کہ کاش کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا کرتا کہ میں اُسی وقت ان سب بدبختوں کو ان کی خباثت کا مزہ چکھا سکتا۔ اور "رکن شدید" یعنی اُسکے پروردگار نے آخر اُن کی مدد کی اور اُن پر فرشتوں نے اپنا راز ظاہر کر دیا اور اُن کو تسلّی اور اطمینان بخشا۔

(۳) بعض مفسرین نے "بکم قوۃ" میں "کم" کا مخاطب فرشتوں کو سمجھا ہے اور مراد یہ لیتے ہیں۔ کہ حضرت لوطؑ نے فرمایا کاش تم اس کثرت سے ہوتے کہ اُنکے مقابلہ میں مجھ کو تم سے قوت پہنچتی یا خدا کوئی ایسی صورت پیدا کر دیتا کہ میں اُن کو سزا دے سکتا۔ اسی لیئے حضرت لوطؑ کے اس قول کو سُن کر فرشتوں نے کہا:-

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ	فرشتوں نے کہا، اے لوط، ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں،

Marfat.com

لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ (ہود) (مجبور انسان نہیں ہیں) یہ تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔

توراۃ میں ہے کہ حضرت لوطؑ مع اپنے خاندان کے سدوم سے ہجرت کر کے ضوغر یا ضغر کی بستی میں چلے گئے جو سدوم سے قریب ہی آباد تھی۔¹ آفتاب نکلنے کے بعد جب انھوں نے سدوم کی جانب دیکھا تو وہاں ہلاکت و بربادی کے نشانات کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ حضرت لوطؑ نے پھر ضغر کو بھی چھوڑ دیا اور اس کے قریب ایک پہاڑی پر جا آباد ہوئے اور امن و امان سے رہنے سہنے لگے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ مُجدّد انبیاء

ان مسلسل واقعات سے بہت سے بصائر و عبر حاصل ہونے کے علاوہ ایک سب سے اہم بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت منصب نبوت و رسالت میں بھی خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ یوں تو خدا کا ہر ایک "پیغمبر توحید کا داعی اور شرک کا دشمن ہے" اور اس لیے تمام انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات میں یہ دو باتیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں، بلکہ روحانی دعوت وارشاد کی اساس و بنیاد صرف انہی دو مسئلوں پر قائم ہے مگر یہ خصوصیت ابراہیمؑ ہی کے حصہ میں آئی تھی کہ اس دنیا میں وہ پہلی ہستی ہیں جنہیں اس راہِ عزیمت میں سخت سے سخت آزمائشوں اور کڑی سے کڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ ان مصائب کے مقابلے میں کامران و کامیاب ثابت ہوئے۔

(۱) غور کیجئے بڑھاپے اور یاس کی عمر میں ہزاروں دعاؤں اور لاکھوں آرزوؤں کے بعد ایک بچہ پیدا ہوا تھا اور ابھی بچہ شیرخوار ہے کہ خدائے تعالیٰ کا حکم آتا ہے "ابراہیمؑ! اس کو اور اُسکی والدہ کو اپنے گھر سے جدا کرو اور ایک لق و دق بیابان اور بن کھیتی کی زمین میں جہاں نہ پانی ہے نہ سبزہ" ان دونوں کو چھوڑ آؤ" پھر کیا ہوا؟ کیا ابراہیم علیہ السلام نے ایک لمحہ بھی تامل کیا؟ اور تعمیلِ ارشاد میں کسی قسم کا کوئی عذر سامنے آیا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ بے چون و چرا ان دونوں کو مکہ کی سرزمین پر چھوڑ آئے۔

اور اس کے بعد جب وہ سنِ رشد کو پہنچا اور ماں باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنتا ہے

¹ پیدائش باب ۱۹ آیت ۲۲

تو اب پھر ابراہیمؑ کو خدا کا حکم ملتا ہے کہ اس کو ہمارے نام پر قربان کرو اور اپنی فداکاری واطاعت شعاری کا ثبوت دو۔

اس نازک وقت میں ایک مطیع سے مطیع اور فرمانبردار سے فرمانبردار ہستی کے ایمان و یقین کی کشتی کس طرح بھنور میں آجاتی ہے اسکا اندازہ خود کر دو اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی جانب دیکھو کہ نہ خدا کی وحی کی جو "منام" میں دکھائی گئی تھی، انھوں نے کوئی تاویل کی، نہ اس کیلیے حیلہ بہانہ سوچا، اور نہ اس کو ٹالنے کیلیے کوئی فکر و تردد کیا۔ صبح اٹھے اور اپنے لخت جگر کو لیا اور تعمیلِ ارشادِ الٰہی میں وہ سب کچھ کیا جو ان کے انسانی ہاتھ کر سکتے تھے اور اس طرح اپنی محیر العقول وفاکیشی کا ثبوت دیا۔

اور تیسری سخت آزمائش کا وہ وقت تھا کہ جب باپ، قوم، اور بادشاہِ وقت سب نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کر لیا کہ ابراہیمؑ یا اپنے پیغامِ حق سے باز آجائے ورنہ تو اس کو دہکتی آگ میں ڈال کر خاکستر کر دیا جائے، مگر ظالموں کا یہ فیصلہ اور اتحاد ابراہیمؑ کے قدم ڈگمگا سکا ہے نہیں! وہ ایک عزم کا پہاڑ بن کر اسی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا، اور پیغامِ حق اور خدا کی رشد و ہدایت کو اسی عزم و ثبات کے ساتھ سناتا رہا جس طرح شروع سے کرتا رہا تھا، پھر دشمنوں نے جو کچھ کہا تھا آخر کر دکھایا اور اس کو دہکتی آگ میں جھونک دیا، مگر ابراہیمؑ کے سکون و طمانیت میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا، البتہ دشمنوں کی دشمنی اور ان کے تمام مکر و فریب کو ابراہیمؑ کے خدا نے پادر ہوا کر دیا اور خاک میں ملا دیا، اور آگ کے شعلے اس کے لیے "برد و سلام" بن گئے۔ اور اس طرح ابراہیمؑ اپنے قوی ترنگہبان کے زیرِ سایہ سعادت و ہدایت کے فیضان سے بندگانِ خدا کو برابر منور و روشن کرتا رہا۔ اور اسکی جراءتِ حق اور دعوت الی اللہ تیز تر ہو گئی۔

ان تمام سخت امتحانوں اور آزمائشوں اور پھر ان میں ثبات قدمی اور استقامت کے علاوہ ابراہیمؑ کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے شرک اور توحید کی متضاد زندگی کیلئے ایک ایسا امتیاز قائم کر دیا جو انہی جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان تھا۔

Marfat.com

یعنی انھوں نے اصنام پرستی اور کواکب پرستی کی تردید و تذلیل اور ان کی شناعت کا اظہار کرتے ہوئے یہ تصریح فرمائی:-

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (انعام)	بلاشبہ میں نے اپنا رُخ اُسی ذات کی طرف جھکا دیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ خالص اسکا ہوکر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے تصور کی دو راہیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غلط، غلط راہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ قائم کرلیا جائے کہ خدا کو راضی کرنے، اس کو خوش رکھنے اور اس کی عبادت و پرستش کرنے کے لئے ضروری ہو کہ بتوں اور ستاروں کی پوجا کی جائے اور جب یہ ارواح ہم سے خوش ہو جائیں گی تو یہ خدا کو ہم سے راضی کردیں گی، اس عقیدہ کا نام "شرک اور صابئیت" ہے، کیونکہ اس عقیدہ کے مطابق عبودیت و پرستش کے تمام وہ خصوصی امتیازات جو صرف "ذات واحد" کیلئے مخصوص رہنے چاہئیں تھے دوسروں کیلئے بھی مشترک ہو جاتے ہیں۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔

اس کے مقابلہ میں صحیح راہ یہ ہو کہ اس یقین اور علم کو عقیدہ بنایا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا طریقہ اس کے علاوہ دوسرا نہیں ہو کہ خود اُسی کی پرستش کی جائے اُسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے، نفع و ضرر، صحت و مرض، افلاس و تموّل، قبض رزق غرض تمام امور میں اُسی کو اور صرف اُسی کو مالک و مختار مطلق یقین کیا جائے اور اُسکی رضا و عدم رضا کی معرفت کیلئے اُس کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبروں اور رسولوں کی ہدایت و ارشاد پر عمل کیا جائے، اس عقیدہ کا نام "اسلام" اور "حنیفیت" ہے بہرحال یہ پہلا دن تھا جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس اعلانِ حق کے ذریعہ خیر و شر، اطاعت و سرکشی اور تسلیم و رضا اور بغاوت و سرکشی کے درمیان "حنیف" کی اصطلاح "مسلم" کے لئے اور "صابی" کی اصطلاح "مشرک" کیلئے قائم کر کے دونوں راہوں کے درمیان مستقل امتیاز قائم کردیا، اور یہ امتیاز ایسا مقبول ہوا کہ آنیوالی تمام پیغمبر

Marfat.com

تعلیمات کی بنیاد و اساس اسی نام سے موسوم کی گئیں حتیٰ کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے آخری پیغام کا نام بھی "ملتِ حنیف" اور اس کے پیرو کا نام "مُسلم" قرار پایا۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (بقرہ)	اور پیروی کر دملتِ ابراہیم کی جو حنیف تھا۔
هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا (حج)	اس ابراہیم نے تمہارا نام پہلے ہی سے مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی (یہی نام پسند رہا)

یہی وجہ ہے کہ سورۃ "ابراہیم" کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کے ظہور اور اُن کے حالات وتشخصات اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پیغمبروں کی دعوتِ رشد وہدایت کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

پس ان مجموعی خصوصیاتِ ابراہیمی کے پیشِ نظر یہ کہنا صحیح ہے کہ نبیوں اور رسولوں کی مقدس زندگی میں ابراہیم (علیہ السلام) کا مقام "مجددِ انبیاء ورسل" کا مقام ہے۔

واقعاتِ زیرِ بحث سے متعلق چند عبرتیں

(۱) جب انسان کسی عقیدہ کو علم ویقین کی روشنی میں قائم کرلیتا ہے اور وہ اس کے قلب میں جاگزیں، اُس کی رُوح میں پیوست، اور اس کے سینہ میں نقشِ کالحجر ہوجاتا ہے تو اس کا فکر وخیال، اُس کا سوچ بچار، اور اس کا استغراق اس بارہ میں اس درجہ زبردست اور ثابت وراسخ ہوجاتا ہے کہ کائنات کا کوئی حادثہ اور دنیا کی کوئی سخت سے سخت مصیبت بھی اُس کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی، وہ اس لئے آگ میں بے خطر کود پڑتا، سمندر میں بے جھجک چھلانگ ماردیتا اور سولی کے تختہ پر بے خوف جان دے دیتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کے عزم وثبات کی مثال اس کیلئے ایک زندہ اور روشن مثال ہے۔

(۲) حمایتِ حق کے لئے ایسے دلائل وبراہین پیش کرنے چاہئیں جو دشمن اور باطل پرست کے قلب میں اُتر جائیں اور وہ زبان سے خواہ اقرارِ حق نہ کرے لیکن اُس کا ضمیر اور اُس کا

Marfat.com

قلب اس کے اقرار پر مجبور ہو جائے بلکہ بعض مرتبہ زبان بھی اعلانِ حق سے بے اختیار طور پر باز نہ رہ سکے۔

(۲) پیغمبروں اور رسولوں کی راہ بیہودہ جدل و مخاصمت کی منطقیانہ راہوں پر نہیں چلتے، ان کے دلائل و براہین کی بنیاد محسوسات و مشاہدات پر ہوتی ہے یا سادہ وجدانیات و عقلیات پر، حضرت ابراہیمؑ کا اصنام پرستی و کواکب پرستی کے متعلق جمہور سے مناظرہ اور مناظرۂ نمرود، اس کی واضح اور روشن مثال ہے۔

(۳) کسی امرِ حق کو ثابت کرنے کیلئے دلیل میں مخالفت کے باطل عقیدہ کو فرضی طور پر تسلیم کرلینا جھوٹ یا اس باطل عقیدہ کا اقرار نہیں ہے بلکہ اس کو "فرض الباطل مع الخصم" یا "معارضہ" کہا جاتا ہے اور یہ طرز استدلال مخالفت کو اپنی غلطی کے اعتراف پر مجبور کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے جمہور کے ساتھ مناظرہ میں دلیل کا یہی پہلو اختیار کیا تھا جس نے صنم پرستوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اقرار کرلیں کہ بیشک بُت کسی حال میں بھی نہ سنتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں۔

(۴) اگر ایک مسلم کے والدین مشرک ہوں اور کسی طرح شرک سے باز نہ آتے ہوں تو اُن کی مشرکانہ زندگی سے بیزار اور علیحدہ رہتے ہوئے ان کے ساتھ دینوی معاملات اور آخرت کے پند و نصائح میں عزت و حرمت کا معاملہ کرنا چاہیئے اور سختی اور درشتی کو کام میں نہ لانا چاہیئے حضرتِ ابراہیمؑ کا طرزِ عمل آزر کے ساتھ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ عمل ابو طالب کے ساتھ اس مسئلہ کیلئے قطعی اور یقینی شہادت ہے۔

(۵) اگر قلب مومن صحیح عقائد پر اطمینانِ قلب اور زبان و قلب کی مطابقت کے ساتھ ایمان رکھتا ہے، مگر علمی اور حقیقی مشاہدہ و محسوس کیلئے یا اس کو حق الیقین کے درجات حاصل کرنے کیلئے کسی ایمانی یا اعتقادی مسئلہ میں بھی سوال و جستجو کی راہ اختیار کرتا اور طمانیتِ قلب کا طالب ہوتا ہے تو یہ جستجو ریب و کفر نہیں ہے بلکہ عین ایمان ہے حضرت ابراہیمؑ کے جواب "وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۶) دسترخوان کی وسعت اگر ریا، و نمود سے پاک ہو اور فطری تقاضے کے پیشِ نظر مہماں نوازی میں وسعتِ قلب اور فراخ حوصلگی پائی جاتی ہو تو اخلاقِ کریمانہ میں بہت بڑی فضیلت شمار ہوتی ہے اور "سخاءِ نفس" اور "کرم" کے نام سے موسوم ہے۔

یہ وصفِ گرامی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی حقیقتِ نفس بن چکا تھا اور فطری تھا مہماں نوازی، دسترخوان کی وسعت، آنیوالوں کا احترام ایسے اوصاف تھے جو ابراہیم (علیہ السلام) میں "مثلِ اعلیٰ" کی حد تک پہونچے ہوئے تھے۔

بعض کتابوں میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی مہماں نوازی کے سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ منقول ہے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسب دستور حضرت ابراہیم کسی مہمان کے انتظار میں جنگل میں کھڑے تھے، کیونکہ بغیر مہمان کے نہ اُن کا دسترخوان بچھتا تھا اور نہ وہ کھانا کھاتے تھے، سامنے سے ایک بہت بوڑھا آدمی نظر پڑا جس کی کمر بھی کج ہو گئی تھی اور لکڑی کے سہارے بمشکل چل رہا تھا، ابراہیم (علیہ السلام) آگے بڑھے اور مسرت کیساتھ اس کو سہارا دیتے ہوئے گھر لائے، دسترخوان بچھا، اور کھانا چنا گیا، جب سب فارغ ہو گئے تو حضرت ابراہیم نے فرمایا، اس خدائے یکتا کا شکر ادا کر جس نے ہم سب کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں، بوڑھے نے خشمناک ہو کر کہا میں نہیں جانتا کہ تیرا خدائے واحد کون ہے، میں تو اپنے معبود (بُت) کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے گھر میں رکھا ہے، یہ جواب ابراہیم (علیہ السلام) کو بہت شاق گذرا، اور اس کو فوراً گھر سے رخصت کر دیا، لیکن کچھ وقفہ نہ گذرا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے دل پر اپنے اس طرزِ عمل سے تکدر رہا۔ انھوں نے سوچا کہ جس خدائے واحد کا شکر میں اس سے کرانا چاہتا تھا اُس کی شان تو یہ ہے کہ اس بوڑھے کی اس طویل عمر میں وہ برابر اپنی نعمتوں سے اُس کو نوازتا رہا اور اُسکی بُت پرستی، کفر اور شرک سے ناراض ہو کر ایک وقت بھی اُس پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا پھر تجھ کو کیا حق تھا کہ اگر اس نے تیری بات نہ مانی اور حق کے کلمہ کو قبول نہ کیا تو خفا ہو کر اُسکو گھر سے نکال دیا۔

Marfat.com

نام پر بھی قرآنِ عزیز کی ایک سورت "سورۂ یوسف" نازل ہوئی ہے۔ جو ان کے واقعات سے متعلق عبرت و موعظت کا بے نظیر ذخیرہ ہے۔

شمار	آیت	سورۃ
۱	۸۴	انعام
۲۴	۴-۷-۱۰-۱۱-۱۷-۲۱-۲۹-۴۶-۵۱-۵۶-۶۱ ۶۶-۷۲-۷۳-۷۴-۸۵-۸۷-۸۹-۹۴-۹۹	یوسف
$\frac{1}{26}$	۳۴	غافر

سورۂ یوسف | قرآنِ عزیز نے یوسف (علیہ السلام) کے واقعہ کو "احسن قصص" کہا ہے اسلئے کہ اس ایک واقعہ میں جس قدر عبر و نصائح اور مواعظ و حکم ودلیعت ہیں دوسرے کسی واقعہ میں یکجا میسّر نہیں ہیں، درحقیقت یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب دل کش اور زمانہ کے عروج و زوال کی زندہ یادگار ہے، یہ ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے اور بگڑنے، گرنے اور اُبھرنے کی ایسی بولتی ہوئی تصویر ہے جو کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں رہتی، یہ بدوی اور خانہ بدوش قبیلہ کے ایک ایسے فردِ یگانہ اور انمول موتی کی حیرت زا تاریخ ہے جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اعجاز نے اُس زمانہ کی بڑی سے بڑی متمدن قوم کی رہنمائی اور اُن پر حاکمانہ اقتدار کیلئے چُن لیا تھا۔

قرآنِ عزیز تورات کی طرح داستان گوئی یا محض اشخاص و اقوام کی تاریخی حالات کا مرقع نہیں ہے بلکہ وہ جن واقعاتِ تاریخی کو بیان کرتا ہے اُس کے سامنے اُنکے لئے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ عبرت و موعظت اور تذکیر و پند کا مقصدِ وحید ہے۔

پس جبکہ یوسف (علیہ السلام) کے واقعہ میں بے نظیر عبرتیں اور بصیرتیں پنہاں تھیں مثلاً رشد و ہدایات کی اہمیت، ابتلاء اور آزمائشوں پر صبر و استقامت، رضا و تسلیم کے مظاہر

Marfat.com

حضرت یعقوب (علیہ السلام)

نسب نامہ، قرآن عزیز میں ذکرِ یعقوبؑ، اولادِ یعقوب، ولادت یوسفؑ

نسب نامہ | حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں، اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بھتیجے بتوئیل کے نواسہ، ان کی والدہ کا نام رفقہ یا ربقہ تھا یہ اپنی والدہ کے چہیتے اور پیارے تھے اور ان کا حقیقی بھائی عیسو والد کا محبوب اور پیارا، اور دونوں حقیقی بھائی تھے۔

توراۃ سے ان دونوں بھائیوں کی باہم ناراضگی کا واقعہ گذشتہ سطور میں نقل کیا جا چکا ہے حضرت یعقوب اپنی والدہ کے اشارہ پر جب فدان آرام چلے گئے تو اُن کے ماموں لابان نے اُن سے یہ عہد لیا کہ وہ دس سال اُن کے یہاں رہ کر اُن کی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دیکر اپنی لڑکی سے شادی کردیں گے۔ جب یعقوب (علیہ السلام) نے اس مدت کو پورا کردیا تو لابان نے اپنی بڑی لڑکی لَیّہ سے اُن کا نکاح کرنا چاہا مگر حضرت یعقوبؑ نے اپنا رجحان طبع چھوٹی لڑکی راحیل کی جانب ظاہر کیا، لابان نے یہ عذر کیا کہ یہاں کے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کی نکاح سے قبل چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، اس لئے تم اس رشتہ کو منظور کرو، اور اپنے قیام کو دس سال اور طویل کردو اور میری خدمت میں رہو تو راحیل بھی تمہارے نکاح میں دیجا سکیگی (کیونکہ اس زمانہ میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا) چنانچہ یعقوب (علیہ السّلام) نے اُس مدّت کو بھی پُورا کردیا اور راحیل سے شادی کرلی، ان دونوں کے علاوہ لَیّہ کے خانہ زاد زلفا اور راحیل کی خانہ زاد بلہا بھی ان کی زوجیت کے رشتہ میں منسلک ہوگئیں اور ان سب سے اولاد بھی ہوئی، اور بنیامین کے علاوہ یعقوب (علیہ السلام) کی تمام اولاد اپنے ماموں کے ہی یہاں پیدا ہوئی اور جب یعقوب (علیہ السلام) واپس آگئے تو یہاں بنیامین

Marfat.com

پیدا ہوئے، لابان نے یعقوب (علیہ السلام) کو بیس سال اپنے پاس رکھنے کے بعد بہت سا مال و متاع اور ریوڑ دے کر رخصت کیا اور یہ پھر اپنے دادا کے دار الہجرت فلسطین میں آکر مقیم ہوگئے۔

یعقوبؑ جب زمانہ میں فدان آرام چلے گئے تھے، اُس زمانہ میں عیسو ناراض ہو کر اپنے چچا اسمٰعیل (علیہ السلام) کے پاس آبسے تھے اور اُن کی بیٹی سے شادی کرکے قریب ہی آباد ہوگئے تھے، یہ تاریخ میں ادوم کے نام سے مشہور ہیں، اس عرصہ میں دونوں بھائیوں کے درمیان جو چپقلش تھی وہ بھی دور ہوگئی اور دونوں کے درمیان محبت کا رشتہ پھر استوار ہوگیا اور دونوں نے ایک دُوسرے کو تحائف بھیجنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

یہ تمام واقعات تورات کی کہانی اور داستان ہے، قرآنِ عزیز ان تفصیلات کے حق میں قطعاً خاموش ہے اور صرف حضرت یعقوبؑ کے جلیل القدر نبی، صاحبِ صبر و عزیمتؑ اور یوسف (علیہ السلام) کے برگزیدہ باپ ہونے کا ذکر کرتا ہے، اسی ضمن میں نام لئے بغیر یوسف کے دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر آجاتا ہے۔

ذکرِ یعقوبؑ قرآن مجید میں قرآنِ عزیز میں حضرت یعقوبؑ کا نام دس جگہ آتا ہے اور اگرچہ سورۂ یوسفؑ میں جگہ جگہ ضمائر اور اوصاف کے لحاظ سے اور بعض دوسری سورتوں مثلاً "مومنون" میں اوصاف کے اعتبار سے اُن کا تذکرہ موجود ہے، مگر نام کے ساتھ صرف دو ہی جگہ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسطورۂ ذیل جدول اس کی وضاحت کرتی ہے۔

سورۃ	آیت	شمار	سورۃ	آیت	شمار
بقرہ	۱۴۰-۱۳۶-۳۳	۳	نساء	۱۶۳	۱
انعام	۸۵	۱	یوسف	۶-۳۸	۲
مریم	۶	۱	ص	۴۵	۱
انبیاء	۷۲	۱			

اسرائیل حضرت یعقوب کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے، یہ اسرا (عبد) اور ایل (اللہ) دو لفظوں

مرکب ہے، اور عربی میں اس کا ترجمہ "عبداللہ" کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم کا وہ اسحاقی خاندان جو ان کی نسل سے ہے اسی لئے بنی اسرائیل کہلاتا ہے اور آج بھی یہود و نصاریٰ کے قدیم خاندان اُسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں۔

اولادِ یعقوبؑ | یعقوب (علیہ السلام) کے بارہ لڑکے تھے اور گذشتہ سطور میں واضح ہو چکا ہے کہ بنیامین کے علاوہ اُن کی تمام اولاد فدان آرام ہی میں پیدا ہو چکی تھی صرف بن یمین فلسطین "ارض کنعان" میں پیدا ہوئے، حضرت یعقوب کی یہ اولاد چونکہ چند بیبیوں سے ہے اسلئے ان کی تفصیل یہ ہے:-

لئیہ یا لیا بنت لابان سے (۱) راوبین (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) ولیساکر (۶) زلوبون پیدا ہوئے۔

راحیل بنت لابان سے (۷) یوسف (۸) بن یمین پیدا ہوئے۔

بلہا جاریہ راحیل سے (۹) دان (۱۰) نفتالی۔ اور زلفا جاریہ لئیہ سے (۱۱) جاد اور (۱۲) اشیر پیدا ہوئے[۱]۔

پیغمبری | حضرت یعقوب خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے اور کنعانیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اُنھوں نے برسوں اس خدمتِ حق کو انجام دیا۔ قرآنِ عزیز میں چونکہ ان کا ذکر بیشتر حضرت یوسف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس لئے وہیں قابلِ مراجعت ہے۔

[۱] تورات پیدائش باب ۳۵ آیات ۲۱-۲۶۔

Marfat.com

حضرت یوسف (علیہ السلام)

یوسف (علیہ السلام) کا نسب نامہ۔ یوسفؑ کا ذکر قرآن حکیم میں۔ سورۂ یوسف کا نزول، برادرانِ یوسف، یوسف کا خواب، برادرانِ یوسف کی سازش، یوسفؑ آزمائشوں میں، چاہِ کنعان، یوسفؑ بحالتِ غلامی۔ عزیزِ مصر اور یوسفؑ، عزیزِ مصر کی بی بی اور یوسفؑ۔ یوسفؑ اور آیت" ولقد همت به" شاہی خاندان کی عورتیں اور یوسف۔ قید خانہ۔ قید خانہ میں دعوت و تبلیغ، تعبیرِ خواب، شاہِ مصر اور یوسفؑ۔ یوسفؑ تختِ شاہی پر، برادرانِ یوسف کا قافلہ۔ حضرت یوسف کا حسنِ سلوک عذر خواہی اور معافی۔ حضرت یعقوب کی مصر میں آمد اور لختِ جگر سے ملاقات۔ یوسف (علیہ السلام) کی وفات۔ آخری وصیت۔ حضرت موسٰی کے زمانہ میں وصیت پر عمل۔

نسب نامہ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) حضرت ابراہیم کے پڑپوتے ہیں اور ان کی والدہ کا نام راحیل بنت لابان ہے۔ حضرت یعقوب کو ان کے ساتھ بے حد محبت تھی، بلکہ عشق تھا، اور اس لئے کسی وقت بھی اُن کی جُدائی گوارا نہ کرتے تھے۔

یہ بھی اپنے والد، دادا اور پردادا کی طرح سنِ رشد کو پہنچ کر خدائے برتر کے جلیل القدر پیغمبر بنے اور ملّتِ ابراہیمی "کی دعوت و تبلیغ کی خدمت سر انجام دی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے زندگی ہی سے اُن کی دماغی اور فطری استعداد دُوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں بالکل جُدا اور نمایاں تھی، یعقوب علیہ السلام کے عشق و محبّت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ یوسف کی پیشانی کا چمکتا ہوا نورِ نبوت پہچانتے اور وحیِ الٰہی کے ذریعہ اس کی اطلاع پا چکے تھے۔

قرآنِ عزیز میں حضرت یوسفؑ کا ذکر حضرت یوسف کا نام قرآنِ عزیز نے چھبیس[۲۶] مرتبہ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چوبیس جگہ صرف سورۂ یوسف میں اور ایک جگہ سورۂ انعام میں اور ایک جگہ سورۂ غافر میں ذکر آیا ہے اور ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پردادا ابراہیم (علیہ السلام) کی طرح انکے

Marfat.com

یہ واقعہ اپنی تاریخی حیثیت میں قابلِ قبول ہو یا نا قابلِ قبول لیکن اس حقیقت کا ضرور اعلان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اخلاقِ کریمانہ کی وہ بلندی جو تحقیقی "مثلِ اعلیٰ" تک پہنچی ہوئی تھی ضرب المثل اور زبان زد خلائق تھی، اور اُن کا یہ فکر، پیغامِ حق اور دعوت اسلام کے لئے بہترین اسوہ ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو اپنے ابلاغِ حق کیلئے چُن لیتا ہے اُن کے قلب و دماغ کو اپنے نور سے اس درجہ روشن کر دیتا ہے کہ اُن کے سامنے عشقِ حق و صداقت کے سوائے دوسری کوئی چیز باقی ہی نہیں رہتی اور اس لئے اُن میں شروع ہی سے یہ استعداد و ودیعت ہوتی ہے کہ وہ عہدِ طفولیت ہی سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور نمایاں نظر آنے لگتے اور راہِ حق میں ابتلاء و امتحان کو خوشی سے سہتے اور صبر و رضا کا اسوۂ حسنہ پیش کرتے رہتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کا واقعہ اس کی شہادت کے لئے شاہدِ عدل اور باعثِ صد ہزار عبرت و عظمت ہے۔

(۸) حضرت لوطؑ اگرچہ حضرت ابراہیم کے برادر زادہ اور ان کے پیرو تھے شرفِ نبوت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے اور خدا کے ایلچی بنا دیئے گئے تھے اسلئے سدوم اور عامورہ میں ہمہ قسم کے مصائب اور وطن سے دور دشمنوں کے نرغہ کی تکالیف کے باوجود انھوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور اپنے بزرگ چچا اور خاندان کی مدد کی طلب کی بجائے صرف خدائے عزوجل ہی پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کے احکام کے سامنے رضا و تسلیم کا ثبوت دیا، یہ مقام "مقربین و انبیاء" کا مقام ہے۔

Marfat.com

افراد و اقوام کے عروج و اقبال کے وقائع، خدائے تعالیٰ کے عدل و رحم کی کرشمہ سازیاں انسانی اور بشری لغزشیں اور اُن کے انجام و مآل عصمت اور ضبطِ نفس کی عجوبہ کاریاں تو بلاشبہ وہ "احسن قصص" ہے، اور کتابِ ماضی کا وہ حسین ورق جو اپنی شانِ زیبائی میں یکتا اور فرد کہلانے کا مستحق ہے۔

سورۂ یوسف کی شانِ نزول کے بارہ میں حدیثی روایات اور مفسرین کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق "یہود" سے گفتگو کی اور اپنی درماندگی اور پریشانی کا اظہار کیا اس پر یہود نے اُن سے کہا کہ اس مدعی نبوت کو زچ کرنے اور جھوٹا بنانے کے لئے تم ان سے یہ سوال کرو کہ یعقوب کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی اور یوسف سے متعلق جو واقعات ہیں ان کی تفصیل کیا ہے؟ اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفارِ مکہ نے یہود کی ہدایت کے مطابق ذاتِ اقدس سے یہ دونوں سوال کئے اور آپ نے وحیِ الٰہی کے ذریعہ وہ سب کچھ اُن کو سُنا دیا جو سورۂ یوسف میں موجود ہے۔

یوسفؑ کا خواب اور برادرانِ یوسفؑ

ان واقعات کا حاصل یہ ہے کہ جبکہ حضرت یعقوب اپنی تمام اولاد میں حضرت یوسف سے بیحد محبت رکھتے تھے تو حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کے ساتھ والہانہ عشق و محبت برادرانِ یوسف (علیہ السلام) کیلئے بیحد شاق اور ناقابلِ برداشت تھا۔ اور وہ ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ یا حضرت یعقوبؑ کے قلب سے اس محبت کو نکال ڈالیں اور یا پھر یوسف ہی کو اپنے راستہ سے ہٹا دیں تا کہ قصہ پاک ہو جائے۔

ان بھائیوں کے حاسدانہ تخیل پر مزید تازیانہ یہ ہوا کہ یوسف (علیہ السلام) نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر اُن کے سامنے سجدہ ریز ہیں، حضرت یعقوب نے جیسے ہی بیٹے کا یہ خواب سُنا تو سختی کے ساتھ اُن کو منع کر دیا کہ اپنا یہ خواب کسی کے سامنے نہ دُہرانا، ایسا نہ ہو کہ اُس کو سُنکر تیرے بھائی بُرے پیش آئیں، کیونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہے، اور تیرا خواب اپنی تعبیر میں بہت صاف اور واضح ہے۔

Marfat.com

يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ	اے میرے بیٹے تو اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کو نہ سنانا۔
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ	کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چل جائیں، بلاشبہ شیطان
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ	انسان کیلئے کھلا دشمن ہے اور اس طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ
يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ	کریگا، اور سکھائیگا تاویل احادیث، اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور اولادِ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ	یعقوب پر تمام کرے گا جس طرح کہ اس نعمت (نبوت) کو پورا
اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ	کیا تیرے اجداد پر پہلے سے (یعنی) ابراہیم و اسحٰق پر، بیشک
وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (یوسف)	تیرا پروردگار جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس مقام پر تورات اور قرآنِ عزیز کے بیانات میں تفاوت و اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) قرآنِ عزیز بیان کرتا ہے کہ یوسف (علیہ السلام) نے جب اپنا خواب حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو سنایا تو دوسرے بھائی وہاں موجود نہ تھے، اور تورات کہتی ہے کہ یہ معاملہ بھائیوں کی موجودگی میں پیش آیا۔

(۲) قرآنِ عزیز سناتا ہے کہ حضرت یعقوب اس خواب سے بحق یوسف (علیہ السلام) بے حد مسرور ہوئے اور ان کو نبوت و علومِ الٰہیہ کی بشارت سنائی مگر تورات کہتی ہے کہ یعقوب (علیہ السلام) خواب سن کر بہت خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ شاید اس سے تیرا منشاء یہ ہے کہ میں، تیری والدہ اور تیرے سب بھائی تیرے سامنے سجدہ ریز ہوں گے؟

واقعات کی اس ترتیب کے اعتبار سے جو آگے چل کر قرآنِ عزیز اور تورات میں مشترک ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ عزیز ہی کا بیان صحیح اور درست ہے۔ نیز تقاضائے فطرت اسی کا داعی ہے کہ یوسف (علیہ السلام) اپنے اس خواب کو بھائیوں سے الگ ہو کر بیان کریں اور یعقوب (علیہ السلام) بیٹے کے اس خواب کو سن کر مسرور ہوں کہ ہر ایک باپ اپنی اولاد کی ترقی درجات اور بلندیٔ مناصب کا خواہش مند ہوتا ہے خصوصاً جبکہ یعقوب (علیہ السلام) نبی ہونے کی وجہ سے خواب کی تعبیر میں یوسف ؑ کے لئے جو بلندی دیکھ رہے تھے وہ موجبِ صد ہزار

Marfat.com

مسرت تھی نہ کہ باعثِ رنج و الم۔

غرض حسد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے ایک روز برادرانِ یوسف کو یوسف کیخلاف سازش کرنے پر مجبور کر دیا۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ (یوسف)

جبکہ وہ کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی (بن یمین) تمہارے باپ کو زیادہ پیارا ہے اور ہم اُن سے زیادہ قوت والے ہیں بلاشبہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے، یوسف کو مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک دو تاکہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف سمٹ آئے اور ہو رہنا بعد میں نیک قوم، ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو گمنام کنوئیں میں ڈال دو کہ اُٹھالے جائے اس کو کوئی مسافر، اگر تم کو کرنا ہی ہے۔

اس مشورہ کے بعد سب جمع ہو کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ یوسف کو ہمارے ساتھ سیر کرنے کس لئے نہیں بھیجتے، کیا آپ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے، ہم سے زیادہ اُس کا محافظ دوسرا کون ہو سکتا ہے؟

مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (یوسف)

(اے باپ) کیا بات ہے کہ تجھ کو یوسف کے بارہ میں ہم پر اعتماد نہیں ہے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں، کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج کر وہ کھائے پئے اور کھیلے کودے اور بلاشبہ ہم اس کے نگہبان ہیں۔

حضرت یعقوب سمجھ گئے کہ ان کے دلوں میں کھوٹ ہے اور یہ یوسف کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں، مگر صاف صاف اس لئے ظاہر نہ کیا کہ کہیں بگڑ کر علی الاعلان دشمنی نہ کرنے لگیں اور یہ ممکن ہو کہ اس پوشیدہ صورتِ حال میں وہ ظالمانہ کارروائی سے باز رہیں، تاہم اشارات میں اُن پر حقیقتِ حال واضح کر دی کہ واقعی مجھ کو یوسف کے بارہ میں تم سے اندیشہ ہے

Marfat.com

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ
یعقوب نے کہا مجھے اس سے رنج اور دکھ پہنچتا ہے کہ تم اسکو (اپنے ساتھ) لیجاؤ، اور مجھے یہ خوف ہو کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم غافل رہو

برادرانِ یوسف نے یہ سُن کر بہ یک زبان کہا:۔

لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○
اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور تو ہم سب طاقت در ہیں تو بلا شبہ ایسی صورت میں تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔

اس جگہ توراۃ کا بیان یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے خود اپنے حکم سے یوسف کو اُس کے بھائیوں کے ساتھ جنگل میں کھیلنے کودنے کیلئے بھیجا تھا، مگر آگے کے واقعات خود توراۃ کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں۔

چاہِ کنعان | غرض برادرانِ یوسف یوسف کو جنگل کی سیر کرانے کے بہانے لے گئے اور مشورہ کے مطابق ایک ایسے کنوئیں میں اُس کو ڈال دیا جس میں پانی نہ تھا، اور عرصہ سے خشک پڑا تھا اور واپسی میں اس کے قمیص کو کسی جانور کے خون میں تر کرکے روتے ہوئے حضرت یعقوب کے پاس آئے اور کہنے لگے "اے باپ! اگرچہ ہم تجھ کو اپنی صداقت کا کتنا ہی یقین دلائیں مگر تجھ کو ہرگز یقین نہ آئیگا کہ ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مشغول تھے اور یوسف کو اس دوران میں بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا۔

حضرت یعقوب نے پیراہن یوسف کو دیکھا تو خون آلود تھا مگر کسی ایک جگہ سے بھی پھٹا ہوا نہ تھا اور نہ چاک داماں تھا، فوراً حقیقتِ حال سمجھ گئے، مگر جھڑکنے، طعن و تشنیع کرنے اور نفرت و حقارت کا طرزِ عمل اختیار کرنے کی بجائے پیغمبرانہ علم و فراست اور علم و سماحت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ باوجود حقیقتِ حال کو چھپانے کی سعی کے تم اسے چھپا نہ سکے۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○
(حضرت یعقوب نے) کہا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایک بات، اب صبر ہی بہتر ہے، اور جو بات تم ظاہر کرتے ہو اُس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔

لہ پیدائش باب ۳۷ آیات ۱۳ و ۱۴

Marfat.com

یوسف اور غلامی

یہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور یوسف کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ حجازی اسمٰعیلیوں (مدیانیوں) کا ایک قافلہ شام سے مصر کو بخورات، بلسان اور مسالہ لاد کر لئے جا رہا تھا، کنواں دیکھ انھوں نے پانی کے لئے ڈول ڈالا، یوسف سمجھے کہ شاید بھائیوں کو رحم آگیا ڈول پکڑ کر لٹک گئے تاجر نے ڈول نکالا تو یوسف کو دیکھ کر جوش سے شور مچایا۔

یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ‌ ‌ بشارت ہو ایک غلام آیا۔

توراۃ میں ہے کہ برادران یوسف نے جب اسمٰعیلی قافلہ کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یوسف کو کنویں سے نکال کر اس قافلہ کے ہاتھ فروخت کر دو مگر اس سے پہلے ہی مدیانیوں (اسمٰعیلیوں) نے اُن کو نکال کر غلام بنا لیا اور سب سے بڑا بھائی راوبین جب کنویں پر پہنچا اور دیکھا کہ یوسف وہاں نہیں ہے تو روتا ہوا واپس آگیا، راؤبین کو یہ رائے یہوذا نے دی تھی اور راؤبین شروع ہی سے اس فکر میں تھا کہ یوسف کو کنویں سے نکال کر خاموشی سے باپ کے سپرد کر آئے اسی لئے اُس نے قتل یوسُف کی سخت مخالفت کی تھی۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف کو خود برادران یوسف نے ہی کنویں سے نکال کر اسمٰعیلیوں کے قافلہ میں فروخت کر دیا تھا، مگر مفسرین کے اس قول کی نہ توراۃ موافقت کرتی ہے اور نہ قرآن عزیز، بلکہ دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ والوں نے ہی یوسف کو کنویں سے نکالا اور اپنا غلام بنا لیا۔

اسی طرح صاحب قصص الانبیاء کو توراۃ کے بیان سے قافلہ کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے اسمٰعیلی اور مدیانی کو دو جدا جدا قافلے سمجھا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ شام سے مصر جانے والا یہ قافلہ ایک ہی قافلہ تھا جو نسلی اعتبار سے "اسمٰعیلی" اور ملکی اعتبار سے "مدیانی"[1] (حجازی) تھا۔

[1] جدید نسلی و جغرافی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس مقام کو توراۃ میں مدین یا مدیان کہا ہے اس سے وہ علاقہ مراد ہے جو (سراۃ) سے بحر احمر کے کنارے شام سے یمن تک چلا گیا ہے، اس کو حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بنی اسرائیل مدین اور شارع سے اسمٰعیلی حجاز کہتے تھے۔ اس لئے ایک ہی مقام کے یہ دو نام ہیں۔ (ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۷ - ۴۹)

Marfat.com

غرض اس طرح حضرت یوسف کو اسمٰعیلی تاجروں کے قافلہ نے اپنا غلام بنا لیا اور مالِ تجارت کے ساتھ ان کو بھی مصر لے چلے۔

حضرت یوسف کی زندگی کا یہ پہلو اپنے اندر کیسی عظمتیں پنہاں رکھتا ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہو، چھوٹی سی عمر ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے باپ کی آغوشِ محبت تھی وہ بھی چھوٹی، وطن چھوٹا، بھائیوں نے بے وفائی کی آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہوئی مگر ان تمام باتوں کے باوجود نہ شور و شیون ہے، نہ واویلا نہ جزع و فزع ہے اور نہ الحاح وزاری، قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر اور خدا کے فیصلہ پر راضی بہ رضا، سرِنیاز خم کئے مصر کے بازار میں فروخت ہونے جا رہے ہیں، سچ ہے، نزدیکان رابیش بود حیرانی۔

یوسفؑ مصر میں تقریباً دو ہزار سال قبل مسیحؑ مصر تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، یہاں کے حکمراں عمالقہ (ہیکسس) تھے جبکہ حضرت یوسف کنعان سے ایک بدوی غلام کی حیثیت میں مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دار السلطنت اس زمانہ میں رعمسیس تھا جہاں آج صان کی بستی آباد ہے، یہی غالباً وہ مقام ہے۔ جغرافی حیثیت سے اس کا جائے وقوع مشرق کی جانب دریائے نیل کے قریب بتایا جاتا ہے۔ مصری افواج کا افسر، شاہی خاندان کا ایک رئیس فوطیفار تھا۔ یہ سیر کے لئے مصر کے بازار سے گذر رہا تھا کہ یوسف پر نظر پڑی اور اس نے معمولی قیمت دے کر ان کو خرید لیا۔

ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ اُس زمانہ میں مصری خود کو دنیا کی بہترین مہذب اور متمدن قوم سمجھتے تھے اور بدوی اور صحرائی قبائل کو نہایت ذلت و حقارت سے دیکھتے اور اپنے شہروں میں اُنکے ساتھ اچھوت کی طرح معاملہ کرتے تھے، انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ نسل ابراہیمی کی یادگار کنعان میں آباد تھا، یہاں مدنیت و حضارت کا نام و نشان تک نہ تھا، شکار پر ان کے رزق کا مدار تھا اور خس پوش جھونپڑیاں اور بکریوں کے گلّے اُن کا دھن دولت تھے۔

ان حالات میں یوسف کے متعلق خدائے تعالیٰ کی کارسازی و معجزانہ سازی دیکھئے

ل قصص الانبیاء للنجار۔

Marfat.com

کہ ایک بدوی اور وہ بھی غلام، ایک متمدن اور صاحبِ شوکت وحشمت رئیس کے یہاں جب پہونچتا ہے تو اپنی عصمت مآب زندگی، حلم و وقار اور امانت و سلیقہ مندی کے پاک اوصاف کی بدولت اُس کی آنکھوں کا تارا اور دل کا مالک بن جاتا ہے اور وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے :-

اَکْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ (دیکھو) اس کو عزت سے رکھو کچھ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔

اور یہ کس لئے ہوا۔ اور یوسفؑ میں یہ پسندیدہ اطوار و اخلاق کہاں سے پیدا ہو گئے، ایک بدوی نے کس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی، اور ایک غلام نے کس مربی سے اس پاک طینت کو پایا؟ اس کے متعلق قرآنِ عزیز جواب دیتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ اور جب وہ سنِ رشد کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو فیصلہ کی قوت اور

عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ علم عطا کئے، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

بہرحال فوطیفار نے حضرت یوسف کے ساتھ غلاموں کا سا معاملہ نہیں کیا بلکہ اپنی اولاد کی طرح عزت و احترام کے ساتھ رکھا اور اپنی ریاست، دولت و ثروت اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں اُن کے سپرد کر دیں اور اُن سب کا امین بنا دیا، گویا کنعان کے گلہ بان کو عنقریب جو جہان داری اور جہان بانی سپرد ہونے والی تھی یہ اُس کی تمہید تھی، اسی لئے ارشاد ہوا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس مُلک میں اور اس لئے

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ کہ اُسکو سکھائیں باتوں کا نتیجہ اور مطلب نکالنا اور اللہ زبردست ہے

غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ اپنے کام میں، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے

عزیز مصر کی بیوی اور یوسف (علیہ السلام)

ایک مشہور صوفی ابن عطاء اللہ السکندری کا قول ہے رُبَّمَا کَمُنَتِ الْمِنَنُ فِی الْمِحَنِ (اکثر خدا کے احسانات و کرم مصائب کے اندر مستور ہوتے ہیں) حضرت یوسف کی ساری زندگی اسی مقولہ کا ہوبہو مصداق ہے۔

بچپن کی پہلی مصیبت یا آزمائش نے کنعان کی بدوی زندگی سے نکال کر تہذیب و تمدن

Marfat.com

کے گہوارہ" مصر" کے ایک بہت بڑے گھرانے کا مالک بنا دیا، غلامی میں آقائی اسی کو کہتے ہیں
اب وقت کی دوسری اور کٹھن آزمائش شروع ہوئی، وہ یہ کہ حضرت یوسف کا جوانی
کا عالم تھا، حسن و خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو اُن کے اندر موجود نہ ہو، جمال و رعنائی کا
پیکر مجسم رُخِ روشن شمس و قمر کی طرح منور، عصمت و حیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ اور پھر ہر وقت کا ساتھ
عزیزِ مصر کی بیوی دل پر قابو نہ پا سکی اور یوسف پر پروانہ وار نثار ہونے لگی، مگر ابراہیم (علیہ السلام)
کا پوتا، اسحٰقؑ و یعقوبؑ کا نور دیدہ، خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ اور منصب نبوت کیلئے منتخب بھلا
اس سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو اور عزیز کی بیوی کے ناپاک عزائم کو پورا کرے
لیکن مصر کی اس آزاد عورت نے جب اس طرح جادو چلتے نہ دیکھا تو ایک روز بے قابو
ہو کر مکان کا دروازہ بند کر دیا اور اصرار کرنے لگی کہ مجھے شاد کام کر حضرت یوسف کیلئے یہ
وقت سخت آزمائش کا وقت تھا، شاہی خاندان کی نوجوان عورت، شعلۂ حسن سے لالہ رو
محبوب نہیں بلکہ عاشق، آرائش حسن و زینت کی بے پناہ نمائش، عشوہ طرازیوں کی بارش، ادھر
یوسف خود نوجوان حسین اور حسن کی خوبی سے آشنا، دروازے بند، رقیب کا خوف نہ ڈر، مالکہ خود ذمہ دار
مگر ان تمام سازگار حالات نے کیا یوسف کے دل میں ایک لمحہ کیلئے بھی عزیزِ مصر کی بیوی کی حوصلہ افزائی
کی کیا اس کے دل نے قرار چھوڑ کر بے قراری اختیار کی، کیا نفس نے جہانِ قلب کو ایک سکنڈ
کیلئے بھی متزلزل کیا؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس کے برعکس اُس پیکرِ عصمت، امینِ نبوت۔
مہبطِ وحی الٰہی نے دو ایسے دلکش اور محکم دلائل سے "مصری عورت" کو سمجھایا جو ایک ایسی ہستی سے
ہی ممکن تھے جس کی تربیت براہِ راست آغوشِ الٰہی میں ہوئی ہو" فرمایا "یہ ناممکن ہے" پناہ بخدا! میں
اور اس کی نافرمانی کروں جس کا اسم جلالت "اللہ" ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک' اور کیا میں اپنے
اُس مربی "عزیزِ مصر" کی امانت میں خیانت کروں جس نے مجھ کو غلام رہنے کی بجائے یہ حرمت و عزت
عطا کی، اگر میں ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور ظالموں کیلئے انجام و مآل کے اعتبار سے کبھی فلاح نہیں ہے
مگر "عزیزِ مصر" کی بیوی پر اس نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا اور اُس نے اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے پر اصرار

Marfat.com

کیا تب یوسف نے اپنے اُس بُرہانِ رب کے پیشِ نظر جس کا ذکر وہ کر چکا تھا صاف انکار کر دیا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ

اور پھسلایا یوسف کو اُس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اس کے نفس کے معاملہ میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ میرے پاس آ۔ یوسف نے کہا، پناہ بخدا! بلاشبہ وہ (عزیز مصر) میرا مُربّی ہے جس نے مجھ کو عزّت سے رکھا، بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے، اور البتہ اُس عورت نے یوسف سے ارادۂ بد کیا اور وہ بھی ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ لیتے، اسی طرح ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اس سے بُرائی اور بے حیائی کو، بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا کی تفسیر

مفسرین نے آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا کی مختلف تفسیریں کی ہیں لیکن ہم نے جو معنی بیان کئے ہیں وہی زیادہ موزوں اور مناسبِ مقام ہیں قرآن عزیز نے اوّل سے آخر تک اس واقعہ میں عزیزِ مصر کی بیوی کی شناعتِ کار اور حضرت یوسف کی عصمت وجلالتِ قدر کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لئے یوسف ؑ کے مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ "إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ" فرمانے کے بعد یہی معنی برمحل ہو سکتے ہیں کہ یوسف کی زبان سے بُرہانِ رب کے سُن لینے کے بعد بھی جب عورت اپنی ہٹ سے باز نہ آئی اور اپنے ارادہ پر مُصر رہی تو یوسف نے اُس کے ارادہ کو قطعاً رد کر دیا اور "بُرہانِ رب" کے سامنے اُس کے "هَمّ" کی مطلق پرواہ نہ کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف اس سے بچنے کیلئے دروازہ کی طرف بھاگے اور عزیزِ مصر کی بیوی نے اُن کا پیچھا کیا

بعض اہلِ علم نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نحوی اعتبار سے لولا تقدیر یعنی "شروع کلام میں ہونا" چاہتا ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ "وَهَمَّ بِهَا" لَوْلَا کا جواب نہیں ہے دال علی الجواب ہے۔ اور ایسی صورت میں جواب مقدر و محذوف ہوتا ہے، کلام مجید میں اس کی نظیر موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کے تذکرہ سے متعلق یہ آیت ہے۔

إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ - قریب تھا کہ وہ (والدۂ موسیٰ) اس کو ظاہر کر دے اگر ہم اُس

Marfat.com

وَرَبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا — دل کو مضبوط نہ بنادیتے۔

یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو مضبوط کردیا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے راز کو ظاہر نہ کرسکیں اور اگر ہم ایسا نہ کرتے تو وہ ظاہر کردیتیں۔

دیکھیئے یہاں بھی "لولا" سے دال علی الجواب مقدم ہے اور "لولا" کا جواب مقدر و محذوف ہے۔ اسی طرح اس مقام پر یہ معنی ہیں کہ اگر یوسف کو برہانِ رب حاصل نہ ہوتا تو وہ بھی ارادۂ بد کرلیتے لیکن انھوں نے ارادۂ بد نہیں کیا کیونکہ وہ برہانِ رب دیکھ چکے تھے۔

اس جگہ یہ بھی ایک سوال ہے کہ وہ "برہان رب" کیا تھا جس کا قرآنِ عزیز یہاں ذکر کررہا ہے سو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے اپنی بلیغانہ اور معجزانہ خطابت میں خود ہی اسکو اس طرح ادا کردیا ہے کہ سوال کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، دروازہ بند ہوجانے پر عزیز کی بیوی کو جو جواب دیا ایسے مقام کے لحاظ سے اس سے بہتر جواب کیا ہوسکتا تھا سو یہی وہ "برہانِ رب" تھا جو یوسف (علیہ السلام) کو عطا ہوا اور جس نے عصمتِ یوسف کو بے داغ رکھا، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے بڑے شد و مد سے اسکے بعد یہ بیان کیا "كَذٰلِكَ (یونہی ہوا) لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ تاکہ ہٹائیں ہم اُس سے برائی اور بے حیائی اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے) یعنی حضرت یوسف کا دامن اس قسم کے "ھمّ" سے اس لیئے پاک رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی عصمت و پاکی کا فیصلہ شروع ہی سے کردیا تھا، پھر کیسے ممکن تھا کہ اُسکی عصمت و حفاظت کے بعد اس کے خلاف کوئی شائبہ بھی اُن میں پایا جاتا؟

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی صورت نظر آنا اور اُن کا اشارہ سے منع کرنا یا فرشتہ کا ظاہر ہوکر ان کو اس سے روکنا یا عزیزِ مصر کے گھر میں رکھے ہوئے صنم پر اُس کی بیوی کا پردہ ڈالنا اور حضرت یوسف کا اُس سے عبرت حاصل کرنا، یہ اور اس قسم کے تمام اقوال کے مقابلہ میں "برہان رب" کی تفسیر وہی بہتر تفسیر ہے جو خود قرآنِ عزیز کی نظم و ترتیب سے ثابت ہے یعنی (۱) ایمان باللہ کا حقیقی تصور (۲) اور مربی مجازی کے احسان کی احسان شناسی اور وصفِ امانت؛

Marfat.com

عزیزِ مصر نے یوسفؑ کے متعلق کہا تھا "اَکْرِمِیْ مَثْوَاہُ" یوسف علیہ السلام نے اسی کو پیشِ نظر رکھ کر فرمایا "اَحْسَنَ مَثْوَایَ"

بہرحال حضرت یوسفؑ جب دروازہ کی جانب بھاگے تو عزیز کی بیوی نے پیچھا کیا، دروازہ کسی طرح کھل گیا سامنے عزیزِ مصر اور عورت کا چچازاد بھائی کھڑے نظر آئے، عورت کا عشق ابھی خام تھا اس لئے وہ صحیح حال کہنے پر قادر نہ ہوئی اور اصل حقیقت کو چھپانے کیلئے غیظ و غضب میں آکر کہنے لگی کہ ایسے شخص کی سزا قید خانہ یا دردناک عذاب کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے جو تیرے اہل کیساتھ ارادۂ بد رکھتا ہو؟ حضرتِ یوسفؑ نے اس کے مکر و فریب کو سنا تو فرمایا کہ یہ اس کا بہتان ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود اس نے میرے ساتھ ارادۂ بد کیا تھا مگر میں نے کسی طرح نہ مانا اور بھاگ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا کہ اس نے پیچھا کیا اور سامنے آپ نظر آ گئے تو اس نے یہ جھوٹ گھڑ لیا۔

عزیز کی بیوی کا چچازاد بھائی ذکی، فطین اور بہت ہوشیار تھا اس نے کہا کہ یوسفؑ کا پیراہن دیکھنا چاہئے اگر وہ سامنے سے چاک ہے تو عورت راستباز ہے، اور اگر پیچھے سے چاک ہو تو یوسف صادق القول ہو اور عورت جھوٹی ہے۔ دیکھا تو پیراہنِ یوسفؑ پیچھے سے چاک تھا، عزیزِ مصر نے اصل حالت کو بھانپ لیا مگر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ یوسف سچے تم ہی ہو اور اس عورت کے معاملہ سے درگزر دو اور اس کو یہیں ختم کردو، اور پھر بیوی سے کہا سب تیرا مکر و فریب ہے اور تم عورتوں کا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ بلاشبہ تو ہی خطاکار ہے لہٰذا اپنی اس حرکتِ بد کے لیے استغفار کر اور معافی مانگ۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءً	کہنے لگی اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیرے اہل کے ساتھ برا ارادہ رکھے
اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ قَالَ	ہو مگر یہ کہ قید کر دیا جائے۔ یا دردناک عذاب میں مبتلا کیا
ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَھِدَ	یوسفؑ نے کہا اسی نے مجھ کو میرے نفس کے بارہ میں پھسلایا
شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ کَانَ قَمِیْصُہٗ	اور فیصلہ کیا عورت ہی کے گھرانے کے ایک شخص نے کہ اگر پیراہن
قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَھُوَ مِنَ	یوسفؑ سامنے سے چاک ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف

Marfat.com

الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ

جھوٹا۔ اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو عورت کاذبہ ہے اور یوسفؑ صادق پس جب اُسکی قمیص کو دیکھا تو پیچھے سے چاک تھا، کہا بیشک اے عورت یہ تیرے مکروفریب سے ہے، بلاشبہ تمہارا مکر بہت بڑا ہی، یوسفؑ تو اس معاملہ سے درگزر اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو بلاشبہ خطاکار ہے۔

عزیز مصر نے اگرچہ فضیحت و رسوائی سے (یوسف) بچنے کے لئے اس معاملہ کو یہیں پر ختم کردیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی اور شدہ شدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے کہ اپنے غلام پر ریجھ گئی۔ اتنے بڑے مرتبہ کی عورت اور غلام سے اختلاط کا ارادہ؟ آہستہ آہستہ یہ خبر عزیز کی بیوی تک بھی پہنچ گئی، اس کو یہ طعن بیحد شاق گذرا اور اس نے چاہا کہ اس کا انتقام لے، اور ایسا انتقام لے کہ جس بات پر وہ مجھ پر طعن کرتی ہیں اُسی میں اُن کو بھی مبتلا کیا جائے، یہ سوچ کر ایک روز اُس نے شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کو دعوت دی، جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے کھانا کھانے کیلئے چھریاں ہاتھ میں لے لیں تاکہ اُس سے گوشت یا ترنج جیسی چیزوں کو کاٹیں، تب عزیز کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو حکم دیا کہ وہ باہر آئیں، حضرت یوسف مالکہ کے حکم سے باہر نکلے تو تمام عورتیں جمالِ یوسف کو دیکھ کر حیران رہ گئیں، اور رُخِ انور کی تجلّی و تابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کی بجائے چھریوں سے ہاتھ کاٹ لئے، اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ کون کہتا ہے یہ انسان ہی، بخدا یہ تو نور کا پتلا اور بزرگ فرشتہ ہی، یہ دیکھ کر عزیز کی بیوی بیحد محظوظ ہوئی اور اپنی کامیابی اور اُن کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی، یہی تو وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارہ میں تم نے مجھ کو مطعون کر رکھا ہے اور تیر ملامت کا نشانہ بنایا ہوا ہے، اب اس کو دیکھ کر یہ تمہارا حال کیا ہی؟ بتاؤ میرا یہ عشق بیجا ہے یا بجا۔ اور تمہاری ملامت بے محل ہے یا برمحل؟

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ

اور (جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں۔

Marfat.com

الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۝

دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اُسے رجھالے وہ اُسکی چاہت میں دل ہار گئی، ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی۔ پس جب عزیز کی بیوی نے اُن عورتوں کے مکر کو سنا تو اُن کو بُلا بھیجا اور اُن کے لئے مسندیں آراستہ کیں اور (دستور کے موافق) ہر ایک کو ایک ایک چھُری پیش کر دی، پھر یوسف سے کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ، جب یوسف کو اُن عورتوں نے دیکھا تو اُس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں، انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ اور (بے اختیار) پکار اُٹھیں یہ تو انسان نہیں ہے، ضرور ایک ہے بڑے مرتبہ والا فرشتہ، تب (عزیز کی بیوی) بولی تم نے دیکھ یہ ہے وہ آدمی جس کے بارہ میں تم نے مجھے طعنے دیئے۔

عزیز کی بیوی نے یہ بھی کہا کہ بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے نہ ہوا۔ مگر میں یہ کہے دیتی ہوں کہ اگر اُس نے میرا کہا نہ مانا تو یہ ہو کر رہے گا کہ وہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے۔

حضرت یوسفؑ نے جب یہ سُنا اور پھر عزیز کی بیوی کے علاوہ اور سب عورتوں کے اپنے بارہ میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہوئے اور کہنے لگے، خدایا! جس بات کی جانب یہ عورتیں بُلا رہی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے قید میں رہنا کہیں زیادہ پسند ہے تو نے میری مدد نہ کی اور مجھ کو ان مکّاریوں سے نہ بچایا تو عجب نہیں کہ میں اُن کی جانب ہو جاؤں اور نادانوں میں سے بن جاؤں۔ یوسفؑ کی دعا، درگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اللہ تعالیٰ نے اُن عورتوں کے سب مکر و فریب دفع کر دیئے اور کامیابی کا سہرا یوسف (علیہ السلام) ہی کے سر رہا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا یوسف نے کہا اے میرے پروردگار جس بات کی طرف مجھ

Marfat.com

يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ	بلاتی ہیں مجھے اُس کے مقابلہ میں قید خانہ زیادہ پسند ہے، اور اگر تو
كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ	نے اُنکے مکر کو مجھ سے نہ ہٹا دیا اور میری مدد نہ کی تو میں کہیں اُن کی
الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ	جانب جھک نہ جاؤں اور نادانوں سے نہ ہو جاؤں، پس اس
فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ	کے ربّ نے اس کی دعا قبول کی اور اس سے اُن کا مکر ہٹا دیا
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝	بیشک وہ سُننے والا جاننے والا ہے۔

اس واقعہ میں مذکور ہے "قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ" (اُن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے) عام طور پر مفسرین اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جمالِ یوسفؑ سے مدہوش ہو کر واقعی یہ حالت ہو گئی تھی کہ انکو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اور کاٹنے والی چیز کی بجائے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔

مگر بعض مفسرینِ عصر[1] نے اس تفسیر کو صحیح نہیں سمجھا، اُن کے نزدیک مصری عورتوں کا یہ بھی تریا چرتر تھا اور وہ یوسفؑ کو اپنی جانب مائل کرنیکے لئے یہ بتانا چاہتی تھیں "کہ ہم تیرے حُسن کے اس قدر متوالے ہیں کہ تیری صورت دیکھ کر ہوش و حواس بھی جاتے رہے اور ہاتھوں کو زخمی کر لیا" اور اپنی اس تفسیر کی تائید میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ "اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ" یعنی یوسف علیہ السلام نے اُن کی اس حالت کو "کید" (مکر) سے تعبیر کیا ہے، اگر یہ اضطراری حالت ہوتی تو پھر وہ بے قصور تھیں، ایسی حالت میں اُن کے اس طرزِ عمل کو "کید" کہنے کے کیا معنی؟ نیز جب یوسف علیہ السلام کو شاہِ مصر نے زندان سے نکالنے کا حکم دیا ہے تو اُس وقت بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ:۔

فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ	پس تو بادشاہ سے جا کر دریافت کر کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنھوں نے
اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝	اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بلاشبہ میرا رب اُن کے مکر سے خوب واقف ہے

بہرحال عزیز پر چونکہ حضرت یوسفؑ کی صداقت ظاہر ہو چکی تھی اسلئے اس نے نہ چاہا کہ یوسفؑ کو کسی قسم کی گزند پہنچائے لیکن اس کی بیوی پر عشق کا بھوت بُری طرح سوار تھا، سو جب اُس نے خوشامد پاپلوسی، مکر و حیلہ کسی طرح سے مطلب برآری نہ دیکھی تو دھمکیوں سے کام لینا شروع کیا اور جب کوہِ استقامت

[1] مولانا آزاد (ترجمان القرآن، سورۂ یوسف)۔

کو اس کے باوجود بھی مطلق حرکت نہ ہوئی تو اب عزیز نے یوسفؑ کی صداقتوں کی تمام نشانیاں دیکھنے اور سمجھ لینے کے باوجود اپنی بیوی کی فضیحت و رسوائی ہوتی دیکھ کر یہ طے کر ہی لیا کہ یوسفؑ کو ایک مدت کے لئے زندان میں بند کر دیا جائے تاکہ یہ معاملہ لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے اور یہ چرچے بند ہو جائیں اس طرح حضرت یوسفؑ کو زندان جانا پڑا۔

اس موقعہ پر حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تحریر فرمایا ہے[1] کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا دکیساتھ چونکہ یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے ان کی بے حیائی کی دعوت کے مقابلہ میں زندان زیادہ پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مکر سے تو ان کو بچا لیا مگر قید ان کی قسمت میں مقدر کر دی اُن کو چاہیئے تھا کہ وہ یہ جملہ نہ کہتے اور بلاء وامتحان کو دعوت نہ دیتے، اور حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے اس لطیفہ کو قوی بنانے کے لئے ایک دوسرے محقق مفسر نے ایک حدیث کا حوالہ بھی دیدیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص خدا سے دعاء مانگا کرتا تھا۔ "اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصَّبْرَ" (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا تو بلاء و مصیبت کیوں مانتا ہے، اُس سے عافیت کا طالب کیوں نہیں ہوتا۔

ہمیں ان دونوں بزرگوں کی جلالت قدر کے پیش نظر اگرچہ جرأت گویائی نہیں ہے لیکن یوسف علیہ السلام جیسے عظیم المرتبت پیغمبر کی زندگی کے اس عدیم النظیر کارنامہ کو ایک لطیفہ کی نذر ہوتے رہا نہیں جاتا، اور بے اختیار یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا یہ جملہ "اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ" اُن کے علو شان، تقرب الی اللہ، استقامت فی الدین، عزیمت فی الحق اور رضاء و تسلیم کا وہ بے نظیر مظاہرہ ہے جو ان جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا ہی حصہ ہے۔

غور کیجیے، عزیز کی بیوی اور گھر کی مالکہ نے خوشامد و چاپلوسی کی کونسی راہ اختیار نہیں کی کہ اس سے یوسف کو رام کیا جا سکے، پھر اس میں ناکامی کے بعد دوسری عورتوں کی مدد حاصل کی اور انھوں نے اپنے ممکن داؤں گھات یوسف پر استعمال کئے مگر پھر بھی ناکامی رہی، اب آخری درجہ یہ تھا کہ اُس نے دھمکی دی کہ یا یوسف اس کو شاد کام کرے ورنہ قید خانہ میں ڈالا جائیگا

[1] موضح القرآن۔

ایسی حالت میں ایک باخدا انسان، صاحبِ عزیمت و استقامت ہستی اور خوفِ خدا کو تمام کائنات کے غیظ و غضب پر غالب رکھنے والا انسان، اس سے بہتر اور کیا جواب دے سکتا تھا کہ خدایا! میں اس عملِ بد کے مقابلہ میں زندان کو ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے قید و بند سب کچھ منظور ہے مگر تیری نافرمانی منظور نہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ قید کی طلب ہے زندان کے شوق کا اظہار ہے، بلاء و مصیبت کو دعوت ہے، ہرگز نہیں بلکہ یہاں تو لطیف پیرایہ میں وہ کہا جا رہا ہے جو اعلانِ حق اور خدا ہی کا صحیح درجہ ہے یوسفؑ نے یہ بھی گوارہ نہیں کیا کہ عزیز کی بیوی کو مخاطب کرے یا مہمان عورتوں کو اپنی گفتگو میں تخاطب کا موقع دے بلکہ اُس نے اپنے خدا کو پکارا، مگر اُن گمراہ اور بدقماش عورتوں پر یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھا کہ جس طرح ان کے تمام مکر و فریب، خوشامد اور چاپلوسی ناکام رہیں، اسی طرح ان کی دھمکی اور ان کا عذاب بھی میرے ارادۂ حق، اور خدا ہی کو باطل نہیں کر سکتا، یہ کہتی ہو کہ یوسف یا مجھ کو شاد کام کرے ورنہ جیل خانہ جائے" تو میں جیل خانہ کو اس کے ارادۂ بد کے مقابلہ میں لاکھ بار ترجیح دوں گا۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ۔

اب فرمائیے کہ اس اعلانِ حق، اور اظہارِ استقامت کا اس دُعا سے کیا تعلق جو ایک شخص خواہ مخواہ اپنے لئے "صبر" مانگ کر خود کو آزمائش میں پڑنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہاں نہ آزمائش تھی نہ امتحان بلکہ مفت میں بلاء و مصیبت کا داعی بن رہا تھا اور یہاں امتحان سر پر ہے آزمائش موجود ہے۔ مصیبت کی دھمکی دی جا رہی ہے، بلا نازل کرنے کا خوف دلایا جا رہا ہے۔ کیا ایسے نازک موقعہ پر صرف یہ جواب کافی ہوتا کہ یوسف علیہ السلام گڑگڑا کر جناب باری میں ارادۂ عزیزہ سے چھٹکارا پا لینے کی دُعا کرتے اور بس، اگر ایسا ہوتا، تو امتحان، آزمائش اور بلاء و مصیبت کے وقت استقامت، اعلانِ حق بے خوفی اور تمام دنیوی رعونتوں کے مقابلہ میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کا سبق کون سکھاتا، عزیمت کی زندگی کون بتاتا، باطل سے بے خوفی کی تعلیم کس سے ملتی اور حق و باطل میں امتیاز کی شان کون پیدا کرتا؟

Marfat.com

یوسف زندان میں | بہر حال یوسف علیہ السّلام کو قید خانہ بھیجدیا گیا اور ایک بے خطا کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ عزیز کی بیوی فضیحت سے بچ جائے اور مجرم کو کوئی مجرم نہ کہہ سکے تورات میں ہے کہ یوسف ؑ کے علمی اور عملی جوہر قید خانہ میں بھی نہ چھپ سکے اور قید خانہ کا داروغہ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا اور جیل کا تمام انتظام و انصرام اس کے سپرد کر دیا وہ قیدخانہ کا بالکل مختار ہو گیا اور خداوند نے وہاں بھی اُسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا۔[1]

قرآن عزیز سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے اس لئے کہ اُس زمانے کے قیدخانوں کے حالات کے پیش نظر یوسف علیہ السلام کے پاس قیدیوں کا اس طرح آنا جانا اور پھر اُنکی عظمت و نیک نفسی کا اعتراف، اس کو واضح کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے پاک اوصاف کی قیدخانہ میں کافی شہرت تھی۔

دعوت و تبلیغ | حُسن اتفاق کہ یوسف علیہ السّلام کے ساتھ دو نوجوان اور قید خانہ میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک شاہی ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا داروغہ[2]، ایک روز دونوں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اُن میں سے ساقی کہنے لگا میں نے یہ خواب دیکھا، کہ میں شراب بنانے کیلئے انگور نچوڑ رہا ہوں' اور دوسرے نے کہا میں نے یہ دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرند اس سے کھا رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نبی زادہ تھے، اسلام کی تبلیغ کا ذوق اُن کے ریشہ ریشہ میں پیوست تھا، پھر خدا نے اُن کو بھی نبوت کیلئے چُن لیا تھا۔ اس لئے دینِ حق کی اشاعت اُن کی زندگی کا نصب العین تھا، گو قید میں تھے مگر مقصدِ حیات کو کیسے بھول جاتے اور اگرچہ مصیبت و محن میں تھے لیکن اعلاءِ کلمۃ اللہ کو فراموش کر دیں یہ کیسے ممکن تھا۔ موقعہ کو غنیمت جانا اور ان سے نرمی اور محبت سے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے جو باتیں مجھے تعلیم فرمائی ہیں منجملہ اُن کے یہ علم بھی اُس نے عطا فرمایا ہے، میں اس سے پہلے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے تمہاری خواب

[1] پیدائش باب ۳۹ آیت ۲۳ [2] پیدائش باب ۴۰ آیت ۱۔

Marfat.com

کی تعبیر بتا دوں گا مگر میں تم سے ایک بات کہتا ہوں ذرا اس پر بھی غور کرو اور سمجھو بوجھو۔
"میں نے اُن لوگوں کی ملت ترک کر دی ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں، میں اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی ملت کی پیروی کی ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں، یہ اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے، لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔"
"اے دوستو! تم نے اس پر بھی غور کیا جُدا جُدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یکتا اور سب پر غالب ہے؟ تم اُس کے علاوہ جن کی عبادت بھی کرتے ہو اُن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جنکو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے ہرگز کوئی سند نہیں اُتاری، حکومت تو صرف اللہ کے ہی لیئے ہے، اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر آدمی نہیں جانتے۔"

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ	"اے یاران مجلس! (تم نے اس پر بھی غور کیا کہ) جُدا جُدا معبودوں کا ہونا
خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ	بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے، تم اسکے سوا جن ہستیوں
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ	کی بندگی کرتے ہو اُن کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ	نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیئے ہیں، اللہ
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ	نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اُتاری، حکومت تو اللہ ہی کیلئے
اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ	ہے، اُس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اُس کی بندگی کرو اور کسی کی نہ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف)	کرو، یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔"

رشد و ہدایت کے اس پیغام کے بعد حضرت یوسفؑ اُن کے خوابوں کی تعبیر کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

دوستو! جس نے یہ دیکھا ہے کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے وہ پھر آزاد ہو کر بادشاہ کے ساقی کی خدمت انجام دیگا اور جس نے روٹیوں والا خواب دیکھا ہے اس کو سولی دی جائیگی اور پرندے اسکے سر کو نوچ نوچ

Marfat.com

کھائیں گے، جن باتوں کے بارہ میں تم نے سوال کیا تھا وہ فیصل ہو چکی، اور فیصلہ یہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ساقی اور داروغہ باورچی خانہ پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے بادشاہ کے کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملایا، جب تحقیقات ختم ہو گئی تو داروغہ پر یہ جرم ثابت ہو گیا اور ساقی کو بری کر دیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب تعبیر خواب سے فارغ ہو گئے تو ساقی سے یہ سمجھ کر کہ وہ نجات پا جائیگا۔ فرمانے لگے "اذکرنی عند ربک" اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کرنا، ساقی جب رہا ہو گیا تو اس کو اپنی مشغولیتوں میں کچھ بھی یاد نہیں رہا کہ زندان میں کیا وعدہ کر آیا تھا۔ اور شیطان نے اسکے دماغ سے یہ سب بھلا دیا اور اس طرح چند سال تک یوسف علیہ السلام کو قیدخانہ ہی میں رہنا پڑا۔

اس مقام پر اکثر مفسرین کی تفسیر کا ماحصل یہ ہے کہ اذکرنی عند ربک" سے یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ بادشاہ سے کہنا کہ ایک بے قصور اور بے گناہ انسان اس طرح مجرم بنا کر زندان میں ڈال دیا گیا ہے اور اس تفسیر کے بعد وہ یہ نکتہ پیدا کرتے ہیں کہ اگرچہ مصائب اور ضرورت کے موقعہ پر انسان کا انسانوں سے مدد لینا اور استعانت طلب کرنا حق کوشی اور خداپرستی کیخلاف نہیں ہے، تاہم بمصداق حسنات الابرار سئیات المقربین" (نیکوں کی بعض بھلائیاں مقربین بارگاہ الٰہی کے شایانِ شان نہیں ہوتیں) حضرت یوسف جیسی ہستی کیلئے یہ موزوں تھا کہ وہ خدا پر بھروسہ کے ساتھ ساتھ دنیوی اسباب پر بھروسہ کریں، اور بادشاہ سے اپنی مظلومیت کے دفاع کے طالب ہوں۔ اسلئے خدا کا فیصلہ یہ ٹھہرا کہ اُن کو ابھی چند سال اور قیدخانہ میں رکھے اور ساقی کو شیطان نے ایسا بھلایا کہ وہ یوسفؑ کا کچھ بھی ذکر نہ کر سکا، اور ابن جریر اور بغوی نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ "فانساہ" کی ضمیر کو یوسف کیجانب پھیرتے، اور یہ معنی کرتے ہیں کہ شیطان نے یوسف کو بھلا دیا کہ انکا بادشاہ کی مدد کیلئے ساقی سے کہنا ناموزوں ہی، مگر ابن کثیر نے اس کو سختی کیساتھ رد کر دیا اور اس معنی کی تغلیط کی۔[1]

اس تفسیر کے برعکس بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ ایسا ایک شخص ہم کو اس طرح دینِ حق کی تلقین کرتا ہے، اور وہ اپنی ملت

[1] تفسیر ابن کثیر سورۂ یوسف۔

Marfat.com

کو ہماری ملت سے جُدا بتاتا، اور اس پر بہترین دلائل دیتا ہے۔"

اور اس تفسیر کی صحت کیلئے قرینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر قرآن عزیز میں یوسف علیہ السلام اور ان دو شخصوں کے درمیان صرف دو ہی باتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے ایک دعوت تبلیغ اسلام کا اور دوسرے خواب اور اس کی تعبیر کا، تیسری کسی بات کا اشارہ تک نہیں یعنی کسی اشارہ اور کنایہ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت یوسفؑ نے ان ہر دو اشخاص کے سامنے اپنا قصہ بیان کیا ہو اور اُن کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہو، پھر بغیر ذکرِ سابق کے اس طرح "اذکرنی عند ربک" میں اجمال کے کیا معنی؟ علاوہ ازیں اگر یوسفؑ کے زندان سے باہر آنے کی طلب جستجو کا یہ حال تھا تو جب ساقی کے یاد آنے، اور بادشاہ کی خواب کی تعبیر دینے کے بعد بادشاہ نے اُن کی رہائی کا حکم دیدیا تو کیوں فوراً باہر نہ نکل آئے اور تفتیش حال کا مطالبہ کیوں کیا، یہ تو رہائی کے بعد بھی ہو سکتی تھی اور عصمت، اور بے گناہی کا فیصلہ باہر آکر بھی ہو سکتا تھا۔

توارات میں اس واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا۔ اور تجھے تیرا منصب پھر دے گا اور آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دیگا لیکن جب تو خوش حال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھے اس گھر سے مخلصی دلائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے چرا لائے، اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے اس قید میں رکھیں[1]

فرعون کا خواب حضرت یوسفؑ کا یہ واقعہ "فراعنۂ مصر" کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ خاندانِ شاہی نسلی اعتبار سے "عمالقہ" میں سے تھا، مصر کی تاریخ میں ان کو "ہیکسوس" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کی اصلیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چرواہوں کی ایک قوم تھی، جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم عرب سے آئی تھی اور در اصل یہ "عرب عاربہ" ہی کی ایک شاخ تھی، نیز قدیم قبطی اور عربی زبانوں کی باہمی مشابہت ان کے عرب ہونے کی مزید دلیل ہے[2]

---

[1] پیدائش باب، ۴۰ - آیت ۱۲ - ۱۵

[2] ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۳۶۶

Marfat.com

اور مصر کی مذہبی تخیل کی بنا پر ان کا لقب "فاراع" (فرعون) تھا، اس لئے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتا "آمن راع" (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہِ وقت اُس کا اوتار اور "فاراع" کہلاتا تھا، یہی فاراع عبرانی میں فارعن اور عربی میں فرعون کہلایا، اور اس زمانہ کے فرعون کا نام عرب مؤرخوں نے ریان بتایا ہے اور مصری آثار میں آپوپی کے نام سے موسوم ہے۔

بہرحال حضرت یوسفؑ ابھی زندان ہی میں تھے کہ وقت کے فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دُبلی اور دُبلی گائیں موٹی کو نگل گئیں، اور سات سرسبز و شاداب بالیں ہیں اور سات خشک اور خشک بالوں نے سرسبز کو کھالیا، بادشاہ صبح اٹھا تو پریشان خاطر تھا اور اس عجیب و غریب خواب سے حیران، فوراً دربار کے مشیروں سے اپنا خواب کہا اور خواب کی تعبیر چاہی درباری بھی اس کو سُن کر فکر و تردد میں پڑ گئے اور جب حل نہ کر سکے تو اپنی درماندگی و بیچارگی کو چھپانے کیلئے کہنے لگے، بادشاہ! یہ خواب نہیں ہے بلکہ پریشان خیالات ہیں۔ جن کا کوئی خاص مطلب نہیں ہے، ہم سچے خواب کی تعبیر تو دے سکتے ہیں لیکن پریشان خیالات حل نہیں کر سکتے۔

بادشاہ کو درباریوں کے اس جواب سے اطمینان نہ ہوا، کہ اس اثناء میں ساقی کو اپنا خواب اور یوسفؑ کی تعبیر کا واقعہ یاد آگیا، اُس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر کچھ مہلت دیجئے تو میں اس کی تعبیر لا سکتا ہوں، مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دیجئے، بادشاہ کی اجازت سے وہ اُسی وقت قید خانہ پہونچا اور حضرت یوسفؑ کو بادشاہ کا خواب سنایا اور کہا کہ آپ اسکو حل کیجئے کیونکہ آپ سچائی اور تقدس کی پیکر ہیں، آپ ہی اس کو حل کر سکتے ہیں، اور کیا عجب ہے کہ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں صحیح تعبیر لیکر اُن کے پاس واپس جاؤں تو وہ آپکی حقیقی قدر و منزلت معلوم کر لیں

لہ مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان سب سے بلند تر "آمن راع" تھا یعنی سورج دیوتا، نیز مصر لوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشوونما پا چکا تھا اور تاجدارانِ مصر نے نیم خدائی حیثیت اختیار کر لی تھی اُن کا لقب فاراع اسی لئے ہوا کہ وہ راع یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲) پھر یہی فاراع عربی میں جاکر فرعون بن گیا۔

Marfat.com

حضرت یوسفؑ کا کمال صبر و استقلال، اور جلالت قدر کا اندازہ کیجیے، ساقی کو نہ ملامت کی اور نہ برسوں تک بھولے رہنے پر جھڑکا، اور نہ عطاءِ علم میں بخل سے کام لیا اور نہ یہ سوچا کہ جن ظالموں نے مجھکو بے قصور زندان میں ڈالا ہے وہ اگر تباہ ہوجائیں اور اس خواب کا حل نہ پاکر برباد ہوجائیں تو اچھا ہے۔ ان کی یہی سزا ہے، نہیں ایسا کچھ بھی نہیں کیا بلکہ اسی وقت خواب کی تعبیر اور اپنی جانب سے اس سلسلہ میں صحیح تدبیر بھی بتلادی، اور ساقی کو پوری طرح مطمئن کردیا۔ فرمایا۔

اس خواب کی تعبیر، اور اسکی بنا پر جو کچھ تم کو کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ تم سات برس تک لگاتار کھیتی کرتے رہوگے اور یہ تمہاری خوش حالی کے سال ہوں گے، جب کھیتی کے کٹنے کا وقت آئے تو جس قدر مقدار تمہارے سال بھر کھانے کے لئے ضروری ہو اسکو الگ کرلو اور باقی غلہ کو اُن کی بالوں ہی میں رہنے دو تاکہ محفوظ رہے اور گلے سڑے نہیں، اس کے بعد سات برس بہت سخت مصیبت کے آئیں گے وہ تمہارا جمع کیا ہوا تمام ذخیرہ ختم کردیں گے، اس کے بعد پھر ایک برس ایسا آئیگا کہ خوب پانی برسے گا۔ کھیتیاں ہری بھری ہوں گی اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اور تیل بہتات کے ساتھ نکالیں گے یعنی موٹی گائیں اور بالیں خوش حالی کے سال ہیں اور دُبلی گائیں اور بالیں خشک سالی کے برس جو خوش حالی کی پیداوار کو کھاجائیں گے۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

کہا تم کھیتی کروگے سات برس جم کر سو جو کاٹو اُس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ، پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھاجائیں گے جو رکھا تم نے اُنکے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھوگے بیج کے واسطے، پھر آئیگا ایک برس اس کے پیچھے اس میں مینہ برسیگا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

یہ قرآنِ عزیز کی بلاغت کلام کا اعجاز ہے کہ اُس نے حضرت یوسفؑ کی تعبیر خواب اور اس سے متعلق تدبیر کو ایک ہی جملہ میں ساتھ ساتھ بیان کردیا ہے۔ تاکہ کلام میں تکرار اور دُہرانے کی ضرورت باقی نہ رہے

Marfat.com

ساقی نے یہ سب معاملہ بادشاہ کے سامنے جا سُنایا۔ بادشاہ نے ساقی کی زبان سے پہلے کچھ جملے یوسفؑ کی تعریف میں سُنے تھے، تعبیر خواب کا معاملہ دیکھ کر اُن کے علم و دانش، اور جلالتِ قدر کا قائل ہو گیا اور نادیدہ مشتاق بن کر کہنے لگا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ۔

جب بادشاہ کا پیامبر یوسف کے پاس پہنچا اور بادشاہ کے طلب و اشتیاق کا حال سُنایا تو حضرت یوسف نے قید خانہ سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس طرح تو میں جانے کو تیار نہیں ہوں، تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ اُن عورتوں کا معاملہ کیا تھا، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ پہلے یہ بات صاف ہو جائے کہ انھوں نے کیسی کچھ مکاریاں کی تھیں اور میرا پروردگار تو اُن کی مکاریوں سے خوب واقف ہے۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) بے قصور اور بے خطا برسوں سے قید خانہ میں بند تھے اور بلا وجہ اُن کو زندانی بنایا ہوا تھا۔ اب جبکہ بادشاہ نے مہربان ہو کر رہائی کا مژدہ سنایا تو چاہیے تھا کہ وہ مسرت و خوشی کے ساتھ زندان سے باہر نکل آتے، مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا، اور گذشتہ معاملہ کی تحقیق کا مطالبہ شروع کر دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف خانوادۂ نبوت سے ہیں اور خود بھی برگزیدہ نبی و پیغمبر ہیں، اس لئے غیرت و حمیت اور عزت نفس کے بدرجۂ اتم مالک ہیں انھوں نے سوچا کہ اگر بادشاہ کی اس مہربانی پر میں رہا ہو گیا تو یہ بادشاہ کا رحم و کرم سمجھا جائیگا اور میرا بے قصور اور صاحب عصمت ہونا پردۂ خفا میں رہ جائیگا، اس طرح صرف عزت نفس ہی کو ٹھیس نہیں لگے گی بلکہ دعوت و تبلیغ کے اس اہم مقصد کو بھی نقصان پہونچیگا جو میری زندگی کا نصب العین۔ پس اب بہترین وقت ہے کہ معاملہ کی اصل صورت سامنے آجائے اور حق ظاہر و واضح ہو جا۔

صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا ذکر فرما۔ ہوئے حضرت یوسفؑ کے ضبط و صبر کو بہت سراہا اور تواضع و کسر نفسی کی حد تک اس کو بڑھا کر یہ ارشاد فرمایا:۔

لو لبثت فی السجن مالبث یوسف　　اگر میں اس قدر دراز مدت تک قید میں رہتا جس قدر کہ یوسف

Marfat.com

لاجبت الداعی[1] (الحدیث) ـ میں ہوتا تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کرلیتا۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگرچہ یوسف علیہ السلام کا معاملہ براہِ راست عزیز کی بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا مگر حضرت یوسفؑ نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ اُن مصری عورتوں کا حوالہ دیا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، حضرت یوسفؑ نے ایسا کیوں کیا، اس کی دو وجہیں تھیں ایک یہ حضرت یوسفؑ کو اگرچہ عزیز کی بیوی سے زیادہ تکلیف پہونچی تھی مگر قید کے اس معاملہ میں ان عورتوں کی بھی سازش تھی اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک یوسفؑ کی عاشق اور اُن کو اپنی جانب مائل کرنے کی آرزو مند تھی، اور ناکامی کی صورت میں سب نے مل کر عزیز کی بیوی کو اُس کے قید والے فیصلہ میں شہ دی اور عملی جامہ پہنا کر چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ زندان کا معاملہ ان عورتوں کے قضیہ کے بعد پیش آیا، دوسری یہ کہ حضرت یوسفؑ سمجھتے تھے کہ عزیز نے میرے ساتھ ممکن حسنِ سلوک برتا ہے، میری عزت اور میرا احترام کیا ہے اس لئے موزوں نہیں ہے کہ میں اُس کی بیوی کا نام لے کر اس کی رسوائی کا باعث بنوں۔

غرض بادشاہ نے جب یہ سنا تو اُن عورتوں کو بلوایا اور اُن سے کہا کہ صاف صاف اور صحیح صحیح بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے جب کہ تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے تا کہ تم اس کو اپنی طرف مائل کرلو؟ وہ ایک زبان ہو کر بولیں:۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ ـ بولیں حاشا للہ ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔

مجمع میں عزیز کی بیوی بھی موجود تھی" اور اب وہ عشق و محبت کی بھٹی میں خام نہ تھی کندن تھی اور ذلت و رسوائی کے خوف سے آگے نکل چکی تھی" اس نے جب یہ دیکھا کہ یوسف کی خواہش ہے کہ حقیقت حال سامنے آجائے تو بے اختیار بول اٹھی:۔

اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ، اَنَا رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ـ جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی، ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے، بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے

اور یہ بھی کہا:۔

[1] بخاری کتاب الانبیاء

Marfat.com

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	یہ میں نے اس لئے کہا کہ اُس (یوسف) کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اُسکے پیٹھ پیچھے اُس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی نیز اس لئے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی) کی راہ نہیں کھولتا میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی، آدمی کا نفس تو بُرائی کے لئے بڑا ہی اُبھارنے والا ہے مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

ہم نے اس آیت کا ترجمہ مشہور مفسر ابن حیّان اندلسی کی تفسیر کے مطابق کیا ہے، دوسرے مفسرین اس کے علاوہ تفسیر کرتے ہیں۔
حافظ ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور اُن کے شاگرد رشید حافظ عماد الدین کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

"یہ میں نے اس لئے کہا کہ اُس (عزیز) کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اُس کی (اس سے زیادہ اور کوئی) خیانت نہیں کی (جس کا حال اُسے معلوم ہے) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو کامیاب نہیں کرتا (سوا اگر میں نے اس سے زیادہ خیانت کی ہوتی تو اس کا بھی پردہ فاش ہو کر رہتا) اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بیشک نفس البتہ بُرائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم کرے، بیشک میرا پروردگار بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔"
یعنی اُنھوں نے اس مقولہ کو عزیز کی بیوی کا مقولہ قرار دیکر "لَمْ اَخُنْهُ" کی ضمیر کا مرجع عزیز کو قرار دیا ہے۔

اور عام مفسرین اس پورے مقولے کو حضرت یوسف علیہ السلام کا مقولہ قرار دیتے ہیں اور "لم اخنہ" کی ضمیر کو اُسی طرح عزیز کی بیوی کی جانب پھیرتے ہیں جس طرح حافظ ابن تیمیہ کی رائے ہے۔ اور آیت کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔
یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کے پیٹھ پیچھے اُس کی خیانت نہیں

Marfat.com

کی اور اللہ تعالیٰ دغابازوں کا فریب کامیاب نہیں کرتا، اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا
بیشک نفس تو سکھلاتا ہی برائی مگر یہ کہ رحم کرے میرا پروردگار بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

اور "مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ" کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے چونکہ اپنی عصمتِ نفس کا اس موقعہ پر زبردست مظاہرہ کیا تھا تو ایک جلیل القدر نبی اور مقرب بارگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری تھا کہ میری پاکبازی اور عصمت کا یہ معاملہ میرے اپنے نفس کی بدولت نہیں ہے کیونکہ نفسِ انسانی تو اکثر برائی پر ابھارتا ہے بلکہ یہ محض خدا کی رحمت و عنایت کا صدقہ ہے۔ اور یہی رحمت، عصمتِ انبیاء کی کفیل ہے۔

بہرحال وقت آپہونچا کہ حضرت یوسفؑ کی عصمت و پاکبازی اور صداقت و طہارت کا معاملہ تہمت لگانے والوں کی زبان ہی سے واضح ہو جائے، چنانچہ واضح اور ظاہر ہو گیا اور شاہی دربار میں مجرموں نے اعتراف جرم کر کے یہ بتا دیا کہ یوسفؑ کا دامن ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک اور منزہ ہے۔

لطیفہ | امام رازی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ یوسفؑ خدا کے سچے پیغمبر اور نبی معصوم تھے اسلئے ان کا دامن ہر قسم کی آلائش سے پاک صاف تھا، اور اُن کی مقدس زندگی کا ایک لمحہ بھی کسی آلودگی سے ملوث نہیں ہوا تھا، اس لئے خدائے تعالیٰ کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ یوسفؑ کے واقعہ سے تعلق جس قدر بھی شخصیتیں تھیں اُن سب کی زبانی اُنکی طہارتِ نفس اور عصمت کا اعتراف کرایا۔

۵ الفضل ما شهدت به الاعداءُ

اچھا یوسفؑ کے علاوہ اس واقعہ کی شخصیتیں کون ہیں؟ عزیز مصر، عزیز کی بیوی، شہری عورتیں اور عزیز کی بیوی کا رشتہ دار یہی افراد ہیں جو کسی نہ کسی طرح تحقیق طلب معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سب سے پہلے عزیز کی بیوی کا رشتہ دار سامنے آتا ہے، اور پیراہن کے چاک ہونے کا عاقلانہ فیصلہ دے کر یوسفؑ کی پاکی کا اظہار کرتا اور عورت کو مجرم ٹھہراتا ہے، اس کے بعد حقیقت حال واضح ہو جانے پر عزیز بھی اقرار کرتا ہے کہ یوسفؑ بے گناہ بے خطا اور معصوم ہے اور "یُوْسُفُ اَعْرِضْ

Marfat.com

عَنْ ھٰذَا " کہہ کر یوسف (علیہ السلام) سے معذرت کرتا اور اپنی ناموس کی حفاظت کی خاطر معاملہ کو ختم کرنیکی درخواست کرتا ہے، تیسرا نمبر شہری عورتوں کا ہے، جب بادشاہ نے بھرے دربار میں یوسف کی معاملہ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بے تامل کہہ دیا " حاش للہ ما علمنا علیہ من سوء
اور اس طرح یوسف (علیہ السلام) کی پاکدامنی پر مہر لگادی، یہ سب شہادتیں اگرچہ یوسف کے عزیزوں رشتہ داروں اور حامیوں کیجانب سے نہ تھیں بلکہ ایک اجنبی ملک، عزیز کی بیوی کے ہم قوم اور اہل خاندان کی شہادتیں تھیں، تاہم وہم وگمان ہوسکتا تھا کہ کچھ عجب نہیں کہ اس معاملہ میں کسی حد تک " اگرچہ بہت تھوڑا ہی سہی " یوسف کا بھی ضرور قصور ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان فضل وکرم تھا کہ اُس نے اپنے پاک اور مقدس بندہ کی عصمت کے اعلان اور اس کے بارہ میں شائبہ سوء ظن کے انہدام کیلئے علیٰ رؤس الاشہاد خود مجرم سے اقرار جرم کرایا، اور اس ہی کی زبان سے یوسف کی عصمت وصداقت کی شہادت دلا کر حقیقت حال آشکارا کردی اور شاہی دربار میں عزیز کی بیوی کو یہ کہنا پڑا کہ " الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین " (اب حق ظاہر ہوگیا میں نے ہی اُس کو اپنے نفس کے لئے پھسلایا تھا اور بلاشبہ وہ سچا ہے "۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا عطا کرتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ — اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

فرعون پر جب حقیقت حال منکشف ہوگئی تو اُس کے قلب میں حضرت یوسف کی عظمت جلالت قدر کا سکہ بیٹھ گیا، ساقی کا حسن عقیدت کے ساتھ یوسف کی عقل ودانش کا ذکر اپنی خواب کی بہترین اور دل لگتی تعبیر اور عصمت نفس کا یہ انکشاف یہ سب امور تھے جنھوں نے مل کر بادشاہ کو اس بزرگ اور پر عظمت ہستی کی دید اور اُس سے استفادہ کا عاشق بنادیا، وہ کہنے لگا۔

اِئْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ — اس کو (جلد) میرے پاس لاؤ کہ میں خاص اپنے کاموں کیلئے مقرر کر

یوسف (علیہ السلام) اب بایں رعنائی ودلبری، بایں عصمت وپاکبازی اور بایں عقل ودانش زندان سے نکلکر بادشاہ کے دربار میں تشریف لائے، بات چیت ہوئی تو بادشاہ حیران رہ گیا کہ اب تک جس

Marfat.com

راستبازی امانت داری اور وفاء عہد کا یہ کچھ تجربہ کیا تھا وہ عقل و دانش اور حکمت و فطانت میں بھی آپ اپنی نظیر ہے اور مسرت کے ساتھ کہنے لگا۔

اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ بلا شبہ آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانتدار ہے۔

پھر اُن سے دریافت کیا کہ میرے خواب میں جس قحط سالی کا ذکر ہے اس کے متعلق مجھ کو کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں، حضرت یوسفؑ نے جواب دیا۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۔ یوسف نے کہا! اپنی مملکت کے خزانوں پر آپ مجھے مختار کیجئے میں حفاظت کر سکتا ہوں، اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور حضرت یوسفؑ کو اپنی تمام مملکت کا امین و کفیل بنا دیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں اُن کے حوالہ کر کے مختارِ عام کر دیا۔ توراۃ میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی، فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا، کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہیں؟ اور فرعون نے یوسف سے کہا از بس کہ خدا نے تجھے اس سب میں بینائی دی ہے سو کوئی تجھ سا عاقل و دانش ور نہیں ہے، تو میرے گھر کا مختار ہوا اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگتر رہوں گا، پھر فرعون نے یوسف سے کہا دیکھ میں نے تجھے ساری زمینِ مصر پر حکومت بخشی اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی اور اس کو کتان کا لباس پہنایا اور سونے کا طوق اس کے گلے میں ڈالا اور اس نے اُسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا، اور فرعون نے یوسفؑ کو کہا میں فرعون ہوں اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا[1]

اللہ اللہ! خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عطاء و کرم کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ کل جس ہستی کو مصر کی متمدن قوم، بدوی اور صحرائی سمجھتی تھی، جو بدوی تھا اور غلام بھی اسکو پہلے ایک سردار کے گھر کا مختار اسکی نگاہوں میں محترم و معزز اور امین و فطین بنایا، اور پھر قید خانہ کی زندگی سے نکالا تو مملکت مصر اور قومِ مصر کا مالک و مختار بنا دیا، اور اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ اسبابِ ظاہری کے ماتحت جس کا تصور

[1] پیدائش باب ۴۱ آیات ۳۷-۴۴۔

Marfat.com

بھی ممکن نہ تھا یہ قادرِ مطلق کی کارفرمائی کا معجزانہ مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے کہ کل جو کنعان میں گلہ بانی کر رہا تھا وہ آج وقت کی سب سے بڑی متمدن قوم کا مختار و مالک بن کر جہانبانی کر رہا ہے۔ سچ ہے جسکو وہاں قبولیت کا شرف حاصل ہوگیا اس کے لئے راہ کی تمام دشواریاں ہیچ ہیں اور حالات کی نامساعدت پرِکاہ کی وقعت بھی نہیں رکھتی۔

اسی لئے حق تعالیٰ نے "عزیز" کے کاروبار کا مختار بنا کر یوسفؑ کیلئے یہ فرمایا تھا کہ ہم نے اسکو "تمکین فی الارض" عطا کر دی اور اب جبکہ اس آغاز کی یہ انتہا نمود میں آگئی تو پھر ارشاد فرمایا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔

اور اس طرح ہم نے سرزمینِ مصر میں یوسفؑ کے قدم جما دیئے کہ جس جگہ سے چاہے حسبِ مرضی رہنے سہنے کا کام لے، ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیضیاب کر دیتے ہیں اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور بد عملیوں سے بچے رہے ان کیلئے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کیلئے دو جگہ "تمکین فی الارض" (زمین کا مالک بنا دینا) کی بشارت سنائی گئی ہے اور دونوں مقام پر تعبیر کا نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس کے متعلق مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں کیا خوب کہا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے، ایک یہ جب غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقہ کے مختار ہو گئے، دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسندِ اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے پس جب پہلے انقلاب تک سرگذشت پہونچی تھی تو آیت (۲۱) میں حکمتِ الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت (۵۶) میں فرمایا كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ، وہاں چونکہ معاملہ مصر کی ابتدا ہوئی تھی اور ابھی حضرت یوسفؑ

Marfat.com

حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی اس لئے فرمایا تھا وَلِنُعَلِّمَہٗ مِنۡ تَاوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ یہاں چونکہ تکمیلِ کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تھا اس لئے فرمایا "لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ" یہ اس لئے ہوا کہ ہمارا قانون ہے۔ نیک عمل کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا، ضروری ہے کہ پھل لائے۔[1]

شروع واقعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ سورۂ یوسف کا نزول یہودیوں کے اس سوال پر ہوا جو انھوں نے مشرکینِ مکہ کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا وہ یہ کہ "ابراہیمؑ کی نسل مصر میں کیسے آئی؟"

اس لئے آیت زیرِ بحث کی تفسیر میں شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہٗ) ارشاد فرماتے ہیں،

یہ جواب ہوا اُن کے سوال کا کہ "اولادِ ابراہیم اس طرح شام سے آئی مصر میں" اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسف کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہو۔ اور اللہ نے زیادہ عزت دی اور ملک پر اختیار دیا" ویسا ہی ہوا ہمارے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو۔[2]

غرض حضرت یوسفؑ نے سلطنتِ مصر کے مختارِ کل ہونے کے بعد خواب سے متعلق وہ تمام تدابیر شروع کر دیں جو چودہ سال کے اندر مفید کار ہو سکیں اور رعایا قحط سالی کے ایام میں بھی بھوک اور پریشان حالی سے محفوظ رہ سکے۔ چونکہ یہ تفصیل خواب اور اُسکی تعبیر کے ضمن میں خود بخود ذہن میں آجاتی ہے۔ اس لئے قرآنِ عزیز نے ان غیر ضروری حصص واقعات کو بیان نہیں کیا، البتہ توراۃ نے ان تفصیلات کو بھی دہرایا ہے۔

اور یوسف جس وقت مصر کے بادشاہ فرعون کے حضور کھڑا ہوا تیس برس کا تھا اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا اور بڑھتی کے سات برسوں میں زمین مالا مال ہوئی تب اس نے ان سات برسوں کی ساری چیزیں کھانے کی جو سرزمینِ مصر میں تھیں جمع کیں اور اس نے اُن کھانے کی چیزوں کو بستیوں میں ذخیرہ کیا اور ان کھیتوں کی جو ہر بستی کے آس پاس تھے کھانے

[1] ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۲۳۵ (نوٹ) [2] موضح القرآن، سورۂ یوسف

Marfat.com

کی چیزیں اسی بستی میں رکھیں اور یوسف نے غلہ بہت کثرت سے جیسے دریا کی ریت ایسا کہ وہ حساب کرنے سے باز رہا جمع کیا۔ کیونکہ وہ بے حساب تھا اور سات برس ستی کے جو زمین مصر میں تھے آخر ہوئے اور گرانی کے سات برس جیسا کہ یوسف نے کہا تھا آنے شروع ہوئے اور سب زمین میں گرانی ہوئی، پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی پھر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کیلئے فرعون کے آگے چلائی۔ فرعون نے سب مصریوں کو کہا کہ یوسف کے پاس جاؤ وہ جو تمہیں کہے سو کرو، اور تمام روئے زمین پر کال تھا۔ اور یوسف نے ذخیرے کے کھتے کھول کے مصریوں کے ہاتھ بیچے اور مصر کی زمین میں کال بہت بڑھا، اور سارے ملکِ مصر میں مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔

جب یعقوبؑ نے دیکھا کہ مصر میں غلہ ہے تب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم کیوں ایک دوسرے کو تاکتے ہو، دیکھو، میں نے سنا ہے کہ مصر میں غلہ ہے تم وہاں جاؤ اور وہاں سے ہمارے لئے مول لو، تاکہ ہم جییں اور مریں نہیں ۔[1]

غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو مصر اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں بھی سخت کال پڑا اور کنعان میں خاندانِ یعقوبؑ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا جب حالت نزاکت اختیار کر گئی تو حضرت یعقوبؑ نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں عزیزِ مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ کنعانی قافلہ عزیزِ مصر سے غلہ لینے کے لئے مصر روانہ ہوا، خدا کی قدرت دیکھئے کہ برادرانِ یوسف کا یہ قافلہ اُسی بھائی سے غلہ لینے چلا ہے جس کو اپنے خیال میں وہ کسی مصری گھرانے کا معمولی گمنام غلام بنا چکے تھے مگر اس یوسف فروش قافلہ کو کیا معلوم کہ وہ کل کا غلام آج مصر کے تاج و تخت کا مالک و مختارِ کل ہے اور اسکو اسی کے سامنے عرضِ حال کرنا ہے بہرحال کنعان سے چل کر اور مصر جا پہنچے اور جب دربارِ یوسفی میں پیش ہوئے تو یوسف (علیہ السّلام) نے ان کو پہچان لیا

[1] پیدائش باب ۴۱ آیات ۴۶ - ۴۹ - ۵۳ - ۵۷ و باب ۴۲ آیات ۱ - ۲ -

Marfat.com

اور کیوں نہ پہچانتے رنگ ڈھنگ، بول چال، لب ولہجہ، نقشہ وصورت اور ساری ادائیں یوسفؑ کی جانی پہچانی تھیں، البتہ وہ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے اور کس طرح پہچانتے؟ کل جو چھوٹا سا بچہ تھا آج وہ تقریباً چالیس سالہ تجربہ کار انسان ہے، نقشہ ورنگ اور بول چال سے کچھ شبہ بھی کرتے تو کس طرح؟ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ یوسف اور تختِ شاہی! مگر یہ واقعہ تھا حقیقت تھی اور اپنے برگزیدہ بندہ کے ساتھ ربّ العٰلمین کا وہ معاملہ تھا جو صفحۂ دنیا پر ثبت ہوکر رہا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○	اور (پھر ایسا ہوا کہ قحط سالی کے زمانہ میں) یوسف (علیہ السلام) کے بھائی (غلہ خریدنے مصر سے) آئے وہ جب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً اُن کو پہچان لیا اور وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔

توراة کا بیان ہے کہ برادرانِ یوسف پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا اور اس طرح ان کو یوسفؑ (علیہ السلام) کے سامنے حاضر ہوکر بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔

غرض حضرت یوسفؑ نے والد، حقیقی بھائی، اور گھر کے حالات کو خوب کرید کرید کر پوچھا اور آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم کرلیا، اور پھر اُن کو حسب مرضی غلّہ بھر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ قحط اس قدر سخت ہے کہ تم کو دوبارہ یہاں آنا پڑیگا اس لیئے یاد رکھو کہ اب کی مرتبہ اگر تم اپنے چھوٹے بھائی بن یمین کو ساتھ نہ لائے جسکے متعلق تم نے مجھ سے کہا ہے کہ اس کا بھائی یوسف گم ہوگیا ہے اور اس لیئے تمہارا باپ اُس کو کسی طرح جُدا نہیں کرتا" تو تم کو ہرگز غلّہ نہیں ملے گا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ○	اور جب یوسف نے اُن کا سامان مہیا کردیا تو کہا اب کے آنا تو اپنے سوتیلے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ لانا، تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں (غلّہ) پوری تول دیتا ہوں اور باہر سے آنے والوں کیلئے بہتر مہماں نواز ہوں لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو نہ تو تمہارے لئے میرے پاس خرید وفروخت ہوگی نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤگے

Marfat.com

برادرانِ یوسفؑ نے کہا کہ ہم اپنے والد سے کہیں گے اور ہر طرح ترغیب دیں گے کہ وہ بن یمین کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجنے پر راضی ہو جائے پھر جب وہ چلنے لگے۔ اور یوسف (علیہ السلام) سے رخصت ہونے آئے تو انھوں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ خاموشی کیساتھ انکے کجاووں میں انکی وہ پونجی بھی رکھ دو جو انھوں نے غلّہ کی قیمت کے نام سے دی ہے تاکہ جب گھر جاکر اسکو دیکھیں تو عجب نہیں کہ پھر دوبارہ واپس آئیں، جب یہ قافلہ کنعان واپس پہونچا تو انھوں نے اپنی تمام سرگذشت اپنے باپ یعقوب (علیہ السلام) کو سنائی اور اُن سے کہا کہ مصر کے والی نے صاف صاف ہم سے کہدیا ہے کہ اس وقت تک یہاں نہ آنا اور نہ غلّہ کی خرید کا دھیان کرنا جب تک اپنے سوتیلے بھائی بن یمین کو ساتھ نہ لاؤ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اسکو ہمارے ساتھ کردو، ہم اس کے ہر طرح نگہبان اور محافظ ہیں۔

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کیا تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسفؑ کے معاملہ میں کر چکا ہوں، اور تمہاری حفاظت ہی کیا؟ خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ؀ (یعقوبؑ نے) کہا کیا میں تم پر اس (بن یمین) کے بارہ میں ایسا ہی اعتماد کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارہ میں کر چکا ہوں سو اللہ ہی بہتر حفاظت کرنیوالا ہے اور وہی سب سے بڑھ کر رحم کرنیوالا

اس گفتگو سے فارغ ہونیکے بعد انھوں نے اپنا سامان کھولنا شروع کیا، دیکھا تو اُن کی پونجی ان ہی کو واپس کردی گئی ہے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے اے باپ! اس سے زیادہ اور کیا ہم کو چاہئے؟ دیکھئے غلّہ بھی ملا اور ہماری پونجی بھی جوں کی توں لوٹا دی گئی اُس نے تو ہم سے قیمت بھی نہ لی، اب ہمیں اجازت دے کہ ہم دوبارہ اس کے پاس جائیں اور گھر والوں کیلئے رسد لائیں اور بن یمین کو بھی ہمارے ساتھ بھیجدے ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلّہ جو پہلے ہم لائے تھے تھوڑا ہے۔

اور توراتؔ میں ہے کہ برادرانِ یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ پونجی کو دیکھ کر ڈر گئے تھے کہ معلوم

ؔ پیدائش باب ۴۳،۴۲ - آیت ۳۵

اب کیا نئی آفت آئے، مگر واقعات کی ترتیب اور حضرت یوسفؑ کے طرزِ عمل کے پیشِ نظر جسکا ذکر قرآن اور تورات دونوں میں یکساں طور پر کیا گیا ہے یہی صحیح ہے جو قرآن عزیز نے بیان کیا ہے برادرانِ یوسفؑ خود اپنے ہاتھ سے غلہ کی قیمت ادا کر چکے تھے لین دین کے بعد ہی قافلہ کو روانگی کی اجازت ملی تھی پھر ہر ایک بھائی کے کجاوہ میں سے علیحدہ علیحدہ اُسی طرح قیمت کی واپسی ہر عقل مند کیلئے یہی راہنمائی کرتی ہے کہ جس طرح والی مصر نے دورانِ قیام میں ہمارا اعزاز کیا اُسی طرح یہ پونجی بھی اُس نے واپس کر دی اور منت و احسان سے بچانے کیلئے اس کا اظہار بھی مناسب نہ سمجھا

بہر حال یعقوبؑ نے فرمایا میں بن یمین کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو اور وہ یہ کہ جب تک ہم خود نہ گھیر لیے جائیں اور ہر طرح مجبور نہ کر دیئے جائیں ہم ضرور ضرور اُس کو تیرے پاس صحیح و سلامت لوٹا لائیں گے، جب ان سب نے متفق ہو کر باپ کے سامنے اس کا پختہ عہد کیا اور ہر طرح اطمینان دلایا تب حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہوا محض اسبابِ ظاہری کی بنا پر ہے ورنہ کیا تم اور کیا تمہاری حفاظت، اور کیا ہم اور کیا ہمارا عہد ہم سب کو اپنے اس معاملہ کو خدا کی نگہبانی میں دینا چاہیے۔

قَالَ اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ یعقوب نے کہا ہم نے جو قول و قرار کیا ہے اس پر اللہ نگہبان ہے

عہد و پیمان کے بعد برادرانِ یوسف کا قافلہ دوبارہ کنعان سے مصر کو روانہ ہو رہا ہے اور اس مرتبہ بن یمین بھی ہمراہ ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ دیکھو سب ایک ہی دروازہ سے مصر میں داخل ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے شہر میں داخل ہونا اور یہ بھی فرمایا کہ اس نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اپنی تدابیر پر مغرور ہو بیٹھو، کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی بات سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونیوالی ہو، فرمانروائی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے، میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور تمام بھروسہ کرنیوالوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے، اسلئے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف احتیاطی تدابیر کے طور پر ہے اور خدا پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ اسبابِ ظاہری کو احتیاطی تدبیر کے لئے استعمال کرنا خدا پرستی کے خلاف نہیں ہے

Marfat.com

علماءِ تفسیر عام طور پر حضرت یعقوبؑ کی اس نصیحت کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عزیزِ مصر حضرت یوسفؑ نے چونکہ پہلی مرتبہ اُن کا کافی اعزاز کیا تھا اور یہ قافلہ خاص شان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر میں داخل ہو رہا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری اُن سے حسد کرنے لگیں اور یہ اُن کی تکلیف کا باعث بن جائے۔

لیکن بعض مفسرین اور مورخین اس کی وجہ دوسری بتلاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تورات سے اس قدر ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی مرتبہ برادرانِ یوسفؑ پر جاسوسی کا گمان کیا جا چکا تھا اور اگرچہ یوسف علیہ السلام نے یہ الزام نہ لگایا ہو لیکن مصریوں نے ضرور اُن پر شبہ کیا تھا، اور حضرت یعقوبؑ بیٹوں کی زبانی پوری تفصیل سن چکے تھے لہٰذا انھوں نے سوچا کہ اگر گیارہ نوجوان اس کرّوفر سے ایک ساتھ شہر میں داخل ہونگے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ عزیزِ مصر کے پاس پہونچنے سے پہلے ہی جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لئے جائیں، اس لئے نصیحت فرما دی کہ ایک جتھہ بنا کر شہر میں داخل نہ ہونا جُدا جُدا دروازوں سے ایک مسافر کی طرح داخل ہونا۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ یعقوبؑ چونکہ صاحبِ علم و بصیرت تھے اور یہ دولتِ علم ہم نے ہی اس کو بخشی تھی اسلئے اُس نے بیٹوں سے یہ نصیحت کی بات کہہ دی جو اُس کے خیال میں آگئی تھی ورنہ تو باپ کے حکم کی تعمیل کر لینے کے باوجود بھی خدائے تعالیٰ کی مشیت نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا اس کے مقابلہ میں اُن کی یہ احتیاط کچھ بھی کام نہ آسکی

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝	پھر جب یہ مصر میں اُسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے اُن کو حکم کیا تھا تو یہ (احتیاط) اُن کو اللہ تعالیٰ (کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آئی مگر یہ ایک خیال تھا یعقوب کے جی میں جو اُس نے پورا کر لیا اور بلاشبہ وہ صاحبِ علم تھا اور ہم نے ہی اس کو یہ علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس کو مقتضائے علم ہی کرنا چاہیئے تھا کیونکہ علم کی یہ دولت

ہم نے ہی اُس کو بخشی تھی مگر یہ ضروری نہیں کہ احتیاطی تدابیر ہر جگہ راست ہی آجائیں اگر خدائے تعالیٰ کی مشیت اس کے برعکس مصلحت دیکھتی ہے تو پھر وہی ہو کر رہتا ہے اور سب تدبیریں بیکار ہو جاتی ہیں جیسا کہ آنیوالے واقعہ میں بن یمین کے ساتھ پیش آیا کہ وہ روک لیئے گئے اور ایسی مصلحت کے زیر اثر روک لیئے گئے کہ اس کا انجام تمام خاندان یعقوب (علیہ السلام) کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔

صورت یہ پیش آئی کہ جب برادرانِ یوسفؑ کنعان سے روانہ ہوئے تو راستہ میں بن یمین کو تنگ کرنا شروع کر دیا کبھی اس کو باپ کی محبت و عشق کا طعنہ دیتے اور کبھی اس بات پر حسد کرتے کہ عزیز مصر نے خصوصیت کیساتھ اس کو کیوں بلایا ہے، بن یمین یہ سب کچھ سنتا اور خاموش رہتا جب یہ سب منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے بن یمین کو اپنا تمام حال سنایا اور بتایا کہ میں تیرا حقیقی بھائی یوسف ہوں اور پھر تسلی و تشفی کی کہ اب گھبرانیکی کوئی بات نہیں ان کی بدسلوکیوں کا دور ختم ہو گیا، اب یہ تجھ کو کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچا سکیں گے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى	اور جب یہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے
اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ	بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے (آہستہ سے)
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝	کہا میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں، بس جو بدسلوکی یہ تیرے ساتھ کرتے آئے ہیں) تو اُس پر غمگین نہ ہو۔
(یوسف)	

توراۃ میں ہے کہ یوسفؑ نے بھائیوں کی بڑی مدارات کی اور نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمان خانہ میں اُتاریں، اور ان کے لیئے پُرتکلف دعوت کا سامان کیا، چند روز کے قیام کے بعد جب یہ رخصت ہونے لگے تو یوسف (علیہ السلام) نے حکم دیا کہ انکے اونٹوں کو اسقدر لاد دو جتنا کہ یہ لیجا سکیں۔ حضرت یوسفؑ کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح اپنے عزیز بھائی بن یمین کو اپنے پاس روک لیں مگر انتہائی اضطراب اور بیقراری کے باوجود ان کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کہ حکومت مصر کے قانون میں کسی غیر مصری کو بغیر کسی معقول وجہ کے روک لینا سخت ممنوع تھا، اور حضرت یوسفؑ یہ کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت لوگوں پر یا اُنکے بھائیوں

ط پیدائش باب ۴۳ آیت ۳۳-۳۵۔

Marfat.com

پر اصل حقیقت منکشف ہو، بدیں وجہ خاموش رہے اور جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو کسی کو اطلاع کئے بغیر نشانی کے طور پر اپنا چاندی کا پیالہ بن یمین کے کجاوہ میں رکھ دیا۔

کنعان کے اس قافلہ نے ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی ہوگی کہ یوسف (علیہ السلام) کے کارندوں نے شاہی برتنوں کی دیکھ بھال کی تو اُس میں پیالہ ندارد پایا سمجھے کہ شاہی محل میں کنعانیوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں آیا، اس لئے انھوں نے ہی یہ چوری کی ہے فوراً دوڑے اور چلاّئے، قافلہ والو ٹھہرو تم چور ہو، برادران یوسف کارندوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ہم کو خواہ مخواہ کیوں الزام لگاتے ہو آخر معلوم تو ہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے کارندے کہنے لگے کہ پادشاہ کا پیمانہ (پیالہ) گم ہوگیا ہے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ جو شخص اس چوری کا پتہ لگا دیگا اس کو ایک اونٹ غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس بات کا ضامن ہوں۔ برادران یوسفؑ نے کہا "خدا علیم ہے کہ ہم مصر میں فساد اور شرارت کی غرض سے نہیں آئے اور تم جانتے ہو کہ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لینے آچکے ہیں، ہم میں چوری کی قطعاً عادت نہیں ہے" کارندوں نے کہا "اچھا جس کے پاس سے یہ چوری نکلے اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے" انھوں نے جواب دیا کہ وہ خود آپ اپنی سزا ہے یعنی وہ تمہارے حوالے کر دیا جائیگا تاکہ وہ اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے، اور ہم اپنے یہاں ایسی زیادتی کرنے والوں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

کارندوں نے یہ جواب سُنا تو پہلے دوسرے بھائیوں کے بوروں کی تلاشی لی اور جب اُن میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بن یمین کی خورجی کی تلاشی لی تو اس میں پیالہ موجود تھا، انھوں نے وہ پیالہ نکال لیا اور قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر "یوسف" کی خدمت میں معاملہ کو پیش کیا حضرت یوسفؑ نے معاملہ کی نوعیت کو سُنا تو دل میں بیحد مسرور ہوئے اور خدا تعالیٰ کی کارسازی پر شکر ادا کیا کہ جس بات کیلئے میں بیقرار تھا کہ کسی طرح بن یمین میرے پاس رُک جائے اور وہ میرے ہاتھوں کسی طرح نہ بن پڑی اس کو قادرِ مطلق نے اس حکمت کے ساتھ پورا کر دیا اور یہ سوچ کر قطعاً خاموش

Marfat.com

رہے اور یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ یہ پیالہ میں نے خود بن یمین کی خورجی میں اپنی نشانی کے طور پر رکھدیا تھا ادھر بن یمین بھی جو کہ قبل ہی اپنے برادر بزرگ یوسف علیہ السلام سے واقف ہو چکا تھا اس واقعہ کو مرضی کے مطابق پاکر خاموش رہا۔

برادران یوسف ؑ نے جب یہ دیکھا تو اُن کی حاسدانہ رگ پھڑک اٹھی اور انھوں نے یہ جھوٹ بولنے کی جرأت کی کہ اگر بن یمین نے یہ چوری کی ہے تو تعجب کا مقام نہیں ہے اس سے پہلے اس کا بڑا بھائی یوسف ؑ بھی چوری کر چکا ہے۔

حضرت یوسف ؑ نے یہ دیکھ کر بھی کہ میرے مُنہ پر ہی جھوٹ بول رہے ہیں ضبط سے کام لیا اور راز فاش نہ کیا اور دل میں کہنے لگے "تمہارے لیے سب سے بری جگہ ہے کہ تم ایسا جھوٹا الزام لگا رہے ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کا خوب جاننے والا ہے" یا خود اُن ہی سے مخاطب ہو کر فرمایا جیسا کہ بعض مفسرین کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے یعنی اُن کو شرمندہ کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تو یہ کہتے تھے کہ ہم چوری کے قریب تک نہیں ہیں اور یا اب غیر حاضر بھائی پر بھی چوری کا الزام لگا رہے ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا خاندان ہی چوری پیشہ ہے یہ کیسا بُرا مقام ہے جو تم نے اختیار کیا ہے

برادران یوسف ؑ نے جب یہ رنگ دیکھا تو بہت گھبرائے اور باپ کا عہد و پیمان یاد آگیا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس صورت سے بن یمین کو حاصل کریں؟ ہم تو پہلے ہی قول ہار چکے صرف ایک ہی پہلو باقی تھا کہ التجائیں اور خوشامدانہ عرض معروض کر کے عزیز مصر کو بن یمین کی واپسی کی ترغیب دلائیں، کہنے لگے "عزیز مصر! ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اس کو اسکے پہلے بھائی کا بھی بے حد غم ہے اور اسی لئے اس کا عاشق و متوالا ہے اس پر رحم کیجیے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو سزا کیلئے روک لیجئے، آپ ہم پر مہربان رہے ہیں اور اُن لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنیوالے ہیں" عزیز مصر یوسف ؑ نے کہا "پناہ بخدا! یہ کیسے ممکن ہے ہم اگر ایسا کریں تو ظالم ہونگے"

جب اس جانب سے مایوس ہو گئے تو اب الگ خلوت میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، انمیں

Marfat.com

سے بڑے نے کہا" بھائی تم کو معلوم ہے کہ والد نے بن یمین کے متعلق کس قدر سخت اور پختہ عہدو پیمان ہم سے لیا ہے اور اس سے پہلے تم یوسف کیساتھ جو ظلم و زیادتی کر چکے ہو وہ بھی سامنے ہے اسلئے میں تو اب اس جگہ سے اس وقت تک ٹلنے والا نہیں کہ یا والد مجھ کو کنعان آنیکی اجازت دیں اور یا خدا میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے۔ جاؤ تم سب ان کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ تمہارے بیٹے بن یمین نے چوری کی اور جو بات ہمارے جاننے میں آئی وہی سچ سچ آپکے سامنے کہدی ہم کو کچھ غیب کا علم تو تھا نہیں کہ پہلے سے جان لیتے کہ اس سے ایسی حرکت سرزد ہونیوالی ہے اور یہ بھی کہنا کہ آپ مصر کے لوگوں سے اس کی تصدیق کر لیں نیز اس قافلہ سے بھی کہ جس کے ساتھ ہم مصر سے یہاں آئے ہیں کہ ہم اس معاملہ میں بالکل سچے ہیں۔

اس مشورہ کے مطابق وہ کنعان واپس آئے اور حضرت یعقوبؑ سے بے کم و کاست سارا واقعہ کہہ سنایا، قرآن عزیز نے یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں کی اس گفتگو کو جو اس سلسلہ میں انھوں نے یعقوب علیہ السلام سے کی اس طرح نقل کیا ہے۔

"فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ" پس (باپ کے پاس جاکر) کہنا اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کرلی۔

اور اس سے وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ یوسفؑ کے ان سوتیلے بھائیوں کی شقاوت کا اندازہ کیجیے کہ ایسے سخت وقت میں بھی بوڑھے باپ کو طعن و تشنیع اور ملامت سے نہ چھوڑا اور یہ نہ کہا کہ ہمارے بھائی سے یہ غلطی ہو گئی بلکہ اُن کی طرف نسبت کر کے یہ کہا کہ تیرے بیٹے ہاں چہیتے اور پیارے بیٹے نے چوری کر کے ہم سب کو ذلیل کیا، ہم کو کیا معلوم تھا کہ اُس کے ایسے گن ہیں۔

حضرت یعقوبؑ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ان کی صداقت کا تجربہ کر چکے تھے اسلئے فرمایا "نہیں تمہارے جی نے ایک بات بنالی ہے واقعہ یوں نہیں ہے" بن یمین اور چوری؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ خیر اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں" ایسا صبر کہ بہتر سے بہتر ہو" خدائے تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک دن ان گم گشتگان کو پھر جمع کر دے اور ایک ساتھ ان دونوں کو مجھ سے ملا دے بلاشبہ وہ دانا حکمت والا ہے" اور اُن کی جانب سے رُخ پھیر لیا اور فرمانے لگے:" آہ فراق یوسفؑ

Marfat.com

کی غم انگیزی "حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں شدتِ غم میں روتے روتے سپید پڑ گئی تھیں اور سینہ غم کی سوزش سے جل رہا تھا، مگر صبر کے ساتھ اللہ پر تکیہ کئے بیٹھے تھے۔

بیٹے یہ حال دیکھ کر کہنے لگے" بخدا تم ہمیشہ اسی طرح یوسف کی یاد میں گھلتے رہو گے یا اسی غم میں جان دیدو گے' حضرت یعقوبؑ نے یہ سُن کر فرمایا" میں کچھ تمہارا تو شکوہ نہیں کرتا اور نہ تم کو ستاتا ہوں"

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (بلکہ) میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ہم نے شاہی پیالہ کے واقعہ کی تفسیر میں عام تفاسیر سے جُدا مفسرین کے اس قول کو اختیار کیا ہے جس کو متاخرین کے یہاں" قولِ شاذ کا درجہ" حاصل ہے، مگر اس مقام پر سب سے بہتر اور بے غل وغش تفسیر ہے، کتبِ تفاسیر میں عام طور پر آیت" جعل السقایۃ فی رحل اخیہ" (رکھ دیا یوسف نے پیالہ کو بھائی (بن یمین) کے کجاوہ میں) میں حضرت یوسفؑ کے اس عمل کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ چونکہ بن یمین کو روکنا چاہتے تھے اور مصر کا قانون اس کی اجازت نہ دیتا تھا اس لئے انھوں نے یہی سمجھ کر یہ پیالہ رکھدیا تھا کہ اس طرح بن یمین چور بن جائے گا اور میں اسکو روک سکونگا اور پھر آیت" اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ" میں پکارنے والی شخصیت بھی یوسفؑ ہی کو بتاتے ہیں، اور اس طرح جب اُن پر جھوٹ کا الزام عائد ہونے لگتا ہے تو اس کو" توریہ" سے تعبیر کر کے ان کی معصوم شخصیت کو اس الزام سے بری کرتے ہیں، حالانکہ قرآن عزیز کے اسلوبِ بیان میں کوئی ایسا اشارہ تک موجود نہیں ہے جس سے حضرت یوسفؑ کی شخصیت پر جھوٹ کا شبہ بھی ہو سکتا ہو یا توریہ کہنے کی ضرورت پیش آتی ہو، یہ مانا کہ کسی محمود اور نیک مقصود کی خاطر توریہ بُری اور معیوب بات نہیں ہے۔ بلکہ اچھی بات ہے لیکن یہ کہنے والے اس کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ معاملہ ہمارا تمہارا یا صالحین اور ابرار کا نہیں ہے بلکہ خدا کے پیغمبر اور رسول کا معاملہ ہے، اُن کی اخلاقی زندگی کا معیار اس قسم کی اصطلاحی تعبیروں سے بہت بلند اور برتر ہے، وہ اپنی نیک خواہشات میں بھی عزیمت کی بلندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے پھر کیا ضرور کہ ایسے موقعہ پر جہاں قرآنِ عزیز کا اسلوبِ بیان مجبور نہ کرتا ہو اور احادیثِ صحیحہ اُس

Marfat.com

کی تائید نہ کرتی ہوں خواہ مخواہ ان کی جانب ایسی بات منسوب کی جائے جسکے درست کرنے اور پیغمبرانہ معصومیت کو محفوظ رکھنے کے لئے "توریہ" کی پناہ لینی پڑے۔

اس مقام پر قرآنِ عزیز میں حضرت یوسفؑ کا صرف یہ عمل مذکور ہے کہ انھوں نے شاہی پیمانے اور چاندی کے کٹورے) کو بن یمین کی خورجی میں رکھدیا (تاکہ بھائی کے پاس ایک نشانی رہے)

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ — اس (یوسف) نے اپنے بھائی (بن یمین) کے کجاوہ میں کٹورہ رکھ دیا۔

اس کے بعد حضرت یوسفؑ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ تمام گفتگو کا معاملہ بھائیوں اور کارندوں کے درمیان دائر نظر آتا ہے۔

ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ (یوسف)

پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو، وہ کہنے لگے ان کی جانب منہ کرکے تمہاری کیا چیز گم ہوگئی، وہ کارندے بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ (یوسف) کا پیمانہ (کٹورا) اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ملے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) اور میں ہوں اس کا ضامن، وہ بولے خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک (مصر) میں اور نہ ہم کبھی چور تھے، وہ (کارندے) بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم نکلے جھوٹے، کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جن کے اسباب سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں جائے، ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو۔

اس تمام مرحلے کے بعد یہ معاملہ قانونی طور پر عزیزِ مصر (یوسفؑ) کے سامنے پیش ہوا اُن کی تلاش لی گئی تو بن یمین کے کجاوہ میں چاندی کا وہ پیمانہ موجود تھا۔

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ

پھر یوسف نے ان کی خورجیاں دیکھنی شروع کیں اپنے بھائی کی خورجی سے پہلے، آخر میں وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے

اس تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے احسان و انعام کا ذکر کرتا اور بتاتا ہے کہ یوسفؑ جس بات کے

Marfat.com

بے قرار تھے اور مصری قانون کے تحت اُس کو نہیں کرسکتے تھے ہم نے اپنی خفیہ تدبیر سے اُس کا سامان بہم پہنچایا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ؀

یُوں خفیہ تدبیر کردی ہم نے یوسف کیلئے، وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی بن یمین کو اس بادشاہ (مصر) کے طریقہ کے مطابق مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے ہم درجے بلند کرنے والے ہیں جسکے چاہیں، اور ہر جاننے والے سے اوپر جاننے والا ہے۔

پس اس قدر صاف اور واضح بات کی ایسی تشریح کس لئے کی جائے کہ جس میں یوسف علیہ السلام کے کلام کو توریہ پر محمول کرنے کی ضرورت پڑے اور کیوں نہ وہ معنی لئے جائیں کہ جس سے نہ کوئی شبہ پیدا ہو اور نہ اُس کیلئے تاویلات کی ضرورت پیش آئے۔

بہرحال حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا "دیکھو ایک مرتبہ پھر مصر جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کی تلاش و جستجو کرو اور خدا کی رحمت سے نااُمید اور مایوس نہو، اس لئے کہ خدا کی رحمت سے نااُمیدی کافروں کا شیوہ ہے"۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ؀

اے میرے بیٹو (مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سُراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو، بلاشبہ اللہ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی نااُمید نہیں ہوتا۔

حضرت یعقوبؑ نے بن یمین کے ساتھ یوسف کا بھی نام لیا حالانکہ بظاہر اس مقام پر انکے سُراغ کا کوئی جوڑ نہیں لگتا، معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت حق نے یعقوبؑ کے غم اور دکھ کی زندگی ختم کرنیکا ارادہ کرلیا اور یعقوبؑ کو یہ اشارہ کردیا کہ بن یمین کے اس قصہ میں یوسفؑ کی ملاقات کا راز بھی محفوظ ہے اور تب ہی تو یوسف علیہ السلام کے پیغام بشارت آنے پر جسکی تفصیل آنیوالی ہے، اُنھوں نے یہ ارشاد فرمایا:۔

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ڌ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ کچھ

Marfat.com

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۵ — جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

غرض برادرانِ یوسف نے کچھ تو باپ کے اصرار پر اور کچھ اس لئے کہ واقعی قحط کی شدت انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اور غلہ کا اس پاس نام و نشان نہ تھا" تیسری بار پھر مصر کا ارادہ کیا اور جب دربارِ شاہی میں پہنچے تو کہنے لگے" اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط نے سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اس مرتبہ ہم پونجی بھی بہت تھوڑی لائے ہیں، یہ حاضر ہے، اب معاملہ خرید و فروخت اور لین دین کا نہیں ہے ہم سے قیمت ادا نہیں ہو سکتی، اسلئے تیری خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ از راہِ کرم ہم کو غلہ کی پوری تول دیجئے اور ہمیں ضرورتمند سمجھ کر اپنی جانب سے احسان فرمائیے، اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات کرنیوالے کو نیک بدلہ دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے والدین اور بھائیوں کی اس پریشانی کا حال سنا اور انکی اس عاجزانہ درخواست اور نیاز مندانہ طلب کی مجبور کن حالت پر غور کیا تو دل بھر آیا اور اب ضبط نہ ہو سکا کہ خود کو چھپائیں اور راز ظاہر نہ ہونے دیں، آخر فرمانے لگے۔

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ۵ — کیوں جی تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کیساتھ کیا معاملہ کیا جبکہ تم جہالت میں سرشار تھے۔

بھائیوں نے اس موقعہ پر غیر متوقع گفتگو سنی تو چونکے اور لب و لہجہ پر غور کر کے ایک دم اُن کو کچھ خیال آیا اور کہنے لگے:۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ — (انھوں نے کہا) کیا تو واقعی یوسف ہی ہے۔

یعنی اس حیرانی و پریشانی میں تھے کہ ہم "عزیزِ مصر" کے دربار میں کھڑے ہیں اس سے باتیں کر رہے ہیں یہ بے محل یوسفؑ کا ذکر کیسا؟ صورت شکل اور گفتگو کے طرز و انداز کو اب دوسری نیت سے دیکھا تو یوسف کی شکل نگاہ کے سامنے پھر گئی اور سمجھ گئے کہ بیشک یہ یوسف ہی مگر حالت موجودہ کے پیشِ نظر قدرتی طور پر یہ جرأت نہیں کی کہ یہ کہہ اٹھیں کہ تو یوسف ہی، بلکہ ایسے موقعہ کے مناسب لب و لہجہ سے کہنے لگے کیا آپ واقعی یوسفؑ ہی ہیں؟

Marfat.com

حضرت یوسفؑ نے فرمایا:۔

أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ٥

ہاں میں یوسف ہوں اور یہ (بن یمین) میرا ماں جایا بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا، اور جو شخص بھی برائیوں سے بچے اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اب برادرانِ یوسفؑ کے پاس ندامت، شرمساری، خفت اور اعترافِ خطا و جرم کے سوا کیا تھا معاً یوسف کی تباہی و بربادی کے لئے اپنی تمام بیہودگیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور جب ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ جس کو کل کنعان کے کنوئیں میں پھینک کر آئے تھے وہ آج "عزیزِ مصر" بلکہ مصر کے تاج و تخت کا مالک ہے، تو سر جھکا کر کہنے لگے:۔

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ٥

(انھوں نے کہا) بخدا اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ہم پر برتری و بلندی بخشی اور بلا شبہ ہم سرتاسر قصوروار تھے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے سوتیلے بھائیوں کی اس خستہ حالی اور پشیمانی کو دیکھا تو انکی اخلاقی برتری اور پیغمبرانہ رحمت و رافت اس کو برداشت نہ کر سکی اور عفو و درگذر اور حلم و کرم کیساتھ فوراً یہ ارشاد فرمایا:۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ٥

آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور بخشدے اور وہ تمام رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے

یعنی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب ہم سب کو یہ تمام داستان فراموش کر دینی چاہیے میں درگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری اس غلطی کو معاف فرما دے کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر رحیم و کریم ہے۔

اب تم کنعان واپس جاؤ اور میرا پیراہن لیتے جاؤ یہ والد کی آنکھوں پر ڈال دینا، انشاء اللہ یوسف ان کی آنکھوں کو روشن کر دے گی اور تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔

برادرانِ یوسف کیلئے بھی اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی تھی؟ یوسف کو چاہِ کنعان میں ڈال کر یعقوب علیہ السلام کے پاس خون آلود پیراہن لیکر آئے تھے اور جھوٹ اور فریب کے ساتھ

Marfat.com

اُن کے دل و جگر کو زخمی کیا تھا، آج بھی اُنہی کو پیراہنِ یُوسف لیجانا چاہیئے تاکہ اس زخم کا مرہم بنے اور رنج وغم، مسرّت وشادمانی سے بدل جائے۔

یہاں یہ باتیں ختم ہوکر برادرانِ یوسفؑ کا کاروان کنعان کو پیراہنِ یوسفؑ لیکر چلا تو اُدھر خدا کے برگزیدہ پیغمبر یعقوب علیہ السّلام کو وحی الٰہی نے شمیم یوسفؑ سے مہکا دیا، فرمانے لگے" اے خاندانِ یعقوب! اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ کو یُوسف کی مہک آرہی ہے' وہ سب کہنے لگے" بخدا تم تو اپنے اُسی پُرانے خبط میں پڑے ہو، یعنی اس قدر عرصہ گذر جانے کے بعد بھی جبکہ یوسفؑ کا نام ونشان بھی باقی نہیں تمہیں یوسفؑ ہی کی رٹ لگی ہوئی ہے۔

کنعان کا قافلہ بخیریت تمام پہنچ گیا اور برادرانِ یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کے ارشاد کے مطابق اُن کا پیراہن یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالدیا اور یعقوبؑ کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں اور وہ فرمانے لگے" دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ	پھر جب بشارت دینے والا آپہنچا تو اُس نے پیراہن یوسف کو یعقوبؑ
عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ	کے چہرہ پر ڈالدیا، پس اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں (بینائی لوٹ آئی)
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ	یعقوب نے کہا کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝	جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

برادرانِ یوسفؑ کیلئے یہ وقت بہت کٹھن تھا، شرم وندامت میں غرق سر جھکائے ہوئے بولے" اے باپ آپ خدا کی جناب میں ہمارے گناہوں کی مغفرت کیلئے دعا فرمائیے، کیونکہ اب یہ تو ظاہر ہی ہوچکا کہ بلاشبہ ہم سخت خطا کار اور قصوروار ہیں۔

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ	عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝	بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

Marfat.com

مفسّرین کہتے ہیں کہ برادرانِ یوسفؑ نے مصر میں اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے یوسف علیہ السّلام سے بھی مغفرت کی دعا کی استدعا کی تھی اور کنعان میں اپنے والد یعقوب علیہ السلام سے بھی یہی درخواست کی، مگر حضرت یوسفؑ نے تو اُسی وقت اُن کی بات منظور کرلی اور "یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ" کہدیا، مگر حضرت یعقوبؑ نے یہ نہیں کیا بلکہ "سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ" کہکر صرف توقع ہی دلائی، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اور پھر حسب ذیل دو جواب دیتے ہیں۔

(۱) برادرانِ یوسف کی ان تمام خطا کاروں کا معاملہ براہِ راست حضرت یوسفؑ سے تعلق رکھتا تھا اور حضرت یعقوبؑ سے بالواسطہ اس لئے حضرت یوسفؑ نے اخلاقِ کریمانہ کی راہ سے اسی وقت ان کا اطمینان کردیا، مگر حضرت یعقوبؑ نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ اس معاملہ کا تعلق یوسف سے ہے اسلئے اسکی مرضی بھی معلوم کرلینا ضروری ہے، اس طرح جواب دیا کہ توقع اور اُمید تک بات رہے اور ساتھ ہی اپنی طبیعت کا رجحان بھی ظاہر کردیا کہ اُن کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان خطا کاریوں کو معاف کردے۔

(۲) حضرت یوسفؑ نوجوان تھے اس لئے اُن کے کریمانہ وصف میں حزم واحتیاط کا پہلو نہ تھا انھوں نے فوراً معاف کردیا، مگر حضرت یعقوبؑ تجربہ کار، محتاط اور پھر باپ تھے۔ اسلئے چاہتے تھے کہ بیٹوں کا امتحان کریں کہ اُن کا یہ انفعال اور ندامت کا اظہار محض وقتی اور ہنگامی ہے اور صرف دفع الوقتی کیلئے ہے یا اب اُن کی طبیعت میں حقیقی ندامت وشرمساری کا جذبہ پیدا ہوچکا ہے اور یہ واقعی اپنی خطا پر صداقت سے نادم ہیں، اسلئے اُن کو بالکل مایوس بھی نہیں کیا اور رجحانِ طبیعت کا اظہار کرتے ہوئے صرف توقع اور امید تک ہی معاملہ کو چھوڑ دیا۔

خاندانِ یعقوب علیہ السلام مصر میں

غرض حضرت یعقوبؑ اپنے سب خاندان کو لیکر مصر روانہ ہوگئے، تورات میں اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

اور یہی ذکر فرعون کے گھر میں سُنا گیا کہ یوسف کے بھائی آئے اور اس سے فرعون اور اُس کے چاکر بہت خوش ہوئے اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ اپنے بھائیوں کو کہہ تم یہ کام کرو اپنے جانور لادو

Marfat.com

اور جاؤ اور کنعان کی سرزمین میں جا پہنچو اور اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو لو اور مجھ پاس آؤ اور میں تم کو مصر کی سرزمین کی اچھی چیزیں دوں گا اور تم اس سرزمین کے تحائف کھاؤ گے اب تجھے حکم ملا تو انکو کہہ تم یہ کرو کہ اپنے لڑکوں اور اپنی جوروؤں کیلئے مصر کی زمین سے گاڑیاں لیجاؤ اور اپنے باپ کو لے آؤ اور اپنے اسباب کا کچھ افسوس نہ کرو کیونکہ مصر کی ساری زمین کی خوشی تمہارے لئے ہے اور اسرائیل کے فرزندوں نے یہی کیا....... اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا وہ اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنے بیٹوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو اپنے ساتھ مصر میں لایا...... سو وہ سب جو یعقوبؑ کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے ستر جانیں تھیں[1]

جب حضرت یوسفؑ کو اطلاع ہوئی کہ اُن کے والد خاندان سمیت شہر کے قریب پہنچ گئے تو وہ فوراً استقبال کیلئے باہر نکلے، حضرت یعقوبؑ نے جب مدت دراز کے بچھڑے ہوئے لخت جگر کو دیکھا تو سینہ سے چمٹا لیا اور جب یہ مسرت افزا اور رقت آمیز ملاقات ہو چکی تو حضرت یوسفؑ نے والد سے عرض کیا کہ اب آپ عزت و احترام اور امن و حفاظت کیساتھ شہر میں تشریف لے چلیں اس وقت مصر کا دارالسلطنت رعمسیس تھا اور وہ "جشن کا شہر" کہلاتا تھا، حضرت یوسفؑ والد ماجد اور تمام خاندان کو بڑے کروفر کیساتھ شاہی سواریوں میں بٹھا کر شہر میں لائے اور شاہی محل میں اُتارا۔

جب اِن تمام باتوں سے فراغت پائی تو اب ارادہ کیا کہ دربار منعقد کریں تاکہ مصر یو کا بھی بزرگ باپ اور خاندان سے تعارف ہو جائے اور تمام درباری اُن کی عزت و احترام سے آ ہو جائیں دربار منعقد ہوا تمام درباری اپنی مقررہ نشستوں پر بیٹھ گئے یوسفؑ کے حکم سے ا والدین[2] کو تخت شاہی پر ہی جگہ دی گئی اور باقی تمام خاندان نے حسب مراتب نیچے جگہ پائی ب یہ سب انتظامات مکمل ہو گئے تب حضرت یوسفؑ شاہی محل سے نکل کر تخت شاہی پر جلوہ افروز

۱؎ پیدائش باب ۴۵ آیات ۱۶ تا ۲۰ و باب ۴۶ آیات ۷، ۲۷ ۲؎ حضرت یوسفؑ کی حقیقی والدہ کا انتقال ہو چکا

Marfat.com

ہوئے، اُسی وقت تمام درباری" حکومت کے دستور کے مطابق تخت کے سامنے تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑے، موجودہ صورت کو دیکھ کر تمام خاندانِ یوسف نے بھی یہی عمل کیا[1]، یہ دیکھ کر حضرت یوسفؑ کو فوراً اپنے بچپنے کا خواب یاد آگیا، اور اپنے والد سے کہنے لگے:۔

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

اور یوسف نے کہا اے باپ یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اُسے سچا ثابت کردیا، یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا، بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کیلئے جو وہ کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنیوالا ہے کہ وہ سب کچھ جاننے والا اور (اپنے کاموں میں) حکمت والا ہے۔

اور جبکہ یہ تمام واقعات ایک عجیب و غریب ترتیب سے وقوع میں آئے اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سنجیوں اور چارہ سازیوں کے بے نظیر مظاہرے پیش آتے رہے تو ان تمام آغاز و انجام کے اس حُسنِ خاتمہ کو دیکھ کر یوسف (علیہ السلام) بے اختیار ہو گئے اور خدا کی جناب میں شکر و دعاء کا اس طرح اظہار فرمانے لگے:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا اے آسمان اور زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تو یہ بھی کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں

---

[1] تعظیم کا یہ طریقہ انبیاء سابقین میں شاید جائز رہا ہو، اگرچہ مجھے اس میں بھی شک ہے اور میرے نزدیک اس آیت کی دوسری تفسیر ہے جسکو میں نے اس جگہ قصداً ذکر نہیں کیا، تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی تعظیم کو اپنی اُمت کیلئے حرام قرار دیا ہے اور اسکو صرف ذاتِ الٰہی کے لئے ہی مخصوص بتایا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، باب النکاح)

Marfat.com

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

توراۃ میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت یوسف (علیہ السلام) کا تمام خاندان مصر ہی میں آباد ہو گیا، کیونکہ فرعون نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ تم اپنے خاندان کو مصر ہی میں آباد کر دو میں اُن کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح انکی عزت کرونگا۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف (علیہ السّلام) نے اپنے والد بزرگوار اور خاندان کے دوسرے افراد کو یہ سمجھا دیا کہ فرعون جب اُن سے مصر میں رہنے کی درخواست کرتے ہوئے زمین اور مقام کے انتخاب کیلئے کہے تو تم فلاں حصۂ زمین طلب کرنا اور کہنا کہ چونکہ ہم قبائلی زندگی کے عادی اور مویشی چرانے کا شوق رکھتے ہیں اسلئے ہم عام شہری زندگی سے علیحدگی پسند کرتے ہیں، چنانچہ فرعون نے خاندان یوسفؑ کو وہ سرزمین بطور جاگیر بخشدی اور اس طرح بنی اسرائیل سرزمین مصر میں آباد ہو گئے۔

اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ اپنے بھائیوں کو کہہ تم یہ کام کرو، اپنے جانور لادو اور جاؤ اور کنعان کی سرزمین میں جا پہنچو اور اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو لو اور مجھ پاس آؤ اور میں تم کو مصر کی سرزمین کی اچھی چیزیں دوں گا اور تم اس زمین کے تحائف کھاؤ گے، اب تجھے حکم ملا کہ تو اُن کو کہے کہ تم یہ کرو کہ اپنے لڑکوں اور اپنی جوروؤں کے لئے مصر کی زمین سے گاڑیاں لیجاؤ اور اپنے باپ کو لے آؤ۔ اور اپنے اسباب کا کچھ فکر نہ کرو، کیونکہ مصر کی ساری زمین کی خوشی تمہارے لئے ہے اور اسرائیل کے فرزندوں نے یہی کیا۔[1]

اور یوں ہوگا کہ جب فرعون تم کو بُلائے اور کہے کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ تو تم کہیو کہ تیرے غلام جوانی سے لے کے اب تک چوپانی کرتے رہے ہیں، کیا ہم اور کیا ہمارے آبا، تاکہ تم جشن کی زمین میں رہو اس لئے کہ مصریوں کو ہر ایک چوپان سے نفرت ہے۔[2]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح مصریوں سے الگ رہنے سے بنی اسرائیل اپنی مذہبی زندگی پر قائم، مصری بُت پرستی سے متنفر اور مصری بداخلاقی اور مبتذل

---

[1] پیدائش باب ۴۶ آیات ۱۶ - ۱۹ [2] پیدائش باب ۴۶ آیات ۳۳ - ۳۴

Marfat.com

شہری عادات و خصائل سے محفوظ رہیں گے، اور اپنی شجاعانہ بدویانہ زندگی کو کبھی نہ بھولیں گے۔

وفات بہرحال حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنی زندگی کے طویل حصۂ عمر کو مصر ہی میں گذارا اور جب اُن کی عمر ایک سو دس سال کو پہنچی تو ان کی وفات ہو گئی، حضرت یوسف (علیہ السلام) نے وفات سے پہلے اپنے خاندان والوں سے یہ عہد لیا کہ وہ مجھ کو مصر کی زمین میں نہ دفن کریں گے بلکہ جب خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کہ بنی اسرائیل دوبارہ فلسطین یعنی آباؤ اجداد کی سرزمین میں واپس ہوں تو میری ہڈیاں وہیں لیجا کر سپردِ خاک کرنا، چنانچہ انھوں نے وعدہ کیا اور جب حضرت یوسفؑ کا انتقال ہو گیا تو ان کو حنوط (ممی) کر کے تابوت میں محفوظ رکھ دیا اور جب موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو اس تابوت کو بھی ساتھ لیتے گئے اور آبا ؤ اجداد کی سرزمین ہی میں لیجا کر سپردِ خاک کر دیا۔ حموی کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی قبر بلاطہ میں ہے جو فلسطین کے علاقہ نابلس کا ایک گاؤں ہے یہ قبر ایک درخت کے نیچے ہے اور توراۃ میں ہے۔

اور یوسفؑ اور اس کے باپ کے گھرانے نے مصر میں سکونت کی اور یوسفؑ ایک سو دس برس جیا اور یوسف نے افرائیم کے لڑکے جو تیسری پشت تھے دیکھے اور منسّی کے بیٹے مکیر کے بیٹے بھی یوسفؑ کے گھٹنوں پر پالے گئے اور یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً تم کو اس زمین میں جسکی بابت اس نے ابراہام اور اضحق اور یعقوب سے قسم کی ہے لیجائیگا اور یوسفؑ نے بنی اسرائیل سے قسم لیکے کہا خدا یقیناً تم کو یاد کریگا، اور تم میری ہڈیوں کو یہاں سے لیجائیو سو یوسفؑ ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کے مرگیا اور انھوں نے اُس میں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندوق میں رکھا[1]۔۔۔۔۔۔۔

اور موسیٰؑ نے یوسف کی ہڈیاں ساتھ لیں کیونکہ اُس نے بنی اسرائیل کو تاکیداً قسم دیکر کہا تھا کہ خدا یقیناً تمہاری خبر گیری کرے گا تم یہاں سے میری ہڈیاں اپنے ساتھ لیجائیو[2]

اہم اخلاقی مسائل حضرت یوسف (علیہ السلام) کا یہ عجیب و غریب قصہ اربابِ بصیرت کیلئے اپنی آغوش میں نہایت اہم اخلاقی مسائل رکھتا ہے، دراصل یہ قصہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ فضائلِ اخلاق کی

---

[1] پیدائش باب ۵۰ آیات ۲۲-۲۶   [2] خروج باب ۱۳ آیت ۱۹

Marfat.com

ایسی زرّین داستان ہے جس کا ہر پہلو موعظت وبصیرت کے جواہر سے لبریز ہے۔
قوتِ ایمانی، استقامت، ضبطِ نفس، صبر، شکر، عفت، دیانت دامانت، عفو ودرگذر جذبۂ تبلیغ واعلاء کلمۃ اللہ کا عشق اور اصلاح وتقویٰ جیسے اخلاق فاضلہ اور صفات کاملہ کا ایک نادر سلسلۃ الذہب ہے جو اس قصہ کے ہر نقش میں منقش نظر آتا ہے مگران میں سے یہ چند اُمور خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاک، مقدس اور لطیف ہو تو اس شخص کی زندگی اخلاقِ کریمانہ میں نمایاں اور صفاتِ عالیہ میں ممتاز ہوگی اور وہ ہر قسم کے شرف ومجد کا حامل ہوگا۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کی مقدس زندگی اس کی بہترین مثال ہے وہ یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبیوں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اسلئے نبوّت ورسالت کے گہوارہ میں نشوونما پائی اور خانوادۂ نبوت کے ماحول میں تربیت حاصل کی، ذاتی نیک نہادی اور فطری پاکی نے جب ایسے لطیف ماحول کو دیکھا تو تمام فضائل واوصافِ حمیدہ چمک اُٹھے اور بچپن جوانی اور کہولت کی زندگی کے تمام گوشے تقویٰ، عفت، صبر، استقامت، دیانت اور عشقِ الٰہی کے ایسے روشن مظہر بن گئے کہ عقل انسانی اس مجموعۂ کمالات ہستی کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔

(۲) اگر کسی شخص میں ایمان باللہ مستقیم ومستحکم ہو اور اس پر اُس کا یقین راسخ اور مضبوط ہو تو پھر اس راہ کی تمام صعوبتیں اور مشکلات اس پر آسان بلکہ آسان تر ہو جاتی ہیں اور رویت حق کے بعد تمام خطرات اور مصائب ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں، حضرت یوسفؑ کی تمام زندگی میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔

(۳) ابتلاء وآزمائش، مصیبت وہلاکت کی شکل میں ہو یا دولت وثروت اور خواہشات نفس کی خوبصورت اسباب کی صورت میں ہر حالت میں انسان کو خدائے تعالیٰ کی جانب ہی رجوع کرنا چاہیئے اور اسی سے التجا کرنی چاہیئے کہ وہ امرِ حق پر ثابت قدم رکھے اور استقامت بخشے

Marfat.com

عزیز کی بیوی اور حسین مصری عورتوں کی ترغیبات اور اُنکی مرضیات پوری نہ کرنے پر قید کی دھمکیاں اور پھر قید و بند کے مصائب اِن تمام حالات میں حضرت یوسفؑ کا اعتماد اور اُنکی دعاؤں اور التجاؤں کا مرکز صرف ایک ہی ہستی سے وابستہ نظر آتا ہے، وہ نہ عزیزِ مصر کے سامنے عرض رساں نظر آتے ہیں نہ فرعون کے سامنے ملتجی، وہ نہ اُن خوبرویانِ مصر اور عشوہ طرازانِ حسن و جمال سے جی لگاتے ہیں اور نہ اپنے مربی کی خوبرو بیوی سے، بلکہ ہر موقع پر خدائے تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب نظر آتے ہیں۔

"رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ"

(۴) جب خدائے تعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق، قلب کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے تو پھر انسان کی زندگی کا تمام تر مقصد وہی بن جاتا ہے اور اس کے دین کی دعوت و تبلیغ کا عشق ہر وقت رگ و پے میں دوڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ قید خانہ کی سخت مصیبت کے وقت اپنے رفیقوں سے سب سے پہلا کلام یوسفؑ کا یہی تھا۔ "یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ"

(۵) دیانت و امانت ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو انسان کی دینی و دُنیوی سعادتوں کی کلید کہنا چاہیئے، عزیزِ مصر کے یہاں یوسف علیہ السّلام جس طرح داخل ہوئے تھے وہ واقعہ کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے، یہ حضرت یوسفؑ کی دیانت و امانت ہی کا نتیجہ تھا کہ پہلے وہ عزیزِ مصر کی نظروں میں بلند و باوقار اور محبوب بنے پھر مصر کی حکومت کے مالک ہو گئے۔

(۶) خود اعتمادی انسان کے بلند اوصاف میں سے ایک بڑا وصف ہے خدائے تعالیٰ نے جس شخص کو یہ دولت بخشدی ہے وہی دنیا کے مصائب و آلام سے گذر کر دُنیوی و دینی رفعت و بلندی حاصل کر سکتا ہے۔

خود اعتمادی کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم "عزتِ نفس" بھی ہے، جو شخص خودداری اور عزتِ نفس سے محروم ہے وہ انسان نہیں ایک مضغۂ گوشت ہے، حضرت یوسفؑ کی عزتِ نفس کے تحفظ کا یہ عالم ہے کہ برسوں کے بعد جب قید خانہ سے رہائی کا حکم ملتا، اور بادشاہِ وقت کا پیغام سربلندی حاصل

Marfat.com

ہوتا ہے تو مسرت و شادمانی کے ساتھ فوراً اس کو لبیک نہیں کہتے بلکہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ کہ میں اس وقت تک قید خانے سے باہر نہیں آؤنگا تاوقتیکہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ مصری عورتوں نے مکر و فریب کا جس قسم کا معاملہ میرے ساتھ کیا تھا اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ"

(۷) صبر ایک عظیم الشان "خلق" ہے اور بہت سی برائیوں کیلئے سپر اور ڈھال کا کام دیتا ہے قرآن حکیم میں ستر سے زیادہ مقامات پر اس کی فضیلت کا اعلان کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مراتبِ علیا اور درجاتِ رفیعہ کا مدار اسی فضیلت پر رکھا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۵

اور ہم نے ان میں سے مقتدا بنائے، جو ہمارے احکام کے ہادی بنے جبکہ وہ فضیلتِ صبر سے مزین ثابت ہوئے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا ۵ (اعراف)

اور پورا ہوا تیرے رب کا نیک کلمہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے کہ وہ صابر رہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۰ (بقرہ)

اور بشارت دے دو اُن صبر کرنیوالوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہہ اُٹھتے ہیں "بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بیشک ہم اُسی جانب لوٹ جانے والے ہیں

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اُسی طرح صبر کرو جس طرح بلند عزیمت والے پیغمبروں نے کیا۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ)

اور (اللہ) سے مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبر نصف الایمان (بیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "صبر نصف ایمان ہے۔

وسئل عن الایمان فقال الصبر والسماحۃ (بیہقی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا "صبر اور دریا دلی"

Marfat.com

حقیقت میں "صبر" ایک ایسی صفت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان برائیوں سے باز رہ سکے اور نفس اُن کی طرف اقدام سے رُک جائے، اسلئے یہ صرف انسان ہی کا خاصہ ہے اور تمام حیوانات سے اُس کو امتیاز بخشتا ہے۔

صبر کی مختلف اقسام ہیں یا یُوں کہئے کہ ان اشیاء کی نسبت کے لحاظ سے جن کی جانب "صبر" کو منسوب کیا جاتا ہے وہ مختلف ناموں سے موسوم ہے۔

پس اگر پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کے مقابلہ میں صبر ہے تو اس کا نام "عفت" ہے اور اگر مصائب پر صبر ہے تو اسکو "صبر" ہی کہتے ہیں اور اس کی ضد کا نام "جزع وفزع" ہے اور اگر ثروت و دولت کی بہتات کی حالت میں صبر ہے تو اُس کا نام "ضبط نفس" ہے اور اس کی ضد کو "بطر" (چھچھورپن) کہتے ہیں، اور اگر میدانِ جنگ اور اسی قسم کے مہلک حالات پر صبر ہے تو وہ "شجاعت" کہلاتا ہے اور اس کی ضد کا نام "جبن" (بزدلی) ہے، اور اگر غیظ و غضب کے حالات پر صبر ہے تو اسکو "حلم" کہتے ہیں اور اسکی ضد کو "تذمر" (بے قابو ہونا) کہا جاتا ہے، اور اگر حوادثاتِ زمانہ پر صبر ہے تو اسکا نام "سعۃ صدر" ہے (کشادہ دلی اور حوصلہ مندی) ہے اور اس کی مخالف صفت کو "ضجر" (تنگ دلی اور بے صبری) کہتے ہیں، اور اگر دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر ہے تو اس کا نام "کتمان سر" (پردہ پوشی) ہے، اور اگر بقدر کفاف معیشت پر صبر ہے تو اُس کو "قناعت" کہتے ہیں، اور اگر ہر قسم کی عیش پسندی کے مقابلہ میں صبر ہے تو اس کا نام "زُہد" ہے۔

صبر کی ان تمام اقسام کا بیان جامع ایجاز و اعجاز کیساتھ قرآن عزیز کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اور ہر قسم کی مصیبتوں اور مضرتوں اور میدانِ جنگ کی ہولناکیوں میں صبر کرنے والے یہی در اصل صادق ہیں۔ اور یہی متقی و پرہیزگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو صبر و رضا کے ان تمام مراحل میں کمال عطا

Marfat.com

فرمایا تھا جس کو "مثلِ اعلیٰ" کہا جاتا ہے، مثلاً۔
(۱) برادرانِ یوسف کی ایذا رسانیوں پر صبر (۲) آزاد ہونیکے باوجود غلام بن جانے اور ایسے ملک اور ایسی قوم کے ہاتھوں میں فروخت ہوجانے پر صبر جو معاشرت و معیشت میں بھی مخالف اور دین و ایمان میں بھی دشمن تھی (۳) عزیزِ مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پُر فریب ترغیبات پر صبر (۴) قیدخانہ کے مصائب پر صبر (۵) عزیزِ مصر کی تمام دولت و ثروت کے وکیل بن جانے پر صبر یعنی خدا کی شکر گزاری کا اظہار اور شیخی سے پرہیز (۶) مملکت مصر کے حاکم مطلق ہونے پر صبر یعنی ظلم، کبر، شیخی سے پرہیز (۷) ہر دو حالتوں میں قناعت و زہد کی زندگی کو ترجیح، (۸) ایذا رسا بھائیوں کی ندامت کے وقت اختیارِ صبر، یعنی وسعتِ قلب کا ثبوت "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ"

(۹) اخلاقِ حسنہ میں "شکر" بھی بہترین خُلق ہے اس لئے کہ یہ اخلاق الٰہیہ میں سے بہت بلند خلق ہے، قرآنِ عزیز میں ہے "وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" انسانی اوصاف میں "شکر" ایسی صفت کا نام ہے جس کے ذریعہ منعمِ حقیقی کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اور اُس پر مسرّت و شادمانی کا اظہار ہو اور اس کو محسن و منعم کے مرغوب اور پسندیدہ طریقہ پر استعمال کیا جائے، قرآنِ عزیز میں ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ○ (بقرہ)	پس تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا اور تم میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔
مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ	اللہ تم پر عذاب نہ لائیگا، اگر تم اس کے شکر گذار اور اس پر ایمان والے رہے۔
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم)	اگر تم شکر گذار ہو تو ہم (تمہاری نعمتوں میں) اضافہ کرتے رہیں گے

مگر افسوس یہ ہے کہ انسانی دنیا میں حقیقی شکر گذار اور سپاس گذار بہت ہی کم ہیں:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا) اور میرے بندوں میں حقیقی شکر گذار بہت کم ہیں۔

لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بھی بدرجۂ کمال عطا فرمائی تھی اُنکی

Marfat.com

زندگی کے حالات پڑھو اور اندازہ کرو کہ کس طرح جگہ جگہ شکر اور سپاس گذاری کا مظاہرہ نمایاں نظر آتا ہے، خصوصاً ختم قصہ پر اُن کی جو دعا مذکور ہے وہ اُن کے اس وصف کو اور زیادہ نمایاں کرتی ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف)

اے پروردگار! بلاشبہ تو نے مجھ کو حکومت بخشی اور باتوں کے فیصلہ کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے تو مجھ کو اپنی اطاعت پر موت دیجیو اور صالحین کے زمرہ میں شامل کر لیجیو۔

(۱۰) حسد اور بغض کا انجام حاسد اور بغض کرنیوالے کے حق میں مضر ہوتا ہے اور اگرچہ کبھی محسود و مبغوض کو بھی دُنیوی نقصان پہونچ جانا ممکن ہے، لیکن حاسد کسی حال میں بھی فلاح نہیں پاتا، اور خسر الدنیا والاٰخرۃ کا مصداق ہی رہتا ہے، اِلّا یہ کہ تائب ہو جائے اور حاسدانہ زندگی کو ترک کر دے۔

برادرانِ یوسفؑ کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور اُنکا انجام بھی مگر چشم بصیرت شرط ہے۔

(۱۱) صداقت، دیانت، امانت، صبر اور شکر جیسے صفاتِ عالیہ سے متصف زندگی ہی حقیقی اور کامیاب زندگی ہے، اور اگر انسان میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو پھر وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۚ (بقرہ)

(یہ متمرد و سرکش انسان) چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے۔

(۱۲) حضرت یوسفؑ کے اخلاقِ کریمانہ اور صفاتِ عالیہ کی مدحت و منقبت میں سب سے اہم وہ جملہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے حق میں فرمایا "الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم" یعنی وہ سلسلہ نسب جو چار پشتوں سے کرامت نبوت سے مستفیض ہے یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کا سلسلہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔

اکرم النّاس یوسف نبیّ اللہ بن نبیّ اللہ بن نبیّ اللہ بن خلیل اللہ۔ (بخاری کتاب التفسیر)

Marfat.com

حضرت شعیب (علیہ السلام)

حضرتِ شعیبؑ کا ذکر قرآن عزیز میں، قوم شعیبؑ، مدین و اصحاب ایکہ، زمانۂ بعثت دعوتِ حق، قوم کی سرکشی، سرکشی کا انجام، بصائر و عبر۔

حضرت شعیبؑ کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم میں حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا تذکرہ اعراف، ہود اور شعراء میں قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے اور حجر اور عنکبوت میں مختصر، ان سورتوں میں حجر کے علاوہ حضرت شعیبؑ کا نام دس جگہ مذکور ہے، ذیل کا نقشہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

سورہ	آیات	شمار
اعراف	۸۵ - ۸۸ - ۹۰ - ۹۲	۴
ہود	۸۴ - ۸۷ - ۹۰ ۹۵	۴
شعرا	۱۷۷	۱
عنکبوت	۳۶	۱ / ۱۰

قوم شعیبؑ

حضرت شعیب (علیہ السلام) کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی تھی، مدین کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ "قبیلہ"[۱] کا نام ہے، یہ قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا جو اُن کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوا، اسلئے حضرت ابراہیمؑ کا یہ خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے "مدین" اپنے اہل و عیال کیساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے پہلو ہی میں حجاز میں آباد ہو گیا تھا، یہی خاندان آگے چلکر ایک بڑا قبیلہ بن گیا اور شعیب علیہ السلام بھی چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اسلئے اُن کی بعثت کے بعد یہ "قوم شعیب" کہلایا۔

مدین یا اصحابِ ایکہ

یہ قبیلہ کس مقام پر آباد تھا؟ اس کے متعلق عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ یہ حجاز میں

[۱] اسی قبیلہ کے نام پر بستی کا بھی نام "مدین" مشہور ہوا۔

Marfat.com

شام کے متصل ایسی جگہ آباد تھا کہ جس کا عرض البلد افریقہ کے جنوبی صحرا کے عرض البلد کے مطابق پڑتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے متصل معان کے حصۂ زمین پر آباد تھا۔

قرآن عزیز نے اس قبیلہ کی آبادی کے متعلق ہم کو دو باتوں سے تعارف کرایا ہے۔ ایک یہ کہ وہ "امام مبین" پر آباد تھا۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ — اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔

عرب کے جغرافیہ میں جو شاہراہ حجاز کے تاجر قافلوں کو شام فلسطین یمن بلکہ مصر تک لیجاتی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گذرتی تھی قرآن اُسکو "امام مبین" (کھلی اور صاف شاہراہ) کہتا ہے کیونکہ صیف (گرمی) اور شتاء (سردی) دونوں زمانوں میں قریشی قافلوں کے لئے یہ متعارف اور بڑی تجارتی سڑک تھی جس کا سلسلہ بری مسافت کے ساتھ بحری کے بھی ڈانڈے ملا دیتا تھا۔

دوسرے یہ کہ وہ "اصحاب ایکہ" (جھنڈ والے) تھے۔ عربی میں "ایکہ" اُن سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اُگی رہتی ہیں، اور جھاندے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

اِن دونوں باتوں کے جان لینے کے بعد مدین کی آبادی کا پتہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے مغرب شمال میں ایسی جگہ آباد تھا جو شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے اور حجاز والوں کو شام فلسطین بلکہ مصر تک جاتیمیں اس کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے اور جو تبوک کے بالمقابل واقع تھا۔[۱]

مفسرین اس بارہ میں مختلف ہیں کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں یا دو جُدا جُدا قبیلے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ دونوں جُدا جُدا قبیلے ہیں، مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا اور "اصحاب ایکہ" دیہاتی اور بدوی قبیلہ جو جنگل اور بن میں آباد تھا، اس لیئے اس کو بن والا یا جنگل والا، کہا گیا۔ اور آیت انھما لبامام المبین "میں ھُما" ضمیر تثنیہ سے یہی دونوں مراد ہیں نہ کہ

[۱] معجم البلدان جلد ۵ ص ۴۱۸۔

Marfat.com

مدین اور قوم لوط۔

اور دوسرے مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اسقدر شاداب و پُر فضا بنا دیا تھا، اور یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ نہایت خوبصورت اور شاداب گھنے درختوں کا ایک بن ہے، اسی وجہ سے قرآنِ عزیز نے اس کو "ایکہ" کہکر تعارف کرایا۔

ان مفسرین میں سے حافظ عماد الدین ابن کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہاں "ایکہ" نام ایک درخت تھا۔ اہل قبیلہ چونکہ اس کی پرستش کرتے تھے لہذا اسکی نسبت سے "مدین" کو اصحاب ایکہ کہا گیا نیز چونکہ یہ نسبت نسبی نہ تھی بلکہ مذہبی تھی اس لئے جن آیات میں ان کو اس لقب سے یاد کیا گیا ہے ان میں حضرت شعیبؑ کو "اخوھم" (انکا بھائی)، یا اسی قسم کے نسبی علاقہ سے یاد نہیں کیا، البتہ جن آیات میں قوم شعیبؑ کو مدین کہکر یاد کیا ہے۔ ان میں حضرت شعیبؑ کو بھی ان کے نسبی رشتہ میں منسلک ظاہر کیا ہے۔

بہر حال راجح یہی ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے "اصحابِ ایکہ" کے لقب سے مشہور ہوا

زمانۂ بعثت اور ایک غلطی کا ازالہ عبد الوہاب نجار اپنی کتاب "قصص الانبیاء" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو العباس قلقشندی نے "صبح الاعشی" جلد ۳ ص ۱۶ میں یہ تحریر کیا ہے :-

ثم ملک بعدہ یعنی یوثام ۔ ابنہ احاز	پھر یوثام کے بعد آحاز نے بھی سولہ سال تک حکومت کی اور
ستہ عشرۃ سنۃ ایضا وکانت الحرب	اس کے اور دمشق کے بادشاہ کے درمیان جنگ رہی اور
بینہ وبین ملک دمشق وفی زمنہ کان	اُسی زمانہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی
شعیب علیہ السلام۔	

قلقشندی کی عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسٰی (علیہ السلام)

Marfat.com

صدیوں بعد پیدا ہوئے یعنی سات سو برس بعد آٹھویں صدی کے اوائل میں کیونکہ آحاز کی حکومت کا یہی زمانہ تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت شعیب (علیہ سلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بڑے ہیں اور حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ کا زمانہ پایا ہے یا نہیں یہ بات البتہ اختلافی ہے۔

اسی بنا پر قرآن عزیز نے سورہ اعراف میں حضرت نوحؑ حضرت ہود حضرت صالح حضرت لوط اور حضرت شعیب (علیہم السلام) کے ذکر کے بعد فرمایا "ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ" اور اسی طرح سورۂ یونس، سورہ حج، سورہ ہود اور سورۂ عنکبوت میں بیان کیا گیا۔

تو قلقشندی سے اس جگہ لغزش ہوگئی ہے کہ اس نے شعیاء (علیہ السلام) کی جگہ شعیب علیہ السلام، تحریر کر دیا، بلاشبہ آحاز کی حکومت کا زمانہ شعیاء نبی کا زمانہ ہے۔[۱]

دعوتِ حق بہر حال شعیب (علیہ السلام) جب اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب صرف افراد و احاد میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم گرداب ہلاکت میں مبتلا ہے اور اپنی بداعمالیوں میں اسقدر سرمست و سرشار ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے معصیت اور گناہ ہے، بلکہ اپنے ان اعمال کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔

ان کی بہت سی بداخلاقیوں اور نافرمانیوں سے قطع نظر جن قبیح امور نے خصوصیت کے ساتھ ان میں رواج پا لیا تھا وہ یہ تھے۔

(۱) بت پرستی اور مشرکانہ رسوم و عوائد (۲) خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم تولنا یعنی دوسرے کو اس کے حق سے کم دینا اور اپنے لئے حق کے مطابق لینا بلکہ اس سے زیادہ (۳) تمام معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی۔

قوموں کے عام رواج کے مطابق دراصل ان کی رفاہیت، خوش عیشی، دولت و ثروت کی فراوانی، زمین اور باغوں کی زرخیزی اور شادابی نے انکو اسقدر مغرور بنا دیا تھا کہ وہ ان

[۱] قصص الانبیاء، نجار ص۱۴۸

Marfat.com

تمام امور کو اپنی ذاتی میراث اور اپنا خاندانی ہنر سمجھ بیٹھے تھے، اور ایک ساعت کے لئے بھی اُن کے دل میں یہ خطرہ نہیں گذرتا تھا کہ یہ سب کچھ خدائے تعالیٰ کی عطا و بخشش ہے کہ شکر گذار ہوتے اور سرکشی سے باز رہتے۔ غرض انکی فارغ البالی نے انہیں طرح طرح کی بداخلاقیاں اور قسم قسم کے عیوب پیدا کر دیے تھے۔

آخر غیرتِ حق حرکت میں آئی اور سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ حق دکھانے، فسق و فجور سے بچانے اور امین و متقی اور با اخلاق بنانے کے لئے اُن ہی میں سے ایک ہستی کو چُن لیا اور شرفِ نبوت و رسالت سے نواز کر اس کو دعوتِ اسلام اور پیغام حق کا امام بنایا، یہ ہستی حضرت شعیب علیہ السلام کی ذات گرامی تھی۔

خدا کی توحید اور شرک سے بیزاری کا اعتقاد تو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی مشترک بنیاد اور اصل ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے حصہ میں بھی آئی تھی مگر قوم کی مخصوص بداخلاقیوں پر توجہ دلانے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے انہوں نے اس قانون کو بھی اہمیت دی کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں یہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو جس کا حق ہے وہ پورا پورا اس کو ملے کہ دنیوی معاملات میں یہی ایک ایسی بنیاد ہے جو متزلزل ہو جانے کے بعد ہر قسم کے ظلم، فسق و فجور اور مہلک خرابیوں اور بداخلاقیوں کا باعث بنتی ہے۔

الحاصل حضرت شعیب (علیہ السلام) نے بھی اپنی قوم کی بداعمالیوں کو دیکھکر سخت دُکھ محسوس کیا اور رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے قوم کو انہی اصول کی طرف بلایا جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت و ارشاد کا خلاصہ ہے۔

انہوں نے فرمایا "اے قوم! ایک خدا کی عبادت کر اسکے علاوہ کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے۔ اور خرید و فروخت میں ناپ تول کو پورا رکھ، اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں کھوٹ نہ کر کل تک ممکن ہے کہ تجھ کو ان بداخلاقیوں کی برائیوں کا حال معلوم نہوا ہو مگر آج تیرے پاس خدا کی حجت، نشانی اور برہان آچکا۔ اب جہل و نادانی عفو و درگذر کے قابل نہیں ہے۔

کو قبول کر اور باطل سے باز آ۔ کہ یہی کامرانی اور کامیابی کی راہ ہے، اور خدا کی زمین میں فتنہ و فساد نہ کر، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاح و خیر کے تمام سامان مہیا کر دیئے اگر تجھ میں ایمان و یقین کی صداقت موجود ہے تو سمجھ کہ یہی فلاح و بہبودی کی راہ ہے اور دیکھ ایسا نہ کر کہ دعوت حق کی راہ کو روکنے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ہر راہ پر جا بیٹھے اور جو آدمی بھی ایمان لائے اسکو خدا کی راہ اختیار کرنے پر دھمکیاں دینے لگے اور اسمیں کجروی پیدا کرنے کے درپے ہو جائے اے افراد قوم اسوقت کو یاد کرو اور خدا کا احسان مانو کہ تم بہت تھوڑے تھے پھر اس نے امن و عافیت دے کر تمہاری تعداد کو بیش از بیش بڑھا دیا۔

اے میری قوم! ذرا اس پر بھی غور کر کہ جن لوگوں نے خدا کی زمین پر فساد پھیلانے کا شیوہ اختیار کیا تھا اُن کا انجام کس قدر عبرتناک ہوا، اور اگر تم میں سے ایک جماعت مجھ پر ایمان لے آئی اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صرف اتنی ہی بات پر معاملہ ختم ہو جانیوالا نہیں۔ بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرتا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب (علیہ السلام) بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی حسنِ خطابت، طرزِ بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اسی لئے مفسرین ان کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں پس انہوں نے نرم و گرم ہر طریقہ سے قوم کو رشد و ہدایت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے مگر اس بدبخت قوم پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا، اور چند ضعیف اور کمزور ہستیوں کے علاوہ کسی نے پیغام حق پر کان نہ دھرا، وہ خود بھی اُسی طرح بداعمال رہے اور دوسروں کی راہ بھی مارتے رہے۔ وہ راستوں میں بیٹھ جاتے اور حضرت شعیبؑ کے پاس آنے جانیوالوں کو قبولِ حق سے روکتے اور اگر موقعہ لگ جاتا تو لوگوں کو لوٹ لیتے اور اگر اس پر بھی کوئی خوش قسمت حق پر لبیک کہہ دیتا تو اس کو ڈراتے، دھمکاتے اور طرح طرح سے کجروی پر آمادہ کرتے اور ان تمام باتوں کے باوجود بھی جب حضرت شعیبؑ کی دعوت حق کا سلسلہ برابر جاری رہا تو انہیں سے

Marfat.com

سربرآوردہ اشخاص نے کہ جن کو اپنی شوکت وطاقت پر غرور تھا، حضرت شعیبؑ سے کہا "اے شعیب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہیگی، یا ہم تجھ کو اور تجھ پر ایمان لانیوالوں کو اپنی بستی میں سے نکال دینگے اور تیرا دیس نکالا کرینگے یا تم کو مجبور کرینگے کہ پھر ہمارے دین میں واپس آجاؤ"

حضرت شعیبؑ نے فرمایا "اگر ہم تمہارے دین کو غلط اور باطل سمجھتے ہوں تب بھی زبردستی مان لیں یہ تو بڑا ظلم ہے؟ اور جبکہ ہمکو خدائے تعالے نے تمہارے اس دین سے نجات دیدی تو پھر ہم اس کی طرف لوٹ جائیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے جھوٹ بول کر خدا تعالیٰ پر بہتان باندھا یہ ناممکن ہے، ہاں اگر اللہ کی "جو کہ ہمارا پروردگار ہے" یہی مرضی ہو تو وہ جو چاہیگا کریگا، ہمارے رب کا علم تمام اشیاء پر چھایا ہوا ہے ہمارا تو صرف اُسی پر بھروسہ ہے۔ اے پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق اور سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے تو ہی بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔ قوم کے سرداروں نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ عزم واستقلال دیکھا تو اب اُن سے رُخِ سخن پھیر کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگے "خبردار اگر تم نے شعیبؑ کا کہنا مانا تو تم ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔

حضرت شعیبؑ نے یہ بھی فرمایا "دیکھو خدائے تعالے نے مجھکو اس لئے بھیجا ہے کہ میں اپنی مقدور بھر تمہاری اصلاح کی سعی کروں اور میں جو کچھ کہتا ہوں اس کی صداقت اور سچائی کے لئے خدا کی حجت اور دلیل اور نشانی بھی پیش کر رہا ہوں، مگر افسوس کہ تم اس واضح حجت کو دیکھکر بھی سرکشی و نافرمانی پر قائم ہو اور مخالفت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو تم سے چھوٹا ہوا ہو، پھر میں تم سے اپنی اس رشد و ہدایت کے بد میں کوئی اجرت بھی نہیں مانگتا اور نہ کوئی دنیوی نفع کا طالب ہوں میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے، اور اگر تم بھی نہ مانو گے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا کا عذاب تم کو ہلاک و برباد نہ کر ڈالے، اس کا فیصلہ اٹل ہے اور کس کی مجال نہیں کہ اس کو رد کر دے۔

قوم کے سردار تیوری چڑھا کر بولے شعیب! کیا تیری نماز ہم سے یہ چاہتی ہے کہ ہم اپنے باپ دا کے دیوتاؤں کو پوجنا چھوڑ دیں اور ہمکو اپنے مال و دولت میں یہ اختیار نہ رہے کہ جس طرح چاہیں صر کریں اگر ہم کم تولنا چھوڑ دیں، لوگوں کے کاروبار میں کھوٹ نہ کریں تو مفلس و قلاش ہو کر رہ جائیں

Marfat.com

پس کیا ایسی تعلیم دینے میں تجھ کو کوئی متین اور سچا رہبر کہہ سکتا ہے؟

حضرت شعیبؑ نے نہایت دلسوزی اور محبت کے ساتھ فرمایا "اے قوم! مجھے یہ خوف لگ رہا ہے کہ تیری بیباکیاں اور خدا کے مقابلہ میں نافرمانیاں کہیں تیرا بھی وہی انجام نہ کردیں جو تجھ سے پہلے قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کا ہوا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ خدا کے سامنے جھک جا، اور اپنی بدکرداریوں کے لئے بخشش کی طلبگار بن اور ہمیشہ کے لئے اُن سے تائب ہو جا، بلاشبہ میرا پروردگار رحم کرنیوالا اور بہت ہی مہربان ہے وہ تیری تمام خطائیں بخش دیگا۔

قوم کے سرداروں نے یہ سُن کر جواب دیا "شعیبؑ! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ تو کیا کہتا ہے؟ تو ہم سب سے کمزور اور غریب ہے، اگر تیری باتیں سچی ہوتیں تو تیری زندگی ہم سے زیادہ اچھی ہوتی، اور ہم کو صرف تیرے خاندان کا خوف ہے ورنہ تجھکو سنگسار کرکے چھوڑتے، تو ہرگز ہم پر غالب نہیں آسکتا۔"

حضرت شعیبؑ نے فرمایا "افسوس ہے تم پر! کیا تمہارے لئے خدا کے مقابلہ میں میرا خاندان زیادہ ڈر کا باعث بن رہا ہے حالانکہ میرا رب تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

خیر اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو، تم وہ سب کچھ کرتے رہو جو کر رہے ہو، عنقریب خدا کا فیصلہ بتادیگا کہ عذاب کا مستحق کون ہے اور کون جھوٹا اور کاذب ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔"

آخر وہی ہوا جو قانونِ الٰہی کا ابدی و سرمدی فیصلہ ہے "یعنی بحث اور برہان کی روشنی آنیکے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور اس کی صداقت کا مذاق اُڑایا جائے اور اس کی اشاعت میں رُکاوٹیں ڈالی جائیں تو پھر خدا کا عذاب اُس مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کردیتا، اور آنیوالی قوموں کے لئے اسکو عبرت و موعظت بنادیا کرتا ہے۔"

نوعِ عذاب | قرآن عزیز کہتا ہے کہ نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں قومِ شعیبؑ کو دو قسم کے عذاب نے آگھیرا ایک زلزلہ کا عذاب، اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب یعنی جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے تو یک بیک ایک ہولناک زلزلہ آیا اور ابھی یہ ہولناکی ختم نہ ہوئی تھی کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل اوندھے جھلسے ہوئے

Marfat.com

پڑے ہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ (الحجر)

پھر آپکڑا اُن کو زلزلے نے پس صبح کو رہ گئے اپنے اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء)

پھر انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پس آپکڑا اُن کو بادل والے عذاب نے (جس میں آگ بھی) بیشک وہ بڑے ہولناک دن کا عذاب تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ

اور ہم نے (قبیلہ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو (یعنی خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ پس کفران نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائیگا۔" اور اے میری قوم کے لوگو! ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری کیا کرو۔ لوگوں کو اُن کی چیزیں (اُن کے حق سے) کم نہ دو۔ ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے، اُسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ اور (دیکھو) میرا کام تو صرف نصیحت کردینا ہی ہے کچھ تم پر نگہبان نہیں" (کہ جبراً اپنی راہ پر چلادوں) لوگوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری یہ نماز ہے (جو تو اپنے خدا کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادے پوجتے رہے ہیں۔ یا یہ کہ ہمیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہیں کریں بس تم ہی ایک نرم دل اور راستباز آدمی رہ گئے؟ شعیب نے کہا "اے میری قوم کے لوگو کیا تم نے اس بات پر غور بھی

Marfat.com

رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ
إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا
الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي
إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
أُنِيبُ ۝ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي
أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ
نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَ
مَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي
رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝ قَالُوا
يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا
تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا
ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا
بِعَزِيزٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي
أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۖ وَ
اتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ
إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝
وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ
مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ
تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذا

کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن رکھتا ہوں
اور اس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ اچھی (سے اچھی) روزی عطا
فرما رہا ہو تو پھر بھی میں چپ رہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف نہ
بلاؤں!) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا
ہوں اس سے تمہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں
میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اسی پر عمل بھی کرتا ہوں میں اس کے سوا
کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی
کوشش کروں۔ میرا کام بنتا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے میں نے
اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں" اور اے میری قوم کے
لوگو! میری ضد میں آکر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی
معاملہ پیش آجائے جیسا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو پیش آچکا
ہے، اور قوم لوط کا معاملہ تم سے کچھ دور نہیں۔ اور دیکھو اللہ سے (اپنے
گناہوں کی) معافی مانگو۔ اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ۔ میرا پروردگار بڑا ہی
رحمت والا، بڑا ہی محبت والا ہے!" لوگوں نے کہا "اے شعیب! تم
جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم
دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو۔ اگر (تمہارے
ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیتے
تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں" شعیب نے کہا "اے میری قوم
کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ
تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو تم کرتے ہو میرے
پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر نہیں اے میری قوم کے لوگو تم اپنی

Marfat.com

يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ۝ (ہود)

جگہ کام کیے جاؤ، میں بھی اپنی جگہ، سرگرم عمل ہوں، بہت جلد معلوم کر لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے، جو اُسے رسوا کریگا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور پھر جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیبؑ کو اور ان کو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آپکڑا پس جب صبح ہوئی تو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے وہ اس طرح اچانک ہلاک ہوگئے، گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو کہ قبیلۂ مدین کے لئے بھی محرومی ہوئی جس طرح ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی!

قبر شعیب علیہ السلام

حضر موت میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔ وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب (علیہ السلام) کی قبر ہے حضرت شعیبؑ مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں اُن کی وفات ہوئی حضر موت کے مشہور شہر "سیئون" کے مغربی جانب میں ایک مقام ہے جسکو "شبام" کہتے ہیں اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں "یہ قبر" ہے۔ یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لئے آتا ہے۔[1]

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ مجھ کو اس قبر کے متعلق شک ہے کہ یہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قبر ہے، لیکن انھوں نے اس شک کے لئے کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی۔

بصائر و عبر

پچھلی امتوں اور قوموں کے یہ واقعات کہانیاں نہیں ہیں بلکہ عبرت بیں نگاہوں کے لئے سرمایۂ صد ہزار عبرت ہیں۔ اگر زیادہ غور و فکر سے بھی کام نہ لیا جائے تب بھی آسا مسطورۂ بالا واقعات سے ہم حسب ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

(۱) سورۂ اعراف میں مذکور ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارے

[1] قصص الانبیاء۔

Marfat.com

پاس تمہارے رب کی حجت و بینہ آچکی قد جاء تکم بینۃ من ربکم" مگر قرآن عزیز نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت شعیبؑ کے کسی معجزہ "آیۃ اللہ" کا ذکر نہیں کیا. علما نے اس سے دو نتیجے نکالے ہیں، ایک یہ کہ اگر نبی اور پیغمبر کسی قسم کا معجزہ نہ بھی لائے اور صرف خدا کے پیغام کے لئے روشن دلائل و براہین کی حجت ہی پیش کرے تو یہ روشن برہان ہی اس کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقام پر "بینہ" کی تفصیلات کو خدا کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ شریعت کے روشن دلائل کے علاوہ حضرت شعیبؑ کو بھی خدا کی جانب سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی نشان (آیۃ اللہ) بطور معجزہ عطا کیا ہو اور اگرچہ قرآن نے اس جگہ اس کی تصریح نہیں کی مگر شعیب علیہ السلام کے اس خطاب میں اسی جانب اشارہ ہو۔

(۲) ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی مہلک غلطی عرصہ سے یہ رہی ہے کہ ہم قرآن عزیز کی تعلیم سے یکسر غافل ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اسلامی زندگی کے ارکان میں صرف عبادات ہی اہم رکن ہیں اور معاملات میں درست کاری اور اصلاحِ معاشرت کو اسلام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں فساقِ امت کا تو ذکر ہی کیا اکثر اتقیا اور پرہیزگار بھی حقوق العباد اور معاملات میں بے پروا نظر آتے ہیں، مگر حقوق العباد کی حفاظت؛ معاشرتی درستکاری اور معاملات میں دیانت و امانت کو اسلام میں کس درجہ اہم شمار کیا گیا ہے وہ اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ایک جلیل القدر پیغمبر کی بعثت کا مقصد اسی کو قرار دیا اور ان کو انہی امور کی اصلاح حال کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

(۳) خرید و فروخت میں دوسروں کے حق کو پورا نہ دینا انسانی زندگی میں ایسا روگ لگا دیتا ہے کہ یہ بداخلاقی بڑھتے بڑھتے تمام حقوق العباد کے بارے میں حق تلفی کی خصلت پیدا کر دیتی؛ اور اس طرح انسانی شرافت اور باہمی اخوت و مودت کے رشتہ کو منقطع کرکے لالچ، حرص، خودغرضی اور خست و دنائت جیسے رذائل کا حامل بنا دیا کرتی ہے اسی لئے خدائے برتر کا ارشاد ہے:۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ — ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو دوسروں سے جب لیتے ہیں تو

Marfat.com

يَسْتَوْفُوْنَ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (مطففين)

پورے پیمانہ سے لیتے ہیں اور جب خود اپنی چیز دیتے ہیں تو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور کم تولتے اور ناپتے ہیں۔

(۴) اصلاحِ حال کے بعد خدا کی زمین میں فساد پیدا کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں ہے اس لئے کہ ظلم، کبر، قتل اور عصمت ریزی جیسے بڑے بڑے جرائم کی بنیاد اور اصل یہی رذیلہ ہے۔

(۵) باطل کی ایک بڑی شناخت یہ ہے کہ نہ وہ اپنے لئے دلائل کی روشنی رکھتا ہے اور نہ روشن دلائل کو برداشت کرتا ہے بلکہ جب اُس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا، اور آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اس کی موجودگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے دلائل کا جواب غصہ، دھمکی اور قتل سے دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تم انبیاء علیہم السلام اور اُن کے پیروان حق کی زندگی اور پھر اُن کے مقابل اور مخالف باطل پرستوں کی زندگی کا موازنہ کرو اور تاریخ کے اوراق سے واضح شہادت لو تو تم کو قدم قدم پر یہ حقیقت آشکارا اور روشن نظر آئیگی کہ انبیاء علیہم السلام روشن دلائل دے رہے ہیں، آیات اللہ اور خدا کی نشانیاں دکھا رہے ہیں محبت اور رحم کے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنی دعوت و تبلیغ پر مخاطبین پر مالی دباؤ نہ ڈالنے کا اطمینان دلا رہے ہیں مگر ان تمام باتوں کے باوجود دوسری جانب سے ان کو کہا جا رہا ہے کہ ہم تمہارا دیس نکالا کر دینگے ہم تم کو سنگسار کر دینگے ہم تم کو قتل کر دینگے، اور اگر خدا کے پیغمبر آخری طور پر یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہماری آواز پر لبیک نہیں کہتے تو کم از کم ہمارے وجود کو برداشت کرو اور اتنا تو صبر کرو کہ خدا تمہارے اور ہمارے درمیان حق و باطل کا خود ہی فیصلہ کر دے تو دوسری جانب سے اسکے جواب میں بھی انکار، تمسخر اور یہ مطالبہ پیش ہوتا ہے کہ بس اب اپنی نصیحت ختم کرو اور اگر سچے ہو تو جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ بھی لے آؤ، ورنہ تو ہم ہمیشہ کے لئے تمہارا اور تمہارے مشن کا خاتمہ کر دینگے۔

(۶) حق و باطل کا یہی وہ آخری مرحلہ ہے جسکے بعد خدا تعالیٰ کا وہ قانون جس کو "قانون یاداشِ عمل" کہا جاتا ہے ایسی سرکش اور متکبر قوموں کے لئے دنیا ہی میں نافذ ہو جاتا ہے اور ان کو ہلاک و تباہ کر کے آنیوالی نسلوں اور قوموں کے لئے سامانِ عبرت و موعظت مہیا کر دیتا ہے۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام)

بنی اسرائیل مصر میں۔ موسیٰ و ہارون کا ذکر قرآن میں۔ نسب و ولادت موسیٰ۔ ارض مدین اور موسیٰ کا مصر سے خروج۔ وادیِ مقدس و بعثتِ موسیٰ۔ واپسی مصر اور فرعون کو دعوتِ اسلام۔ آیات اللہ اور فرعون کا انکار قتلِ موسیٰ کا مشورہ، بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کی مزاحمت۔ نجاتِ بنی اسرائیل و غرقِ فرعون۔ عبورِ قلزم کے بعد بنی اسرائیل کا پہلا مطالبہ قومی لیبینی کا مظاہرہ دیگر مطالبات اور آیاتِ بینات کا ظہور۔ موسیٰ کا طور پر اعتکاف۔ نزولِ تورات۔ گوسالہ پرستی کا واقعہ۔ سامری۔ ستر سرداروں کا انتخاب، حیات بعد الموت۔ بنی اسرائیل اور جبلِ طور، ارضِ مقدس اور بنی اسرائیل۔ ذبحِ بقرہ کا واقعہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون حضرت موسیٰؑ اور ایذائے بنی اسرائیل حضرت ہارونؑ کی وفات۔ حضرت موسیٰ اور خضر۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات۔ بنی اسرائیل کا قومی مزاج اور خدا کی جانب سے تذکیرِ نعمت۔ حضرت موسیٰؑ کی ثناء و منقبت قرآن میں۔ ایک لطیف تاریخی نکتہ۔ بصیرتیں اور عبرتیں۔

بنی اسرائیل مصر میں قرآنِ عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بنی اسرائیل کا ذکر صرف اسی قدر کیا تھا کہ حضرت یعقوبؑ اور اُن کا خاندان حضرت یوسف سے ملنے مصر میں آئے مگر اس کے بعد صدیوں بعد حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں پھر ایک مرتبہ قرآن حکیم، بنی اسرائیل کے واقعات تفصیل کے ساتھ سُناتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف کے زمانے میں مصر ہی میں بس گئے تھے اور ان تمام پچھلی صدیوں میں اُنکی تاریخ مصر ہی سے وابستہ رہی ہے۔ تورات کی یہ تفصیلات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

"تب فرعون یوسفؑ سے متکلم ہوا اور کہا کہ تیرا باپ اور تیرے بھائی تجھ پاس آئے ہیں مصر کی زمین تیرے آگے ہے۔ اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو اس سرزمین کے ایک مقام میں جو سب سے بہتر ہے بسا

جشن کی زمین میں انہیں رہنے دے۔ اور اگر تو جانتا ہو کہ بعضے اُن کے درمیان چالاک ہیں تو اُن کو میری مواشی پر مختار کر[۵۱]

اور یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں کو ملک مصر کی ایک بہتر زمین میں جو عمسیس کی زمین ہے جیسا فرعون نے فرمایا تھا بٹھایا اور انہیں اس کا مالک کیا اور یوسف نے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں اور اپنے باپ کے سب گھرانے کی، اُن کے لڑکے بالوں کے موافق روٹی سے پرورش کی[۵۲]

اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے ملک میں سکونت کی اور وہ وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور وہ بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی زمین میں سترہ برس جیا سو یعقوب کی ساری عمر ایک سو سینتالیس برس کی ہوئی[۵۳]

توراۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرعون سے اپنے باپ اور اہل خاندان کے لئے "ارض جاشان" طلب کی جو فرعون نے بخوشی ان کے سپرد کر دی[۵۴]۔ مصر کے نقشہ میں یہ جگہ بلبیس کے شمال میں واقع ہے۔ اس علاقہ کا ایک موجودہ شہر (سفط الحنّہ) ہے۔

حضرت یوسف ع کے واقعہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ شہری آبادی سے دور حضرت یوسف اپنے خاندان کے لئے یہ جگہ غالباً اس لئے منتخب کی تھی کہ یہاں رہ کر اُن کے خاندان کی بدوی زندگی بحالہ باقی رہیگی اور اس کی وجہ سے مصری بُت پرست اُن کے ساتھ اختلاط نہ کر سکینگے، اُن کی مشرکانہ رسوم اور بداخلاقیاں بنی اسرائیل میں سرایت نہ کر سکینگی کیونکہ مصری لوگ چرواہوں کاشتکاروں اور بدوی لوگوں کو کمتر اور نجس سمجھتے اور ان کے ساتھ اختلاط کو معیوب جانتے تھے

توراۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب ع کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت یوسف کو بلا کر وصیت کی کہ مجھ کو سرزمین مصر میں دفن نہ کیا جائے بلکہ باپ دادا کے

---

۵۱ پیدائش باب ۴۷ آیات ۵-۶ ۵۲ پیدائش باب ۴۷ آیات ۱۱-۱۲

۵۳ پیدائش باب ۴۷ آیات ۲۷-۲۸ ۵۴ پیدائش باب ۴۷ آیات ۳۰-۳۱ ۵۵ قصص القرآن ص

Marfat.com

وطنِ فلسطین میں میری قبر بنائی جائے، حضرت یوسفؑ نے باپ کو پورا اطمینان دلایا اور انتقال کے بعد ان کے جسدِ اطہر کو حنوط (ممی) کر کے تابوت میں رکھا اور فلسطین لیجا کر سپردِ خاک کیا۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے وفات سے پہلے ساری اولاد کو جمع کیا اور حضرت یوسف کے صاحبزادوں افرائیم اور منسی کو بھی بلایا، اور ان سب کو اوّل دعاءِ برکت دی اور محبت و شفقت کے ساتھ اُن کو نوازا اس کے بعد اُن کو نصیحت کی کہ دیکھو میرے بعد اپنے ایمانیات و اعتقادات کو کہیں خراب نہ کر لینا اور خدا کے اُس پاک رشتہ کو جو میں نے اور میرے باپ دادا نے ہمیشہ مضبوط رکھا مشرکانہ رسوم و عوائد سے شکست و ریخت نہ کر دینا[1]۔

قرآن عزیز نے بھی یعقوب علیہ السلام کی اس مقدس وصیت کا ان معجزانہ جملوں میں ذکر کیا ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت تھا جبکہ اُس نے اپنی اولاد سے کہا "میرے بعد کس کی پرستش کرو گے (یعنی کون سا دین اختیار کرو گے) تو انھوں نے جواب دیا" ہم اُسی ایک خدا کی پرستش کرینگے جو تیرا اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کا خدا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔

تورات نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی وفات کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اُن کی عمر اور اُن کی نسل کا بھی ذکر حسبِ ذیل عبارت میں کیا ہے:۔

اور یوسفؑ اور اُس کے باپ کے گھرانے نے مصر میں سکونت کی اور یوسفؑ ایک سو دس برس جیا، اور یوسف نے افرائیم کے لڑکے جو تیسری پشت میں تھے دیکھے اور منسی کے بیٹے مکیر کے بیٹے بھی یوسف کے گھٹنوں پر پلے گئے، اور یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً

[1] پیدائش باب ۴۷ آیات ۳۰-۳۱۔

Marfat.com

تم کو یاد کریگا، اور تم کو اس زمین سے باہر اُس زمین میں جس کی بابت اُس نے ابراہام اور اضحٰق اور یعقوب سے قسم کی ہے لیجائیگا۔ اور یوسف نے بنی اسرائیل سے قسم لے کے کہا خدا یقیناً تم کو یاد کریگا، اور تم میری ہڈیوں کو یہاں سے لیجاؤ۔ سو یوسف ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کے مرگیا اور انہوں نے اُس میں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندوق میں رکھا۔[۵۱]

اور موسیٰ نے یوسف کی ہڈیاں ساتھ لیں کیونکہ اس نے بنی اسرائیل کو تاکیداً قسم دے کے کہا تھا کہ خدا یقیناً تمہاری خبر گیری کریگا، تم یہاں سے میری ہڈیاں ساتھ لیجائیو۔[۵۲]

چنانچہ حضرت یوسفؑ کی وصیت کے مطابق اُن کی اولاد نے اُن کے جسم مبارک کو بھی حنوط (ممی) کر کے تابوت میں محفوظ کر دیا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کر کے چلے ہیں تو یوسف (علیہ السلام) کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے انکا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور نبیوں کی سرزمین میں لاکر دفن کر دیا۔ یہ مقام کونسا ہے؟ اسکے متعلق اہل جبرون کہتے ہیں کہ وہ حبرون میں مدفون ہیں اور حرم خلیلی میں مکفیلہ کے قریب ایک محفوظ تابوت کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہی تابوتِ یوسف ہے لیکن عبد الوہاب مصری اس کو وہم بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت فاضل محمد نمر حسن نابلسی اور نابلس کے سرکردہ عالم حضرت فاضل امین بک عبد الہادی نے بیان کیا کہ حضرت یوسف کی ضریح مبارک نابلس میں ہے اور یہی صحیح ہے اسلئے تو ریت کہتی ہے کہ حضرت یوسف ارضِ فرائیم میں دفن ہوئے اور نابلس ارضِ فرائیم ہی ہیں ہے اور قدیم زمانہ میں شکیم کہتے تھے۔[۵۳]

بہر حال ان تفصیلات سے یہ واضح ہو گیا کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کی درمیانی صدیوں میں مصر میں آباد رہے۔

فرعونِ موسیٰ | گذشتہ واقعات میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ "فرعون" شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس (۳۱) خاندان سر پر

[۵۱] پیدائش باب ۵۰ آیات ۲۲-۲۶ [۵۲] خروج باب ۱۳ آیات ۱۹ [۵۳] قصص الانبیاء ص ۱۸۷

Marfat.com

حکمراں رہے ہیں، سب سے آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا جو ۳۳۲ء قبل از مسیح سکندر کے ہاتھوں مفتوح ہوگیا، ان میں سے حضرت یوسف کا فرعون "ہکسیس" (عمالقہ) کے خاندان سے تھا جو دراصل عرب خاندانوں ہی کی ایک شاخ تھی تو اب سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا فرعون کون ہے اور کس خاندان سے متعلق ہے؟

عام مورخین عرب اور مفسرین اس کو بھی "عمالقہ" ہی کے خاندان کا فرد بتلاتے ہیں۔ اور کوئی اسکا نام ولید بن مصعب بن ریان بتاتا اور کوئی مصعب بن ریان کہتا ہے اور ان میں سے ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے کہ اس کا نام ریان یا ریان ابا تھا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ابو مرۃ بھی یہ سب اقوال قدیم مورخین کی تحقیقی روایات پر مبنی تھے مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتبات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون رعمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دورِ حکومت ۱۲۹۲ء ق م سے شروع ہوکر ۱۲۲۵ء ق م پر ختم ہوتا ہے۔

اس تحقیقی روایت کے متعلق احمد یوسف آفندی نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے یہ مصری دار الآثار کے مصور ہیں اور اثری و حجری تحقیق کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اُنکے اس مضمون کا خلاصہ نجار نے قصص الانبیاء میں نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے:۔

"یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں داخل ہوئے ہیں تو یہ فراعنہ کے سولہویں خاندان کا زمانہ تھا اور اس فرعون کا نام "ابابی الاوّل" تھا میں نے اس کی شہادت اس حجری کتبہ سے حاصل کی جو عزیز مصر "فوتی فارع" (فوطیفار) کے مقبرہ میں پایا گیا، اور سترھویں خاندان کے بعض آثار سے یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ اس خاندان سے قبل مگر قریب ہی زمانہ میں مصر میں ہولناک قحط پڑچکا تھا۔ لہٰذا ان تعینات کے بعد آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف کا داخلۂ مصر "ابابی الاوّل" کے زمانے میں تقریباً ۱۷۰۰ء ق م ہوا ہے، اور حضرت یوسف کا عزیز مصر کے یہاں رہنا اور پھر قید خانہ کی زندگی بسر کرنا ان دونوں کی مدت کا اندازہ کرکے کہا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف

Marfat.com

سے تقریباً ستائیں سال بعد مصر میں اُس نشان سے داخل ہوئے جیسا ذکر قرآن حکیم اور تورات میں کیا گیا ہم اگرچہ فراعنۂ مصر کی حکومت اور شاہی خاندانوں کے متعلق اچھی طرح آگاہی پا چکے ہیں اور مصری آثار نے اس میں ہم کو کافی مدد دی ہے۔ مگر ابھی تک ان اثریات میں وہ تفصیلی تصریحات دستیاب نہیں ہوئیں جو فرعون اور بنی اسرائیل کی عداوت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور غرق فرعون و نجات بنی اسرائیل سے متعلق ہیں۔ تورات میں مذکور ہے کہ جس فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ عداوت کا معاملہ کیا اور اُنکو سخت مصائب میں مبتلا رکھا، اس نے بنی اسرائیل سے دو شہروں رعمسیس اور فیثوم کی تعمیر کی خدمت بھی لی اور ان کو مزدور بنایا، تو اثری حفریات (پرانے آثار کی کھدائی) میں ان دو شہروں کا پتہ لگ گیا ہے۔ ایک کے کتبہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا نام پر۔ توم "یا "فیثوم" ہے، اس کا ترجمہ ہے خدائے توم کا گھر اور دوسرے کا نام "بر رعمسیس" ہے جس کا ترجمہ "قصر رعمسیس" ہوتا ہے

اور شرقی جانب میں جو مقام اب "تل مسخوطہ" کے نام سے مشہور ہے یہیں "فیثوم" کی آبادی تھی، اور جس جگہ اب "قنتیر" یا قدیم مصری زبان کے اعتبار سے "خنت نفر" واقع ہے اس مقام پر "رعمسیس" آباد تھا۔ اس کو "رعمسیس ثانی" نے اس لئے آباد کیا تھا کہ یہ مصر کی بحری جانب کے سینٹر میں بہترین قلعہ کا کام دے اور فیثوم کی آبادی کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس شہر کی چار دیواری کے جو کھنڈر معلوم ہوئے ہیں وہ بلا شبہ اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ دونوں شہر مصر کے بہترین حفاظتی قلعے تھے نہ کہ تورات کے بیان کے مطابق غلّوں کے گودام۔

اس تمام قیل و قال کا مطلب یہ ہے کہ جس فرعون نے بنی اسرائیل کو مصائب میں مبتلا کیا وہ یہی "رعمسیس دوم" ہو سکتا ہے، یہ مصر کے حکمرانوں کا انیسواں خاندان تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اسی کی آغوش میں پرورش پائی، تاریخ اثریات سے پتہ چلتا ہے کہ "اسیویہ" قبائل جو مصر کے قریب آباد تھے اُن کے اور فراعنہ کے اس خاندان کے درمیان پیہم نو سال تک سخت جنگ و پیکار رہی بدیں وجہ یہ قرین قیاس ہے کہ رعمسیس دوم نے اس خوف سے کہ کہیں بنی اسرائیل کا یہ عظیم الشان قبیلہ جو لاکھوں نفوس پر مشتمل تھا اندرونی بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے بنی اسرائیل کو ان مصائب

Marfat.com

میں مبتلا کرنا ضروری سمجھا جن کا ذکر توراۃ اور قرآن حکیم میں کیا گیا ہے۔[1]

رمیسیس دوم اس زمانہ میں بہت مسن اور معمر ہو چکا تھا، اس لئے اُس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے "منفتاح" کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ رمیسیس کی ڈیڑھ سو اولادیں سے یہ تیرہواں لڑکا تھا۔ لہٰذا منفتاح ہی وہ فرعون ہے جسکو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے اسلام کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا، اور اُسی کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور یہی غرق دریا ہوا، چونکہ اس نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے گھر میں پرورش پاتے دیکھا تھا اس لئے جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو اسلام کا پیغام سنایا تو قرآن عزیز کے ارشاد کے مطابق اس نے یہ طعنہ دیا۔

اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (شعراء) — کیا ہم نے اپنے یہاں تیرے بچپن میں تیری پرورش نہیں کی؟ اور تو اپنی عمر کے چند سال ہم میں بسر کر چکا ہے۔

توراۃ میں ہے کہ خروج سے پہلے مصر کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا، اُس سے مراد وہی رمیسیس دوم ہے جو منفتاح کا باپ تھا۔

علامہ فلانڈرس نے ایک حجری کتبہ دریافت کیا ہے جس پر سیاہ حروف کندہ ہیں اور وہ ۵۹۹ سنہ مصری میں لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ایک بہت بڑی چٹان ہے جس کی بلندی ۳ میٹر[2] اور ۳۴ سم[3] ہے۔ یہ "کتبہ" دو وجہ سے معرض تحریر میں آیا تھا، ایک یہ کہ اُن تمام تفصیلات کو بیان کیا جائے جو اٹھارہویں خاندان کے بادشاہ "امنحتب" نے "معبد امون" کی خدمات کے متعلق انجام دی تھیں، اور دوسرے یہ کہ انیسویں خاندان کے بادشاہ "منفتاح" بن رمیسیس دوم کی تعریف میں کچھ لکھا جائے۔

اس لئے اس کتبہ کی عبارت شاعرانہ اسلوب پر لکھی گئی ہے اور منفتاح نے لوبین پر جو فتح حاصل کی تھی اس کا بڑے فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور عسقلان جیزر، یانوعیم جو فلسطین

---

[1] توراۃ سے بھی اس قیاس کی تائید ہوتی ہے، اس میں کہا گیا ہے "اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ آؤ ہم ان سے دانشمندانہ معاہدہ کریں تا یہ نہ ہو کہ جب وہ اشد زیادہ ہوں اور جنگ پڑے وہ ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں (خروج باب ۱ آیت ۱۰-۱۱)

[2] ۱۰ میٹر = ۹۳.۰ ؛ اگز

[3] سم (سینٹی میٹر) میٹر ۱/۱۰۰ حصہ۔

کے علاقہ کے مشہور شہر تھے اُن کے سقوط کی جانب اشارات کئے گئے ہیں۔
اسی کے ضمن میں بنی اسرائیل کے متعلق بھی مختصر عبارت میں اظہارِ خیال کیا گیا اور یہ سب سے پہلا اثری نقش اور حفریاتِ مصری کا پہلا کتبہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

لقد سحق بنو اسرائیل ولم یبق لھم بذر۔	بنی اسرائیل تمام ہلاک ہوگئے اور اب اُن کی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔

ایک باریک بیں اس عبارت کو دیکھ کر بآسانی یہ علم حاصل کرسکتا ہے کہ یہ تحریر منفتاح کے زمانے میں نہیں لکھی گئی ورنہ تو مصری دستور کے مطابق بنی اسرائیل جیسے عظیم الشان قبیلہ کی ہلاکت کے واقعہ کو اس معمولی اور مختصر الفاظ میں درج نہ کیا جاتا بلکہ منفتاح کی شان میں بڑے زبردست قصیدہ کے ساتھ اس دشمن پر کامیابی کا اظہار کیا جاتا، اور جن واقعات پر اس کتبہ میں اشارہ کیا گیا ہے ان کی اہمیت اور عظمت کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ یونہی ضمنی طور پر اور وہ بھی سابق بادشاہ کے حالات سے متعلق کتبہ پر درج نہ کر دیئے جاتے بلکہ اُن اہم واقعات کے لئے منفتاح کے زمانے میں مستقل الگ ایک کتبہ اسی غرض سے تحریر کیا جاتا۔
مگر ایسا کیوں نہ ہوا؟ سو بات بہت واضح ہے وہ یہ کہ مصری کاہنوں کو اس واقعۂ ہائلہ کی ہرگز توقع نہ تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں "غرق فرعون" کی شکل میں ظاہر ہوا اور وہ "منفتاح" کی موت کے لئے اس عجلت کے متوقع نہ تھے، اس زمانہ کی عمرِ طبعی کے لحاظ سے ابھی کافی زمانہ تھا کہ منفتاح کے کاہن، مصری دستور کے مطابق اس اُنیسویں خاندان کے بادشاہ کے ان حالات کو مرتب کرکے لوح پر محفوظ کر دیں تاکہ وہ بادشاہ کے مقبرہ پر کندہ ہوسکے۔ اب جبکہ یہ واقعہ ہائلہ پیش آگیا تو اصل حقیقت کو چھپانے کی سعی کی گئی تاکہ آئندہ قبطی نسلیں اس ذلت و رسوائی کو معلوم نہ کرسکیں جو ان کے واجب الاحترام دینی عقائد پر خدا کی طرف سے سخت ضرب کا باعث بن چکی تھی۔

Marfat.com

پس انھوں نے بیجا جسارت اور تاریخی بددیانتی کے ساتھ حالات کو منقلب کر کے معاملہ کو بالکل مخالف شکل میں تحریر کر دیا اور بنی اسرائیل کی کامیاب واپسیٔ وطن کو ان مسطورۂ بالا الفاظ میں ظاہر کیا تاکہ "غرق فرعون" کا قصہ آئندہ مصریوں کے سامنے باقی ہی نہ رہے۔

اس نتیجہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصری دستور کے مطابق ہر ایک بادشاہ کا مقبرہ جُدا ہوتا تھا اور اس کے تمام حالات اور خصوصی نمایاں امتیازات کی تاریخ اور اس کے زمانہ کی بعض شاہی اشیاء اور جواہرات اس کی قبر کے ساتھ ہی محفوظ کر کے رکھے جاتے تھے۔

لیکن منفتاح کی اس شان کے باوجود جس کا مذکورہ بالا کتبہ میں اشارہ کیا گیا ہے، نہ اُس کا علیحدہ مقبرہ بنایا گیا اور نہ وہ تمام رسوم انجام پا سکیں جو ہمیشہ بادشاہوں کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ بلکہ اس کو عجلت کے ساتھ "امنتحب" کے مقبرہ ہی میں دفن کر دیا گیا اور اٹھارھویں خاندان کے بادشاہ اور اُنیسویں خاندان کے بادشاہ کی نعشیں ایک ہی جگہ جمع کر دی گئیں۔[1]

مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآنِ عزیز کے اس کلامِ بلاغت نظام کی تصدیق کر رہی ہے۔

اَلْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً — پس آج کے دن ہم تیرے جسم کو (دریا سے) نجات دینگے تاکہ وہ تیرے بعد آنیوالوں کے لئے (خدا کا) نشان رہے۔

اور محمد احمد عدوی کتاب "دعوۃ الرسل الی اللہ" میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حیوان کا کھایا ہوا ہے غالباً دریائی مچھلی نے خراب کیا ہے اور پھر اس کی نعش خدائی فیصلہ کے مطابق کنارہ پر پھینک دی گئی۔[2]

ان نقول کے لئے کسی شرح کی ضرورت نہیں ہے، البتہ یہ یورپ کے ان مقلدین کے لئے ضرور سرمایۂ صد عبرت ہیں جو جلد بازی کیساتھ مستشرقین کی ہر ایک تحقیق پر بغیر کسی پس و پیش کی آمنا و

[1] قصص الانبیاء "نجار" ص ۲۳۹، ۲۴۱ [2] دعوۃ الرسل الی اللہ ص ۱۸۱۔

Marfat.com

صدقنا کہہ دینے کے عادی ہیں، جو قرآن اور خدا کے نبی کے احکام پر شک کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں مگر یورپین مورخین اور مستشرقین کی تحقیقات علمی کو وحی الٰہی سے زیادہ سمجھتے ہیں، جو اپنے علماء اسلام کی تقلید کو حرام جانتے مگر علماء یورپ کے ہر نوشتہ کو نوشتۂ الٰہی یقین کرتے ہیں۔

چنانچہ یورپ کے مورخین جدید نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) اور فراعنۂ مصر کے درمیان جو واقعات، تورات و قرآن عزیز سے ثابت ہوتے ہیں وہ تاریخی حیثیت سے اس لئے غلط اور بے اصل ہیں کہ مصری "حفریات و اثریات" میں ان اہم اور عظیم الشان حالات و واقعات کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا، حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ مصری اپنی تاریخ کی تدوین میں بہت زیادہ چست و چالاک اور سب سے پیش پیش ثابت ہوئے ہیں اور آج ان کے اس طرزِ عمل کی بدولت تین ہزار سال قبل مسیح کے حالات کی صحیح تاریخ مرتب ہو سکی ہے۔

تو اس دعویٰ کی کورانہ تقلید میں ہندوستان کے بعض یورپ زدہ مسلمانوں نے بھی ان واقعات کی صحت سے انکار کر دیا اور خدا کی سچی وحی سے اعراض کرتے ہوئے ان تخمینی قیاسات کو [illegible] اور الہامی نوشتہ کی حیثیت دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن آج جبکہ مصری حفریات و اثریات میں صراحت کے ساتھ اُس زمانہ کے فرعون اور بنی اسرائیل کی عداوت کا حال روشنی میں آچکا ہے اور مسطورہ بالا ترتیبی واقعات خود بخود ان حقائق کو سامنے لے آتے ہیں جنکا ذکر قرآن عزیز میں موجود ہے، تو اب نہ معلوم جلد بازی سے انکار کرنے والے ان مدعیانِ علم کی علمی روش کیا صورت اختیار کریگی؟ اپنی نادانی اور کورانہ تقلید کی پردہ دری کے خوف سے انکار پر اصرار، یا حقیقت کے اقرار کے ساتھ ساتھ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتائی ہوئی راہ [illegible] (وحی الٰہی) کے سامنے اظہار ندامت و تاسف؟

بہر حال وہ اپنا معاملہ جو کچھ بھی رکھیں یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اذعان اور یقین کی جو [illegible] وحی الٰہی" یعنی قرآن عزیز کے ذریعہ حاصل ہو چکی ہے، اسکو ذرہ برابر اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی اور استقراء و قیاس سے حاصل شدہ علم اُسوقت تک برابر گردش میں رہیگا جبتک قرآنی حا[illegible]

Marfat.com

پر آکر نہ ٹھہر جائے۔

فرعون کا خواب

توراۃ اور مورخین کہتے ہیں کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں، نجومیوں اور قیافوں نے اسکو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر دربار کے منجموں اور کاہنوں نے وہی دی تھی جسکا ذکر ابھی گذر چکا ہے مفسرین نے بھی ان ہی روایات کو کتب تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ توراۃ میں یہ اور اضافہ ہے کہ فرعون نے "دایہ" مقرر کردی تھیں کہ قلمرو مصر میں جس اسرائیلی کے یہاں لڑکا پیدا ہو اُس کو قتل کردیا جائے مگر ان عورتوں کے دلوں میں ایسی ہمدردی پیدا ہوئی کہ اُنھوں نے اس عمل کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ اور جب فرعون نے باز پرس کی تو یہ معذرت پیش کی کہ اسرائیلی عورتیں شہری عورتوں کی طرح نازک اندام نہیں ہیں، وہ خود ہی بچہ جن لیتی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہیں دیتیں۔ اس پر فرعون نے ایک جماعت کو اس لئے مقرر کیا کہ وہ تفتیش اور تلاش کے ساتھ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کردیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا کریں[۱]۔

حضرت موسیٰ اور ہارون کا ذکر قرآن میں

قرآن عزیز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بے شمار مقامات میں آیا ہے چونکہ اُن کے بیشتر حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں، اور ان واقعات میں غلامی اور آزادی کے باہم معرکہ آرائی اور حق و باطل کے مقابلہ کی بینظیر داستان ودیعت ہے۔ نیز ان کے اندر بصائر و مواعظ کا نادر ذخیرہ جمع ہے، اس لئے قرآن عزیز نے حسب ضرورت اور حسب موقع و محل جگہ جگہ اس قصہ کے اجزاء کو مجمل اور مفصل طریقہ پر بیان کیا ہے۔

مندرجہ ذیل نقشہ سے اعداد و شمار کے ساتھ ساتھ اس واقعہ کی اہمیت کا بھی صحیح اندازہ ہوسکیگا اور اس اولوالعزم پیغمبر کی عظمت شان کا بھی۔

اس نقشہ کے دو حصہ ہیں پہلے حصے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ یا بنی اسرائیل اور فرعون کے واقعات کن کن سورتوں اور کتنی آیات میں مذکور ہیں، اور دوسرا حصہ یہ

[۱] خروج باب ۱ آیات ۱۵-۲۲۔

Marfat.com

واضح کرتا ہے کہ قرآنِ عزیز میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے نامہائے مبارک کتنی جگہ مذکور ہیں اور اُن کی مجموعی تعداد کیا ہے؟

نقشہ (۱)

سورہ	آیات	شمار	سورہ	آیات	شمار
بقرہ	۴۷تا۶۱، ۶۳تا۷۵، ۸۳تا۸۷		انبیاء	۴۸، ۴۹	۲
	۹۲تا۹۳، ۱۰۸، ۱۳۶، ۲۴۳		مؤمنون	۴۵تا۴۹	۵
	۲۵۱-	۶۵	فرقان	۳۵-۳۶	۲
نساء	۱۵۳تا۱۵۶، ۱۶۴	۱۲	شعراء	۱۰تا۶۶	۵۷
مائدہ	۱۲، ۱۳، ۲۰تا۲۵، ۳۲، ۴۵		نمل	۷تا۱۴	۸
	۷۰، ۷۱، ۷۸، ۷۹	۳۷	قصص	۳تا۴۸	۴۶
انعام	۸۴تا۹۰، ۱۴۶، ۱۵۴، ۱۸۹	۲۱	عنکبوت	۳۹، ۴۰	۲
اعراف	۱۰۳تا۱۵۷، ۱۵۹تا۱۷۱	۶۷	سجدہ	۲۳، ۲۴	۲
انفال	۵۴	۱	احزاب	۶۹	۱
یونس	۷۴تا۹۳	۲۰	الصّٰفّٰت	۱۱۴تا۱۲۲	۹
ھود	۹۶تا۹۹، ۱۱۰	۱۵	مؤمن	۲۳تا۴۵	۲۰
ابراھیم	۵، ۶، ۸	۳	زخرف	۳۶تا۵۶	۲۱
نحل	۱۲۴	۱	دخان	۱۷تا۳۳	۱۷
بنی اسرائیل	۲تا۷، ۱۰۱تا۱۰۴	۱۱	جاثیہ	۱۶، ۱۷	۲
کھف	۶۰تا۸۲	۲۳	الذاریات	[illegible] تا ۴۰	۳
مریم	۵۱تا۵۳	۳	قمر	۴۱تا۵۵	۱۵
طٰہٰ	۹۰تا۹۸	۹	صف	۵	۱

Marfat.com

سورہ	آیات	شمار	سورہ	آیات	شمار
جمعہ	۵، ۶	۲	مزمّل	۱۵، ۱۶	۳
تحریم	۱۱	۱	النّٰزعٰت	۱۵ تا ۲۵	۱۱
الحاقہ	۹، ۱۰	۲	فجر	۱۰ تا ۱۳	۴/۵۱۴

نقشہ (۲)

موسیٰ (علیہ السلام)		ہارون (علیہ السلام)		موسیٰ (علیہ السلام)		ہارون (علیہ السلام)	
سورہ	شمار	سورہ	شمار	سورہ	شمار	سورہ	شمار
بقرہ	۱۲	بقرہ	۱	مومنون	۲	مومنون	۱
نساء	۲	نساء	۱	فرقان	۱	فرقان	۱
مائدہ	۲	۰	۰	شعراء	۸	شعراء	۲
انعام	۲	انعام	۱	نمل	۲	۰	۰
اعراف	۱۶	اعراف	۱	قصص	۱۴	قصص	۱
یونس	۸	یونس	۱	سجدہ	۱	۰	۰
ہود	۲	۰	۰	احزاب	۱	۰	۰
ابراہیم	۳	۰	۰	صٰفّٰت	۲	۰	۰
بنی اسرائیل	۳	۰	۰	مومن	۴	۰	۰
کہف	۲	۰	۰	زخرف	۱	۰	۰
مریم	۱	۰	۰	ذاریات	۱	۰	۰
طٰہٰ	۱۴	طٰہٰ	۳	صفّ	۱	۰	۰
انبیاء	۱	انبیاء	۱	النّٰزعات	۱/۱۰۸	۰	۰/۱۶

Marfat.com

نسب و ولادت | حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا نسب چند واسطوں سے حضرت یعقوب (علیہ السلام) تک پہنچتا ہے ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکابد تھا، باپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حقیقی اور بڑے بھائی تھے

عمران کے گھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کرچکا تھا اس لئے اُن کی والدہ اور اہل خاندان اُن کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک اُن کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور اُن کی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہوسکی اور اس لئے اُن کی والدہ سخت پریشان رہنے لگیں۔

اس سخت اور نازک وقت میں آخر خدائے قدوس نے مدد کی اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کے دل میں یہ القا کیا کہ ایک تابوت کی طرح کا صندوق بناؤ جس پر رال اور روغن کی پالش کرو تاکہ پانی اندر اثر نہ کرسکے اور اس میں اس بچہ کو محفوظ رکھدو، اور پھر اس صندوق کو نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو[1]۔

موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے ایسا ہی کیا، اور ساتھ ہی اپنی بڑی لڑکی اور موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا کرتا ہے۔ کیونکہ موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو خدائے تعالیٰ نے یہ بشارت پہلے ہی سنا دی تھی کہ ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کردینگے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہوگا۔

فرعون کے گھر میں تربیت | حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ برابر صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کنارے کنارے

[1] خروج ۲ آیت ۲۰ ۔

Marfat.com

نگہداشت کرتی جارہی تھیں کہ انھوں نے دیکھا کہ صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آلگا اور فرعون کے گھرانے میں سے ایک عورت نے اپنے خادموں کے ذریعے اُس کو اٹھوالیا اور شاہی محل میں لے گئی، حضرت موسیٰ کی ہمشیر یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور حالات کی صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہوگئیں

قرآن عزیز نے اس شاہی خاندان کی عورت کو "فرعون کی بیوی" بتایا ہے اور تورات کے حصّہ "خروج" میں اس کو فرعون کی بیٹی کہا ہے مگر مؤرخین اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اور کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ پانی میں بہتے ہوئے صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اُٹھایا ہو اور پھر بیٹا بنانے کی آرزو، اور فرعون سے اس بچہ کے قتل نہ کرنے اور خود پالنے کی خواہش کا اظہار اور فرعون سے سفارش فرعون کی بیوی (آسیہ) نے کی ہو۔

قرآن کریم کے اسلوب بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اُس نے موسیٰ کو دریا سے نکالنے والے کے متعلق کہا ہے "فالتقطہ اٰل فرعون" "اس کو اٹھایا فرعون کے گھر والوں نے اور بیٹا بنانے کی آرزو اور اس کے قتل نہ کرنے کی سفارش کرنے والے کے متعلق فرمایا،" وقالت امراءۃ فرعون" (اور فرعون کی بیوی نے کہا) حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے۔[1]

بہر حال فرعون کے گھر والوں نے جب صندوق کھولا تو دیکھا کہ ایک حسین اور تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے، فرعون کی بیٹی فوراً اُس کو محل میں لے گئی فرعون کی بیوی نے بچہ کو دیکھا تو بلغ باغ ہوگئی اور انتہائی محبت سے اُسکو پیار کیا محل کے شاگرد پیشہ میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا بچہ ہے اس کا قتل کردینا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ثابت ہو؟ اس بات کو سُنکر فرعون کو بھی خیال پیدا ہوا، فرعون کی بیوی نے شوہر کے تیور دیکھے تو کہنے لگی کہ ایسے پیارے بچہ کو قتل نہ کرو، کیا عجب کہ یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں

---

[1] روح المعانی جلد ۲۰ سورۂ قصص۔

Marfat.com

اور ہمارے لئے اس کا وجود نفع بخش ثابت ہو یعنی اگر یہ وہی اسرائیلی بچہ ثابت ہو جو تیرے خواب کی تعبیر بننے والا ہو تو ہماری محبت اور آغوش تربیت شاید اس کو مُضر ہونیکے بجائے مفید ثابت کردے، مگر فرعون اور اُسکے خاندان کو یہ کیا معلوم کہ خدا کی تقدیر ان پر ہنس رہی ہو کہ رب العلمین کی کرشمہ سازی دیکھو کہ تم اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگران مقرر کیے گئے ہو۔

غرض اب یہ سوال پیدا ہوا کہ بچہ کے لئے دُودھ پلائی مقرر کی جائے، مگر خدائے تعالیٰ نے موسیٰ کی والدہ سے کیے گئے وعدہ کو پُورا کرنے کے لئے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کردی کہ وہ کسی عورت کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتا، شاہی دایہ تھک کر بیٹھ گئی مگر موسیٰ نے کسی ایک پستان سے بھی دودھ نہ پیا، یہ سارا حال موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیر "مریم" دیکھ رہی تھیں کہنے لگیں اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسی دایہ کا پتہ بتاؤں جو نہایت نیک اور اس خدمت کیلئے بہت موزوں ہی بلکہ حکم ہو تو میں خود اس کو ساتھ لیکر آؤں؟ فرعون کی بیوی نے دایہ کو لانے کا حکم دیدیا اور (موسیٰ علیہ السلام) کی ہمشیر خوش خوش گھر کو روانہ ہوئیں کہ والدہ کو لے کر آئیں۔

شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں "فرعون کی عورت تھی بنی اسرائیل میں کی، حضرت موسیٰ کے چچا کی بیٹی اس لفظ سے وہ پہچان گئی کہ لڑکا اُن کا ہے"[۱]

یہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا اُدھر بُرا حال تھا، ایک الہامی خیال سے بچہ کو سپرد دریا تو کر آئیں مگر ماں کی ممتا نے زور کیا اور بے چین ہو کر اس پر آمادہ ہو گئیں کہ اپنے اس راز کو افشا کر دیں، اسی اضطراب اور بے چینی کی حالت میں خدائے تعالیٰ نے اُن پر اپنے فضل و کرم کی بارش کی اور اُنکے قلب میں اطمینان و سکون نازل کیا، اب طبیعت عینی کی انتظار میں چشم براہ تھیں کہ لڑکی نے آکر پوری داستان کہہ سنائی اور بتایا کہ جب موسیٰ نے کسی دایہ کا بھی دُودھ نہ پیا تو میں نے کہا اسرائیلی قبیلہ میں ایک نہایت شریف اور نیک عورت ہی وہ اس بچہ کو اپنی اولاد

---

[۱] مفسرین نے فرعون کی اس بیوی کا نام "آسیہ" بتایا ہو اور قرآن عزیز امرأۃ فرعون کو مومنہ قرار دیتا ہے، باقی یہ قول کہ وہ اسرائیلی تھیں اور حضرت موسیٰ کی چچازاد بہن، ضعیف ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ فرعون ہی کے خاندان سے تھیں۔ (روح المعانی جلد ۲ ص ۱)

Marfat.com

کی طرح پرورش کرسکتی ہے، فرعون کی بیوی نے یہ سُن کر مجھ کو حکم دیا ہے کہ فوراً آپ کو لیکر آؤں یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان اور فضل وکرم ہوا۔ اب تم چل کر اپنے بچہ کو سینے سے لگاؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج
فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا
تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ
جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ
فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اِنَّ
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ
وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَ
لَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ صلے عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ج وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ
مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ
لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ز
فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ لا
وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ
هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ
لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ
كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اسکو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو، ہم پھر پہنچا دیں گے اسکو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے، پھر اُٹھا لیا اُسکو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو اُنکا دشمن اور غم میں ڈالنے والا۔ بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے اسکو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بنا لیں بیٹا اور ان کو کچھ خبر نہ تھی اور صبح کو موسیٰؑ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھا کہ ظاہر کردے بیقراری کو اگر ہم نہ مضبوط کر دیتے اسکے دل کو تاکہ ہے یقین کرنیوالوں میں اور کہدیا اس کی بہن کو پیچھے چلی جا۔ پھر دیکھتی رہی اسکو اجنبی ہو کر اور اُن کو خبر نہ ہوئی اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے، پھر بولی میں بتاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اُس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں، پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، پر بہت لوگ

Marfat.com

(قصص) نہیں جانتے -

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۝ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۝ (طٰہٰ)

اور (تجھے معلوم ہی) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں؟ ہم تجھے بتاتے ہیں، اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈالدی تھی، ہم نے اُسے سمجھایا تھا کہ بچہ کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اُسے کنارے پر دھکیل دیگا۔ پھر اُسے وہ اٹھالیگا جو میرا (یعنی میری مسلم قوم کا) دشمن ہی نیز اس بچہ کا بھی دشمن اور (اے موسیٰ!) ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈالدیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لئے تھا کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے۔ تیری بہن جب وہاں سے گذری، تو دیہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اُس نے (فرعون کی لڑکی سے) کہا میں تمہیں ایسی عورت بتلادوں جو اُسے پالے پوسے؟ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹادیا کہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (بچہ کی جُدائی سے) غمگین نہ ہو۔

توراۃ میں ہو کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے موسیٰؑ کا دودھ چھڑایا تو انہوں نے اُنکو فرعون کی بیٹی کے سپرد کر دیا، اور اس کے بعد عرصہ تک وہ شاہی محل میں زیر تربیت رہے اور وہیں نشو و نما پائی، مگر توراۃ کا یہ کہنا واقعہ کے بالکل خلاف ہی کہ موسیٰؑ فرعون کی لڑکی کے بیٹے بنے

جب لڑکا بڑھا وہ اُسے فرعون کی بیٹی پاس لائی اور وہ اسکا بیٹا ٹھہرا اور اُس نے اس کا نام موسیٰ (عبرانی موشی) رکھا اور کہا اس سبب سے کہ میں نے اُسے پانی سے نکالا۔[1]

موسیٰ کا مصر سے نکلنا

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ایک عرصہ تک شاہی تربیت میں بسر کرتے کرتے شباب کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے چہرہ سے رعب ٹپکتا

[1] خروج باب ۲ آیت ۱۰ -

Marfat.com

اور گفتگو سے ایک خاص وقار اور شانِ عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ اُن کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے اُن کا کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے، انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور وہ مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ دیکھ کر ان کا خون کھولنے لگتا اور موقعہ بہ موقعہ عبرانیوں کی حمایت و نصرت میں پیش پیش ہو جاتے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) جوان ہو گئے اور قوی ہیکل جوان ثابت ہوئے تو عبرانیوں کے معاملات میں اُن کی نصرت و حمایت کا یہ اثر ہوا کہ مصری گماشتوں کے مظالم عبرانیوں پر کم ہونے لگے۔[1]

اور اس میں شک نہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا بنی اسرائیل کی ذلت و غلامی پر غم و غصہ اور اُن کی حمایت و نصرت کا عمیق اور بے پناہ جذبہ ایک فطری اور قدرتی جذبہ تھا۔

اب اللہ تعالیٰ کے عطاء و نوال کا ہاتھ اور آگے بڑھا اور جسمانی طاقت و قوت کے ساتھ اس نے اُن کو زیورِ علم و حکمت سے بھی نوازا اور سنِ رُشد کو پہنچ کر ان کی قوت فیصلہ اور وقتِ علم و نظر بھی عروج تک پہنچ گئے اور اس طرح اُن کو جسمانی و روحانی تربیت کا کمال حاصل ہو گیا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (قصص) — اور جب (موسیٰ) پہنچا اپنے زور پر اور سنبھلا تو بخشا ہم نے اسکو (قوت) فیصلہ اور علم اور اس طرح ہم نیکوکاروں کو بدلا دیا کرتے ہیں۔

غرض موسیٰؑ شہر میں گشت کرتے ہوئے اکثر ان حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے اور گاہے گاہے بنی اسرائیل کی مدد کرتے۔

ایک مرتبہ شہری آبادی سے ایک کنارہ جا رہے تھے کہ دیکھا ایک مصری ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے گھسیٹ رہا ہے، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو لگا فریاد کرنے اور مدد چاہنے حضرت موسیٰؑ کو مصری کی اس جابرانہ حرکت پر سخت غصہ آیا اور اس کو باز رکھنے کی کوشش کی مگر مصری نہ مانا، موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آکر ایک طمانچہ رسید کر دیا، مصری اس ضرب کو

[1] طبری جلد ص

Marfat.com

برداشت نہ کرسکا اور اُسی وقت مرگیا حضرت موسیٰؑ نے یہ دیکھا تو بہت افسوس کیا کیونکہ اُن کا ارادہ ہرگز اُس کے قتل کا نہ تھا اور ندامت و شرمندگی کے ساتھ دل میں کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ کارِ شیطان ہی، وہی انسان کو ایسی غلط راہ پر لگاتا ہی، اور خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کرنے لگے کہ یہ جو کچھ ہوا نادانستگی میں ہوا، میں تجھ سے مغفرت کا خواستگار ہوں خدا نے بھی اُنکی غلطی کو معاف کردیا اور مغفرت کی بشارت سے نوازا اور شہر میں مصری کے قتل کی خبر شائع ہوگئی مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا، آخر مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا کہ یہ کام کسی اسرائیلی کا ہے۔ لہٰذا آپ دادرسی فرمایئے، فرعون نے کہا کہ اس طرح ساری قوم سے تو بدلہ نہیں لیا جاسکتا تم قاتل کا پتہ لگاؤ، میں ضرور اُس کو کیفر کردار تک پہونچاؤں گا۔

سوءِ اتفاق کہئے یا حُسنِ اتفاق کہ دوسرے دن بھی حضرت موسیٰؑ شہر کے آخری کنارہ پر سیر فرمارہے تھے کہ دیکھا وہی اسرائیلی ایک قبطی سے جھگڑ رہا ہے اور قبطی غالب ہی۔ موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی اُس نے فریاد کی اور دادرسی کا خواستگار ہوا۔

اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) نے دوہری ناگواری محسوس کی، ایک جانب قبطی کا ظلم تھا اور دوسری جانب اسرائیلی کا شوروغوغا اور گذشتہ واقعہ کی یاد تھی، اسی جھنجھلاہٹ میں ایک طرف اُنھوں نے مصری کو باز رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی اسرائیلی کو بھی جھڑکتے ہوئے فرمایا۔ "اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِینٌ" تو بھی بلاشبہ کھُلا ہوا گمراہ ہے۔ یعنی خواہ مخواہ جھگڑا مول لے کر داد فریاد کرتا رہتا ہے۔

اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو ہاتھ بڑھاتے اور پھر اپنے متعلق ناگوار اور تلخ الفاظ کہتے سنا تو یہ سمجھا کہ یہ مجھ کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مجھ کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں، اس نے شرارت آمیز انداز سے کہنے لگا۔

اَتُرِیدُ اَنْ تَقْتُلَنِی كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ	جس طرح تو نے کل ایک جان (قبطی) کو ہلاک کردیا تھا۔ اسی طرح آج مجھ کو قتل کردینا چاہتا ہے۔

Marfat.com

مصری نے جب یہ سُنا تو اُسی وقت فرعونیوں سے جاکر ساری داستان کہہ سنائی انہوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ مصری کا قاتل موسیٰؑ ہے فرعون نے یہ سنا تو جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰؑ کو گرفتار کرکے حاضر کرے مصریوں کے اس مجمع میں ایک معزز مصری وہ بھی تھا جو دلسے حضرت موسیٰؑ سے محبت رکھتا اور اسرائیلی مذہب کو حق جانتا تھا۔ یہ فرعون ہی کے خاندان کا فرد تھا اور دربار کا حاضر باش، اُس نے فرعون کا یہ حکم سُنا تو فرعونی جلادوں سے پہلے ہی دربار سے نکلکر دوڑتا ہوا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے سارا قصہ بیان کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ اسوقت مصلحت یہی ہے کہ خود کو مصریوں سے نجات دلائیے اور کسی ایسے مقام میں ہجرت کر جائیے جہاں ان کی دسترس نہ ہوسکے حضرت موسیٰؑ نے اسکے مشورہ کو قبول فرمایا اور ارض مدین کی جانب خاموشی کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن عزیز نے اس شخص کے متعلق صرف اسقدر کہا ہے وجاء رجل من اقصی المدینۃ یسعیٰ اور شہر کے آخری کنارہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا مگر ہم نے اس کے اوصاف میں "شریف" اور "معزز" کا اضافہ کر دیا تو بقول نجار اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس آنیوالے شخص کے متعلق دو۲ وصفات بیان کی ہیں۔

(۱) وہ شہر کے آخری کنارے سے آیا تھا۔ اور عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ الاطراف سکنی الاشراف، (شہر کے کنارے شرفاء کے رہنے کی جگہ ہیں۔

(۲) اس نے آکر حضرت موسیٰؑ سے یہ کہا ان الملاء یاتمرون بک لیقتلوک (مصری جماعت تیرے قتل کا مشورہ کر رہی ہے) اور یہ ظاہر ہے کہ یہ علم اسی شخص کو ہوسکتا ہے جو فرعون اور اس کے ارکان کے درمیان نمایاں حیثیت رکھتا ہو[1]

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ	اور آیا شہر کے اندر جسوقت بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ، پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں میں اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں پھر

[1] قصص الانبیاء ص ۱۹۷

Marfat.com

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى
الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۙ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ
فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ۝
قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي
فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝
قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ
ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ
خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ
بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ
إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ۝ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ
يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۙ قَالَ
يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا
بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ
جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ
الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ
قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ
فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَخَرَجَ
مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ (قصص)
وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَ

فریاد کی اُس سے اُس نے جو تھا اُس کے رفیقوں میں، اس
کی جو تھا اُس کے دشمنوں میں پھر مُکّا مارا اُس کو موسیٰؑ
نے پھر اس کو تمام کر دیا۔ بولا یہ ہوا شیطان کے کام
سے۔ بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح۔ موسیٰؑ بولا!
اے میرے رب میں نے بُرا کیا اپنا سو بخش مجھکو، پھر اس
کو بخشدیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ بولا اے رب
جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہونگا مددگار
گناہگاروں کا، پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار
کرتا ہوا پھر ناگہاں دیکھا جس نے کل مدد مانگی تھی وہ
آج پھر فریاد کرتا ہے، اُس سے کہا موسیٰؑ نے بیشک تو بے راہ
ہے صریح، پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اُس پر جو دشمن تھا
اُن دونوں کا، بول اُٹھا فریاد کرنے والا۔ اے موسیٰؑ
کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے میرا جیسے خون کر چکا ہے
کل ایک جان کا۔ تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے
ملک میں اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کرا دینے والا۔ اور آیا
شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا۔ کہا اے
موسیٰؑ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق کہ تجھ کو
مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں، پھر
نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا، بولا اے رب
بچا لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے۔
اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر ہم نے تجھکو غم سے بچا

Marfat.com

اس مقام پر قرآنِ عظیم اور تورات کے بیانات میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے

(۱) قرآنِ حکیم نے دوسرے دن کے جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک عبرانی کو بتایا ہے اور دوسرے کو مصری (فرعونی) اور تورات دونوں کا عبرانی ہونا ظاہر کرتی ہے۔

(۲) تورات میں اس شخص کا کوئی ذکر نہیں ہے جسنے موسےٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کے مشورہ کی اطلاع دی تھی۔

مگر ان دونوں باتوں کے متعلق "بلالحاظ جانبداری" عقل اور فطرت اسی جانب رہنمائی کرتی ہے کہ قرآنِ عزیز کی تفصیلات صحیح ہیں، اور اسی پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ فرعون اور فرعونیوں کے نزدیک تو اسرائیلیوں کی جان کی تو کوئی وقعت ہی نہ تھی کہ موسیٰؑ (علیہ السلام) جیسے شاہی خاندان میں رہنے والے شخص کے مقابلہ میں قصاص کے طالب ہوتے اور دوسری بات تورات کے بیان پر ایک فطری اضافہ ہے جو علم ویقین کے ساتھ کیا گیا۔

موسیٰ اور ارضِ مدین

حضرت شعیب (علیہ السلام) کے واقعات میں "مدین" کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جب مصر سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو اسی جگہ کو منتخب فرمایا۔ مدین کی آبادی مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھی[۱]۔ غالباً یہ انتخاب اس لئے کیا گیا کہ یہ قبیلہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے نزدیک کی قرابت رکھتا تھا، اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ حضرت اسحٰق بن ابراہیم (علیہما السلام) کی نسل سے ہیں، اور یہ قبیلہ اسحٰقؑ کے بھائی مدین بن ابراہیم (علیہما السلام) کی نسل سے۔

حضرت موسیٰؑ چونکہ فرعون کے خوف سے بھاگے تھے اس لئے اُن کے ہمراہ نہ کوئی رفیق اور رہنما تھا اور نہ زادِ راہ۔ اور تیز روی کی وجہ سے برہنہ پا تھے طبری بروایت سعید

[۱] طبری عن سعید بن جبیر جلد ا ص ۲۰۵۔

Marfat.com

بن جُبیرؓ لکھتے ہیں کہ اس تمام سفر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی خوراک درختوں کے پتوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھی، اور برہنہ پا ہونے کی وجہ سے سفر کی طوالت نے پاؤں کے تلووں کی کھال تک اُڑا دی تھی اس پریشان حالی میں موسیٰ (علیہ السلام) ارضِ مدین میں داخل ہوئے۔

ماءِ مدین | جب مدین کی سرزمین میں قدم رکھا تو دیکھا کہ کوئیں کے سامنے پانی کے حوض (پیاؤ) پر بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے مگر اس جماعت سے ذرا فاصلہ پر دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔

حضرت موسیٰؑ سمجھ گئے کہ یہاں بھی وہی سب ہو رہا ہے جو دنیا کی ظالم طاقتوں نے اختیار کر رکھا ہے اور خدائے برتر کے بہترین قانون کو توڑ کر قوموں کا سارا نظام ظلم کی بنیاد پر قائم کر دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں کمزور اور ضعیف گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں تب ہی تو اس انتظار میں ہیں کہ قوی اور سرکش جب اپنے جانوروں کو سیراب کر چکیں اور ہر وارد و صادر پانی پر سے چلا جائے تو بچا کھچا پانی ان کے جانوروں کا حصہ بنے۔ ہر قوی نے ضعیف کے لئے یہی قانون تجویز کر دیا ہے کہ ہر فائدے میں وہ مقدم ہے اور ضعیف مؤخر۔ اور قوی کا "اولش خورد"

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے:-

ونشرب ان وردنا الماء صفواً ویشرب غیرنا کدرا وطیناً

اور ہم جب کسی پانی پر آتے ہیں تو عمدہ اور صاف پانی ہمارے حصہ میں آتا ہے اور ہمارے غیروں کے (جو ہم سے کمزور ہیں) حصہ میں گدلا پانی اور مٹی ہے۔

درحقیقت یہ شعر تنہا عمرو بن کلثوم اور اس کے قبیلے کی حالت کا نقشہ نہیں ہے بلکہ ساری دنیا کے ظالمانہ نظام کا ٹھیک ٹھیک آئینہ دار ہے۔

بہرحال حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور آگے بڑھ کر لڑکیوں سے دریافت کیا "تم کیوں پانی نہیں پلاتیں، پیچھے کس لئے کھڑی ہو؟ دونوں نے جواب دیا "ہم مجبور ہیں اگر جانوروں کو آگے لے کر بڑھتے ہیں تو یہ طاقتور زبردستی ہم کو پیچھے ہٹا دیتے

ل تاریخ طبری جلد اول ص ۲۰۵

Marfat.com

اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اُن میں اب یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ان کی مزاحمت کو دور کر سکیں پس جب یہ سب پانی پلا کر واپس ہو جائیں گے تب بچا ہوا پانی ہم پلا کر لوٹینگے یہی ہمارا روز کا دستور ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو جوش آگیا اور آگے بڑھ کر تمام بھیڑ کو چیرتے ہوئے کوئیں پر جا پہنچے اور کوئیں کا بڑا ڈول اٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلا دیا حضرت موسیٰؑ جب مجمع کو چیرتے ہوئے درّانہ گھسنے لگے تو اگرچہ لوگوں کو ناگوار گذرا مگر اُن کی پُرجلال صورت اور جسمانی طاقت سے مرعوب ہو گئے اور ڈول کو تنہا کھینچتے دیکھکر اسی قوّت سے ہار مان گئے جس کے بل بوتے پر کمزوروں اور ناتوانوں کو پیچھے ہٹا دیا کرتے اور ان کی حاجات کو پامال کرتے رہتے تھے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ کنوئیں کے منہ پر بہت بڑا پتھر ڈھکا ہوا ہے جو ایک جماعت کے متفقہ زور لگانے سے اپنی جگہ سے ہٹتا ہے، مگر وہ آگے بڑھے اور تنہا اسکو ہٹا کر لڑکیوں کے مویشیوں کے لئے پانی بھر دیا۔ عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ یہ قول قرآن حکیم کی تصریح کے خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے:۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ (قصص) — اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ پانی پلا رہی ہے۔

تو پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ کنوئیں کا منہ پتھر سے ڈھکا ہوا ہو اور جس طرح یہ قول صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ تاویل بھی درست نہیں ہے کہ اس مقام پر دو کنوئیں تھے ایک سے مدین کے لوگ پانی پلا رہے تھے اور دوسرے کا منہ پتھر سے ڈھکا ہوا تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں بھی اس مقام پر دو کنوئیں موجود پائے گئے ہیں۔

اس تاویل کے درست نہونیکی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو قرآن حکیم نے دوسرے کنوئیں کا قطعی کوئی ذکر نہیں کیا اور جو کچھ بیان کیا ہے ایک ہی سے متعلق بیان کیا ہے۔ دوسرے بعد میں

Marfat.com

اس جگہ دو کنوئیں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت بھی وہاں اسی طرح دو کنوئیں موجود تھے ہو سکتا ہے کہ عرصۂ دراز کے بعد یا اسلامی عہد میں ضرورت کے لحاظ سے یہاں دوسرا کنواں تیار کیا گیا ہو پس قرآن حکیم کے صاف اور سادہ بیان کو محض ایک غیر مستند روایت کی خاطر پیچیدہ بنانا قطعی بے محل اور غیر مناسب ہے۔

غرض جب ان لڑکیوں کے گلے نے پانی پی لیا تو وہ گھر کو واپس چلیں گھر پہنچیں تو خلاف عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو سخت تعجب ہوا، دریافت کرنے پر لڑکیوں نے گزرا ہوا ماجرا کہہ سنایا کہ کسطرح ایک "مصری" نے اُن کی مدد کی، باپ نے کہا عجلت سے جاؤ اور اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔

یہاں تو باپ بیٹی کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر حضرت موسیٰ پانی پلانے کے بعد قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ستانے لگے، مسافرت و غربت اور پھر بھوک پیاس حضرت موسیٰ نے دعا کی "پروردگار! اس وقت جو بھی بہتر سامان میرے لئے تو اپنی قدرت سے نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں"

لڑکی تیزی سے وہاں پہنچی تو دیکھا کہ کنوئیں کے قریب ہی وہ بیٹھے ہوئے ہیں شرم و حیا کے ساتھ نیچی نظریں کئے لڑکی نے کہا "آپ ہمارے گھر چلئے والد بلاتے ہیں وہ آپکے اس احسان کا بدلہ دینگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ شاید اس سلسلہ میں کوئی بہتر صورت نکل آئے اسلئے چلنا ہی بہتر ہے اور اس کی دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں، خدا نے میری دُعا سُن لی اور یہ اسی کا پیش خیمہ ہے حضرت موسیٰ اٹھ کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت کی کہ آگے نہ چلے بلکہ میرے پیچھے پیچھے چلے اور کنکری یا اشارے کے ساتھ راہ کی رہنمائی کرے موسیٰ (علیہ السلام) چل تو پڑے لیکن طبعی اور فطری غیرت اور عزتِ نفس کے پیشِ نظر بار بار اس جملہ سے متاثر ہو رہے تھے "میرا باپ تم کو اس محنت کا عوض دینا چاہتا ہے" مگر مسافرت اور حالات کی نزاکت نے آخر یہی مشورہ دیا کہ اسوقت اس گرانی کو بھی انگیز کر

Marfat.com

اس غربت میں ایک غمخوار اور مونس و ہمدم کی مستقل ہمدردی کو حاصل کیا جاسکے۔

حضرت موسیٰؑ چلتے چلتے منزل مقصود پر پہنچے اور اس بزرگ صورت و سیرت انسان کی خدمت میں حاضر اور شرف ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ بزرگ نے پہلے کھانا کھلایا اور پھر اطمینان کے ساتھ بیٹھا کر ان کے حالات سنے حضرت موسیٰؑ نے من و عن اپنی ولادت اور فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم سے شروع کر کے آخر تک ساری داستان کہہ سنائی۔ سب کچھ سننے کے بعد بزرگ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تسلی دی اور فرمایا کہ خدا کا شکر کرو کہ اب تم کو ظالموں کے پنجہ سے نجات مل گئی اب کوئی خوف کا مقام نہیں ہے۔

یہاں قوم ظالمین کے ظلم سے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل اور ان کی غلامی و تباہ حالی کے واقعات ہی مراد ہو سکتے ہیں نیز ان کا کفر اور فساد فی الارض، ورنہ تو قبطی کے قتل میں تو خود موسیٰ (علیہ السلام) بھی اپنے فعل پر نادم تھے اور خود کو قصوروار سمجھتے تھے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ	اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لیجائے مجھ کو سیدھی راہ پر اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے اور پایا ان سے ورے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں بولا تمہارا کیا حال ہے۔ بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لیجانے تک اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا پھر اس نے پانی پلادیا ان کے جانوروں کو۔ پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف، بولا اے رب تو جو چیز اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس کے پاس اُن دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے، بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق اسکا کہ تو نے پانی پلادیا

Marfat.com

عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ٝ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ | ہمارے جانوروں کو۔ پھر جب پہنچا اُس کے پاس اور بیان کیا اس سے احوال کہا مت ڈر بچ آیا تو اُس قوم بے انصاف سے

(القصص)

توراۃ میں اس موقعہ پر بھی دو جگہ اختلاف موجود ہے۔

(۱) وہ لڑکیوں کی تعداد دو کی جگہ سات بتاتی ہے۔

(۲) اس کا بیان ہے کہ لڑکیوں نے حوض کو پانی سے بھر لیا تھا مگر دوسرے لوگوں نے زبردستی ان کو ہٹا کر اپنے جانوروں کو پانی پلانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا۔

ہم کو اس موقعہ پر بھی قرآنِ عزیز کے بیان پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے اوّل اس لئے کہ سابق اختلافات میں قرآنِ عزیز کے بیانات کی روشن عقل اور فطرت کے مطابق رہی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اس جگہ بھی تعداد کے معاملہ سے قطعِ نظر توراۃ کی دوسری بات اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ لڑکیاں مدین ہی کے قبیلہ اور اُن ہی کی بستی کی ساکن تھیں اور پانی کا معاملہ روزانہ ہی ان کے ساتھ پیش آتا رہتا تھا، لہٰذا ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ قوی گروہ کسی حالت میں بھی ہم کو پیش قدمی نہیں کرنے دیگا، اور عرب کے شعراء کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پانی کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کے یہاں قوی کو ضعیف پر ترجیح حاصل تھی، اور عرب کے ماسوا دنیا کے ہر گوشہ میں یہی حال تھا، تو وہ کیسے اس اقدام کی جرأت کر سکتی تھیں صحیح بات یہی ہے کہ وہ ضعیف گھرانے کی فرد ہونے اور پھر عورت ہونے کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتی تھیں کہ جب سب پانی پلا کر واپس ہو جائیں تو بچے ہوئے پانی سے یہ فائدہ اٹھالیں اور بس۔

رہا لڑکیوں کی تعداد کا معاملہ سو ابنِ کثیر (رحمۃ اللہ) نے ہر دو اقوال کی مطابقت کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مدین کے اس بزرگ کے سات لڑکیاں ہوں جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے مگر مدین کے پانی پر جو واقعہ پیش آیا اسمیں صرف دو لڑکیاں ہی موجود تھیں جیسا کہ قرآنِ حکیم

Marfat.com

کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ سے رشتۂ مصاہرت

حضرت موسیٰ اور قبیلۂ مدین کے بزرگ میزبان کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس لڑکی نے جو موسیٰؑ کو بلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا، اے باپ! آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی مہیا کرنے کے لئے اجیر رکھ لیجئے، اجیر وہی بہتر ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی "

مفسرین کہتے ہیں کہ باپ کو لڑکی کی یہ گفتگو عجیب سی معلوم ہوئی اور اس نے دریافت کیا تجھکو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم؟" لڑکی نے جواب دیا میں نے مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ کوئیں کا بڑا ڈول (چرس) اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا، اور امانت کی آزمائش اس طرح کی کہ جب میں اس کو بلانے گئی تو اس نے مجھے دیکھکر نیچی نظریں کر لیں اور گفتگو کے دوران میں ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، اور جب یہاں آنے لگا تو مجھکو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا۔ اور صرف اشاروں سے میں اس کی رہنمائی کرتی رہی[۱]۔

بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سُنا تو بہت مسرور ہوئے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو میں اپنی اس بیٹی کی تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں اور اگر تم اس مدت کو دو سال بڑھا کر دس سال کر دو تو اور بھی بہتر ہے یہی اس لڑکی کا مہر ہوگا حضرت موسیٰؑ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور فرمایا کہ یہ میری خوشی پر چھوڑ دیجئے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسکو چاہوں پورا کر دوں، آپ کی جانب سے مجھ پر اس بارہ میں کوئی جبر نہ ہوگا۔ طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اس بیٹی کی شادی کر دی۔

اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مدت ختم ہونے پر "عقد" عمل میں آیا، اور عقد کے فوراً بعد ہی موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے۔ مفسرین نے حضرت موسیٰؑ کی بیوی کا نام "صفورہ"

---

[۱] تفسیر ابن جریر سورۂ قصص۔

Marfat.com

بتایا ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ (قصص)

بولی اُن دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جس کو تو نوکر رکھنا چاہے وہ ہی جو زور آور ہو امانت دار کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھکو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس، پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائیگا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ ہے اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ○ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (طٰہٰ)

پھر تو نے مدین میں چند سال قیام کیا، پھر تو اے موسیٰ مقررہ اندازہ پر پورا اُتر آیا اور میں نے تجھ کو اپنے لئے (اپنے خاص کام کے لئے) بنایا ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) کے خسر کون ہیں؟ قرآن عزیز نے حضرت موسیٰ اور مدین کے شیخ کے متعلق جو واقعات بیان کئے ہیں اُن میں کسی ایک جگہ بھی اس شیخ کا نام نہیں بتایا اس لئے تاریخی حیثیت سے شیخ مدین کے نام میں مورخین و مفسرین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفسرین اصحاب سیر اور ادباء عرب کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ حضرت شعیب (علیہ السلام) ہیں، یہ قول بہت مشہور اور شائع ذائع ہے۔

مشہور مفسر امام ابن جریر طبریؒ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے "لوگ کہتے ہیں کہ صاحب موسیٰ حضرت شعیب (علیہ السلام) ہیں"[۱]

[۱] تفسیر سورۂ قصص۔

Marfat.com

اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ اسی طرف مائل ہیں کہ مدین کے شیخ حضرت شعیب (علیہ السلام) ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے سلسلۂ سند کے ساتھ مالک بن انسؒ سے روایت نقل کی ہے "کہ اُن کو یہ بات پہنچی ہے کہ صاحبِ موسیٰ حضرت شعیبؑ ہیں"[1]

(۲) ایک جماعت کہتی ہے کہ شیخ کا نام "یثرون" تھا اور یہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کے بھتیجے تھے طبری نے سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ ابو عبیدہ فرماتے تھے کہ جس نے حضرت موسیٰؑ کو اجیر بنایا وہ شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یثرون تھا۔"[2]

(۳) بعض کہتے ہیں کہ صاحب موسیٰؑ کا نام "یثری" تھا۔ طبری نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ کو اجیر رکھنے والا مدین کا شیخ "یثری" نامی تھا اور اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں "عورت کے والد کا نام "یثری" تھا۔ مگر یثری والی روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ شعیبؑ کا برادر زادہ تھا۔[3] اور توراۃ نے اسی سے ملتا جلتا نام "یثرو" بتایا ہے۔[4]

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ شیخ "حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک مردِ مومن" تھا۔

(۵) ایک جماعت کا گمان ہے کہ یہ شیخ "نہ شعیبؑ ہو سکتے ہیں اور نہ ان کے بھتیجے۔ اس لئے کہ قرآن عزیز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس کے درمیان صدیاں ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ — اور قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں ہے

یہ ظاہر ہے کہ قوم لوط کی ہلاکت کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان کے اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کی درمیانی مدت چار سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اس مدت کو قریب کر دینے کے لئے یہ کہا ہے کہ حضرت شعیب کی عمر غیر معمولی طور پر طویل ہوئی۔ تو یہ دعوے بلا دلیل ہے۔[5]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۴۸ [2] ابن جریر جلد ۱ ص ۲۰۶ [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۴۸
[4] ان حوالجات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سید سلیمان صاحب کا یہ فرمانا صحیح نہیں ہے کہ "مسلمان مفسرین بھی علی العموم یثرو، حوباب اور شعیب کو ایک ہی سمجھتے ہیں"۔ [5] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۴۸۔

Marfat.com

اس قول کی تائید کے لئے یہ دلیل بھی قوت رکھتی ہو کہ اگر صاحبِ موسیٰ شعیب علیہ السلام ہوتے تو قرآن عزیز ضرور اُن کے نام کی تصریح کرتا، اور اس طرح مجمل و مبہم نہ چھوڑتا۔

ان مختلف پانچ اقوال کی نقل کے بعد ہمارے نزدیک راجح اور صحیح مسلک وہی معلوم ہوتا ہی جو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اختیار کیا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ نام کی تصریح کے بارہ میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی اور جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ قابلِ احتجاج نہیں ہیں، اس لئے جس طرح تصریح کئے بغیر قرآن عزیز نے انکا ذکر کیا ہو اسی طرح ہم بھی اُن کے نام کی تصریح کو خدا کے علم کے حوالہ کردیں۔ ابن کثیر کی عبارت یہ ہو:-

قال ابو جعفر (الطبری) وھذا مما لا	ابو جعفر طبری نے کہا ہو کہ نام کی تصریح کا یہ معاملہ خبر اور اطلاع کے
یدرک علمہ الا بخبر ولا خبر بذلک	بغیر طے نہیں ہوسکتا، اور اس سلسلہ میں کوئی خبر (روایت)
تجب حجۃ فلا قول فی ذلک اولیٰ	ایسی موجود نہیں ہو جو حجت اور دلیل بن سکے بس سب سے
بالصواب مما قالہ اللہ جل ثناءہٗ الخ	بہتر قول اس سلسلہ میں وہی ہو جو قرآن میں اللہ جل شانہٗ نے اختیار فرمایا ہو۔[1]

ابن جریر کا اشارہ قرآن عزیز کے اس جملہ کی جانب ہو۔ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ[2]

عبد الوہاب نجار فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک بڑے فاضل عالم نے یہ بحث کی کہ حضرت موسیٰ ؑ جلیل القدر نبی تھے اس لئے اُن کو کوئی معمولی شخص اپنا اجیر رکھنے کا حوصلہ نہیں کرسکتا اور نہ وہ اس کو منظور فرماتے بلکہ اُن کا مستاجر نبی اور پیغمبر ہی ہوسکتا ہو اس لئے مدین کے "شیخ کبیر" حضرت شعیب ہی ہوسکتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کا یہ ارشاد نہ عقلی حجت و بُرہان کی حیثیت رکھتا ہو اور نہ نقلی دلیل و حجت کی زیادہ سے زیادہ استحسان کے درجہ کا قیاس ہو اور اس سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا یہ یقین اور قطعیت کو چاہتا ہو۔ علاوہ ازیں اس وقت حضرت موسیٰ ؑ نبی بھی نہ تھے نبوت سے بعد کو سرفراز کئے گئے[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۴۸ [2] ایضاً جلد ۷ ص ۲۴۸ [3] قصص الانبیاء ص ۲۰۴

Marfat.com

بہرحال یہ طے شدہ امر ہے کہ "شیخ کبیر" کے نام کی تصریح میں کوئی قابل حجت روایت موجود نہیں ہے اور ابن جریر اور ابن کثیر نے "دفاء مدت" کے سلسلہ میں بھی جس قدر روایات نقل کی ہیں ان میں بھی بزار اور ابن ابی حاتم کی طویل روایات کے علاوہ کسی میں بھی نام کا ذکر موجود نہیں ہے اور ان دونوں روایات کی اس "زیادت" کے بارہ میں ابن کثیر فرماتے ہیں۔

مدار هذا الحديث على عبد الله بن لهيعة المصرى وفى حفظه سوء واخشى ان تكون رفعه خطاء[1]	اس (نام کی تصریح والی) حدیث کا مدار ابن لہیعہ مصری پر ہے اور اس کا حفظ خراب تھا اور مجھے خوف ہے کہ اس حدیث کو مرفوع کہنے میں غلطی ہوئی ہے۔

اور ابن جریر فرماتے ہیں:-

ثم قد روى ايضا نحوه من حديث عتبة بن المنذر بزيادة غريبة جدا[2]	نیز اسی طرح عتبہ بن المنذر سے روایت کی گئی ہے مگر، ایک یقینی نادر اور غیر معروف زیادت کے ساتھ (وہ زیادت یہی نام کی صراحت ہے)

ایفاء مدت

غرض حضرت موسیٰ اپنے خسر کے یہاں مدتِ اجارہ پوری کرنے یعنی بکریاں چرانے کے لیے مقیم رہے مفسرین مستند روایات کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے کامل مدت یعنی دس سالہ مدت کو پورا کیا

قرآن عزیز نے یہ نہیں بتایا کہ مدت پوری ہونیکے کسقدر بعد تک موسیٰ (علیہ السلام) نے "شیخ" کے پاس قیام کیا؟ البتہ مفسرین یہ کہتے ہیں کہ مدت ختم ہونیکے فوراً بعد ہی موسیٰ مصر کو روانہ ہوگئے، اور اُن کے خسر نے روانگی کے سال میں بکریوں نے جس قدر بچے دیے تھے اُن کے حوالے کر دیے اور وہ اپنی بیوی اور اس ریوڑ کو لے کر چل پڑے۔ شاید اُن کا یہ قول اس آیت کے پیش نظر ہو۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا (قصص)	پس جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چل دیا تو محسوس کیا طور کی جانب آگ کو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۵۷ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ [3] معالم جلد ۵ ص ۱۴۳۔

Marfat.com

ان حضرات نے مدت کے ایفاء اور روانگی کے بیان میں جو قربت ہے اس سے یہ
اندازہ کر لیا کہ وہ فوراً ہی روانہ ہو گئے حالانکہ جبتک خاص قرینہ موجود نہ ہو اسوقت تک "واؤ"
نہ تعقیب پر دلالت کرتی ہے اور نہ ترتیب پر۔

اور معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) وفاءِ مدت کے بعد دس سال مزید اپنے
خسر کے یہاں مقیم رہے [1]

توراۃ اسی قول کی تائید کرتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدت ختم ہونے پر فوراً ہی مصر روانہ نہیں
ہو گئے تھے بلکہ بکریاں چراتے ہوئے بھولے بھٹکے جب "وادیِ مقدس" میں پہنچکر خدا کا حکم ملا کہ
بنی اسرائیل کو غلامی سے رہا کراؤ اور مصر جاکر فرعون کے ظلم سے انکو نجات دلاؤ تب وہ مصر روانہ ہوئے۔

اور موسیٰؑ اپنے سسر یترو کے جو مدیان کا کاہن تھا گلّے کی نگہبانی کرتا تھا، تب اس نے گلّے کو
بیابان کی طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک آیا، اُسوقت خدا کا فرشتہ ایک
بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا، اس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ
کا روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا . . . . . . اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور
میں نے وہ ظلم جو مصری اُن پر کرتے ہیں دیکھا ہے بس اب تو جا میں تجھے فرعون پاس بھیجتا ہوں
میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال [2]

تب موسیٰؑ روانہ ہوا اور اپنے سسر یترو پاس گیا اور اُسے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں
کہ مجھے رخصت دے کہ اپنے بھائیوں پاس جو مصر میں ہیں جاؤں [3]۔

بہتر یہی ہے کہ حقیقتِ حال کو علمِ الٰہی کے ہی سپرد کر دیا جائے" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" تاہم قرآن
حکیم کا اسلوبِ بیان یہ ضرور رہنمائی کرتا ہے کہ عام کتب تفسیر میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ
کی یہ روانگی جو "طٰہٰ" اور "قصص" میں مذکور ہے فلما قضیٰ موسیٰ الاجل وسار باھلہ مصر کے لئے تھی
صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام گھر کے ارادہ سے چلے تھے تو جب وادیِ مقدس

[1] حاشیہ خازن جلد ۵ ص ۱۴۳ [2] خروج باب ۳ آیت ۱-۱۰ [3] ایضاً باب ۴ آیت ۱۸

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کو کہا گیا کہ ظالم فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو سمجھاؤ تو حضرت موسیٰ جواب میں یہ نہ فرماتے:۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝ (قصص)
موسیٰ نے کہا اے پروردگار میں نے اُن (فرعونیوں) کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا پس مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھکو نہ مار ڈالیں (اگر میں مصر گیا)

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝ (شعراء)
اور اُن (مصریوں) کا میں نے ایک گناہ کیا ہے پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو قتل کر دینگے۔

یہ جواب خود بول رہا ہے کہ اس گفتگو کے وقت تک قتل والے معاملہ کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو مصر جانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ البتہ جب خدائے تعالیٰ کی عطاء و بخشش نے انکو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور اس وقت مصر جانیکا حکم ملا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے اپنا اطمینان کر کے یہیں سے مصر روانہ ہو گئے اور حکم الٰہی کے سامنے خسر کے پاس جا کر اجازت لینے کی بھی پرواہ نہ کی۔

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں ایک عرصہ قیام کیا، اور اس پوری مدت میں اپنے خسر کے مویشیوں کی گلہ بانی کرتے رہے، توراۃ میں مذکور ہے کہ اس قیام میں حضرت موسیٰ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جیرسون رکھا، یہ عبرانی نیں اس کے معنی غربت و مسافرت کے ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ نے بیٹے کے نام میں اپنی "مسافرت" کو بطور یادگار قائم رکھا۔ تاکہ خاندان والوں کو یاد رہے کہ اس بچہ کی ولادت "غربت و مسافرت" میں ہوئی تھی۔ توراۃ کی عبارت یہ ہے:۔

"اور اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو دی وہ بیٹا جنی اس نے اس کا نام جیرسون" رکھا کیونکہ اس نے کہا میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں[1]"۔

وادی مقدس | ایک روز حضرت موسیٰ اپنے اہل وعیال سمیت بکریاں چراتے چراتے مدین سے بہت دور نکل گئے گلہ بان قبائل کے لئے یہ بات کوئی قابل تعجب نہ تھی مگر رات ٹھنڈی تھی اسلئے سردی

[1] خروج باب ۲ آیت ۲۱-۲۲۔

Marfat.com

آگ کی جستجو پر مجبور کر رہی تھی سامنے کوہ سینا کا سلسلہ نظر آرہا تھا۔ یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا اور مدین سے ایک روز کے فاصلہ پر بحر قلزم کے دو شاخ کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع تھا حضرت موسیٰؑ نے چقماق استعمال کیا مگر سخت خنکی تھی اُس نے کام نہ دیا سامنے وادیٔ "وادی ایمن" میں نگاہ دوڑائی تو ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر پڑا بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے آؤں تاپنے کا بھی انتظام ہو جائیگا اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی کھوج لگ جائیگا۔

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی (طٰہٰ)

پھر موسیٰؑ نے اپنی بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہو شاید اُس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے لاسکوں یا وہاں الاؤ پر کسی رہبر کو پاسکوں۔

بعثت | خدا کے فضل کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال | کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ عجیب آگ ہے، درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ گل ہی ہو جاتی ہے، یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے لیکن جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تھے آگ اور دور ہوتی جاتی تھی یہ دیکھ کر موسیٰؑ کو خوف سا پیدا ہوا اور انھوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں جوں ہی وہ پلٹنے لگے آگ قریب آگئی اور قریب ہوئے تو سُنا کہ یہ آواز آرہی ہے۔

یٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (قصص) اے موسیٰؑ! میں ہوں میں اللہ پروردگار جہانوں کا۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ۔ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۔ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (طٰہٰ)

پس جب موسیٰؑ اس (آگ) کے قریب آئے تو پکارے گئے اے موسیٰؑ میں ہوں تیرا پروردگار پس اپنی جوتی اُتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ! میں نے تجھے اپنی رسالت کے لئے چن لیا پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سُن۔

قرآن عزیز کی سابق آیت اور اُن آیات کے پیش نظر دو باتیں کتب تفسیر میں زیر بحث لائی جاتی ہیں (۱) موسیٰؑ نے جس روشنی کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ لیکن جو آواز اس پردۂ نور سے سُنی گئی وہ فرشتے کی آواز تھی اور اس کے واسطہ سے خدا نے موسیٰؑ کو شرف ہم کلامی

Marfat.com

بخشا، یا خود اللہ تعالیٰ کی ندا تھی؟ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ فرشتہ کی آواز تھی اور اسکے واسطہ سے موسیٰ کو خدا کی ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، یہ خدا کی آواز نہ تھی اسلئے کہ ۔

قول اور الحن نے آواز نے

اور ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے کہ یہ براہِ راست ندائے الٰہی تھی اور موسیٰ نے اس کو کسی واسطہ سے بھی نہیں سنا بلکہ اُسی طرح سُنا جس طرح پیغمبرانِ خدا وحی الٰہی کو سنتے اور "من وراء حجاب" اس سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔[1]

(۲) وادی مقدس میں موسیٰ (علیہ السلام) کو جوتی اتارنے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مساجد میں جوتیوں سمیت نماز ادا کیا کرتے تھے اور آج امت کے لئے بھی یہی اسلامی مسئلہ ہے کہ اگر جوتیاں پاک ہوں تو اُنسے بے تامل نماز پڑھنا درست ہے۔ تو پھر اس جگہ موسیٰ سے یہ کیوں کہا گیا کہ "یہ وادی مقدس ہے لہذا جوتی اُتارو" تو اس کا جواب صحیح حدیث میں موجود ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وجہ بیان فرمائی ہے۔

کانتا من جلد حمار میت[2] (موسیٰ علیہ السلام) کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنائی گئی تھیں (یعنی غیر مدبوغ تھیں اس لئے طاہر نہ تھیں)

بہر حال اب حضرت موسیٰ خدائے تعالیٰ کے پیغمبر اور جلیل القدر رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کے سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات کے لئے چن لیا ہے وہ اب "وادیِ مقدس" میں حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ وہ موسیٰ (علیہ السلام) جو مدین کی راہ سے بھٹکے ہوئے تھے آج مصر جیسے متمدن و مہذب ملک اور اُس کے سرکش و مغرور بادشاہ کی رہنمائی کرنے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جو کل تک اونٹوں اور بکریوں کی گلہ بانی کر رہے تھے آج انسانوں کی قیادت کے فرض کو انجام دینے کے لئے چنے گئے ہیں اور جو نصاب زندگی کل بکریوں کے گلہ کی چرائی سے شروع ہوا تھا وہ آج "وادیِ مقدس"

[1] صفتہ الکلام ابن تیمیہ ص۴۷ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان ج ۶ ص ۲۲۹ ۔

Marfat.com

ہیں خدا کی بہترین مخلوق "حضرت انسان" کی گلہ بانی پر تکمیل کو پہنچ رہا ہے، اور کل کا گلہ بان آج جہانبان بن رہا ہے۔

خدائے تعالیٰ کے یدِ قدرت کی یہی کرشمہ سازیاں ہیں جو زبان سے انکار کرنیوالوں کے دلوں میں بھی اقرار کا کانٹا چبھوئے رکھتی ہیں، کجا خانہ بدوش چرواہا اور کجا متمدن حکومتوں کے لئے خدا کی صداقت کی پیغامبری۔

حضرت موسیٰؑ نے جب خدا کی اس آواز کو سنا اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ آج ان کے نصیب میں وہ دولت آگئی ہے جو انسانی شرافت کا طغرائے امتیاز اور خدا کی موہبت کا آخری نشان ہے تو پھولے نہ سمائے اور والہانہ فریفتگی میں مثلِ مورت حیران کھڑے رہ گئے، آخر پھر اُسی جانب سے ابتدا ہوئی اور پوچھا گیا:-

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى — موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟

بس پھر کیا تھا محبوبِ حقیقی کا یہ سوال عاشقِ صادق سے "یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے" وارفتگی عشق میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ سوال کے پیمانہ ہی پر جواب کو تولا جائے اور جو کچھ پوچھا گیا ہے صرف اُسی قدر جواب دیا جائے۔ بولے:-

هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا — یہ میری لاٹھی ہے، اس پر بکریاں چراتے وقت سہارا

وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي — لیا کرتا ہوں اور اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑ لیتا ہوں۔

جواب میں صرف یہ کہنا چاہیئے تھا "عصا" مگر محبت کے اس ولولے کو کیسے روکیں جو محبوب کے ساتھ ہم کلامی کے شرف کو طول دیکر سوختہ جانی کے سامان مہیّا کرنا چاہتا ہے، کہتے ہیں کہ میری لاٹھی ہے اور اس کے فوائد بیان کرنے لگتے ہیں مگر یکایک جذبۂ شوق کی جگہ محبوبِ حقیقی کا پاس ادب دل میں چٹکی لیتا ہے، موسیٰؑ! خبردار کس دربار میں کھڑے ہو، کہیں یہ طولِ بیانی گستاخی اور بے ادبی میں شمار ہو جائے موسیٰؑ نے یہ سوچکر فوراً پہلو بدلا اور جنابِ باری میں عرض کی۔

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ — اور میرے لئے اس سے متعلق اور ضروریات بھی ہیں

خدایا! دل کے ولولے اور روح کی بیتابیاں تو چاہتی ہیں کہ کہے جاؤں اور اس لطف بے پایاں کی لذت کو حاصل کئے جاؤں لیکن پاسِ ادب مانع اور چشم حقیقت بیں کا حکم ہے کہ خاموش ہو جاؤں اس لئے قصہ کوتاہ کرتا ہوں ورنہ داستانِ عشق تو بہت طویل ہے۔

عشق کہتا ہے جنوں کا جوش رہنا چاہیئے ضبط کی تاکید ہے خاموش رہنا چاہیئے
قصۂ موسیٰ! سبق ہے ہوش والوں کیلئے کس طرح عشاق کو خاموش رہنا چاہیئے

آیات اللہ | اب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اَلْقِهَا يٰمُوسٰى موسیٰ! اپنی اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے اس ارشادِ عالی کی تعمیل کی۔

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى۔ موسیٰ نے لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا، پس ناگاہ وہ اژدہا بن کر دوڑنے لگا۔

حضرت موسیٰؑ نے جب یہ حیرت زا واقعہ دیکھا تو گھبرا گئے، اور بشریت کے تقاضہ سے متاثر ہو کر بھاگنے لگے، پیٹھ پھیر کر بھاگے ہی تھے کہ آواز آئی۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ ہم اس کو اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ کی لکڑی دو شاخہ تھی، اب وہی دو شاخہ اژدہے کا منہ نظر آرہا تھا سخت پریشان تھے مگر قربتِ الٰہی نے طمانیت وسکون کی حالت پیدا کر دی اور انھوں نے بےخوف ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی فوراً وہ دو شاخہ پھر لاٹھی بن گیا۔

اب موسیٰ کو دوبارہ پکارا گیا اور حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لیجا کر بغل سے مس کیجئے اور پھر دیکھئے وہ مرض سے پاک اور بے داغ چمکتا ہوا نکلے گا۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى (طٰہٰ) اور ملادے اپنے ہاتھ کو اپنی بغل کیساتھ، نکل آئیگا وہ روشن بغیر کسی مرض کے (یعنی برص سے پاک) یہ دوسری نشانی ہے

Marfat.com

موسیٰ! یہ ہماری جانب سے تمہاری نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں، یہ تمہارے پیغام صداقت اور دلائل و براہین حق کی زبردست تائید کرینگے پس جس طرح ہم نے تم کو نبوت و رسالت سے نوازا اسی طرح تم کو یہ دو عظیم الشان نشان (معجزے) بھی عطا کئے

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (طٰہٰ) — تاکہ ہم تجھکو اپنی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ (قصص) — پس تیرے پروردگار کی جانب سے فرعون اور اسکی جماعت کے مقابلہ میں تیرے لئے یہ دو "برہان" ہیں، بلاشبہ وہ فرعون اور اسکی جماعت، نافرمان قوم ہیں۔

اب جاؤ اور فرعون اور اسکی قوم کو راہِ ہدایت دکھاؤ، انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے عزور و تکبر اور انتہاء ظلم کے ساتھ انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو اُن کو غلامی سے رستگاری دلاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا "پروردگار! میرے ہاتھ سے ایک مصری قتل ہو گیا تھا اس لیے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ مجھ کو قتل نہ کر دیں، مجھے یہ بھی خیال ہے کہ وہ میری بڑی زور سے تکذیب کرینگے اور مجھکو جھٹلائینگے یہ منصب عالی جب تو نے عطا فرمایا ہے میرے سینہ کو فراخ اور نور سے معمور کر دے اور اس اہم خدمت کو میرے لئے آسان بنادے اور زبان میں پڑی ہوئی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگوں کو میری بات سمجھنے میں آسانی ہو اور چونکہ میری گفتگو میں روانی نہیں ہے اور میری بہ نسبت میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہے اسلئے اسکو بھی اپنی اس نعمت (نبوت) سے نواز کر میرا شریک کار بنادے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو اطمینان دلایا کہ تم ہمارا پیغام لیکر ضرور جاؤ، اُنکو حق کی راہ دکھاؤ، وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے، اور جو نشانات ہم نے تم کو بخشے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا باعث ہونگے اور انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔ ہم تمہاری درخواست منظور کرتے ہیں اور تمہارے بھائی ہارونؑ کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں، دیکھو تم دونوں فرعون

Marfat.com

اور اس کی قوم کو جب ہماری صحیح راہ کی جانب بلاؤ تو اس پیغامِ حق میں نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آنا کیا عجب ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لیں، اور خوفِ خدا کرتے ہوئے ظلم سے باز آجائیں۔

داخلۂ مصر | سُدی کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ منصبِ نبوت سے سرفراز ہو کر، کلامِ ربانی سے فیضیاب ہو کر اور دعوت و تبلیغ حق میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ پاکر "وادیٔ مقدس" سے اترے تو اپنی بیوی کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے جنگل میں اُن کی منتظر اور چشم براہ تھیں اُنکو ساتھ لیا اور یہیں سے تعمیلِ حکمِ الٰہی کے لئے مصر روانہ ہو گئے منزلیں طے کرتے ہوئے جب مصر پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ خاموشی کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے اور والدہ کے سامنے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے، یہ بنی اسرائیل میں مہمان نواز گھر تھا حضرت موسیٰؑ کی خوب خاطر و مدارات کی گئی، اسی دوران میں اُن کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آپہنچے یہاں پہنچنے سے قبل ہی ہارونؑ کو خدا کی طرف سے منصبِ رسالت عطا ہو چکا تھا، اس لئے اُن کو بذریعہ وحی حضرت موسیٰؑ کا سارا قصہ بتا دیا گیا تھا وہ بھائی سے آکر لپٹ گئے اور پھر اُن کے اہل و عیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ کو سارا حال سنایا، تب سب خاندان آپس میں گلے ملا اور بچھڑے ہوئے بھائیوں نے ایک دوسرے کی گذشتہ زندگی سے تعارف پیدا کیا اور والدہ کی دونوں آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔[1] تورات میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور خداوند نے ہارون کو کہا کہ بیابان میں جا کے ملاقات کر وہ گیا اور خدا کے پہاڑ پر اسے ملا اور اُسے بوسہ دیا اور موسیٰ نے خدا کی جس نے اسے بھیجا ساری باتیں اور معجزے کہ جن کا اُس نے حکم دیا تھا ہارونؑ سے بیان کئے۔"[2]

داخلُل عُقْدَةً مِّن لِّسَانِى | حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس میں خدائے تعالےٰ کی جناب میں عرض کیا تھا کہ میری زبان میں جو گرہ ہے اس کو کھول دے اور یہ کہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو مفسرین نے اس "عقدہ" کے متعلق ایک حکایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ

---

[1] تاریخ ابن کثیر جلد اص ۲۵۲ [2] خروج باب ۴ آیت ۲۷-۲۸۔

Marfat.com

زمانۂ طفولیت میں ایک روز فرعون کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرعون کی داڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع تھی بچّوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے داڑھی پر ہاتھ چلادیا اور چمکتے ہوئے موتیوں کیساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ آئے، فرعون کو سخت غصّہ آیا اور چاہا کہ اُن کو قتل کرادے، آسیہ زوجۂ فرعون نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کیساتھ عرض کیا کہ بچّہ ہے اس کو نہ مارو یہ ان احترامات سے کیا واقف ہے اس کے نزدیک تو تمرہ (کھجور) اور جمرہ (چنگاری) دونوں برابر ہیں" راج ہٹ" پرانی مثل ہے، بادشاہ نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں اگر اس نے انگارہ کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرادوں گا۔ خدائے تعالیٰ کو موسیٰ سے کام لینا تھا اسلئے انکی حفاظت کی ذمّہ داری کا وعدہ کرلیا تھا، لہٰذا جب فرعون نے چند کھجور کے دانے اور چند دہکتی آگ کے سُرخ انگارے منگا کر موسیٰؑ کے سامنے رکھے تو موسیٰؑ نے جلد ہاتھ بڑھا کر ایک سرخ انگارے کو اُٹھا کر مُنہ میں رکھ لیا، سکنڈ بھر کا کام تھا ہو گذرا، مگر زبان پر داغ پڑگیا اور زبان موٹی ہوگئی، اس وقت سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت آگئی اور مسلسل گفتگو میں رکاوٹ ہونے لگی، پس وادی مقدس میں خدائے تعالیٰ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام نے اسی "عقدۂ زبان" کا ذکر کیا[1] لیکن عام مفسّرین کی اس نقل حکایت سے جُدا اس سلسلہ میں نجار مصری نے اپنی ایک قیاسی رائے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں اس قصّہ کو صحیح نہیں سمجھتا میرے خیال میں تو صرف موسیٰ علیہ السلام کی غیر فصیح بیانی اور گفتگو میں رکاوٹ کی دو وجہوں میں سے ایک ہوسکتی ہے۔

(۱) قرآن عزیز میں مذکور ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کو دریائے نیل میں سے نکالکر شاہی محل پہونچایا گیا تو دُودھ پلانے کے لئے دایہ کی فکر ہوئی، شہر کی بیسیوں دایہ آئیں مگر انھوں نے کسی کا دُودھ منہ سے نہ لگایا تو اس واقعہ میں ضرور عرصہ لگا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ دُودھ سے محروم رہے ہونگے، ایسی حالت میں یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ بچّہ کی زبان موٹی ہوجاتی ہے اور بات کرنے میں

[1] تاریخ ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۴۹۔

..... رکاوٹ کا مرض پیدا ہوجاتا ہے لہٰذا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی یہی صورت پیش آئی ہوگی۔

(۲) حضرت موسیٰؑ ابتداء جوانی ہی میں مصر سے مدین چلے گئے اور وہاں ایک طویل عرصہ رہے، اگر "صاحب معالم التنزیل" یا تورات کی روایات کو صحیح مان لیا جائے تو بیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں یہ قدرتی بات ہے کہ وہ مصری زبان سے ایک حد تک ناآشنا اور اس کے محاورات اور اس زبان میں تقریر کے ملکہ سے محروم ہو چکے ہونگے، اسی کو انھوں نے "عقدۂ لسانی" فرمایا اور ہارون (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا "ھوا فصح منّی" اس دوسری وجہ میں البتہ یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر حضرت موسیٰؑ کس طرح حضرت ہارونؑ سے بے تکلف بات چیت کرنے پر قادر رہے ہوں گے جبکہ حضرت ہارونؑ کبھی مصر سے باہر ہی نہیں گئے اور صرف مصری زبان ہی میں بات چیت کر سکتے تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ مصری اور عبرانی دونوں زبانوں سے خوب واقف اور ماہر تھے۔ مصری زبان اُن کی ملکی زبان تھی، اور عبرانی زبان اُن کی مادری زبان تھی جسکو صدیاں گذرنیکے باوجود بھی بنی اسرائیل نے محفوظ رکھا تھا اور باہمی بات چیت اور نوشت وخواند میں اسی کو استعمال کرتے تھے اور مدیانی اور عبرانی میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا اس لئے کہ دونوں زبانیں ایک ہی جدّ ابراہیمؑ کی نسل سے متعلق تھیں۔

اور ان ہر دو وجوہ کو نقل کرنے کے بعد نجّار کہتے ہیں کہ میری طبیعت کا میلان پہلی وجہ کی جانب ہے اور میں اُسی کو راجح سمجھتا ہوں [1]

مگر ہمارے نزدیک پہلی وجہ تو کسی طرح بھی قرین قیاس نظر نہیں آتی، اس لئے کہ "دایہ" کی تفتیش کا معاملہ قرآن عزیز اور صحیح احادیث میں تو بہت ہی مختصر ہے اور اُسکی تفصیل جو تورات اور تاریخی روایات سے نقل کی گئی ہے اُن سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصّہ صرف چند گھنٹوں کے اندر طے ہوگیا، موسیٰؑ علیہ السلام کی والدہ اُن کو دودھ پلانے کیلئے لے گئیں۔ اور شاہی

[1] قصص الانبیاء عربی ص ۲۰۸ و ۲۰۹۔

Marfat.com

احکام کے بعد ایک بچہ کے دودھ پلانے کے معاملہ میں دنوں کی تاخیر ہو بھی کیسے سکتی تھی نیز دوسری وجہ بھی کچھ زیادہ قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ اس توجیہ کے مطابق حضرت ہارون کے متعلق "ھو افصح منی" کا فقرہ تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن مصری زبان کی فراموشی کو عقدۃً من لسانی کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے علاوہ ازیں اگر یہ صحیح ہے تو حضرت موسیٰ کی دعا تو قبول کرلی گئی پھر اس فراموشی کے کیا معنی؟

بلکہ صاف اور بے غل وغش بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ایسی حالت میں مولود ہوئے کہ اُن کی زبان میں لکنت تھی اور بات کرنے میں رکاوٹ واقع ہوجاتی تھی اور حضرت ہارون لسان اور فصیح البیان تھے لہٰذا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے متعلق صرف اسی قدر دعا مانگی کہ زبان کا یہ حصر اور اُس کی لکنت اس درجہ شدید نہ رہے کہ گفتگو میں عاجز ہوجانا پڑے، اگر فطری رکاوٹ دور نہیں ہوتی نہ ہو صرف اسقدر خواہش ہے کہ مخاطبین گفتگو کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور فصاحت وطلاقت لسانی کے لئے میری خواہش یہ ہے کہ میرے بھائی ہارون کو میرا قوت بازو بنا دیجئے کہ وہ میرا ویسے بھی دست وبازو ہے چنانچہ دربار الٰہی میں دونوں باتیں قبول اور منظور ہوگئیں۔

بعض علماءِ تفسیر نے "یفقھوا قولی" میں ایک اور نکتہ پیدا کیا۔ اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے صرف یہ دعا، مانگی کہ اُن کی زبان کی گرہ اس حد تک کھل جائے کہ جس قوم کو تبلیغ کرنے جا رہے ہیں وہ اُن کی گفتگو سمجھ سکے لہٰذا اُسی درجہ دعا قبول ہوئی اور ان کی زبان میں قدرے لکنت اور حصر (رکاوٹ) پھر بھی باقی رہی موسیٰ (علیہ السلام) نے شرط لگا کر دعا کا دائرہ خود ہی تنگ کردیا ورنہ وہ بھی فصاحت اور طلاقتِ لسانی میں فرد ہوجاتے۔

میرے خیال میں اس نکتہ سنجی کی بھی یہاں مطلق ضرورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ جس مقام پر اور جسوقت میں موسیٰ علیہ السلام نے درگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرمائی ہے اس کی برکت اور عظمت کو ان نکتہ سنجوں نے بالکل فراموش کردیا اور یہ غور نہیں فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) منصب نبوت

Marfat.com

سرفراز کئے جا رہے ہیں، خدا کا انتہائی فضل وکرم بارش کی طرح اُن پر برس رہا ہی، آغوش رحمت وا ہی، اس حالت میں موسیٰ (علیہ السّلام) معاملہ اور ذمہ داری کی اہمیت کو محسوس فرماتے ہوئے آسانیٔ کار کے لئے دعائیں اور استدعائیں کر رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ خود موسیٰ علیہ السلام کی مشکلات اور مہم کی نزاکت کا عالم و دانا ہی تو پھر کیا ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا یہ تقاضا ہو سکتا تھا کہ وہ عطاء و نوال کی بیکراں نوازش کی جگہ مول تول اور سودے کی طرح لین دین کا سا معاملہ کرتی یا حقیقت حال کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کے دعائیہ الفاظ کی لفظی گرفت سے درگذر فرما کر وہ سب کچھ عطا کرتی جو اُن کی مشکلات کو ختم کرنیکے لئے معاون و مددگار ثابت ہو سکے، بیشک اس نے ایسا ہی کیا، البتہ موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں ایک راز تھا جسکو وہ اور ان کا پروردگار دونوں سمجھتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ان کی اس اہم خدمت میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ضرور شریک کار بنیں اسلئے کہ وہ بھائی بھی ہیں اور فطری فصاحت و طلاقت لسانی کے مالک بھی، لہذا وہ اس سے زیادہ کے خواہشمند ہی نہ تھے کہ ان کو حصر کی دشواری سے نجات ملجائے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ہارون کو بھی یہ دولت "نبوت" عطا ہو پس اُن کی سفارش کے لئے اسی وصف "فصاحت بیانی" کو خدا کی درگاہ میں پیش کیا۔ یہ نہ تھا کہ انھوں نے الفاظ دعا میں تنگی کی تھی تو خدا نے بھی کم دینے کی خاطر انکے الفاظ کو پکڑ لیا اور اسی قدر دیا جو اُن کی دعا کے الفاظ میں محدود تھا۔

وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوسٰى ۘ إِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوْا إِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا لَعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ إِنِّيْ أَنَا رَبُّكَ

اور اے پیغمبر! موسیٰ کی حکایت تو نے سُنی؟ جب اس نے دور سے آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا "ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہو میں جاتا ہوں ممکن ہی تمہارے لئے ایک انگارہ لیتا آؤں یا کم از کم الاؤ پر کوئی راہ دکھلانے والا ہی ملجائے" پھر جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت پکارا گیا (ایک آواز اُٹھی کہ) اے موسیٰ میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہی۔ اور

Marfat.com

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى (طٰهٰ)

دیکھ میں نے تجھے (اپنی رسالت کیلئے) چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اُسے کان لگا کر سن میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کر بلاشبہ (مقررہ) وقت آنیوالا ہے میں اُسے پوشیدہ رکھنے کو ہوں تاکہ (لوگوں کے یقین وعمل کی آزمائش ہوجائے اور) جس شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو اسی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس دیکھ ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں وہ تجھے بھی (قدم بڑھانے سے) روک دیں اور نتیجہ یہ نکلے تو تباہ ہوجائے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (النمل)

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں انگارہ سلگا کر تاکہ تم تاپو، پھر جب پہونچا اُس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے اُس پر جو کوئی آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے، اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝

اور صدائے غیبی نے پوچھا۔ اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے عرض کیا میری لاٹھی ہے چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں، میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں، حکم ہوا "اے موسیٰ اسے ڈال دے" موسیٰ نے ڈال دیا، اور کیا دیکھتا ہے ایک سانپ ہے

Marfat.com

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ (طٰہٰ)	جو دوڑ رہا ہے حکم ہوا "اسے اب پکڑ لے، خوف نہ کھا، ہم اُسے پھر اسکی اصل حالت پر کئے دیتے ہیں" اور (تیرا حکم ہوا "اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ اور پھر نکال بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو چمکتا ہوا نکلے گا یہ (تیرے لئے) دوسری نشانی ہوئی (اور یہ دونوں نشانیاں اسلئے دی گئی ہیں) کہ آئندہ تجھے اپنی قدرت سے بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (قصص)	اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مدت۔ اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اُن کو سُناتا ہماری آیتیں، پر ہم رہے رسول بھیجتے، اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی، لیکن یہ انعام ہے تیرے رب کا کہ تو ڈر سنا دے اُن لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سُنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں۔
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ (النازعات)	کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی، جب پکارا اُس کو اُس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے، جا فرعون کے پاس اس نے سر اٹھایا، پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو؟

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ حکم ہوا "اے موسیٰ! تو فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کی طرف جا وہ بڑا سرکش
قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ہو گیا ہے" موسیٰ نے عرض کیا "اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے (کہ

وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً
مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل
لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝
اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ
فِي أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝
وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنتَ
بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ
سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ۝ (طٰہٰ)

بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لئے مستعد ہو جاؤں، میرا کام میرے لئے آسان کردے (کہ راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نہ آسکے) میری زبان کی گرہ کھول دے کہ (خطاب و کلام میں پوری طرح رواں ہو جائے اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے نیز میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے۔ اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے۔ وہ میرے کام میں میرا شریک ہو (ہم دونوں یک دل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں۔ تیری یاد میں زیادہ سے زیادہ لگے رہیں۔ اور بلاشبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے (ہم سے کسی حال میں غافل نہیں) ارشاد ہوا اے موسیٰ! تیری درخواست منظور ہوئی۔

اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا
تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۝ اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا
لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ قَالَا
رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا
أَوْ أَن يَطْغَىٰ ۝ قَالَ لَا تَخَافَا
إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝
فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ
فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ
مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ
اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝ (طٰہٰ)

اب تو اور تیرا بھائی، دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں کوتاہی نہ کریں۔ ہاں تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون کیونکہ اب دونوں اکٹھے ہو گئے تھے اور مصر کے قریب وحی الٰہی نے انھیں دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکشی میں بہت چلا ہے، پھر جب اس کے پاس پہنچو تو سختی کیساتھ پیش نہ آنا نرمی سے کرنا، تمہیں کیا معلوم! ہو سکتا ہے کہ نصیحت پکڑے یا (عواقب سے) ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کیا "پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش آئے" ارشاد ہوا کچھ اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں میں سب کچھ سنتا ہوں سب کچھ دیکھتا ہوں! تم اس کے پاس بے دھڑک جاؤ اور کہو ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آگئے۔ اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ (فرقان)

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اُس کے ساتھ اُس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔ پھر کہا ہم نے دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس جنھوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعرا)

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو کہ جا اس قوم گنہگار کے پاس، قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں، بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھکو جھٹلائیں۔ اور رُک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان، سو پیغام دے ہارونؑ کو اور انکو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں فرمایا کبھی نہیں۔ تم دونوں جاؤ لیکر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں۔ سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا،

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ (نمل)

اور ڈال دے لاٹھی اپنی، پھر جب دیکھا اس کو پھن ہلاتے جیسے سفید پتلا سانپ، لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ مت ڈر میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا ہوں اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر بغیر کسی عیب کے یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا، فرعون اور اُس کی قوم کی طرف بے شک وہ تھے لوگ نافرمان۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لیکر چلا اپنے گھر والوں کو

Marfat.com

آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ
امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ
مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ
تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ
الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ
الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا
تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ
يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ
اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ
مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ
مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ
نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝
وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا
فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ
اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا
يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَا ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ
اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ (قصص)

دیکھی کوہِ طور کی طرف سے ایک آگ، کہا اپنے گھر والوں کو
ٹھہرو میں نے دیکھی ہے آگ شاید لے آؤں تمہارے
پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو، پھر جب
پہونچا اس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے
کنارے سے، برکت والے تختے میں ایک درخت سے کہ
اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب، اور یہ
کہ ڈال دے اپنی لاٹھی، پھر جب دیکھا اس کو پھن
ہلاتے جیسے پتلا سانپ، الٹا پھرا منہ موڑ کر اور
نہ دیکھا پیچھے پھر کر، اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر
تجھ کو کچھ خطرہ نہیں، ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں
نکل آئے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے، اور ملا لے اپنی طرف
بازو ڈر سے، سو یہ دو سندیں ہیں تیرے رب کی طرف
سے فرعون اور اس کے سرداروں پر بے شک وہ
لوگ نا فرمان، بولا اے رب میں نے خون کیا ہے
ان میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں
اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ
سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو میری تصدیق کرے
میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں، فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے
تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ
نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے، تم دو اور جو
تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے۔

Marfat.com

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز تم جو اولاد ہو اُن لوگوں کی جن کو چڑھایا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (سجدہ)

اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکہ میں اُسکے ملنے سے اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے اور کئے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کریگا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے۔

ان آیات میں عصاءِ موسیٰ کے معجزہ یا آیۃ اللہ ہونے کو "مختلف تعبیرات سے ادا کیا گیا ہے سورۂ طٰہٰ میں "حیّۃ تسعیٰ" فرمایا اور سورۂ نمل اور قصص میں "جانٌّ" کہا گیا، اور شعراء میں "ثعبانٌ مُّبِیْنٌ" ظاہر کیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ عصاءِ موسیٰ کی اگرچہ یہ تعبیرات لفظی اعتبار سے مختلف ہیں لیکن حقیقت اور معنی کے لحاظ سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقت کے مختلف اوصاف کو ادا کیا گیا ہے یعنی جنس کے اعتبار سے وہ "حیّہ" سانپ تھا، اور تیز روی کے اعتبار سے "جانّ" (تیز رو سانپ) تھا۔ اور جسامت کے پیشِ نظر وہ "ثعبان" (اژدہا) تھا۔

اور سورۂ قصص میں موسیٰ (علیہ السلام) کے دونوں معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

اور اپنی جانب اپنے بازو لے خوف کی حالت میں

اس آیت میں کس قسم کے خوف کا ذکر ہے؟ اس کے متعلق حضرت شاہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں "بازو ملا ڈر سے یعنی سانپ کا ڈر جاتا رہے"[1]

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس خوف سے فرعون کے دربار کا خوف مراد تھا یعنی اگر فرعون

[1] موضح القرآن۔

Marfat.com

کے سامنے کسی وقت خوف محسوس ہونے لگے تو لے موسیٰ! تو اپنے بازو کو بدن کے ساتھ ملالینا فوراً ڈر جاتا رہیگا، اور دل میں سکون واطمینان کی کیفیت پیدا ہو جائیگی، یہ دو نشانیوں کے علاوہ تیسری نشانی نہیں تھی بلکہ خوف اور ڈر دور کرنے کا ایک فطری علاج بتلایا گیا تھا جو ایسے موقع پر عموماً فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ اور اب جبکہ خدائے تعالےٰ کا فرمودہ تھا تو اس کے راست آنے میں موسیٰ کو شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی [1]۔

ہمارے نزدیک آیت کا سیاق حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی تائید کرتا ہے اور نجار کی توجیہ ایک دُور کی بات معلوم ہوتی ہے۔

فرعون کے دربار میں دعوت حق

بہرحال حضرت موسیٰ و حضرت ہارون (علیہما السلام) کے درمیان جب ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا تو اب دونوں نے طے کیا کہ خدائے تعالےٰ کے امتثال حکم کے لئے فرعون کے پاس چلنا اور اس کو پیغام الٰہی سنانا چاہیئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں جانے لگے تو والدہ نے غایت شفقت کی بنا پر روکنا چاہا کہ تم ایسے شخص کے پاس جانا چاہتے ہو جو صاحب تخت و تاج بھی ہے اور ظالم و مغرور بھی وہاں نہ جاؤ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ مگر دونوں نے والدہ کو سمجھایا کہ خدائےتعالیٰ کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا، اور اُس کا وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہونگے۔

غرض دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر و نبی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر خوف خطر اندر داخل ہو گئے جب فرعون کے تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ و ہارون نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور گفتگو شروع ہوئی اور انہوں نے فرمایا۔

"فرعون! ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے، ہم تجھ سے دو باتیں چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا پر یقین لا۔ اور کسی کو اس کا ساجھی اور سہیم نہ بنا۔ دوسرے یہ کہ ظلم سے باز آ۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے، ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یقین رکھ

[1] قصص الانبیاء للنجار ص ۲۱۲

Marfat.com

کہ یہ بناوٹ اور تصنع نہیں ہے، اور نہ ہم کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ذمہ غلط بات لگائیں ہماری صداقت کیلئے جس طرح ہماری یہ تعلیم خود شاہد ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ نے ہم کو اپنی روز بردست نشانیاں (معجزات) بھی عطا فرمائی ہیں، لہٰذا تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ صداقت و حق کے اس پیغام کو قبول کر اور بنی اسرائیل کو رستگاری دیکر میرے ساتھ کر دے تاکہ میں انہیں پیغمبروں کی اس سرزمین میں لیجاؤں جہاں بجز ذات واحد کے یہ اور کسی کی پرستش نہ کریں کہ یہی راہِ حق ہے اور ان کے باپ دادوں کا ابدی شعار۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلٰى أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝

(اعراف)

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں، میرے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں بلاشبہ میں تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل اور نشان لایا ہوں پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے۔

فرعون نے جب یہ سُنا تو کہنے لگا کہ "موسیٰ! آج تو پیغمبر بنکر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گذاری اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا، حضرت موسیٰ نے فرمایا "فرعون! صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص قتل ہو گیا اور میں اس خوف سے چلا گیا تھا لیکن یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام بیکسانہ مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی سب سے بڑی نعمت "نبوت و رسالت" سے سرفراز کیا۔

فرعون! کیا یہ طریقہ، عدل و انصاف کا طریقہ ہوگا کہ مجھ ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدل یہ ٹھہرے کہ بنی اسرائیل کی تمام قوم کو تو غلام بنائے رکھے؟

Marfat.com

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ (شعراء)	پھر وہ دونوں فرعون کے پاس آئے پس انہوں نے کہا، ہم بلاشبہ جہانوں کے پروردگار کے پیغمبر اور ایلچی ہیں، یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے" فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے یہاں لڑکا سا نہیں پالا اور تو ہمارے یہاں ایک مدت نہیں رہا اور تو نے جو کچھ اس زمانے میں کام کیا وہ تجھے خود بھی معلوم ہو اور تو ناشکر گذار ہے۔ موسیٰ نے کہا "میں نے وہ کام (مصری کا قتل) ضرور کیا اور میں اس میں چوک جانے والوں میں سے ہوں پھر یہاں سے تمہارے خوف سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھ کو صحیح فیصلہ کی سمجھ دی اور مجھ کو اپنے پیغمبروں میں سے بنا لیا (یہ اس کی حکمت کی کرشمہ سازیاں ہیں) اور میری (پرورش) کا یہ احسان جسکو تو مجھ پر جتا رہا ہے کیا ایسا احسان ہے کہ تو بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھے

سورۂ شعراء کی اس آیت "وتلک نعمۃ الخ" کا ترجمہ عام مفسرین کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے لیکن اس کے برعکس عبدالوہاب نجار اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں "اور تیرا یہ انعام ہوگا اور تو مجھ پر احسان کرے گا کہ تو بنی اسرائیل کو عزت بخشے یعنی اُن کو میرے ساتھ بھیج دے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت میں آزاد ہو جائیں"

اور اس معنی کے جواز میں فرماتے ہیں کہ "عبّدت بمعنی کرّمت" لغت عرب سے ثابت ہے چنانچہ لسان العرب ص ۲۶۳ جلد ۴ میں ہے "المعبد، المکرم" اور یہاں یہ معنی لینے اس لئے ضروری ہیں کہ قرآن عزیز میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو یہ تلقین کر دی تھی کہ فرعون کے سمجھانے میں نرمی اور لطف و مہربانی کو پیش نظر رکھنا غصہ یا سخت کلامی کا اظہار نہ کرنا لہٰذا حضرت موسیٰ سے یہ بعید ہے کہ وہ اس ہدایتِ الٰہی کے خلاف طعن و تشنیع معاریض و مجازات سے کام لیں جو رفق و تلطف کے قطعاً خلاف ہے اور جو معنی عا

مفسرین نے لئے ان میں طعن و معاریض کا پہلو نکلتا ہے ۵
مگر نجار نے اس موقعہ پر جو کچھ کہا ہے وہ خود تکلفِ بارد اور رکیک تاویل کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے کہ عام مفسرین کے معنی کے مطابق یہاں نہ طعن و تشنیع ہے اور نہ معاریض و مجازات بلکہ روشن دلیل اور واضح حجت کے ذریعہ فرعون کو اس کی کج روی اور متمردانہ سرکشی پر توجہ دلانا ہے جو ایک پیغمبر اور خدا کے سچے رسول کا فرضِ منصبی ہے۔

فرعون نے اپنی مغرورانہ سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ کے پیغمبرِ خدا ہونے کا استخفاف کیا اور مذاق و تحقیر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ کی شخصیت سے بحث شروع کر دی، اپنے گھر انکے احسان جتائے اور مصری کے قتل والا معاملہ یاد دلا کر خوفزدہ کرنے کی سعی کی مگر موسیٰ علیہ السلام چونکہ ان سب مراحل کے متعلق خدائے برحق سے ہر قسم کا اطمینان کر چکے تھے، اس لئے ان پر مطلق نہ خوف کا اثر ہوا اور نہ ان کو غصہ آیا، بلکہ انہوں نے فرعون کے گھرانے کی تربیت کا اعتراف بھی کیا اور مصری کے قتل کی غلطی کو بھی تسلیم کیا مگر ساتھ ہی ایک ایسا مسکت برہان اور خاموش کن دلیل بھی پیش کر دی کہ فرعون واقعی لاجواب ہو گیا اور اس نے ناراضی اور غصہ کے اظہار کی بجائے گفتگو کا پہلو فوراً بدل دیا اور موسیٰ علیہ السلام سے "رب العلمین" کے متعلق بات چیت شروع کر دی، اور وہ دلیل و حجت یہ تھی کہ موسیٰ نے کہا "تو نے جو کچھ کہا میری شخصیت اور ذات سے متعلق ہے لیکن کیا یہ باتیں اس کے لئے جواز کا سبب بن سکتی ہیں کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم کو تو غلام بنائے رہے یہ تو صریح ظلم ہے۔

لہذا مفسرین کی تفسیر اور ترجمہ ہی صحیح ہے اور نجار کے ترجمہ کو تسلیم کر لینے کے بعد کلام کی لطافت اور خوبی فنا ہو جاتی ہے اور سیاق سباق کے ساتھ بھی بے تکلف اس کا جوڑ نہیں لگتا۔

ربوبیت الٰہی پر حضرت موسیٰ و فرعون کا مذاکرہ

فرعون نے دورانِ گفتگو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو یہ طعن کیا تھا کہ تو نے ہمارے یہاں تربیت پائی ہے اور میں تیرا مربی ہوں تو اس کے معنی صرف اسی قدر نہیں تھے بلکہ اسکی تہ میں وہ عقیدہ کام کر رہا تھا جسکی شکست و ریخت کے لئے حضرت

۵ قصص الانبیاء عربی ص ۲۱۲ -

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام مبعوث کیئے گئے تھے یعنی سلطنتِ مصر کا بادشاہ صرف بادشاہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ "راع" (سورج) کا اوتار مانا جاتا تھا اور اس لیئے فرعون کے لقب سے ملقب تھا۔ مصریوں کے عقیدہ میں تربیتِ کائنات کا معاملہ "راع" دیوتا کے سپرد تھا اور دنیا میں اسکا صحیح مظہر شاہِ مصر "فرعون" تھا۔ اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جب خدائے واحد کی پرستش اور دیوتاؤں کی پوجا کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا "اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ" تو اوّل اس نے اپنی اور اپنے باپ دادا کی ربوبیت کو اس طرح ثابت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت پر اسکا بوجھ پڑے اور جب اس طرح اصل مسئلہ کو حل ہوتے نہ دیکھا تو اب مسئلہ کو زیادہ عریاں کر کے حضرت موسیٰ کیساتھ مناظرہ پر آمادہ ہوگیا اور کہنے لگا موسیٰ! یہ تو نئی بات کیا سنتا ہوں کیا میرے علاوہ بھی کوئی "رب" ہے کہ جسکو تو "رب العلمین" کہتا ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اُس کی حقیقت بیان کر۔ حضرت موسیٰ نے ارشاد فرمایا "اگر تم میں یقین اور ایمانِ صحیح کی گنجائش ہے تو تم کو سمجھنا چاہیے کہ میں جس ہستی کو "رب العلمین" کہتا ہوں وہ ذاتِ اقدس ہے جس کے قبضۂ قدرت میں آسمان، زمین اور ان دونوں کے درمیان کی کل مخلوقات کی ربوبیت ہے، فرعون! کیا تو دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان آسمانوں، زمینوں اور انکے درمیان تمام مخلوقات کو تو نے پیدا کیا ہے یا ان کی ربوبیت کا کارخانہ تیرے یدِ قدرت میں ہے؟ اگر نہیں اور بلاشبہ نہیں! تو پھر "رب العالمین" کی ربوبیتِ عام سے انکار کیوں؟ فرعون نے یہ سُنا درباریوں کی جانب مخاطب ہو کر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا "الا تستمعون" کیا تم سنتے ہو؟ یہ کیسی عجیب بات کہہ رہا ہے۔

ؔ مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے، جیسے بنفات، فتاء اور مات اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ مظاہر تھے جیسے اوزیرس عالم آخرت کا خدا، میہ اورت آن کا خدا۔ کینمو جسم بنانے والا، ایزیر روح بخشنے والی دیوی۔ طوطا عمر کی مقدار مقرر کرنیوالا، ہوراس درد و غم دور کرنیوالا حاثور (گائے) رزق بخشنے والی دیوی، اور ان سب سے بلند تر آمن راع تھا یعنی سورج دیوتا۔

نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشو و نما پا چکا تھا اور تاجداران مصر نے نیم الٰہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی ان کا لقب "فاراع" اس لیئے ہوا کہ وہ "راع" یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔

(ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۶۲، ۶۴) و دائرۃ المعارف للبستانی جلد ۵ مادہ "رع"

Marfat.com

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون اور اس کے درباریوں کے اس تعجب اور حیرانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور اپنے سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا "رب العٰلمین" وہ ہستی ہے جسکی ربوبیت کے اثر سے تیرا اور تیرے باپ کا وجود بھی خالی نہیں ہے یعنی جس وقت تو عالم وجود میں نہ آیا تھا تو تجھ کو پیدا کیا اور تیری تربیت کی اور اسی طرح وہ تجھ سے پہلے تیرے آباؤاجداد کو عالم وجود میں لایا اور ان کو اپنی ربوبیت سے نوازا، فرعون نے جب اس مسکت اور زبردست دلیل کو سُنا اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو درباریوں سے کہنے لگا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو خود کو تمہارا پیغمبر اور رسول کہتا ہے مجنون اور پاگل ہے" حضرت موسیٰؑ نے جب یہ دیکھا کہ اس سے اب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو سوچا یہ بہتر ہے کہ اور زیادہ دل نشین پیرایۂ بیان میں خدا کی ربوبیت کو واضح کیا جائے اس لئے فرمایا "یہ جو مشرق و مغرب اور اس کے درمیان ساری کائنات نظر آتی ہے اس کی ربوبیت جس کے ید قدرت میں ہے اسی کو میں "رب العٰلمین" کہتا ہوں، تم اگر ذرا بھی عقل و سمجھ سے کام لو تو بآسانی اس حقیقت کو پا سکتے ہو۔

غرض حضرت موسیٰ اللہ رب العٰلمین کے حکم کے مطابق برابر شیریں کلامی، نرم گفتاری اور رفق و لطف کیساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کو راہِ حق دکھاتے اور رسالت کا فرض ادا فرماتے رہے اور فرعون کی تحقیر و توہین اور مجنون جیسے سخت الفاظ کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے اس کی رشد و ہدایت کیلئے بہترین دلائل اور مسکت جوابات دیتے رہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ○ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ○ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ○ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ	بولا فرعون کیا معنیٰ ہیں پروردگار عالم کے؟ کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرو، بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو؟ کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا، بولا تمہارا پیغام لانیوالا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے، کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو

Marfat.com

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر ان کے بیچ میں موجود ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

ایک مرتبہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یاد دلایا کہ جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے "رب العالمین" ہی وہ ذات ہے جو قابل پرستش ہے اور کسی انسان کا دعویٰ "ربوبیت" کھلا ہوا شرک ہے تو اس سے باز آ کیونکہ اس ہستی نے "جس کو میں رب العالمین کہہ رہا ہوں" ہم پر یہ وحی نازل کی ہے کہ جو شخص اس قول حق کی خلاف ورزی اور تکذیب کریگا اور اس سے منہ موڑیگا وہ خدا کے عذاب کا مستحق ٹھہریگا۔

فرعون نے پھر وہی پہلا جواب دیا "اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں ایسی لاجواب بات کہی کہ فرعون حیران رہ گیا اور پہلو بدل کر بات کا رُخ دوسری جانب پھیرنے کی اس طرح سعی کرنے لگا جس طرح باطل کوش مناظرین کا قاعدہ ہے کہ جب صحیح جواب نہ بن پڑے اور حقیقت حال صاف سامنے آجائے تو پھر اس کو دبانے کے لئے کجروی کے ساتھ بات کا رُخ دوسری جانب پھیر دیا کرتے ہیں

بہرحال حضرت موسیٰ نے فرمایا "ہمارا پروردگار تو وہ ایک ہی پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کا وجود بخشا اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں (حواس و عقل وغیرہ) دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ کھول دی، جس نے ہر شئی کو نعمت جسم و وجود عطا کی اور پھر سب کو منزل کمال کی طرف چلنے کی راہ دکھائی"، تب فرعون نے لاجواب ہو کر بات کا رُخ یوں بدلا کہنے لگا۔ فما بال القرون الاولیٰ "تو پھر پہلے زمانہ کے لوگوں کا حال کیا ہوا" مطلب یہ تھا کہ اگر تیری یہ بات صحیح ہے تو پھر ہم سے پہلے لوگ اور ہمارے باپ دادا جن کا عقیدہ تیرے عقیدے کے مطابق میں نہ تھا کیا وہ سب عذاب میں گرفتار ہیں اور سب جھوٹے تھے حضرت موسیٰ فرعون کی کج بحثی سمجھ گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ یہ اصل مقصد کو الجھانا چاہتا ہے اس لئے فوراً جواب دیا، علمها عند ربی فی کتب لا یضل ربی ولا ینسیٰ "انپر کیا گذری اور انکے ساتھ خدا کا کیا معاملہ رہا اس کی فی منہ نہ مجھ پر ہے اور نہ تجھ پر ان کا علم میرے پروردگار کے پاس محفوظ ہے ہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میرا پروردگار

بھول چوک اور خطا سے پاک ہے جس نے جو کچھ کیا ہے اس کے معاملہ میں کوئی بھول یا ظلم نہ ہوگا"
اس کے بعد حضرت موسیٰ نے پھر گفتگو کو اصل مسئلہ کی طرف پھیر دیا اور رب العالمین کے اوصاف کا ذکر کر کے مسئلہ کی حقیقت کو اچھی طرح واضح اور مستحکم بنایا۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۝ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ (طٰہٰ)

جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے، تو ہم پر وحی اُتر چکی اس کے لئے عذاب کا پیام ہے (چنانچہ وہ گئے، اور) فرعون نے پوچھا "اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر اس پر زندگی و عمل کی راہ کھولدی" فرعون نے کہا پھر اُنکا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گذر چکے ہیں؟ موسیٰ نے کہا اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتہ میں ہے میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے یا بھول میں پڑ جائے "وہ پروردگار جس نے تمہارے لئے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی، نقل و حرکت کے لئے اس میں راہیں نکال دیں، آسمان سے پانی برسایا، اس کی آبپاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دیے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ۔ اس بات میں عقل والوں کے لیے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟ اس نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹنا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اُٹھائے جاؤ گے۔

ہندوستان کے ایک مشہور معاصر عالم نے سورۂ طٰہٰ کی آیت "اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ" میں "ہدایت" کے معنی رہنمائی حواس و عقل تسلیم کرتے ہوئے مفسرین کو یہ محل مورد طعن بنایا ہے کہ انہوں نے قرآن عزیز کی آیت زیر بحث کی روح کو نہ پاتے ہوئے غلطی سے یہاں بھی ہدیٰ کے معنی ہدایت دین و مذہب کے لیے ہیں، اور گویا صرف انہوں نے ہی سب سے پہلی مرتبہ اس روح

Marfat.com

کو پہچانا اور اس حقیقت پر آگاہی حاصل کی ہے۔ حالانکہ چند مفسرین کے علاوہ قدیم اور جدید عام مفسرین اور محققین نے بھی اس مقام پر "ہدیٰ" کے وہی معنی بیان کئے ہیں جنکو اچھوتا اور طبعزاد بتایا گیا ہے[1]۔

علماءِ تفسیر کہتے ہیں کہ فرعون اور موسیٰ (علیہ السلام) کے ان مکالمات میں حضرت ہارونؑ دونوں کے درمیان ترجمان ہوتے اور حضرت موسیٰ کے دلائل و براہین کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

بہر حال مختلف مجالس میں مکالمت کا یہ سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان جاری رہا، فرعون، حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارون (علیہما السلام) کے روشن اور پُر از صداقت دلائل سُن سُن کر اگرچہ پیچ و تاب کھاتا مگر لاجواب ہوجانیکی وجہ سے کوئی صورت نہیں بنتی تھی کہ موسیٰ (علیہ السلام) سے رستگاری حاصل کرے، وہ خوب جانتا تھا کہ میری ربوبیت اور الوہیت کی بنیاد اس قدر کمزور ہے کہ دلائلِ موسیٰ کی صداقت کے سامنے تارِ عنکبوت کی طرح تار تار ہوجاتی ہے اور درباری بھی اسکو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے فرعون کیلئے یہ بات سخت ناقابلِ برداشت تھی اور جس قلمرو میں اس کے رعبِ شاہی اور دبدبۂ حکومت کیسا تھ اسکی ربوبیت والوہیت کا جاہ وجلال بھی مانا جاتا ہو وہاں موسیٰؑ اور ہارونؑ کی یہ جراتِ حق اندر ہی اندر اسکو سخت خائف اور پریشان کررہی تھی، اس لئے فرعون نے اب اس سلسلۂ بحث کو ختم کرنے کیلئے دوسرے طریقے اختیار کیئے جن میں اپنی طاقت و قہرمانیت کا زور، مصری قوم کو موسیٰ اور بنی اسرائیل کے خلاف مشتعل کرنا، اور "رب العلمین" سے جنگ کا اعلان کرکے اس بحث کا خاتمہ کردینا شامل ہے۔

چنانچہ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي - (قصص) — اور فرعون نے کہا اے جماعت میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا۔

[1] "ثم ہدیٰ" الی طریق الانتفاع والارتفاق بما اعطاہ وعرفہ کیف یتوصل الی بقاءہ وکمالہ اما اختیارا کما فی الحیوانات او طبعا کما فی الجمادات۔ الخ روح المعانی جلد ۱۶ ص ۱۸۳۔

اور پھر (اپنے مشیر یا وزیر) ہامان کو حکم دیا۔

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ (قصص)

اے ہامان! اینٹیں پکا اور ایک بہت بلند عمارت بنا شاید اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کا پتہ لگا سکوں اور میں تو بلا شبہ اسکو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ۝ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ۝ (غافر)

فرعون نے کہا" اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر تاکہ میں آسمانوں کی بلندیوں اور ان کے ذرائع تک دسترس حاصل کر سکوں اور اس طرح موسیٰ کے خدا کا حال معلوم کر سکوں اور میں تو اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں، اسی طرح فرعون کیلئے اس کی بدعملی کو خوبصورت کر دیا گیا اور وہ راہِ حق سے (بدعملی پر اصرار کی وجہ سے) روک دیا گیا اور فرعون کے مکر کا آخری انجام ہلاکت ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر (نوراللہ مرقدہٗ) موضح القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آیت "ماعلمت لکم من الٰہ غیری" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہری (ناستک) تھا اور کتب تفسیر و تاریخ میں جو مصر قدیم کے تاریخی حوالجات نقل کیے گئے ہیں ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ مصری دیوتاؤں کے پرستار تھے اور انکا سب سے بڑا دیوتا "آمن راع" (سورج دیوتا) تھا اور وہ خدائے واحد کے کسی معنی میں بھی قائل نہ تھے بلکہ تمام کائنات کی تخلیق اور اُن کے ہر قسم کے معاملات و حادثات کا تعلق کواکب و سیارات اور ان دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھتے تھے۔ غالباً فرعون اور اسکی قوم کا عقیدہ ہندوستان کے جین مت کے قریب قریب تھا کیونکہ جینی بھی خدا کے منکر مگر دیوتاؤں کے پرستار ہیں۔

ہامان؟ | ہامان کے متعلق قرآن عزیز نے کوئی تصریح نہیں کی کہ یہ کسی شخصیت کا نام ہے یا عہدہ اور منصب کا اور اسکا منصب و عہدہ فرعون کے دربار میں کیا تھا، اور نہ اُس نے اُس پر

Marfat.com

روشنی ڈالی کہ ہامان نے عمارت تیار کرائی یا نہیں اور فرعون نے پھر اُس پر چڑھ کر کیا کیا؟ کیونکہ یہ اس کے مقصد کے لئے غیر ضروری تھا۔ تورات نے بھی اسکے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا، بلکہ اُس نے فرعون کے عمارت بنانے کے حکم کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ مفسّرین نے یہ قصہ ضرور نقل کیا ہے کہ جب ہامان نے ایک بہت اونچا مینارہ تیار کر کے فرعون کو اطلاع دی تو فرعون اس پر چڑھا اور تیر کمان ہاتھ میں لے کر آسمان کی طرف تیر پھینکا، قدرتِ الٰہی کے فیصلہ کے مطابق وہ تیر خون آلود ہو کر واپس ہوا، فرعون نے یہ دیکھ کر غرور اور شیخی کے ساتھ مصریوں سے کہا کہ لو اب میں نے موسیٰ کے خدا کا بھی قصہ تمام کر دیا، واللہ اعلم

فرعون نے درباریوں، عام قبطیوں اور ہامان پر حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں اپنی شکست کو چھپانے کے لئے اگرچہ مسطورۂ بالا طریقہ اختیار کیا مگر وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ یہ ایک دھوکا ہے اور بس، اس سے دلوں کی تسلی نہیں ہو سکتی، اور بہت ممکن ہے کہ بہت سے مصری بھی اس کو سمجھتے ہوں تاہم درباریوں اور خواص و عوام میں ایک بھی ایسا "رجل رشید" نہ تھا جو جرأت و حق گوئی کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کر دیتا اور رشد و ہدایت کی قبولیت کا دروازہ

فرعون کے دربار میں "آیات اللہ" کا مظاہرہ

غرض فرعون کا خدشہ بڑھتا ہی رہا اس کو حق و باطل کی اس کشمکش میں اپنے لئے سخت خطرہ نظر آ رہا تھا اس لئے اس نے معاملہ کو صرف یہیں ختم نہیں کر دیا بلکہ ضروری سمجھا کہ اپنی سطوت و جبروت اور قہرمانیت کا اثر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر بھی ڈالے اور اس طرح اُن کو مرعوب کر کے پیغام حق کے فرض سے انکو باز رکھے چنانچہ کہنے لگا "موسیٰؑ! اگر تو نے میرے سوائے اور کسی کو معبود قرار دیا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دونگا" حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "اگرچہ میں تیرے پاس خدائے واحد کی جانب سے واضح نشان لے آیا ہوں تب بھی تیرے غلط راستے کو اختیار کر لوں؟" فرعون نے کہا "اگر واقعی تو اس بات میں سچا ہے تو کوئی "نشان" دکھا۔"

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوائے کسی کو معبود بنایا

مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (شعراء)	میں تجھے ضرور قید کردونگا، موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس ظاہر نشان لایا ہوں تب بھی؟ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو وہ نشان دکھا۔
قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (اعراف)	فرعون نے کہا اگر تو اپنے خدا کے پاس سے کوئی نشانی لایا ہے تو اس بارے میں سچا ہے تو لا وہ نشان دکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بھرے دربار میں فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا، اسی وقت اس نے اژدہا کی شکل اختیار کرلی اور یہ حقیقت تھی نظر کا دھوکا نہ تھا اور پھر حضرت موسیٰؑ نے اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لیجاکر باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہوا نظر آرہا تھا۔ یہ دوسری نشانی اور دوسرا معجزہ تھا۔

فرعون کے درباریوں نے جب اس طرح ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست کو دیکھا تو بلبلا اٹھے اور کہنے لگے "بلاشبہ یہ بہت بڑا ماہر جادوگر ہے اور اس نے یہ سب ڈھونگ اس لئے رچا ہے کہ تم پر غالب آکر تمکو تمہاری سرزمین (مصر) سے باہر نکال دے، لہذا اب ہم کو سوچنا ہے کہ اس کے متعلق کیا ہونا چاہیئے" آخر فرعون اور فرعونیوں کے باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ فی الحال تو اسکو اور ہارون کو مہلت دو اور اس دوران میں تمام قلمرو سے ماہر جادوگروں کو دارالسلطنت میں جمع کرو اور پھر موسیٰ کا مقابلہ کراؤ۔ بلاشبہ یہ شکست کھا جائیگا اور اس کے تمام ارادے خاک میں ملجائینگے تب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا "موسیٰؑ ہم خوب سمجھ گئے کہ تو اس حیلہ سے ہمکو سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہذا اب تیرا علاج اس کے سوائے کچھ نہیں ہے کہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کرکے تجھ کو شکست دلائی جائے اب تیرے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے دن کا معاہدہ ہونا چاہیئے۔ اور پھر نہ ہم اس سے ٹلینگے اور نہ تو وعدہ خلافی کرنا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کام کے لئے سب سے بہتر وقت "یوم الزینہ" (جشن کا روز) ہے، اس دن سورج بلند

Marfat.com

ہونے پر ہم سب کو میدان میں موجود ہونا چاہیے۔

فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝	پس موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی کو ڈالا پھر اچانک وہ اژدہا تھی صاف
وَنَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ھِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝	اور ظاہر اور اس نے ہاتھ کو گریبان سے نکالا تو دیکھنے والوں کے
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ ھٰذَا	لئے چمکتا ہوا روشن تھا، فرعونیوں کی ایک جماعت نے کہا
لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ	بلاشبہ یہ ماہر جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین
اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِہْ	(مصر) سے نکال دے۔ پس تمہارا کیا مشورہ ہے انھوں نے کہا
وَاَخَاہُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝	اسکو اور اس کے بھائی ہارون کو مہلت دو اور شہروں میں ایک
یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ۝ (اعراف)	جماعت کو بھیجو جو ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے لائے۔
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِھِمْ مُّوْسٰی وَھٰرُوْنَ	پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو بھیجا، فرعون
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِہٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَکْبَرُوْا	اور اس کے درباریوں کی طرف وہ ہماری نشانیاں اپنے ساتھ
وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَھُمُ	رکھتے تھے، مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا۔
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ ھٰذَا لَسِحْرٌ	ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔ پھر جب ہماری جانب سے سچائی
مُّبِیْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا	ان میں نمودار ہو گئی تو کہنے لگے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔
جَآءَکُمْ اَسِحْرٌ ھٰذَا وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ	کہ جادو ہے۔ صریح جادو" موسیٰ نے کہا "تم سچائی کے حق میں جب وہ
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ	نمودار ہو گئی، ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر
اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی	تو کبھی کامیابی نہیں پا سکتے انھوں نے جواب میں کہا کیا تم اس
الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ	لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے
قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِکُلِّ سٰحِرٍ	دیکھا اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کیلئے سرداری
عَلِیْمٍ ۝ (یونس)	ہو جائے؟ ہم تو تمہیں ماننے والے نہیں اور فرعون نے کہا لاؤ میرے پاس ہر قسم کے ماہر ساحر
قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ	اُس نے کہا اے موسیٰؑ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے
یٰمُوْسٰی ۝ فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِہٖ فَاجْعَلْ	زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرے؟ اچھا تو

Marfat.com

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ (طٰہٰ)

بھی اسی طرح کے جادو کا کرتب لا دکھائیں گے ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) مقرر کر دے نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو، دونوں کی جگہ برابر ہوئی، موسیٰ نے کہا "جشن کا دن تمہارے لئے مقرر ہوا، دن چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔

غرض حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان "یوم الزینۃ" طے پا گیا اور فرعون نے اُسی وقت اپنے اعیان وارکان کے نام احکام جاری کر دیئے کہ تمام قلمرو میں جو مشہور اور ماہر جادوگر ہوں اُن کو جلد از جلد دارالحکومت روانہ کر دو۔

نجار مصری کہتے ہیں کہ غالباً "یوم الزینۃ" سے مصریوں کی عید کا وہ دن مراد ہے جو "وفاء النیل" کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ انکے یہاں تمام عیدوں میں سب سے بڑی عید کا دن یہی تھا۔[1]

ساحرینِ مصر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی بعثت کا زمانہ مصری تمدن کی جو تاریخ پیش کرتا ہے اس میں یہ بات بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ مصری علوم و فنون میں "سحر" کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت حاصل تھی اور اسی بنا پر ساحرین کا رتبہ مصریوں میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اُن کو شاہی دربار میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا اور جنگ و صلح، پیدائش و وفات کی زائچہ کشی اور اہم سرکاری معاملات میں بھی اُنہیں کی جانب رجوع کیا جاتا تھا۔ اور ان کے ساحرانہ نتائج کو بڑی وقعت دی جاتی تھی، حتیٰ کہ مذہبی معاملات میں بھی ان کو اہم جگہ دی جاتی تھی، قدیم شاہی مقبروں میں ممی (حنوط شدہ نعشوں) کے ساتھ جو کاغذات و دستاویزات برآمد ہوئی ہیں اور اُن حجروں میں جو تصاویر و نقوش پائے جاتے ہیں ان سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔

قدیم قوموں کی عام گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی رہی ہے کہ وہ جادو پر مذہبی حیثیت سے اعتقاد رکھتے اور اس کو اپنی مذہبی زندگی میں اثر انداز یقین کرتے تھے اور اسی اعتقاد کے پیشِ نظر وہ اس کو سیکھتے اور سکھاتے بھی تھے اور اس میں طرح طرح کی ایجادات و اختراعات کرتے رہتے تھے، چنانچہ بابل، عراق، مصر، چین اور ہندوستان کی تاریخ اسکی

[1] قصص الانبیاء۔

Marfat.com

شاہد ہے۔

یہی وجہ تھی کہ مصری قوم پر فرعون اور اس کے اعیان و ارکانِ حکومت کا یہ جادو چل گیا کہ موسیٰؑ جادوگر ہے، اور یہ اپنے جادو کی مہارت کے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر مصری حکومت پر قابض ہونا اور تم کو اس سے خارج کر دینا چاہتا ہے اور اب اسکا ایک ہی علاج ہے کہ اپنے قلمرو کے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے موسیٰؑ کو شکست دے دی جائے اور اسکی اس چال کو بادِ ہوا بنا دیا جائے، موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بات کو اسلئے غنیمت جانا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جس قدر نشانات (معجزات) فرعون اور قوم فرعون کو دکھا چکے تھے اُنہوں نے انکو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ یہ تو جادو اور سحر ہے، لہٰذا اب جبکہ ساحروں اور جادوگروں سے مقابلہ کے بعد بھی خدا کا معجزہ غالب رہیگا، تو ناچار ان کو صداقت اور حق کے سامنے جھکنا پڑیگا اور اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہیگا، نیز یہ سوچا کہ اگر "وحی الٰہی" کے یقین اور روشن حجت و برہان کے ذریعہ "آیات اللہ" (معجزات) کی صداقت کا کافی یقین دلایا جا چکا ہے تاہم فرعون اور اعیان سلطنت ہمیشہ ان واقعات کو سحر اور جادو کہہ کر عوام کو اصل حقیقت سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے رہے یا شاید حسد اور تعصب نے خود ان کو بھی حقیقی روشنی سے محروم رکھا بس اگر جشن کے روز خواص و عوام کے مجمع میں ساحر اور جادوگر عاجز ہو کر میری صداقت کا اقرار کر لیں تو پھر کسی کو بھی لب کشائی کا موقع نہ رہیگا اور برسرِ عام حق کا مظاہرہ منصب تبلیغ کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔"

سحر: لغت میں "سحر" کے معنی امرِ مخفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں، چنانچہ صبح کے اول وقت کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نمودار نہیں ہوئی اور رقدرے تاریکی ہے اور علمی اصطلاح میں ایسے عجیب و غریب امور کا نام ہے جن کے وجود پذیر ہونے کے اسباب نظر سے اوجھل ہوں اور بادی النظر میں محسوس نہ ہوتے ہوں۔

اعلم ان لفظ السحر فی عرف الشرع مختص بکل امر یخفی سببہ و یتخیل علی غیر — واضح رہے کہ لفظ "سحر" شریعت کی اصطلاح میں ایسے امر کے لئے مخصوص ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور وہ اصل حقیقت

Marfat.com

کے خلاف خیال میں آنے لگے۔

"سحر" کی حقیقت کچھ ہے یا وہ محض نظر کا دھوکا اور بے حقیقت شئی ہے؟ اس کے متعلق جمہور علماء اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ سحر واقعی ایک حقیقت ہے اور مضرت رساں اثرات رکھتا ہے۔ حق تعالے نے اپنی حکمتِ بالغہ اور مصلحتِ کاملہ کے پیش نظر اس میں اسیطرح مضر اثرات رکھدیئے ہیں جس طرح زہر میں یا دوسری نقصان رساں ادویہ میں، یہ نہیں ہے کہ "سحر" قدرتِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر "العیاذ باللہ" خود موثر بالذات ہے کیونکہ یہ عقیدہ تو کفرِ خالص ہے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہؒ، ابو بکر جصاص صاحب احکام القرآن، ابو اسحق اسفرائنی شافعی علامہ ابن حزم ظاہری اور معتزلہ کہتے ہیں کہ "سحر" کی حقیقت شعبدہ نظر بندی، اور فریب خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے بلاشبہ وہ ایک باطل اور بے حقیقت شئی ہے چنانچہ ابو بکر رازی فرماتے ہیں:۔

ومتیٰ اطلق فھو اسم لکل امرٍ مموہٍ باطلٍ لا حقیقۃ لہٗ ولا ثبات ؎۲	اور جب "سحر" کو کسی قید کے بغیر استعمال کیا جائے تو وہ ایک ایسے امر کا نام ہے جو محض دھوکا اور باطل ہو کہ جسکی اس سے زیادہ نہ کوئی حقیقت ہو اور نہ اس کو ثبات حاصل ہو

اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

وقد ذکر الوزیر ابو المظفر یحییٰ بن محمد بن ھبیرۃ فی کتابہ الاشراف فی مذھب الاشراف "باباً فی السحر فقال اجمعوا علیٰ ان السحر لہ حقیقۃ الا اباحنیفۃؒ فانہ قال لا حقیقۃ لہ عندہٗ ؎۳	اور وزیر ابو المظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ نے اپنی کتاب "الاشراف فی مذہب الاشراف" میں ایک باب سحر کے متعلق بھی رکھا ہے اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ سحر کی بھی حقائق کی طرح ایک حقیقت ہے مگر امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ قطعاً بے حقیقت شئی ہے۔
قال ابو عبد اللہ القرطبی وعندنا ان السحر حق ولہ حقیقۃ و یخلق اللہ	ابو عبد اللہ قرطبی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سحر حقیقت ہے اور ایک واقعی شئی اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے جو چاہتا ہے پیدا

؎۱ تفسیر کبیر جلد ا ص ۴۲۰ ؎۲ احکام القرآن جلد ا ص ۴۸ ؎۳ تفسیر ابن کثیر جلد ا ص ۱۴۷

Marfat.com

عندہ ما یشاء خلافاً للمعتزلۃ وابی	کردیتا ہے مگر معتزلہ اور شوافع میں سے ابو اسحٰق اسفرائنی اس
اسحٰق الاسفرائینی من الشافعیۃ	قول کے مخالف ہیں' وہ کہتے ہیں کہ سحر محض فریب نظر اور
حیث قالوا انہ تمویہ او تخییل الخ[1]	خیال بندی کا نام ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

واختلف فی السحر فقیل ھو تخییل	اور سحر کے متعلق اختلاف ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ فقط تخییل کا
فقط ولا حقیقۃ لہ وھذا اختیار ابی جعفر	نام ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ ابو جعفر شافعی، ابوبکر
الاستراٰبادی من الشافعیۃ وابی بکر	رازی حنفی اور ابن حزم الظاہری اور ایک چھوٹی جماعت
الرازی من الحنفیۃ وابن حزم الظاھری	کا خیال ہے' اور نووی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ "سحر" حقائق
وطائفۃ قال النووی والصحیح ان لہ	میں سے ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور اسی پر یقین رکھتے
حقیقۃ وبہ قطع الجمھور وعلیہ عامۃ العلماء[2]	ہیں اور عام علماء کا یہی مسلک ہے۔

اور جو علماء سحر کو "حقیقت" تسلیم کرتے ہیں ان کے درمیان پھر یہ اختلاف رائے ہے کہ کیا خدائے تعالیٰ نے "سحر" میں تاثیر بخشی ہے کہ وہ حقائق اور ماہیات میں بھی انقلاب کر دے یا مضرت رساں اشیاء کی طرح صرف نقصان دہ ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اسکے اثر سے انسان کی حقیقت گھوڑے میں تبدیل ہو جائے یا گدھا مثلاً انسان ہو جائے۔ بس ایک چھوٹے سے گروہ کا خیال یہ ہے کہ اس کے اندر انقلاب ماہیت کی تاثیر بھی ودیعت ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس میں تاثیر قطعاً ودیعت نہیں اور سحر کے ذریعہ کسی بھی ماہیت کا انقلاب نہیں ہوتا بلکہ اس مرحلہ پر وہ محض نظر بندی اور قوت متخیلہ کی شعبدہ بازی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لکن محل النزاع ھل یقع بالسحر انقلاب	لیکن محل نزاع یہ امر ہے کہ سحر سے ذات کا انقلاب ہو جاتا ہے
عین اولا فمن قال انہ تخییل فقط	یا نہیں پس جس شخص نے یہ کہا ہے کہ محض تخییل کا نام ہے وہ

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۴۷

[2] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۸۲۔

Marfat.com

منهم ذلك ومن قال ان له حقيقة اختلفوا هل له تاثير فقط بحيث يغير المزاج فيكون نوعاً من الامراض او ينتهي الى الاحالة بحيث يصير الجماد حيواناً مثلاً وعكسه فالذي عليه الجمهور هو الاول وذهبت طائفة قليلة الى الثاني الخ [۱]

تو انقلاب کے منکر ہیں اور جو سحر کو حقیقت مانتے ہیں وہ اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں آیا سحر کی تاثیر اسی حد تک ہے کہ مزاج میں اس قسم کے تغیرات پیدا کر دے جس طرح امراض میں ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایک مرض شمار ہو یا اس کی تاثیر اس سے زیادہ ہے کہ ایک شئی کی حقیقت کو بدل ڈالے مثلاً جماد کو حیوان بنا دے یا اس کا عکس کر دے پس جمہور پہلی بات کے قائل ہیں اور ایک چھوٹی سی جماعت دوسری بات کی،

اور اس تمام ابن وآں کے بعد ساحرین فرعون کے اس ساحرانہ مظاہرہ کے متعلق جو جشن کے دن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلہ میں کیا گیا حافظ ابن حجرؒ تصریح کرتے ہیں کہ تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ محض تخییل اور تمویہ کی حد تک تھا۔ اور ابوبکر جصاصؒ اور ابن حجرؒ دونوں یہ تفصیل کرتے ہیں کہ ساحرین فرعون کی لاٹھیاں اور چمڑے کی رسیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ان کے اندر پارہ بھر دیا گیا تھا اور جس زمین میں یہ مظاہرہ کیا گیا تھا اس کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر آگ بھر دی گئی تھی، چنانچہ وقت معین پر نیچے کی گرمی سے پارہ میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی طرح دوڑتی نظر آنے لگیں [۲]

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں "سحر" پر بحث کرتے ہوئے لغوی معنی کے پیش نظر ان تمام اشیا کو بھی اقسام سحر میں شمار کرایا ہے جو عام نگاہوں میں تعجب خیز اور حیرت زا سمجھے جاتے ہیں مثلاً مسمریزم، ہپناٹزم، تعویذات، حیرت زا نقاشی اور سائنس کی حیرت زا ایجادات اور دنیا کے مختلف عجائبات حتیٰ کہ مقرر کی جادو بیانی کو بھی اس عمومیت میں شامل کر لیا ہے۔ ایک موقعہ

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴، احکام القرآن جلد ۱ ص ۵۰۔ [۲] یہ تفصیل ہے ان اقوال کی جو سحر کے متعلق علما سلف وخلف میں دائر رہے ہیں ہم نے فریقین کے دلائل اور ان سے متعلق معرکۃ الآراء مباحث کو اس مقام پر قصداً ترک کر دیا ہے اس لئے کہ اس حیثیت سے اس مسئلہ کو چھیڑنا ایسی طوالت کا باعث ہے جو ہم کو کتاب کے مقصد سے دور لیجاتا ہے اور اختصار کے ساتھ بیان کرنا بجائے فائدہ کے نقصان دہ نظر آتا ہے۔

Marfat.com

پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے:-

اِنَّ مِنَ البیان لسحراً[1] — بلاشبہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

پس یہ واضح رہے کہ ان اقسام کا اُس "سحر" سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہیں ہے جو مذہب اور اخلاق کی نگاہ میں مذموم، گمراہی یا کفر سمجھا جاتا ہے۔

سحر اور مذہب فقہائے اسلام نے "سحر" کے متعلق تصریح کی ہے کہ جن اعمال سحر میں شیاطین، ارواح خبیثہ اور غیر اللہ سے استعانت کی جائے اور اُن کو حاجت روا قرار دے کر منتروں کے ذریعہ ان کی تسخیر سے کام لیا جائے تو وہ شرک کے مترادف ہے اور اس کا عامل کافر ہے۔ اور جن اعمال میں ان کے علاوہ دوسرے طریقے استعمال کئے جائیں اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے ان کا مرتکب حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

قرآن عزیز میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے واقعہ میں مذکور ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ — اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کیا سکھاتے تھے وہ لوگوں کو سحر۔

اور حدیث میں ہے:-

اِنَّ الرّسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال اجتنبوا الموبقات الشرك باللہ والسحر[2] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہلک باتوں سے بچو یعنی شرک سے اور جادو سے۔

اور حافظ ابن حجرؒ "حدیث سحر" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال النووی عمل السحر حرام وھو من الکبائر بالاجماع وقد عدّہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من السبع الموبقات ومنہ مایکون کفراً ومنہ لایکون کفراً بل معصیۃ کبیرۃ فان — نوویؒ کہتے ہیں عمل سحر حرام ہے اور وہ بالاجماع کبائر میں سے ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سات مہلک چیزوں میں سے شمار کیا ہے اور سحر کی بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں مگر سخت معصیت ہیں پس

---

[1] بخاری جلد ۲ باب السحر [2] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۸۳۔

Marfat.com

کان فیہ قول او فعل یقتضی الکفر فھو کفر و	سحر کا کوئی منتر یا کوئی عمل کفر کا مقتضی ہو تو وہ کفر ہے ورنہ نہیں
الا فلا و اما تعلمہ و تعلیمہ فحرام الخ[1]	بہرحال سحر کا سیکھنا اور سکھانا قطعاً حرام ہے

معجزہ اور سحر میں فرق

علماء اسلام میں یہ بحث ہمیشہ سے معرکۃ الآراء رہی ہے کہ "سحر" اور معجزہ میں کیا فرق ہے؟ ایک شخص یہ کیسے اندازہ لگائے کہ یہ نبی و پیغمبر کا معجزہ ہے یا ساحر اور جادوگر کا سحر اور جادو؟ اس سلسلہ میں جو اہم علمی دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں اس کے لئے "علم کلام" کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے خصوصاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کی کتاب النبوات اور شیخ محمد سفارینی کی شرح عقیدۂ سفارینی قابل مطالعہ ہے۔ البتہ اس مقام پر ایک سہل الوصول اور آسان دلیل پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

نبی اور رسول کا اصل معجزہ اس کی وہ تعلیم ہوتی ہے جو وہ گم گشتگان راہ حق اور بھٹکی ہوئی قوموں کی ہدایت کے لئے "نسخہ کیمیا" اور دینی و دنیوی فلاح و کامرانی کے لئے "بے نظیر قانون" کی شکل میں پیش کرتا ہے یعنی کتاب اللہ لیکن جس طرح ارباب علم و حکمت اس کے لائے ہوئے علوم و حکم اور بتائی ہوئی رشد و ہدایت کی صداقت و کمال کو پرکھتے ہیں اسی طرح عام انسانی دنیا کی سرشت و نہاد اس پر قائم ہے کہ وہ سچائی اور صداقت کے لئے بھی بعض ایسی چیزوں کے خواہشمند ہوتے ہیں جو لانے والے کے روحانی کرشموں سے تعلق رکھتی ہوں اور جن کے مقابلہ سے تمام دنیوی طاقتیں عاجز ہو جاتی ہوں کیونکہ ان کا مبلغ علم کسی صداقت کے لئے اسی کو معیار قرار دیتا ہے۔

اس لئے "سنۃ اللہ" یہ جاری رہی ہے کہ وہ انبیاء و رسل کو دین حق کی تعلیم و پیغام کے ساتھ ایک یا چند "نشانات" (معجزات) بھی عطا کرتا ہے اور جب وہ دعویٰ نبوت کے ساتھ بغیر اسباب کے ایسا "نشان" دکھاتا ہے جس کا کوئی دنیوی طاقت مقابلہ نہیں کر سکتی تو اس کا نام "معجزہ" ہوتا ہے۔

اور اسی لئے یہ بھی "سنۃ اللہ" ہے کہ کسی نبی و رسول کو جو معجزہ یا نشان دیا جاتا ہے وہ اسی نوع میں سے ہوتا ہے جس میں اس قوم کو جس کو کہ سب سے پہلے اس پیغمبر نے خطاب کیا ہے" درجہ

---

[1] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۰۳

کمال حاصل ہو۔ اور وہ اس کے تمام دقائق سے بخوبی آگاہ ہو تاکہ اس کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو سکے کہ پیغمبر کا یہ نشان انسانی اور بشری طاقت سے بالاتر قوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر تعصب اور ہٹ دھرمی حائل نہ ہو تو وہ بے ساختہ یہ اقرار کرے کہ "ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ" اور اسی طرح ہر فرد بشر پر خدا کی حجت تمام ہو جائے۔

پس معجزہ دراصل براہ راست خدائے تعالیٰ کا فعل ہے جو بغیر اسباب کے ایک صادق کی صداقت کے لئے وجود میں آتا ہے، اور وہ کسی اصول و قوانین پر مبنی نہیں ہوتا کہ ایک فن کی طرح سیکھا جا سکے اور نبی ہر وقت اس کے کر دکھانے پر قادر ہو۔ تاوقتیکہ مخالفین صداقت کے سامنے بطور تحدی (چیلنج) اس کو دکھلانے کی ضرورت پیش نہ آجائے، سو جب وہ اہم وقت آتا ہے اور "نبی" خدا سے رجوع کرتا ہے تو خدائے تعالیٰ کی جانب سے اسکو کر دکھانے کی قوت عطا ہو جاتی ہے، بخلاف سحر اور جادو کے کہ وہ ایک "فن" ہے کہ جس کو اس کے اصول و قوانین کی پابندی کے ساتھ ہر فن داں ساحر ہر وقت کام میں لا سکتا ہے، اس کے اسباب اگرچہ عام نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن اس فن کے تمام واقفکار اس سے واقف ہیں اسی لئے وہ دوسرے علوم و فنون کی طرح مدون و مرتب فن ہے جس کو مصریوں، چینیوں اور ہندیوں نے بہت فروغ دیا اور حد کمال کو پہنچایا۔

یہ مسئلہ کی علمی حیثیت ہے کہ جس سے معجزہ اور سحر کی حدود قطعاً جدا اور ممتاز ہو جاتی ہیں رہا حس اور مشاہدہ کا معاملہ تو "معجزہ" اور "سحر" میں یہ فرق ہے کہ ساحر کی عام زندگی خوف و دہشت ایذا رسانی اور بدعملی سے وابستہ ہوتی ہے اور لوگ اس نظر سے ساحر سے خوف کھاتے ہیں یا اس کے سامنے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ بخلاف نبی اور رسول کے کہ اسکی تمام زندگی صداقت، خلق، مخلوقِ خدا کی ہمدردی، دنیگساری، اور تقویٰ و طہارت سے وابستہ ہوتی ہے اور اس کا کیرکٹر بے داغ اور صاف و روشن ہوتا ہے۔ اور وہ معجزہ کو پیشہ نہیں بناتا بلکہ خاص اہم موقع پر صدق اور حق کی حمایت میں اسکا مظاہرہ کرتا ہے اور وہ ایسے وقت معجزہ دکھاتا ہے جب کہ دشمن بھی اُس

Marfat.com

کی عصمت، صداقت اور کیرکٹر کی پاکیزگی کے پہلے سے معترف ہوتے ہیں مگر اس کی دعوت کو یا شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یا جحود و انکار کے نقطۂ نظر، اور پھر اس سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں، نیز اگر سحر اور معجزہ کا مقابلہ آن پڑے تو معجزہ غالب رہیگا اور اعلیٰ سے اعلیٰ سحر بھی مغلوب و عاجز۔ اور اس کا عکس محال اور ناممکن ہے چنانچہ ساحرین اور انبیاء و رسل کے مقابلہ کی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے۔

الحاصل موسیٰ (علیہ السلام) کو عصا، اور ید بیضا کے نشانات (معجزہ) اس لیے عطا کئے گئے کہ ان کے زمانے میں مصر سحر اور جادو کا مرکز تھا اور فن سحر شباب پر، اور مصریوں نے تمام دنیا کے مقابلہ میں اس کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔

لہذا "سنۃ اللہ" کا تقاضا تھا کہ ایسے زمانہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسے نشانات (معجزات) عطا کئے جائیں جو اسی نوع سے متعلق ہوں تاکہ جب انکار پر اصرار حد سے بڑھ جائے اور معاندین و مخالفین اپنے محیر العقول سحر اور جادو کے ذریعہ اُنکے مقابلہ پر آجائیں تو "آیات اللہ" مخالفوں کو یہ باور کرا دیں کہ موسیٰ کے پاس جو قوت و طاقت ہے وہ انسانی صنعتوں اور عجوبہ کاریوں سے بلند اور بشری دسترس سے باہر ہے۔ اور اس طرح عوام و خواص کو انکی صداقت اور اُن کے "من اللہ" ہونے کا یقین آجائے اور خواہ زبان اقرار کرے یا نہ کرے لیکن ان کا عجز اور اُن کی درماندگی علی رؤس الاشہاد ان کے دلوں کے اقرار کی شہادت دینے لگے۔

حضرت موسیٰ اور ساحروں کا مقابلہ

بہر حال یوم جشن آپہنچا، میدان جشن میں تمام شاہانہ کر و فر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہے، اور درباری بھی حسب مراتب قرینے سے بیٹھے ہیں اور لاکھوں انسان حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کو جمع ہیں، ایک جانب مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ اپنے ساز و سامان سحر سے لیس کھڑا ہے، اور دوسری جانب خدا کے رسول حق کے پیغامبر سچائی اور راستی کے پیکر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون (علیہما السلام) کھڑے ہیں، فرعون بہت مسرور ہے اور اس کو یقین ہے کہ ساحرینِ مصر ان دونوں کو جلد ہی شکست دیدینگے، ساحروں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور

Marfat.com

کہہ رہا ہے، اگر تم نے موسیٰؑ کو شکست دیدی تو نہ صرف انعام واکرام سے مالا مال کیے جاؤ گے بلکہ میرے دربار میں خاص جگہ پاؤ گے، ساحر بھی اپنی کامیابی کے یقین پر فرعون سے اپنے اعزاز واکرام کا وعدہ لے رہے ہیں، اور اس کے تصور سے بہت شاداں اور مسرور ہیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (اعراف) ۔

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا اگر ہم موسیٰ پر غالب آجائیں تو ہمارے لئے انعام واکرام ہے؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور اور یہی نہیں بلکہ تم مقربینِ بارگاہ شاہی ہو گے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (شعراء)

پھر وعدہ کے دن جادوگر جمع ہو گئے، اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم (اس میدان میں) جمع ہو گے، شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب رہیں سو جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کیا ہمارے لئے اجر ہے اگر ہم غالب رہیں؟ فرعون نے کہا ہاں اور تم اس صورت میں (ہمارے) مقربین میں سے ہو گے۔

جادوگروں نے جب اس طرف سے اطمینان کر لیا تو اب حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے مگر قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو چیلنج کریں حضرت موسیٰؑ نے حق تبلیغ ادا فرماتے ہوئے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا "تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو؟ تم ہم کو جادوگر کہہ کر خدا پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ، مجھ کو ڈر ہے کہیں وہ تم کو اس بہتان طرازی کی سزا میں عذاب دے کر جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے، کیونکہ جس کسی نے بھی بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا، لوگوں نے یہ سنا تو آپس میں رد و کد شروع کر دی اور سرگوشیاں کرنے لگے اور درباریوں نے یہ حال دیکھا تو جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگے یہ دونوں بھائی بلاشبہ جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور تم پر غلبہ کر لیں، تم اپنا کام شروع کرو اور پرے باندھ کر موسیٰؑ کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ آج جو بھی غالب آجائیگا وہی کامیاب ثابت ہو گا۔

Marfat.com

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝

موسیٰ نے کہا افسوس تم پر، دیکھو اللہ پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیجکر تمہاری جڑ اکھاڑ دے جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا پس لوگ آپس میں ردوکد کرنے لگے اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہوگئیں، پھر (درباری) بولے یہ دونوں بھائی ضرور جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور پھر تمہارے شرف اور تمہاری عظمت کے مالک ہو جائیں پس تم سارے داؤں جمع کرو اور پرا باندھ کر ڈٹ جاؤ جو آج بازی لے گیا وہی کامیاب ہوگا۔

(طٰہٰ)

جادوگروں نے آگے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ موسیٰ! اس قصہ کو چھوڑ اور یہ بتا کہ ابتدا تیری جانب سے ہوگی یا ہماری جانب سے؟ حضرت موسیٰؑ نے جب یہ دیکھا کہ ان پر اس تنبیہ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تو فرمایا کہ ابتدا تم ہی کرو، اور اپنے کمالِ فن کی پوری حسرت نکال لو، چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدہے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں حضرت موسیٰؑ نے یہ دیکھا تو دل میں خوف وہراس محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یہ تاثیر اور رعب قبول حق کے لئے سد راہ بنیگا، تب خدائے تعالیٰ نے انکو مطمئن فرمایا اور وحی کے ذریعہ مطلع کیا کہ موسیٰؑ خوف نہ کھاؤ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالو، موسیٰ (علیہ السلام) نے جب لاٹھی کو ڈالا تو اس نے ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا اور تھوڑی ہی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا، اور اس طرح ساحر اپنے سحر میں ناکامیاب رہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا

جادوگروں نے کہا "اے موسیٰؑ! تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری طرف سے پہل ہو۔ موسیٰؑ نے کہا، نہیں تم ہی پہلے پھینکو چنانچہ

Marfat.com

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ
مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝ فَأَوْجَسَ
فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ
إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ۝ وَأَلْقِ مَا فِي
يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا
كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ
أَتَىٰ ۝ (طٰہٰ)

انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور اچانک موسیٰ کو ان کی جادو کی وجہ سے
ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی طرح دوڑ
رہی ہیں، موسیٰ نے دل میں ہراس محسوس کیا کہ اس منظر سے
لوگ متاثر نہ ہو جائیں، ہم نے کہا، اندیشہ نہ کر تو ہی غالب رہیگا،
تیرے دائیں ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک دے جادوگروں کی
تمام بناوٹیں نگل جائیگی، انہوں نے جو کچھ کیا ہے محض جادوگروں کا
فریب ہے اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن
نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝ قَالَ أَلْقُوا
فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَ
اسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ
فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَوَقَعَ
الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَغُلِبُوا
هُنَالِكَ وَانقَلَبُوا صَاغِرِينَ (اعراف)

جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تم اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہم پھینکیں
موسیٰ نے کہا تم ہی پہلے پھینکو، پھر جب جادوگروں نے جادو کی بنائی
ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی نگاہیں جادو سے مار دیں
اور اپنے کرتبوں سے انہیں دہشت پھیلا دی اور بہت بڑا جادو بنا لائے
اور اسوقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو جونہی اُسنے لاٹھی
پھینکی تو اچانک کیا ہوا کہ جو کچھ جھوٹی نمائش جادوگروں کی تھی سب اُسی نگل کر
نابود کر دی۔ پس حق قائم ہو گیا اور وہ جو عمل کر رہے تھے باطل ہو کر رہ گیا
پس اس موقعہ پر وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ
أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ فَلَمَّا أَلْقَوْا
قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ
اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ
عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ
بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ (یونس)

جب جادوگر آموجود ہوئے تو موسیٰ نے کہا "تمہیں جو کچھ میدان میں
ڈالنا ہے ڈال دو" جب انھوں نے جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں
ڈال دیں، تو موسےٰ نے کہا تم جو کچھ بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے اور
یقیناً اُسے اللہ ملیا میٹ کر دیگا، اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ
مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا، وہ حق کو اپنے احکام کے مطابق
ضرور ثابت کر دکھائیگا، اگرچہ مجرموں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے

Marfat.com

جادوگروں نے "جو کہ اپنے فن کے ماہر و کامل تھے" جب عصاء موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور جس کو اس وقت تک فرعون اور اس کے درباری لوگ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے وہ اس کو نہ چھپا سکے اور انہوں نے برسر مجلس یہ اقرار کرلیا کہ موسیٰ کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے کیونکہ وہی "رب العلمین" ہے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ)	پس سب جادوگر سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔
وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (اعراف)	اور سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے، کہنے لگے ہم تو جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔

فرعون نے جب یہ دیکھا "کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہو گیا، اور موسیٰ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے" تو اس نے مکر و فریب کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاذ ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی، تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا، اچھا میں تم کو عبرتناک سزا دونگا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرأت نہ ہو، پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤنگا اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤنگا

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ	فرعون نے کہا "تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟
اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ	ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اچھا دیکھو
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ	میں کیا کرتا ہوں میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤنگا
مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ	اور کھجور کے تنوں پر سولی دونگا، پھر تمہیں پتہ چلیگا ہم دونوں میں کس

Marfat.com

جُذُوعِ النَّخۡلِ وَلَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰی (طٰہٰ) — سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیر پا ہے"

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ اِنَّ ہٰذَا لَمَکۡرٌ مَّکَرۡتُمُوۡہُ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡہَاۤ اَہۡلَہَا فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (اعراف)

فرعون نے کہا مجھ سے اجازت لئے بغیر تم موسیٰؑ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ ایک پوشیدہ تدبیر ہی جو تم نے مل جل کر شہر میں کی ہی تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو، اچھا تھوڑی دیر میں تمہیں اس کا نتیجہ معلوم ہوجائیگا۔

مگر سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہوجاتا ہی" خواہ وہ ایک لمحہ کا ہی کیوں نہ ہو" وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کردیتا ہی کہ کائنات کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت بھی اسکو مرعوب نہیں کرسکتی۔ دیکھیئے، وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعام واکرام اور عزت وجاہ کی آرزوئیں اور التجائیں کر رہے تھے۔ ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بیخوف ہوگئے کہ ان کے سامنے سخت سے سخت مصیبت اور دردناک سے دردناک عذاب بھی ہیچ ہوکر رہ گیا اور کوئی دہشت بھی انکے ایمان کو متزلزل نہ کرسکی اور انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اسلام کا اعلان کردیا۔ اور جب انہوں نے فرعون کی اس جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو کہنے لگے:۔

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ۝ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَکۡرَہۡتَنَا عَلَیۡہِ مِنَ السِّحۡرِ وَاللّٰہُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ۝ (طٰہٰ)

انہوں نے کہا" ہم یہ کبھی نہیں کرسکتے کہ سچائی کی جو روشن دلائل ہمارے سامنے آگئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہی اس سے منہ موڑکر تیرا حکم مان لیں تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہی کرگذر تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرسکتا ہی وہ یہی ہی کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کردے ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے کہ وہ ہماری خطائیں بخشدے خصوصًا جادوگری کی خطا کہ جس پر تونے ہمیں مجبور کیا تھا ہمارے لئے اللہ ہی بہتر ہی اور وہی باقی رہنے والا ہی۔

قَالُوۡا لَا ضَیۡرَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ۝ اِنَّا — جادوگروں نے کہا" تیرا یہ عذاب ہمارے لئے، کوئی نقصان کی بات نہیں

Marfat.com

نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (شعراء)

بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانے والے ہیں بیشک ہم اسکے حریص ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو بخشدے کیونکہ ہم ہوگئے مومنین اول

غرض حق و باطل کی اس کشمکش میں فرعون اور اس کے اعیان و ارکان کو سخت شکست اٹھانی پڑی اور وہ برسرعام ذلیل و رسوا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور کامیابی کا سہرا ان ہی کے سر رہا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر جادوگروں کے علاوہ اسرائیلی نوجوانوں میں سے بھی ایک مختصر جماعت مسلمان ہوگئی مگر وہ فرعون کے ظلم و ستم کی وجہ سے اعلان نہ کرسکی کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ اس کی عام قاہرانہ ستم کیشیوں اور ظلم پرستیوں کے علاوہ اس وقت کی ذلت نے اس کو اور زیادہ غضبناک بنا دیا تھا۔

حضرت موسیٰ نے ان کو تلقین فرمائی کہ اب مومن ہونے کے بعد تمہارا سہارا صرف خدا پر ہونا چاہیئے جماعت مومنین نے اس پر لبیک کہا اور وہ خدا کے سامنے گڑگڑا کر رحمت و مغفرت کی دعائیں اور ظالموں کے عذاب و معصیت سے محفوظ رہنے کی التجائیں کرنے لگے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (یونس)

پھر موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا، مگر صرف ایک گروہ جو اس قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوکہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈالدے اور اس میں شک نہیں کہ فرعون سرزمین مصر پر متمردانہ قابض اور ظلم و استبداد میں بالکل چھوٹ تھا اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "لوگو اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اسکی فرمانبرداری کرنی چاہتے ہو تو چاہیئے کہ صرف اسی پر بھروسہ کرو اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو پس انہوں نے کہا ہم صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمکو ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈال اور ہم کو اپنی رحمت سے منکروں سے نجات دے۔

Marfat.com

الحاصل فرعون حضرت موسیٰ کی روحانی قوت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر بیحد مرعوب ہو گیا اور اگرچہ وہ جادوگروں پر اپنے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتا رہا لیکن حضرت موسیٰؑ سے اس وقت کچھ کہنے کی مطلق ہمت نہ پڑی اور درباریوں اور ارکان سلطنت نے جب یہ احتجاج کیا کہ تو موسیٰؑ کو قتل کیوں نہیں کرا دیتا کیا اسکو اور اسکی قوم کو یہ موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ مصر میں فساد پھیلائیں اور تجھکو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں؟ تو کہنے لگا کہ تم گھبراتے کیوں ہو میں اسرائیلیوں کی طاقت کو بڑھنے نہ دونگا اور مقابلہ کے قابل ہی نہ رکھونگا۔ اب ہی یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ ان کی اولاد نرینہ کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرو اور صرف لڑکیوں کو چاکری کے لئے زندہ رہنے دو۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ۝ (اعراف)

اور فرعون کی قوم میں سے ایک جماعت نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی چھوڑ دیگا کہ وہ زمین (مصر) میں فساد کرتے پھریں اور تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکرائیں فرعون نے کہا ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دینگے اور ان کی لڑکیوں کو (باندیاں بنانے کے لئے) زندہ رکھینگے اور ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں۔ اور وہ ہمارے ہاتھوں میں بے بس ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (غافر)

اور بلاشبہ ہم نے فرعون ہامان اور قارون کی طرف موسیٰ کو رسول بنا کر اور واضح نشان دے کر بھیجا پس انھوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا۔ پھر جب وہ ہمارے پاس سے ان کے پاس حق لے کر آیا تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس (موسیٰ) پر ایمان لے آئے ہیں ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو باقی رہنے دو اور (انجام کار) کافروں کا مکر و فریب باطل و برباد ہو کر رہا۔

گویا فرعون کا یہ دوسرا اعلان تھا جو بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل سے متعلق کیا گیا۔

Marfat.com

تاریخ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جب کسی قوم پر غلامی کی حالت میں صدیاں گذر جاتی ہیں تو اس کی زبوں خالی اور پستی کے حدود یہیں ختم نہیں ہو جاتے کہ وہ مفلس و بدحال ہوں اور کاہل پریشان بال بلکہ ان کے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ ان کے قوائے دماغی بیکار، مضمحل اور ناکارہ ہو جاتے ہیں، ان میں سے ہمت و شجاعت مفقود ہو جاتی ہے اور وہ پستی پر ہی قناعت کر لیتے ہیں، ناامیدی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے اور ذلت و نکبت کو وہ صبر و قناعت سمجھنے لگتے ہیں، اسلئے جب کوئی مصلح یا پیغمبر و رسول اس دماغی و عملی پستی سے نکالنے کے لئے ان کو پکارتا اور ہمت و شجاعت پر آمادہ کرتا ہے تو یہ ان کے لئے سب سے مشکل اور ناممکن العمل پیغام نظر آتا ہے اور کبھی وہ اس راہ کی سختیوں سے گھبرا کر آپس میں دست بگریباں ہونے لگتے، اور کبھی اپنے نجات دہندہ پر شک و شبہ کی نگاہ ڈالنے لگتے ہیں اور اگر اس جد و جہد میں ان کو کوئی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے تو وقار اور سنجیدگی سے بھی گذر کر اظہار مسرت کرنے لگتے ہیں، اور اگر اس راہ میں کوئی آزمائش اور مصیبت کا سوال آپڑتا ہے تو مصلح یا پیغمبر کو الزام دینے لگتے ہیں کہ ہم کو خواہ مخواہ تو نے اس مصیبت میں پھنسایا ہم تو اپنی حالت پر ہی صابر و شاکر تھے۔

یہی حال بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ کو تبلیغ حق سے لے کر مصر سے خروج کے وقت تک جو حالات پیش آئے وہ اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ کو جب فرعون اور اس کے درباریوں کی گفتگو کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے صبر اور توکل الی اللہ کی تلقین کی بنی اسرائیل نے سن کر جواب دیا کہ موسیٰ! ہم پہلے ہی سے مصیبتوں میں گرفتار تھے اب تیرے آنے پر کچھ امید بندھی تھی مگر تیرے آنے کے بعد بھی وہی مصیبت باقی رہی۔ یہ تو سخت آفت کا سامنا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے تسلی دی کہ خدا کا وعدہ سچا ہے، گھبراؤ نہیں تم ہی کامیاب ہو گے اور تمہارے دشمن کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ زمین کا مالک فرعون یا اسکی قوم نہیں ہے بلکہ ربّ

Marfat.com

العالمین اور مختارِ مطلق خدا ہی ہے پس وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے اس کا مالک بنا دے اور انجام کار یہ انعام متقیوں کا ہی حصہ ہے۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ (اعراف)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، بلاشبہ زمین اللہ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور انجام (کی کامیابی) متقیوں کے لئے ہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا" تیرے آنے سے پہلے بھی ہم مصیبت میں تھے اور تیرے پیغام لانے کے بعد بھی مصیبت ہی میں گرفتار ہیں" موسیٰ نے کہا، "وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو برباد کردیگا اور تم کو اس زمین کا خلیفہ بنا دیگا اور پھر دیکھیگا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے مسلمانوں سے کہا کہ فرعون کے مظالم کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا، اور بنی اسرائیل اور قبطی مومنوں کو آزادی کے ساتھ مصر سے چلے جانے پر راضی نہیں ہے اسلئے خدا کے فیصلہ تک تم سرزمین مصر ہی میں اپنے گھروں کو مساجد بنالو اور انکو قبلہ رُخ کر کے خدائے واحد کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ کہ خدا کی وحی کا یہی فیصلہ ہے، اور ساتھ ہی خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی، یا الٰہا! فرعون اور فرعونیوں کو تو نے جو دولت و سطوت عطا فرمائی ہے اس پر شکر یہ ادا کرنے کے بجائے وہ تیرے بندوں پر جبر اور ظلم و ستم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور تیری راہِ حق کو نہ یہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں بلکہ جبر و تشدد سے کام لے کر ان کے آڑے آتے ہیں لہذا اب تو ان کے مظالم کا ذائقہ چکھا، اور انکی اس دولت و ثروت کو تباہ و ہلاک کر دے جس پر یہ نازاں ہیں، اور جسطرح یہ ایمان کی سچائی کو ٹھکرا رہے ہیں تو بھی ان کو ایمان کی دولت کے بجائے اب ایسا دردناک عذاب دے کہ اُن کی داستان دوسروں کے لئے عبرت بن جائے۔

Marfat.com

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّءَا	اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے
لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا	مصر میں مکان بناؤ اور ان کو قبلہ رُخ تعمیر کرو اور انہیں نماز قائم کرو۔
بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ	اور جو ایمان لائے ہیں انہیں کامیابی کی بشارت دو۔ اور موسیٰ
بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ o وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ	نے دعا مانگی "خدایا تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو
اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ	اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت
اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا	کی شوکتیں بخشی ہیں، تو خدایا! کیا یہ اسلئے ہے کہ تیری راہ سے
عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ	یہ لوگوں کو بھٹکائیں، خدایا ان کی دولت زائل کر دے اور
وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا	ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ کریں
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ o قَالَ	کہ جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اللہ نے
قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا	فرمایا "میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی تو اب تم اپنی راہ میں
وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا	جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو میرا طریق کار
يَعْلَمُوْنَ o (یونس)	نہیں جانتے۔

فرعون نے اپنے سرداروں سے اگرچہ اطمینان کا اظہار کر دیا تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کے روحانی غلبہ کا خیال اس کو اندر ہی اندر گھلائے ڈالتا تھا اور بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کے قتل کے حکم سے بھی اس کو سکونِ قلب نصیب نہ تھا، آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ موسیٰ کو قتل کیے بغیر یہ معاملہ ختم نہیں ہوگا لہٰذا سرداروں اور ندیموں سے ایک روز کہنے لگا "کہ اگر موسیٰؑ کو میں یونہی چھوڑے رکھا تو مجھے یہ خوف ہے کہ یہ تمہارے دین کو بھی آہستہ آہستہ بدل ڈالیگا اور تمام مصر میں فساد مچا دیگا اب یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت موسیٰؑ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایسے متکبر و مغرور سے کیا ڈرتا ہوں جو خدا کے یوم حساب سے نہیں ڈرتا، میرا پشت پناہ تو وہ ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تم سب کا بھی، میں صرف اُسی کی پناہ چاہتا ہوں۔

Marfat.com

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی	اور فرعون نے کہا مجھے موسیٰؑ کو قتل ہی کر لینے دو اور اس کو
وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ	چاہئے کہ اپنے رب کو پکارے میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے
دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ	دین کو بدل ڈالے یا زمین میں فساد برپا کر دے اور موسیٰ نے
وَقَالَ مُوْسٰۤی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ	کہا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر اس متکبر
مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ	سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا ۔

(مومن)

فرعون اور اس کے سردار جب اس گفتگو میں مصروف تھے تو اس مجلس میں ایک مصری "مردِ مومن" بھی تھا جس نے ابھی تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اُس نے جب یہ سنا تو اپنی قوم کے ان افراد کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کی جانب سے مدافعت کی کوشش شروع کی، اور انکو سمجھایا کہ تم ایسے شخص کو قتل کرنے چلے ہو جو یہ سچی بات کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور جو تمہارے سامنے اپنی صداقت پر بہترین دلائل و نشانات لایا ہے، اور بالفرض اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ سے تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچ رہا ہے اور اگر وہ سچا ہے تو پھر اس کی اُن وعیدوں سے ڈرو جو وہ تم کو خدا کی جانب سے سناتا ہے"۔

فرعون نے مردِ مومن کا کلام قطع کرتے ہوئے کہا کہ میں تم کو وہی مشورہ دے رہا ہوں جس کو اپنے خیال میں درست سمجھتا ہوں اور تمہاری بھلائی کی بات کہہ رہا ہوں ۔

مردِ مومن نے آخری نصیحت کے طور پر پھر کہا "اے میری قوم! مجھے یہ خوف ہے کہ ہمارا حال کہیں اُن پچھلی قوموں کا سا نہ ہو جائے جو قومِ نوح، عاد و ثمود کے نام سے مشہور ہیں یا اُن کے بعد جو قومیں آئیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا، بلکہ ان قوموں کی ہلاکت خود اپنے اسی قسم کے اعمال کی بدولت پیش آئی تھی، جو آج تم موسیٰ کے خلاف سوچ رہے ہو، تم تو آج دنیا کی وجاہت کے سوچ میں پڑے ہو اور میں تمہارے لیے اس دن سے ڈر رہا ہوں جب قیامت کا دن ہو گا اور سب ایک دوسرے کو پکاریں گے مگر اس وقت تمہیں کوئی حمد

کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا ۔

اے قوم کے سردارو! تمہارا حال تو یہ ہے کہ اس سرزمین میں جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خدا کا پیغام سنایا تھا تب بھی تم یعنی تمہارے باپ دادا اسی شک و تردد میں پڑے رہے اور ان پر ایمان نہ لائے اور جب اُن کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ اب خدا اپنا کوئی رسول نہیں بھیجیگا اب یہی معاملہ تم موسیٰ کے ساتھ کر رہے ہو خدارا سمجھو اور سیدھی راہ اختیار کرو۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۔ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۔ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۔ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۔ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ

اور بولا ایک مرد ایمان دار فرعون کے لوگوں میں سے جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا ہمارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی، اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑیگا اس کا جھوٹ، اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑیگا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے کرتا ہے۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا جو ہو بے لحاظ جھوٹا۔ اے میری قوم آج تمہارا راج ہے غالب ہو رہے ہو ملک میں پھر کون مدد کریگا ہماری اللہ کی آفت سے اگر آگئی ہم پر! بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں تم کو جو سوجھی مجھکو اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے اور کہا اس ایماندار نے اے میری قوم میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر، اور اے میری قوم میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن چیخ و پکار کا جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر، کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانیوالا۔

Marfat.com

اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ
مِنْ ھَادٍ ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ
بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ
بِهٖ ؕ حَتّٰٓی اِذَا ھَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ
مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰہُ
مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ
اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ
یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ (ربع)
وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِكُمْ
سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِهِ الْحَیٰوةُ
الدُّنْیَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ ھِیَ دَارُ
الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی
اِلَّا مِثْلَهَا ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝
وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ
وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ
بِهٖ عِلْمٌ ز وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ
الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ

اور جسکو غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اسکو سمجھانیوالا۔
اور تمہارے پاس آچکا ہی یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں
لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں اُن چیزوں سے جو وہ
تمہارے پاس لے کر آیا یہانتک کہ جب مرگیا، لگے کہنے
ہرگز نہ بھیجیگا اللہ اُس کے بعد کوئی رسول، اسی طرح بھٹکاتا
ہی اللہ اسکو جو ہو بےباک شک کرنے والا۔ وہ جو کہ جھگڑتے
ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو انکو بڑی
بیزاری ہو اس جھگڑے سے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں
کے یہاں اسی طرح مُہر لگادیتا ہی اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے
اور کہا اس ایماندار نے اے قوم راہ چلو میری پہنچا دوں تمکو
نیکی کی راہ پر اے میری قوم یہ جو زندگی ہو دنیا کی سو کچھ فائدہ
اُٹھالینا ہی اور وہ گھر جو پچھلا ہو وہی ہی جم کر رہنے کا گھر
جس نے کی ہی بُرائی تو وہی بدلا پائیگا اس کی برابر اور جس
نے کی ہی بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو
وہ لوگ جائیں گے بہشت میں روزی پائینگے وہاں بیشمار
اور اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تم کو نجات
کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھکو آگ کی طرف
تم چاہتے ہو مجھکو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے
اور شریک ٹھہراؤں اس کا، اس کو جس کی مجھ
خبر نہیں، اور میں بُلاتا ہوں تم کو اُس زبردست
گناہ بخشنے والے کی طرف، آپ ہی ظاہر ہی کہ جسکی طرف

Marfat.com

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۔ (مومن)

تم مجھ کو بلاتے ہو اس کا بُلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہو اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے وہی ہیں دوزخ کے لوگ سو آگے یاد کروگے جو میں کہتا ہوں تم کو اور میں سونپتا ہوں اپنا معاملہ اللہ کو، بیشک اللہ کی نگاہ میں ہیں سب بندے

جب فرعون اور اس کے سرداروں نے اس مردِ مومن کی یہ باتیں سنیں تو اُن کا رُخ موسیٰ (علیہ السلام) سے ہٹ کر اس کی طرف ہوگیا اور فرعونیوں نے چاہا کہ پہلے اس ہی کی خبر لیں اور اس کو قتل کردیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس ناپاک ارادہ میں ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ (مومن)

سو اللہ تعالیٰ نے اُس کو ان کی تدبیروں کے شر سے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو بُرے عذاب نے آلیا آگ جہنم ہو جس پر صبح شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت آجائیگی۔ (تو کہا جائیگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

تورات میں اگرچہ گذشتہ واقعات کا اکثر حصہ مذکور رہے مگر دو باتوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا ایک فرعون کے اس دوسرے حکم کا ذکر نہیں ہو کہ بنی اسرائیل کی اولادِ نرینہ کو قتل کیا جائے اور دوسرے اس واقعہ کا کہ فرعون کی قوم میں سے بھی بعض آدمی ایمان لائے تھے اور ان میں سے ایک مردِ مومن نے فرعون اور اپنی قوم کو حضرت موسیٰ کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کی، ان کو دین کی تبلیغ کی اور سچائی کو قبول کرلینے کی دعوت دی۔

بظاہر اس دوسرے واقعہ کے ترک کردینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہو کہ بنی اسرائیل کو فرعون اور فرعونیوں کے مظالم کی وجہ سے انتہائی رنج و غصہ تھا اور اس نے بغض و کینہ کی شکل اختیار کرلی تھی لہذا اس نے اجازت نہ دی کہ اس قوم کے کسی فرد کے لیے بھی یہ ثابت کریں کہ اس میں سعادت اور حمایتِ حق کی روح موجود تھی۔

Marfat.com

فرعون کا دعوئے ربوبیت والوہیت

فرعون اور اس کے سرداروں کا موسیٰ (علیہ السلام) کو شکست دینے میں جب کوئی مکروفریب اور غیظ و غضب کام نہ آیا اور ارادۂ قتل کے باوجود موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی تو اب فرعون نے دل کا بخار نکالنے کا یہ طریقہ نکالا کہ ایک جانب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی توہین کے درپے رہتا اور دوسری جانب یہ اعلان کرتا کہ تمہارا "رب اعلیٰ" اور "معبود" میرے علاوہ کوئی نہیں ہے موسیٰ ؑ بن دیکھے خدا کو رب بتا رہا ہے اور میں یاں صد ہزار شوکت و سطوت تمہارے سامنے موجود ہوں، چنانچہ "مصری قوم" پر جو اثر حضرت موسیٰ کے "آیات بیّنات" دیکھ کر ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا اور دنیوی شوکت و سطوت کی مرعوبیت اور عزت و جاہ کی حرص میں دب کر رہ گیا۔ اور اسطرح وہ سب حضرت موسیٰ ؑ اور بنی اسرائیل کی مخالفت میں پھر فرعون کے ہم نوا ہو گئے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ	اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا اے قوم! کیا میں مصر کے تاج
اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ	تخت کا مالک نہیں ہوں اور میری حکومت کے قدموں کے نیچے
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ	یہ نہریں بہہ رہی ہیں، کیا تم (میرے اس جاہ و جلال کو) نہیں دیکھتے
اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ	(اب بتاؤ) کیا میں بلند و بالا ہوں یا یہ جس کو نہ عزت نصیب اور جو
وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ	بات بھی صاف نہ کر سکتا ہو (اگر یہ اپنے خدا کے یہاں عزت والا ہے) تو کیوں
اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ	اس پر (آسمان سے) سونے کے کنگن نہیں گرتے یا فرشتے ہی اسکے
الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ	سامنے پرے باندھ کر کھڑے نہیں ہوتے۔ پس عقل کھو دی فرعون نے
قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا	اپنی قوم کی سو انہوں نے اسی کی اطاعت کی اور تھے وہ نافرمان
فٰسِقِيْنَ ۝ (زخرف)	بندے۔

فرعون نے اس جگہ بلند و بالا ہونے کا معیار دو باتوں پر رکھا اور عام طور پر دنیا کو مقصد زندگی سمجھنے والوں کی یہی شان رہی ہے، ایک دولت و ثروت، دوسرے دنیوی جاہ و حشم اور دونوں فرعون کے پاس موجود تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس نہ تھے۔

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہٗ) نے ان دونوں باتوں کو موضح القرآن میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے:-

"وہ آپ کنگن پہنتا تھا جو اہر کے مکلف، اور جس امیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا اور اس کے سامنے فوج کھڑی ہوتی تھی پرا باندھ کر" [1]

اس لئے اس نے انہی باتوں کا ذکر کیا کہ اگر موسیٰؑ کا خدا مجھ سے الگ کوئی اور ہستی ہے تو وہ موسیٰ کو سونے کے کنگن آسمان سے کیوں نہیں برساتا اور فرشتے اسکے جلو میں پرا باندھ کر کیوں کھڑے نہیں ہوتے اور چونکہ قوم کی نگاہ میں دینی و دنیوی عزت کا معیار یہی تھا اس لئے فرعون کا داؤں ان پر چل گیا اور انہوں نے یک زبان ہو کر فرعون کی اطاعت کا دوبارہ اعلان کر دیا، یہ بدبخت یہ نہ سمجھے کہ خدائے تعالیٰ کے یہاں عزت کا معیار "صدق و خلوص" اور خدا کی "وفادارانہ عبودیت" ہے نہ کہ دنیوی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت، البتہ جو شخص اصل عزت کو حاصل کر لیتا ہے تو خدائے تعالیٰ یہ چیزیں بھی اس کے قدموں پر نثار کر دیتا ہے اور صرف دنیوی عظمت پر اترانے والوں کو ابدی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا چنانچہ آخر میں یہی صورت موسیٰؑ اور اُن کی قوم بنی اسرائیل اور فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ پیش آئی۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ (زخرف)

پھر جب ہم کو غصہ آیا تو ہم نے (انکی بدکاریوں کا) بدلہ لیا پس ڈبو دیا اُن سب کو اور کر دیا گئے گذرے اور آنیوالی نسلوں کے واسطے ان کو کہاوت بنا دیا۔

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ (النازعات)

پس پیٹھ پھیر کر چل دیا پھر (قوم کو) جمع کیا، پھر پکارا اور کہنے لگا "میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں" پس اسکو پچھلے (آخرت کے) اور پہلے (دنیا کے) عذاب نے آپکڑا بلا شبہ اس واقعہ میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو خوف خدا رکھتا ہو۔

[1] فوائد سورۂ زخرف ۱۲۔

Marfat.com

مصریوں پر قہر خدا

غرض حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی رشد و ہدایت کا فرعون اور اس کے سرداروں پر مطلق اثر نہیں ہوا اور معدودے چند کے سوائے عام مصریوں نے بھی ان ہی کی پیروی کی اور صرف یہی نہیں بلکہ فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد قتل کی جانے لگی موسیٰ (علیہ السلام) کی توہین و تذلیل ہونے لگی! اور فرعون نے اپنی ربوبیت اور معبودیت کی زور شور سے تبلیغ شروع کردی تب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر وحی آئی کہ فرعون کو مطلع کردو کہ اگر تمہارا یہی طور طریق رہا تو عنقریب تم پر خدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس پر بھی دھیان نہ دیا تو ایک کے بعد دیگرے عذاب الٰہی آنے لگے۔ یہ دیکھکر فرعون اور اس کی قوم نے اب یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جب عذاب الٰہی کسی ایک شکل میں ظاہر ہوتا تو فرعون اور قوم فرعون حضرت موسیٰ ؑ سے وعدہ کرنے لگتی کہ اچھا ہم ایمان لے آئینگے تو اپنے خدا سے دعا کر کہ یہ عذاب جاتا رہے اور جب وہ عذاب جاتا رہتا تو پھر سرکشی و نافرمانی پر اتر آتے، پھر عذاب جب دوسری شکل میں آتا تو کہتے کہ اچھا ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے تیرے ساتھ روانہ کردینگے، دعا کر کہ عذاب دفع ہو جائے اور جب حضرت موسیٰ ؑ کی دعا سے ان کو پھر مہلت مل جاتی اور عذاب دفع ہو جاتا تو پھر اسی طرح مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے۔ اس طرح خدا کی جانب سے مختلف قسم کے نشانات ظاہر ہوئے اور فرعون اور قوم فرعون کو بار بار مہلت عطا ہوتی رہی لیکن جب انہوں نے اس کو بھی ایک مذاق بنالیا تب خدا کا آخری عذاب آیا اور فرعون اور اس کے سرکش سردار سب ہی غرق کردیے گئے۔

آیات اللہ کی تفصیل

اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بہت سے نشانات (معجزات) عطا فرمائے تھے جن کا ذکر بقرہ، اعراف، نمل، قصص، اسراء، طٰہٰ، زخرف، مومن، قمر اور النازعات میں مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے چنانچہ اسراء میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ — اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو نشانات واضح عطا کئے

فَاسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ — بنی اسرائیل سے دریافت کر کہ جب یہ نشانات انکے

Marfat.com

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ٭ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (اسراء)

تو حضرت موسیٰ سے فرعون نے یہ کہا اے موسیٰ بلاشبہ میں تجھ کو جادو کا مارا ہوا سمجھتا ہوں، موسیٰ نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ انکو بصیرتیں بنا کر آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوائے اور کسی نے نہیں اتارا اور (اس لئے) بلاشبہ اے فرعون میں تجھ کو ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔

اور طٰہٰ، نمل، زخرف اور النازعات میں شمار بتائے بغیر صرف "آیات" کہکر ذکر کیا گیا ہے، پھر کسی جگہ "آیات بینات" اور کہیں "آیاتٍ مفصلاتٍ" اور کسی موقعہ پر "الآیۃ الکبریٰ" اور کہیں صرف "آیاتنا" سے تعبیر کیا ہے۔

اور ان تفصیلی اور اجمالی تعبیرات کے علاوہ مسطورۂ بالا تمام سورتوں میں علیحدہ علیحدہ نشانات (معجزات) کا بھی ذکر موجود ہے۔ اور اگر ان سب کو یکجا جمع کیا جائے تو حسب ذیل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔

عصا، ید بیضا، سنین (قحط) نقص ثمرات (پھلوں کا نقصان) طوفان، جراد (ٹڈی دل)، قمل[1] (جوں) ضفادع (مینڈک) دم (خون)، فلق بحر (قلزم کا پھٹ کر دو حصہ ہو جانا) منّ و سلویٰ (حلوا و بٹیر) غمام (بادلوں کا سایہ) انفجار عیون (پتھر سے چشموں کا بہہ پڑنا) نتق جبل (پہاڑ کا اکھڑ کر سروں پر آجانا)، اور نزول تورات۔

پس مسطورۂ بالا مختلف تعبیرات و تفصیلات کی بنا پر مفسرین کو حیرانی ہے کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے "تسع آیات" کی تعیین بھی ہو جائے اور باقی آیات اللہ کی تفصیل بھی صحیح اسلوب پر باقی رہجائے چنانچہ قاضی بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ تشریح فرمائی کہ سورۂ اسراء

---

[1] مفسرین کہتے ہیں کہ جوں اور مینڈک کے عذاب کی صورت یہ تھی کہ برتنے، کھانے، پینے اور رہنے سہنے کی کوئی شیٔ اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جسکو ان دونوں نے فاسد اور خراب نہ کر دیا ہو۔ اور زندگی تلخ نہ کر دی ہو اور خون کے عذاب کی شکل یہ تھی کہ قلزم اور کنوؤں کا تمام پانی خون آلود ہو گیا تھا جسکو کسی حالت میں پیا نہ جاسکتا تھا

Marfat.com

میں جن "تسع آیات" کا تذکرہ ہے اُن سے وہ نشان (معجزات) مراد نہیں ہیں جو فرعون اور قوم فرعون کے مقابلہ میں بطور سرزنش، عذاب اور عبرت کے لئے بھیجے گئے بلکہ اس سے وہ احکام مراد ہیں جو بنی اسرائیل کو قلزم عبور کر لینے کے بعد دیئے گئے تھے اور اپنی اس تشریح کی تائید میں حضرت صفوان بن عسال رض کی حدیث پیش کی جسکا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو یہودیوں نے آپسمیں مشورہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوت کا امتحان لیا جائے اور مشورہ کے بعد آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو جو "تسع آیات" دیے تھے ان کی تشریح کیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ احکام یہ ہیں: ۱۔ شرک نہ کرنا، ۲۔ زنا نہ کرنا، ۳۔ ناحق کسی کو قتل نکرنا ۴۔ چوری نکرنا ۵۔ جادو نکرنا ۶۔ حکام رسی کے ذریعے جرم سے پاک انسان کو قتل نکرانا ۷۔ سود نہ کھانا ۸۔ پاک دامن کو تہمت نہ لگانا ۹۔ میدان جنگ سے نہ بھاگنا (شعبہ کو شک ہوگیا کہ نواں حکم یہی فرمایا یا کوئی اور) اور اے یہود تمہارے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ کہ سبت کی خلاف ورزی نہ کرنا[۱]

مگر ان مفسرین کی یہ تشریح اسلئے صحیح نہیں کہ اسرا میں "تسع آیات" کے ذکر کے ساتھ فرعون اور حضرت موسیٰ ع کا مقابلہ بھی درج ہے فرعون ان آیات کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اے موسیٰ! یہ جادو کا دھندا ہے اور حضرت موسیٰ فرماتے ہیں اے فرعون یہ اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں اور تو انکا کر کے ہلاکت میں پڑ رہا ہے پس اسجگہ "احکام" مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ انکا نزول خود ان مفسرین کے نزدیک بھی غرق فرعون کے بعد ہوا ہے، چنانچہ یہی اشکال ترمذی کی شرح پر بھی وارد ہوتا ہے۔ نیز یہ بات بھی خدشہ سے خالی نہیں کہ قرآن عزیز کی آیات زیر بحث میں "نو آیات" کا ذکر ہے اور صفوان رض کی حدیث میں دس احکام شمار کرائے ہیں تو یہ گنتی کا تعارض اور پھر احکام عشر کو "تسع آیات" کی تشریح بتانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

ان ہر دو اہم خدشات کے علاوہ اس قول اور حدیث صفوان کی تشریح پر جو بحث ...

---

[۱] ترمذی کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۱۵۹ [۲] تورات میں بھی ان احکام کا ذکر موجود ہے "اور اس نے ان لوحوں پر ان عہد کی باتوں کو یعنی موجودہ دس احکام کو لکھ کر" (خروج باب ۳۴ آیت ۲۸)

Marfat.com

لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ سورہ نمل میں تسع آیات کا ذکر کرتے ہوئے ید بیضا کو نو میں کا ایک بتایا گیا اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ یہ آیات (نشانات) فرعون اور قوم فرعون کی عبرت و بصیرت کے لئے بھیجے گئے تھے۔

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ	اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں وہ نکلیگا روشن بغیر
مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ	کسی مرض کے (یہ ان) نو آیات میں سے (ہے) جو فرعون اور اسکی
وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ (نمل)	قوم کے لئے (بھیجی گئیں) بلاشبہ تھے وہ نافرمان گروہ۔

پس قرآن عزیز کی اس صراحت کے بعد نہ حدیث انکارت سے خالی رہتی ہے اور نہ مفسرین کا یہ قول صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے حافظ حدیث ابن کثیرؒ نے اس حدیث کے متعلق یہ فرمایا ہے۔

فهذا الحديث رواه هكذا الترمذي والنسائي	پس اس حدیث کو اسطرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے اور
وابن ماجة وابن جرير في تفسيره من طرق	ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مختلف طریقوں سے شعبہ بن الحجاج
عن شعبة بن الحجاج به وقال الترمذي	سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے" مگر اس
حسن صحيح وهو حديث مشكل وعبد الله	حدیث میں اشکال ہے، اور عبد اللہ بن سلمہ راوی کے حفظ میں کچھ
بن سلمة في حفظه شيء وقد تكلموا فيه ولعله	خرابی ہے اور محدثین نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اور شاید
اشتبه عليه التسع الآيات بالعشر الكلمات	اسکو اشتباہ ہو گیا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ
وصايا في التوراة لا تعلق لها بقيام الحجة	دس احکام کو تسع آیات سمجھ کر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ
على فرعون والله أعلم ولهذا قال موسى	دیا حالانکہ وہ دس وصیتیں ہیں جو توراۃ میں بیان کی گئی ہیں
لفرعون لقد علمت ما أنزل هؤلاء	ان کا فرعون پر قیام حجت و دلیل سے مطلق کوئی تعلق نہیں (واللہ
إلا رب السموات والأرض بصائر أي	اعلم) اور تسع آیات میں قیام حجت مقصود ہے اسی لئے حضرت موسیٰ نے
حجة وأدلة على صدق ما جئتك به	فرعون سے یہ فرمایا تو خوب جانتا ہے کہ ان آیات (معجزات) کو آسمانوں
إني لأظنك يا فرعون مثبورا ۝	اور زمین کے پروردگار نے نہیں اتارا مگر عبرت و بصیرت کے
تفسیر ابن کثیر جلد ۶ ص ۱۱۲	لئے یعنی جو حق کا پیغام میں لیکر آیا ہوں اس کی تصدیق کیلئے

Marfat.com

حجت و دلیل بنا کر بھیجا ہے، اور میں بلاشبہ اے فرعون تجھ کو ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔

بہر حال یہ تشریح قطعاً مخدوش و مجروح ہے، اور بعض مفسرین نے اس کے خلاف "تسع آیات" کی تعیین میں ان ہی آیات (معجزات) کو شمار کرایا ہے جو عبرت و بصیرت اور مخالفین کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کی صداقت کے لئے عطا کئے گئے تھے، لیکن یہ اقوال بھی مختلف ہیں اور ان میں کافی انتشار موجود ہے۔ اس لئے کہ انہیں قبل از عبور اور بعد عبور نشانات کو خلط کر دیا گیا ہے البتہ ان سب اقوال میں قابل ترجیح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ تسع آیات سے مراد حسب ذیل "آیات اللہ" مُراد ہیں:۔

عصا، ید بیضا، سنین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم، اور حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ رضی اللہ عنہم بھی اسی کی تائید فرماتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جس قدر بھی آیات (معجزات) عطا کئے گئے۔ ایک حصہ بحرِ قلزم کے عبور سے قبل اور دوسرا حصہ عبور کے بعد سے متعلق ہے، اور پہلے حصہ کا تعلق اُن تمام واقعات سے ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کے درمیان پیش آئے اور معرکۂ حق و باطل کا باعث بنے اور یہ نو ہیں، ان میں سے عصا، اور ید بیضا آیاتِ کبریٰ ہیں۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (النازعات) پس دکھایا اس (فرعون) کو ایک بڑا نشان (یعنی عصا، کا نشان)

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں نکلیگا وہ روشن بغیر

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ (نمل) کسی مرض کے نو نشانات (معجزات) میں سے۔

اور باقی سات "آیاتِ عذاب" ہیں جس نے فرعون اور اہل مصر (قبطیوں) کی زندگی تنگ کر دی تھی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ نقصان میں تاکہ وہ نصیحت مانیں۔

Marfat.com

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف (الاعراف)

پھر جب پہنچی اُن کو بھلائی کہنے لگے یہ ہمارے لائق، اور اگر پہنچی بُرائی تو نحوست بتلاتے موسٰی کی اور اس کے ساتھ والوں کی سن لو اُن کی شومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے جو کچھ تو لائیگا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اس کی وجہ سے جادو کرے سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائینگے۔ پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور خون، بہت سی نشانیاں جُدا جدا دی۔

اور "آیاتِ بیّنات" کے دوسرے حصہ کا تعلق حضرت موسٰی (علیہ السّلام) اور بنی اسرائیل سے متعلق واقعات سے ہے جن میں سے بعض (معجزات) اُن کو ہلاکت سے محفوظ رکھنے اور رصدا قت موسٰی علیہ السّلام کو قوت دینے کے لئے ہیں۔ مثلاً من وسلوٰی کا نزول غمام (یا دلوں کا سایہ) اور انفجارِ عیون (پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا) اور بعض بنی اسرائیل کی سرکشی پر تہدید و تخویف کے لئے ہیں مثلاً نتق جبل (طور کے ایک حصہ کا اپنی جگہ سے اُکھڑ کر بنی اسرائیل کے سر پر آجانا)

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (بقرہ)

اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم پر من (حلوا شیریں) اور سلوٰی (بٹیریں) نازل کیا بس تم ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمکو رزق بنا کر دی ہیں

وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ (بقرہ)

اور (اے بنی اسرائیل) ہم نے تم پر بادل کا سایہ قائم کر دیا۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا (بقرہ)

اور جب موسٰی نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا اے موسٰی، تو پتھر پر اپنی لاٹھی مار۔ بس بہہ پڑے اس سے بارہ چشمے۔

اور دونوں قسم کے نشانات کے لئے حدِ فاصل وہ عظیم الشان نشان ہے جو فلقِ بحر (قلزم) کے ?

Marfat.com

ٹکڑے ہوکر راہ نکل آنا) کے عنوان سے معنون ہے، اور در اصل ظلم و قہر کی ہلاکت اور مظلومانہ زندگی کی نصرت وحمایت کے لئے ایک فیصلہ کن نشان تھا، یا یوں کہہ دیجئے کہ واقعاتِ قبل از عبور کے انجام اور بعد از عبور روشن آغاز کے لئے نمایاں حد فاصل کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اعراف، اسراء، طٰہٰ، شعراء، قصص، زخرف، دخان، اور الذاریات میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ تمام نشانات (معجزات) درحقیقت توطیہ اور تمہید تھے ایک ایسے عظیم الشان اور جلیل المرتبت نشان کے جو اس پوری تاریخ کا حقیقی مقصد اور بنیاد و اساس تھا اور وہ "نزول تورات" کا نشان اعظم ہے۔

وَاَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ — اور ہم نے اتاری تورات جس میں ہدایت اور نور (کا ذخیرہ) ہے

الحاصل ابن عباسؓ کا یہ اثر زیر بحث مسئلہ کے لئے قول فیصل ہے اسی لئے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:-

وَهٰذَا الْقَوْلُ ظَاهِرٌ جَلِيٌّ قَوِيٌّ[1] — اور یہ قول صاف ہے، واضح ہے، عمدہ ہے اور قوی ہے۔

بہر حال فرعون اور اس کی پیہم اور مسلسل سرکشی ظلم، حق کے ساتھ استہزاء، تمسخر، اور نافرمانی کے باعث خدائے تعالیٰ کی جانب سے مصریوں پر مختلف ہلاکتیں اور عذاب آتے رہے اور وقفہ کے ساتھ ان "نشانات" کا ظہور ہوتا رہا جب ایک عذاب آتا تو سب واویلا کرنے لگتے اور حضرت موسیٰ سے کہتے کہ اگر اس مرتبہ تو نے اپنے خدا سے کہہ کر اس عذاب کو ٹال دیا تو ہم سب ایمان لے آئینگے اور جب وہ ٹل جاتا تو پھر سرکشی شروع کر دیتے، آخر پھر دوسرا عذاب آپکڑتا اور پھر وہی صورت پیش آجاتی۔

اس تفصیلی واقعہ کا ذکر ابھی سورۂ اعراف کی آیات میں گذر چکا ہے۔

---

[1] تفسیر کثیر ج ۶ ص ۱۱۱

اس بحث کے لئے روح المعانی، ابن کثیر، تفسیر کبیر اور البحر المحیط خصوصیت کے ساتھ قابل مراجعت ہیں ان کے مطالعہ کے بعد مؤلف کے قول فیصل کی اہمیت و لطافت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

Marfat.com

ان آیات میں بیان کردہ نشانیوں میں سے قُمّل (جوں) اور ضفادع (مینڈک) کے متعلق علماء سیر نے لکھا ہے کہ ان دونوں چیزوں کی یہ حالت تھی کہ بنی اسرائیل کے کھانے پینے، پہننے اور برتنے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جن میں یہ موجود نظر نہ آتے ہوں حتیٰ کہ قوم فرعون کی عافیت تنگ ہو گئی اور وہ عاجز آ گئے، اور خون کے متعلق لکھا ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی رنگت کا ہو گیا تھا، اور اس کے ذائقہ نے اس کا پینا دشوار کر دیا تھا اور پانی میں مچھلیاں تک مر گئی تھیں۔ تورات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ	اور بیشک ہم نے موسیٰؑ کو نو ظاہر نشانات دیے پس اے محمد
فَاسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ	صلی اللہ علیہ وسلم، تو بنی اسرائیل سے دریافت کر کہ جب وہ انکے
فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى	پاس آیا تو فرعون نے موسیٰؑ سے کہا اے موسیٰؑ! میں تجھ کو جادو
مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ	کا مارا ہوا گمان کرتا ہوں" موسیٰؑ نے کہا" تو خوب جانتا ہے کہ
هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	آسمان و زمین کے پروردگار نے ان نشانات کو عبرتیں بنا کر اتارا ہے اور
بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا	اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ تو نے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال دیا ہے

(اسراء)

لہ قُمّل سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ وہ کیڑا مراد ہے جو اناج میں پیدا ہو کر اس کو خراب کر دیتا ہے (اردو میں اس کو سُرسُری کہتے ہیں اور انہی سے ایک روایت ہے کہ اس سے وہ چھوٹی ٹڈی مراد ہے جس کے پر نہیں ہوتے اور وہ بھی غلہ کو گھن لگا دیتی ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور ابن جریر کہتے ہیں کہ جوں کی طرح کا ایک کیڑا ہوتا ہے جو اونٹوں میں ہلاکت پیدا کرتا ہے اور راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ چھوٹی مکھی ہے جو انسانی صحت کے لئے بیحد مضرت رساں ہے۔

قُمّل عربی میں عام طور پر جوں کو کہتے ہیں۔ تورات میں اس جگہ جوں اور مکھی دونوں کا ذکر ہے لیکن ابن عباسؓ مجاہدؒ، قتادہؒ، عکرمہؒ، ابن جریرؒ اور راغبؒ جیسے ائمہ لغت اس لفظ کا اطلاق مسطورۂ بالا مختلف کیڑوں پر کر رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قُمّل اپنے معنی میں ان مصادیق کے لئے وسیع ہے۔ اس لئے ان تمام اطلاقات کی تطبیق کے لئے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر یہ عذاب نازل فرمایا کہ انسانوں پر جوئیں مسلط کر دیں، ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں چھوٹی مکھیوں کو پھیلا دیا۔ ان کے جانوروں میں ہلاک کرنیوالا کیڑا پیدا کر دیا اور ان کے اناج اور غلہ میں گھن لگا کر خراب کر دینے والی سُرسُری کی تباہی پھیلا دی۔ اور ان سب مہلک کیڑوں کو قرآن کے اعجاز نے قُمّل کی وسیع تعبیر میں بیان فرما دیا ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ	اور بیشک ہم نے فرعون کو اپنے سب نشانات (معجزے) دکھائے
وَاَبٰى ٥ (طٰہٰ)	پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار ہی کیا۔
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا	پھر جب انکے پاس ہمارے نشانات بصیرت کے لئے آپہنچے تو
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ وَجَحَدُوْا بِهَا وَ	وہ کہنے لگے "یہ تو صریح جادو ہے"، اور انہوں نے اپنے جی میں
اسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا	یقین رکھتے ہوئے کہ "یہ صحیح ہیں" ظلم اور غرور کی وجہ سے انکا
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ (نمل)	انکار کردیا پس دیکھ (اے مخاطب) مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟
فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ	پھر جب ان کے پاس ہماری صریح نشانیاں پہنچیں کہنے لگے یہ
قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا	کچھ نہیں ہیں مگر گھڑا ہوا جادو اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَ	میں یہ باتیں نہیں سنیں۔ اور موسیٰ نے کہا "میرا پروردگار
قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى	خوب جانتا ہے کہ کون شخص لایا ہے اس کے پاس سے ہدایت
مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ	کو اور کون ہے جس کے لئے آخرت کا انجام مقرر ہے، بلاشبہ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (قصص)	وہ بے انصافوں کو فلاح نہیں دیتا۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى	اور بے شک ہمنے موسیٰ کو فرعون اور اسکی قوم کی طرف اپنی
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ	نشانیاں دے کر بھیجا پس موسیٰ نے کہا میں جہانوں کے
الْعٰلَمِيْنَ ٥ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ	پروردگار کا رسول ہوں پھر جب وہ ہماری نشانیاں لایا۔
مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ٥ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ	اچانک وہ اسکا مذاق اڑانے لگے، اور ہم نے جو نشان اُن کو
اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْ	دکھایا اُن میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہی تھا اور ہم نے
عَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ وَقَالُوْا	ان کو (دنیوی) عذاب میں گرفتار کیا تاکہ وہ باز آجائیں اور وہ کہنے
يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ	لگے اے جادوگر تو اپنے پروردگار سے اپنے اس عہد (نبوت)
عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ٥ فَلَمَّا كَشَفْنَا	کی بنا پر ہمارے لئے دعا کر (کہ یہ مصیبت جاتی رہے) تو ہم بلاشبہ
عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ٥ (زخرف)	ہدایت قبول کرلینگے پھر جب ہم نے اُنسے عذاب کو دور کردیا تو پھر وہ عہد (شکن) ہوگئے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ہ (قمر)

اور بلاشبہ آلِ فرعون کے پاس (بدکرداریوں کے انجام سے) ڈرانیوالے آئے، انھوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو (اپنے عذاب میں) پکڑ لیا، ایک غالب اور قدرت والے کی پکڑ کی طرح۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ہ فَكَذَّبَ وَعَصٰى (والنازعات)

پھر دکھلائی (موسیٰ نے) اُس کو بڑی نشانی پس اُس (فرعون) نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب	جب معاملہ اس حد کو پہنچ گیا تو خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر

باپ دادا کی سرزمین کی جانب لیجاؤ۔

مصر سے فلسطین یا ارضِ کنعان جانے کے دو راستے ہیں، ایک خشکی کا راستہ ہے اور وہ قریب ہے، اور دوسرا بحرِ احمر (قلزم) کا راستہ یعنی اس کو عبور کر کے بیابانِ سور اور سینا دتیہ کی راہ ہے اور یہ دور کی راہ ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کی مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ وہ خشکی کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور قلزم کو پار کر کے جائیں۔

واقعات رونما ہو جانے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اس راہ حق کو حق تعالیٰ نے اسلئے ترجیح دی کہ خشکی کی راہ سے گذرنے میں فرعون اور اسکی فوج سے جنگ ضروری ہو جاتی۔ کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لیجانے میں کامیاب ہو جاتا اور چونکہ صدیوں کی غلامی نے بنی اسرائیل کو بزدل اور پست ہمت بنا دیا تھا اسلئے وہ خوف اور رعب کیوجہ سے کسی طرح فرعون کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوتے، توراۃ سے بھی اس توجیہ کی تائید نکلتی ہے اسمیں مذکور ہے۔

اور جب فرعون نے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی تو خدا اُنکو فلستیوں کے ملک کے راستہ سے نہیں لے گیا اگرچہ ادھر سے نزدیک پڑتا کیونکہ خدا نے کہا کہ ایسا نہو کہ یہ لوگ لڑائی بھڑائی دیکھکر پچھتانے لگیں اور مصر کو لوٹ جائیں بلکہ خدا وند اُنکو چکر کھلا کر بحرِ قلزم کے بیابان کے راستے لیگیا۔ (خروج باب ۱۳ آیت ۱۸)

Marfat.com

علاوہ ازیں فرعون اور قوم فرعون کو ان کی نافرمانی اور سرکشی کی پاداش اور عظیم الشان اعجاز کے ذریعہ ظالم و قاہر اقتدار سے مظلوم قوم کی نجات کا عدیم النظیر مظاہرہ کرنا بھی مقصود تھا۔ اسی لئے یہ راستہ موزوں سمجھا گیا۔

غرض حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحرِ احمر کی راہ پر ہو لئے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی پارچات جو ایک تہوار میں مستعار لئے تھے وہ بھی واپس نہ کر سکے کہ کہیں مصریوں پر اصل حال نہ کھل جائے۔

ادھر پرچہ نویسوں نے فرعون کو اطلاع کی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے فرعون نے اُسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا اور رعمسیس سے نکل کر اُن کا تعاقب کیا، اور صبح ہونے سے پہلے پہلے اُن کے سر پر جا پہنچا۔

بنی اسرائیل کی تعداد بقولِ توراۃ علاوہ بچوں اور چوپاؤں کے چھ لاکھ تھی۔ مگر پَو پھٹنے کے وقت انہوں نے پیچھا پھر کے دیکھا تو فرعون کو سر پر پایا گھبرا کر کہنے لگے۔

کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہمکو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہمکو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (خروج باب ۱۴ آیات ۱۱-۱۲)

غرقِ فرعون | حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اُن کو تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات دیگا اور تم ہی کامیاب ہو گے، اور پھر درگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوئے، وحیِ الٰہی نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر مارو تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے چنانچہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ایسا ہی کیا جب انھوں نے قلزم پر اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا اور حضرت موسیٰؑ کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اُس میں اُتر گئے۔ اور خشک زمین کی طرح اُس سے پار ہو گئے، فرعون نے یہ

Marfat.com

دیکھا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "دیکھا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا پکڑو لہٰذا بڑھے چلو" چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اُسی راستے پر اتر لئے جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارہ پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی بحکم الٰہی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق ہو گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکۂ عذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا "میں اُسی ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں" مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گذشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی اس لئے خدا کی طرف سے یہ جواب ملا۔

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ — اب یہ کہہ رہا ہے حالانکہ اس سے پہلے جو اقرار کا وقت تھا اس میں انکار

وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ○ — اور خلاف ہی کرتا رہا اور درحقیقت تو مفسدوں میں سے تھا۔

یعنی خدا کو خوب معلوم ہے کہ تو "مسلمین" میں سے نہیں بلکہ "مفسدین" میں سے ہے۔

درحقیقت فرعون کی یہ پکار ایسی پکار تھی جو ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری کی حالت میں نکلتی ہے، اور مشاہدۂ عذاب کے وقت اس کی یہ صدائے "ایمان ویقین" حضرت موسیٰؑ کی اُس دعا کا نتیجہ تھی جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہو۔

فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ — پس یہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اپنی ہلاکت اور

الْأَلِيمَ ○ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ — عذاب کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، اللہ تعالیٰ نے کہا "بلاشبہ تم دونوں

دَعْوَتُكُمَا ○ (یونس) — کی دعا قبول کرلی گئی۔

اس موقعہ پر فرعون کی پکار پر درگاہِ الٰہی سے یہ بھی جواب دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ — آج کے دن ہم تیرے جسم کو اُن لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے آنے

لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (الآیۃ) — والے ہیں نجات دیں گے کہ وہ (عبرت) کا نشان بنے۔

Marfat.com

پس اگر گذشتہ "مصری مقالہ" کا مضمون صحیح ہے کہ منفتاح رمیسس ثانی ہی فرعونِ موسیٰ تھا تب تو بے شبہ اسکی نعش آج تک محفوظ ہے اور سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کی ناک کو مچھلی نے کھالیا ہے اور آج وہ مصریات (ایجپٹالوجی) کے مصری عجائب خانہ میں تماشا گاہِ خاص و عام ہے۔

اور بالفرض یہ وہ فرعون نہیں ہے تب بھی آیت کا مطلب اپنی جگہ صحیح ہے، اس لئے کہ توراۃ میں تصریح ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے غرق شدہ مصریوں کی نعشوں کو کنارے پر پڑے ہوئے دیکھا تھا۔

" اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا۔ (خروج باب ۱۴ آیت ۳۱)

فلق بحر قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کی روانگی اور فرعون کے غرق اور بنی اسرائیل کی نجات کے واقعہ کو بہت مختصر بیان کیا اور اسکے صرف ضروری اجزاء ہی کا تذکرہ کیا ہے البتہ اس سے متعلق عبرت و بصیرت اور موعظت کے معاملہ کو قدرے تفصیل کیساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ (طٰہٰ)

اور (پھر دیکھو) ہم نے موسیٰ پر وحی نازل کی تھی کہ (اب) میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لیجا پھر سمندر میں انکے گذرنے کیلئے خشکی کی راہ نکال لے تجھے نہ تو تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا، نہ اور کسی طرح کا خطرہ پھر (جب موسیٰ اپنی قوم کو لیکر نکل گیا، تو) فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا، پس پانی کا ریلا، جیسا کچھ اُن پر چھانیوالا تھا چھا گیا یعنی (جو کچھ ان پر گذرنی تھی گذر گئی) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ (نجات) گم کر دی، اُنہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی۔

Marfat.com

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۝ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ۝ فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ۝ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۝ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ۝ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ (شعراء)

اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں اور ہم سارے اُن سے خطرہ رکھتے ہیں، پھر نکال باہر کیا ہم نے اُن کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں اور مکانوں سے اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلنے کے وقت۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے، کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے، میرا رب وہ مجھ کو راہ بتائیگا، پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو پھر دریا پھٹ گیا تو ہوگئی ہر ایک پھانک جیسے بڑا پہاڑ اور پاس پہونچا دیا ہم نے اسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اس کیساتھ سب کو، پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو، اس چیز میں ایک نشانی ہے، اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں ماننے والے، اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا

بالآخر ہم نے (ان کی بدعملیوں پر) انہیں سزا دی یعنی اس جرم کی پاداش میں کہ ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور اُنکی طرف سے غافل رہے، انہیں سمندر میں غرق کر دیا، اور جس قوم کو کمزور و حقیر خیال کرتے تھے اُسی کو مُلک کے تمام پورب کا اور اُس کے مغربی حصّوں کا کہ ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالامال ہے وارث کر دیا، اور اس طرح (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کا فرمان پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ دہشت و ثبات کیساتھ جمے رہے تھے اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت و شوکت کیلئے)

Marfat.com

يَعْرِشُوْنَ ۝ (اعراف)

جو کچھ بنا تا رہا تھا اور جو کچھ (عمارتوں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں وہ سب برباد کر دیں

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (یونس)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا، مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔ اور میں بھی اسی کے فرمانبرداروں میں ہوں! (ہم نے کہا) ہاں! اب تو ایمان لایا، حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا۔ اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا۔ پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچا لیں گے، تاکہ ان لوگوں کیلئے جو تیرے بعد آنیوالے ہیں (قدرت حق کی ایک نشانی ہو) اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (قصص)

اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے، پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا!

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَي اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور جانچ چکے ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اور آیا ان کے پاس رسول عزت والا کہ حوالہ کرو میرے بندے خدا کے تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر، اور یہ کہ سرکشی نہ کرو اللہ کے مقابل میں لایا ہوں تمہارے پاس سند کھلی ہوئی۔

Marfat.com

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۚ	اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات
وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝ فَدَعَا	سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو) اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے
رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ فَاَسْرِ	ہو جاؤ، پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گنہگار ہیں، پھر لے نکل
بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ وَاتْرُكِ	رات میں میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے اور چھوڑ جا
الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ كَمْ	دریا کو تھما ہوا، البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں، بہت سے چھوڑ گئے
تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ	باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور گھر عمدہ، اور آرام کا سامان جس میں
كَرِیْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۫ قف	باتیں بنایا کرتے تھے، یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا۔
وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ	ہم نے ایک دوسری قوم کے پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین
السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ۝	اور نہ ملی اُن کو ڈھیل اور ہم نے بچا نکالا بنی اسرائیل کو
وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ	ذلت کی مصیبت سے جو فرعون کی طرف سے تھی بے شک
الْمُهِیْنِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا	وہ تھا چڑھ رہا حد سے بڑھ جانے والا۔
مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (دُخان)	
فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ	پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں پھر
وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ۝ ۙ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ	ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو اور
اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ	کہا ہم نے اس کے پیچھے آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئیگا وعدہ
الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ۝ (بنی اسرائیل)	آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر۔
وَفِیْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ	اور نشانی ہے موسٰی کے حال میں جب بھیجا ہم نے اسکو فرعون کے
بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ	پاس دیکر کھلی سند۔ پھر اس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور
سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ	بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ، پھر پکڑا ہم نے اُسکو اور اسکے لشکروں
فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ (الذاریات)	کو پھر پھینک دیا ان کو دریا میں اور اس پر لگا الزام۔

البتہ تورات نے بیان کردہ واقعات کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور

Marfat.com

بنی اسرائیل کے کوچ اور پڑاؤ کے اکثر مقامات کے نام بھی بتائے ہیں جو دنیا کے لئے نامعلوم ہیں۔

توراۃ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم پر جب خدا کی بھیجی ہوئی آفات کا سلسلہ جاری ہوگیا اور موسیٰؑ کے ارشاد کے مطابق یکے بعد دیگرے "نشانات" کا ظہور ہونے لگا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کو بلا کر کہا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لیجا مگر اُن کے چوپائے اور پالتو جانور یہیں چھوڑتے ہوں گے حضرت موسیٰؑ نے اس شرط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ایک جانور بھی تو روکنے کا حق نہیں رکھتا، تب فرعون غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اب بنی اسرائیل نہ جا سکیں گے اور تو اب میرے سامنے کبھی نہ آنا ورنہ میرے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ یہ تو نے ٹھیک کہا اب میں کبھی تیرے سامنے نہ آؤں گا میرے خدا کا یہی فیصلہ ہے اور اس نے مجھ کو بتا دیا ہے کہ تجھ پر اور تیری قوم پر ایسی سخت آفت آئیگی کہ تیرا اور کسی مصری کا پہلوٹھا زندہ نہیں رہے گا۔

موسیٰ (علیہ السلام) فرعون سے یہ گفتگو کر کے دربار سے باہر نکل آئے اور پھر بنی اسرائیل سے یہ فرمایا کہ خداوند کا ارشاد ہے کہ فرعون کا دل سخت ہو گیا ہے وہ اب تم کو یہاں سے اس وقت تک نہ جانے دیگا جب تک مزید نشان نہ دیکھ لے کہ جس سے تمام مصریوں میں کہرام مچ جائے مگر تم کو تیاری کر لینی چاہیے کہ مصر سے نکلنے کا وقت آ پہنچا اور خدائے تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے ذریعہ بنی اسرائیل کو نکلنے سے پہلے قربانی اور عید فسخ کا بھی حکم دیا اور اس کا طریقہ اور شرائط بھی بتا دیں۔ موسیٰؑ نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اپنی عورتوں سے کہو کہ وہ مصری عورتوں کے پاس جائیں اور اُن سے عید کیلئے سونے اور چاندی کے زیور اور قیمتی پارچات مستعار مانگ لائیں اور مصری عورتوں نے اُن کو زیورات دیدیئے پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک رات فرعون سے لیکر معمولی مصری کا پہلوٹھا مر گیا اور تمام گھرانوں میں کہرام مچ گیا، یہ دیکھ کر مصری فرعون کے پاس دوڑے آئے اور اس کو مجبور کیا کہ اسی وقت تمام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال دو تاکہ یہ نحوست یہاں سے دور ہو، ہم پر یہ سب آفتیں انہی کی بدولت آتی رہتی ہیں۔

Marfat.com

تب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اسی وقت تم سب یہاں سے نکل جاؤ اور اپنے جانوروں مویشیوں، اور سب سامان کو بھی ساتھ لیجاؤ جب بنی اسرائیل رعمسیس (جشن کے شہر) سے نکلے تو بچوں اور جانوروں کے علاوہ وہ سب چھ لاکھ تھے اور جب وہ نکلے تو مصریوں کے زیورات کو بھی واپس نہ کر سکے اور مصریوں نے بھی مطالبہ نہ کیا۔

جب بنی اسرائیل نے جنگل کی راہ لی تو اب فرعون اور اس کے سرداروں کو اپنے حکم پر سخت افسوس ہوا، اور انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے مفت میں ایسے اچھے چاکر اور غلام ہاتھ سے کھو دیئے اور فرعون نے حکم دیا کہ فوراً سرداروں، مصری نوجوانوں اور فوج کو تیاری کا حکم دو اور وہ کرّ وفر کے ساتھ رتھوں میں سوار ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔

بنی اسرائیل رعمسیس سے سکات اور وہاں سے ایتام اور پھر مڑکر مجدال اور بحرِ احمر کے درمیان فی ہیخروت کے پاس لعل صفون کے سامنے خیمہ زن ہو چکے تھے۔ بنی اسرائیل کے اس پورے سفر میں خدا اُن کے ساتھ رہا۔ اور وہ نورانی ستون کی تجلی کیساتھ رات میں بھی اُن کی راہنمائی کرتا اور دن میں بھی آگے آگے چلتا غرض صبح کی پو پھٹ رہی تھی کہ فرعون نے سمندر کے کنارے بنی اسرائیل کو آ لیا۔ انھوں نے پیچھا پھر کر دیکھا اور فرعون کو لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے قریب پایا تو بد دل اور خائف ہو کر حضرت موسیٰؑ سے جھگڑا کرنے لگے، حضرت موسیٰؑ نے اُنکو بہت کچھ تسلی و تشفی دی اور بتایا کہ تمہارے دشمن ہلاک ہونگے اور تم سلامتی و عافیت کیساتھ نجات پاؤ گے، اور پھر دربارِ خداوندی میں مناجات کرنے لگے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو کیوں مجھ سے فریاد کر رہا ہے، بنی اسرائیل سے کہو کہ وہ آگے بڑھیں اور تو اپنی لاٹھی اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر، اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائینگے پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے۔

Marfat.com

۔۔۔۔۔۔۔ اور خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا اور پانی پلٹ کر آیا اور اس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا۔ اور ایک بھی اُن میں سے باقی نہ چھوڑا۔ پھر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی اُن کے داہنے اور بائیں ہاتھ دیواروں کی طرح رہا۔

۔۔۔۔۔۔ اور اسرائیلیوں نے وہ بڑی قدرت جو خداوند نے مصریوں پر ظاہر کی دیکھی اور وہ لوگ خداوند سے ڈرے اور خداوند پر اور اس کے بندے موسٰی پر ایمان لائے[1]

تورات کی ان تفصیلات میں اگرچہ بہت زیادہ رطب و یابس اور دُور از کار باتیں بھی ضمناً آگئی ہیں مگر وہ اور قرآنِ عزیز دونوں اس بارہ میں ہم آہنگ ہیں کہ خدائے تعالٰی نے فرعون اور اُس کی قہرمانیت کے مظالم سے موسٰیؑ اور بنی اسرائیل کو ایک عظیم الشان نشان (معجزہ) کے ذریعہ نجات دی، قرآنِ عزیز کہتا ہے کہ یہ معجزہ اس طرح ظاہر ہوا کہ خدا کے حکم سے موسٰی (علیہ السلام) نے قلزم پر لاٹھی ماری اور دریا کا پانی بیچ میں خشکی دیکر دونوں جانب پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (بقرہ) پس (دریا) پھٹ گیا پھر ہر ایک جانب ایک بڑے پہاڑ کی مانند ہو گئی۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (بقرہ) اور جب ہم نے ٹکڑے کر دیا تمہارے لئے سمندر پس نجات دی ہم نے تم کو اور غرق کر دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔

اور تورات بھی اسی کی تائید کرتی ہے، چنانچہ اس میں مذکور ہے۔

تو اپنی لاٹھی اُٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر ۔۔۔۔۔۔ اور پانی اُن کے دائیں اور بائیں دیوار کی طرح رہا۔

البتہ تورات میں یہ اضافہ اور ہے کہ "رات بھر تند پُوربی ہوا چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنا دیا" سو اول تو تورات کی تحریف اور مختلف بیَّن کو مختلف تراجم کے پیشِ نظر تاریخی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے قرآنِ عزیز کے بیان ہی کو قابلِ اعتماد سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ باتفاق

[1] خروج باب ۱۴ آیت ۱۵-۳۱۔

Marfat.com

دوست و دشمن ہر قسم کی تحریف و تبدیل اور اضافہ و ترمیم سے محفوظ ہے۔
لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا اس پر باطل کا کسی جانب سے گذر نہیں سامنے سے اور نہ پیچھے سے
مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ وہ اتارا ہوا ایسی ہستی کی جانب سے جو حکمت والا خوبیوں والا ہے۔

علاوہ ازیں اس اضافہ کی تطبیق کی بہترین صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ موسیٰ کے ہاتھ بڑھا کر عصا چلانے سے اوّل دریا کے دو حصے ہوگئے اور دونوں جانب پانی کھڑا ہوگیا اور پھر لاکھوں انسانوں نے جب اس کے درمیان سے گذرنا شروع کیا تو زمین کی نمی اور تری کو خشک کرنے کے لئے برابر پوربی تند ہوا چلتی رہی تاکہ بچہ سے بوڑھے تک اور انسان سے حیوان تک کسی کو بھی گذرنے میں زحمت و تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جو "علم" کے نام سے مذہب کے ہر مسئلہ کو "ادبیات" ہی تک محدود دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلئے وہ خدا کے دیئے ہوئے اُن نشانات (معجزات) کا بھی انکار کرتے ہیں جو انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی صداقت کی تائید اور دلیل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اُنکے انکار کے وہی معنی ہیں جو گذشتہ صفحات پر معجزہ کی بحث میں زیر بحث آچکے ہیں، یعنی وہ خدا کے کسی فعل کو بھی کسی حالت میں اس محسوس اور مادی دنیا کے اسباب و علل سے مستثنیٰ سمجھنے کو تیار نہیں ہیں دراصل انکے اس الحاد و زندقہ کی بنیاد و اساس مغربی و یورپی الحاد پر قائم کی گئی ہے اور اُس سے مرعوبیت کے نتائج میں سے یہ ایک لازمی نتیجہ ہے۔

پس منجملہ دوسرے مقامات کے انھوں نے اس مقام پر بھی یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح "غرقِ فرعون" کا یہ واقعہ روحانی معجزہ سے نکل کر مادی اسباب و علل کے تحت میں آجائے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی دُنیوی ترقی کیلئے سرگرم عمل ہستی سید احمد خاں صاحب مرحوم بھی علوم عربیہ اور علوم دینیہ سے ناواقفیت کے باوجود مسطورہُ بالا عقیدہ کی ترویج میں پیش پیش ہیں، غالباً اس طرح وہ یورپ کی موجودہ زندگی کے ساتھ اسلام کو مطابق کرنا چاہتے تھے مگر مادیت کا یہ چولا چونکہ اس کے قد پر راست نہ آیا اس لئے انھوں نے چولے کی ترمیم

Marfat.com

کے بجائے اسلام کے نقشہ اور قد وقامت میں ترمیم شروع کر دی مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے
بے شبہ اسلام ایک ایسا روحانی مذہب ہے جو روحانیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ دُنیوی زندگی میں بھی انسان کے عروج اور فلاح وبہبود کا کفیل ہے اور اسلئے ہر زمانے کے علوم وفنون کی ترقی اس کی آغوش میں پلتی اور اُس میں جذب ہوتی رہی اور علم وحکمت ہمیشہ اُس کے سایۂ عاطفت میں نشو ونما پاتے رہے۔ لیکن "مادی علوم" کی حدود مادیات ومشاہدات اور محسوسات سے آگے کسی حال میں متجاوز نہیں ہو سکتیں اور آج کی سائنس اور کل کا فلسفہ دونوں اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ہماری حدود محسوسات سے پرے نہیں ہیں یعنی محسوسات ومادیات کی دیوار کے پیچھے کیا ہے؟ وہ اس سے لاعلمی تو ظاہر کرتے ہیں مگر اُن کا انکار نہیں کرتے۔
پس اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ گذشتہ اور موجودہ زمانہ میں جب کبھی علوم "نظریوں" اور "تھیوریز" سے آگے بڑھ کر محسوس اور مشاہدہ کی حد تک پہنچے ہیں تو ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ وہ اسلام کے اصول سے ٹکراتا ہو، یا اسلام میں انکار پایا جاتا ہو اور جب تک علمی نظریوں اور تھیوریوں میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہوں اور علمی تحقیقات ایک جگہ چھوڑتی اور دوسری جگہ بناتی رہتی ہوں تو اسلام کو اُن کے مطابق کرنے کی سعی عبث ہے کیونکہ مشاہدہ کی حد پر پہنچنے کے بعد بے شبہ اُن کا فیصلہ قرآن کے فیصلہ سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔
البتہ اسلام یا مذہب حق چند ایسے امور کا بھی اقرار کرتا ہے جو ان مادیات کی دنیا سے پرے کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً آخرت، حشر ونشر جنّت، جہنّم، ملائکہ، وحی، نبوت اور معجزہ مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی امر بھی خلاف عقل یعنی عقل کی نگاہ میں ناممکن اور محال نہیں ہے۔ لیکن عقل کیلئے اس کی کُنہ وحقیقت کا ادراک صرف اسی قدر ہو سکتا ہے جسقدر کہ مذہب نے اپنے علم یقین (وحی الٰہی) کے ذریعہ اسکو بتا دیا ہے اور ان باتوں کے سمجھنے کے لئے وحی کے سوائے عقل کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

Marfat.com

بہرحال سید احمد خاں صاحب نے تفسیر احمدی میں اس مقام کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ غرقِ فرعون اور نجاتِ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ معجزہ نہ تھا بلکہ عام دنیوی سلسلۂ اسباب وعلل کے ماتحت بحر کے "مدوجزر" (جوار بھاٹا) سے تعلق رکھتا ہے یعنی صورتِ حال یہ پیش آئی کہ جس وقت بنی اسرائیل نے قلزم کو عبور کیا تھا اس وقت اس کا پانی سمٹا ہوا تھا اور پیچھے کو ہٹ کر اس نے "جزر" اختیار کر رکھا تھا، فرعون نے جب بنی اسرائیل کو اس آسانی سے پار ہوتے دیکھا تو اس نے بھی اپنے لشکر کو داخل ہوجانے کا حکم دیدیا، مگر بنی اسرائیل پار ہو چکے تھے اور فرعونی لشکر ابھی دریا کی خشکی پر چل ہی رہا تھا کہ اس کے "مد" اور آگے بڑھنے کا وقت آپہونچا اور فرعون اور اس کے لشکر کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ وہ آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے اور سب غرق ہو گئے

سید صاحب نے اپنے اس مزعومہ خیال کے مطابق بنی اسرائیل کے عبور کے متعلق ایک نقشہ بھی دیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بنی اسرائیل نے قلزم کے شمالی دہانہ پر جا کر اس کو عبور کیا ہے۔

مگر افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قرآنِ عزیز کی تصریحات اس کا قطعی انکار کرتی ہیں اور سید صاحب کی بات کسی طرح بنائے نہیں بنتی۔

اس بات کا فیصلہ تو قطعی ناممکن ہے کہ خاص وہ مقام متعین کیا جاسکے کہ جس سے بنی اسرائیل گذرے اور دریا کو عبور کر گئے کیونکہ اس سلسلے میں گذشتہ تاریخ کا پرانا ذخیرہ تورات ہے مگر اس کے بیان کردہ مقامات موجودہ نسل کے لئے نامعلوم اسماء کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔

البتہ قرآن اور تورات کی مشترک تصریحات و نصوص سے یہ قطعی متعین کیا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل نے "بحرِ قلزم" کے کسی کنارے اور دہانہ سے عبور کیا یا درمیانی کسی حصہ سے؟ اس کیلئے ایک مرتبہ نقشہ میں اس حصہ پر نظر ڈالئے جہاں بحرِ احمر (قلزم یا ریڈ سی) واقع ہے، دراصل یہ بحرِ عرب کی ایک شاخ ہے جس کے مشرق میں سرزمینِ عرب واقع ہے

Marfat.com

اور مغرب میں مصر، شمال میں اس کی ۲ دو شاخیں ہوگئی ہیں ایک شاخ (خلیج عقبہ) جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری (خلیج سویز) اس کے مغرب میں واقع ہے، یہ دوسری شاخ پہلی سے بڑی ہے اور شمال میں بڑی دور تک چلی گئی ہے، بنی اسرائیل اسی کے درمیان سے گذرے ہیں اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جس کا نام بحرِ روم ہے، اور بحرِ روم اور

بحرِ احمر کے اس شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے، یہی وہ راستہ تھا جہاں سے مصر سے فلسطین اور کنعان جانے والے کو "بحرِ احمر" عبور کرنا نہیں پڑتا تھا، اور اس زمانہ میں یہ قریب کی راہ سمجھی جاتی تھی اور بنی اسرائیل نے بحکم الٰہی یہ راہ اختیار نہیں کی تھی، اب اُسی خشک زمین کو کھود کر بحرِ احمر (ریڈسی) کو بحرِ روم سے ملا دیا گیا ہے اور اس ٹکڑے کا نام نہرِ سویز ہے اور "ریڈسی" کے

شمالی دہانہ پر سوئز کے نام سے ایک شہر آباد ہے، جو مصر کی بندرگاہ شمار ہوتا ہے۔
اب اس کے بعد قرآن عزیز کی سورۂ بقرہ اور سورۂ شعراء کی ان آیات پر پھر ایک مرتبہ غور کرنا چاہیئے جو اس سلسلہ کی تصریحات پیش کرتی ہیں، ان آیات میں دو باتوں کا صاف صاف تذکرہ موجود ہے۔ ایک "فلق یا فرقِ بحر" یعنی دریا کا پھٹنا یا اس کو پھاڑ دینا اور دوسرے دونوں جانب پانی کا پہاڑ کی طرح کھڑا ہوجانا اور درمیان میں راستہ پیدا ہوجانا "فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ"
عربی لغت میں "فرق" کے معنی دو ٹکڑے کرکے جدا کر دینے کے آتے ہیں خصوصاً "بحر" کی نسبت کیساتھ چنانچہ کتب لغت میں ہے "فرق البحر ای فلقہ" سر کی مانگ کو بھی "فرق" اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سر کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے بیچ میں نکالی جاتی ہے، اور "فلق" کے متعلق اس طرح مذکور ہے "فلق الشی، شقہ دانفلق، انشق، یعنی اس نے فلاں شی کو ٹکڑے کر دیا اور وہ ٹکڑے ہوگئی" اسی لئے "فالق" اس دراڑ کو کہتے ہیں جو پتھر کے درمیان میں ہوجاتی ہے، اسی طرح "طود" کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں "الطود، الجبل العظیم" پس ان لغوی تصریحات کے بعد ان ہر دو آیات کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہوا کہ دریا کا پانی یقیناً دو ٹکڑے ہوگیا۔ اور وہ دونوں جانب دو کھڑے ہوئے پہاڑ کی طرح بن گیا اور درمیان میں راستہ پیدا ہوگیا، اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل نے دریا کے ایسے حصہ سے عبور کیا ہو جو دہانہ اور کنارہ کے سامنے کا حصہ نہ ہو بلکہ پانی کا ایسا حصہ ہو جو درمیان سے پھٹ کر دو حصے بن سکتا ہو دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ قرآن عزیز صاف صاف اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ بنی اسرائیل خشکی کی راہ سے قلزم کے دہانہ یا کنارے سے نہیں گذرے تھے بلکہ دریا کے کسی درمیانی حصہ کو عبور کرکے میدان سینا میں پہونچے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ "مدوجزر" (جوار بھاٹا) طولانی حصہ میں دہانہ کی جانب ہوا کرتا ہے، عرض میں اس طرح کبھی بھی نہیں ہوتا کہ پانی دونوں جانب سمٹ جائے اور بیچ میں خشکی کی راہ پیدا ہوجائے لہٰذا خدائے تعالیٰ کے اس عظیم الشان "نشان" (معجزہ) کا انکار کرتے ہوئے اس کو روز مرہ کے مادی اسباب کے نیچے لانے کی سعی کرنا قرآنی تصریحات کے بالکل خلاف اور اس کی تحریف کے مرادف ہے

Marfat.com

نیز تورات نے بنی اسرائیل کے اس عبور کے واقعہ میں "بحر احمر" کے جن مشرقی اور مغربی کنارہ کے مقامات کا ذکر کیا ہے اور اس عبور کے متعلق جو تصریحات بیان کی ہیں اُن سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عبور ردہانہ پر سے نہیں تھا بلکہ شمال مغرب کے درمیانی حصہ سے ہوا تھا، جیسا کہ نقشہ سے واضح ہوتا ہے۔

بعض مغرب زدہ "ملحدوں" نے اس مقام پر جب کسی طرح انکار معجزہ کی بات بنتی نہ دیکھی تو تورات کے اس فقرہ کا سہارا لیا۔

اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنا دیا، اور پانی دو حصے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ خشک زمین دریا کے بیچ میں نکل آئی تھی تو بھی یہ معجزہ نہ تھا بلکہ رات بھر خشک ہوا کے چلنے سے دونوں جانب پانی بستہ برف کی طرح ہو گیا تھا اور بیچ میں خشک راستہ بن گیا تھا مگر جب فرعون کی باری آئی تو آفتاب کی تمازت نے بستہ برف کو پگھلا دیا اور پانی اصل حالت پر آگیا اور مصری غرق ہو گئے۔

تو اس کے متعلق نجار مصری نے خوب کہا ہے کہ اگر بالفرض اُن کی اس باطل تاویل کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہ "معجزہ" ہوا۔ اس لئے کہ سمندروں کے وجود سے لے کر آج تک کسی جگہ ثابت نہیں ہے کہ اس طرح ہوا چل کر اُن کے درمیان میں خشک راہ بنا دیتی ہو، علم تاریخ اور طبعیات دونوں اس قسم کے واقعہ سے یکسر خالی ہیں۔

پس "عالم مادی" "علل و اسباب سے جُدا" اگر ہوا کا یہ عمل صرف حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہی کیلئے مخصوص تھا اور مخصوص رہا تو پھر یہ "معجزہ" نہیں تو اور کیا ہے؟

بہر حال قرآن عزیز صراحت کرتا ہے کہ بحرِ قلزم میں غرقِ فرعون اور نجاتِ موسیٰؑ کا یہ واقعہ موسیٰؑ (علیہ السّلام) کی تائید میں ایک عظیم الشان معجزہ تھا اور اگر کاتبات کوئی شہادت بھی

Marfat.com

اس واقعہ کے اعجاز میں موجود نہ ہوتی تب بھی ہمارے لیے "وحی الٰہی" کا یہ فیصلہ ایک ناطق فیصلہ ہے اور مومن کا ایمان دُور از کار تاویلات سے جُدا اصل حقیقت ہی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کیلئے یہ ایسا عظیم "معجزہ" تھا جس نے تمام مادّی قہرمانیت اور سامان استبدادیت کو ایک لمحہ میں شکست دیکر مظلوم قوم کو ظالم قوم کے پنجہ سے رُستگاری دلائی۔[1] "واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر"

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗۤ اَجْمَعِیْنَ ثُمَّ	اور ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دی پھر دوسروں
اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً	کو (یعنی ان کے دشمنوں کو) غرق کر دیا، بلاشبہ اس واقعہ میں (خدا
وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ	کا زبردست) نشان (معجزہ) ہے اور اکثر اُن کے ایمان نہیں لاتے اور
رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ (شعراء)	اقرار نہیں کرتے اور بلاشبہ تیرا رب ہی (سب پر) غالب حکمت والا ہے

اس واقعہ کی تفصیلات کے بعد منسلکہ نقشہ کو سامنے رکھنے سے بیان کردہ حقائق بخوبی واضح ہو سکتے ہیں اور منکرین معجزہ نے اس واقعہ کے حقائق پر پردہ ڈالنے کیلئے جو باطل تاویلات کی ہیں اُن کی حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جاتی ہے۔

فرعون، قومِ فرعون اور عذابِ قیامت

فرعون اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے اور ایک جانب غرور، نخوت، جبر و ظلم اور قہرمانیت و انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت، خدا پرستی اور

[1] نجار کہتے ہیں کہ غرقِ فرعون اور عبورِ بنی اسرائیل کی جگہ آج متعین اور منضبط نہیں ہے کہ ٹھیک ٹھیک اُس جگہ کو بتایا جا سکے البتہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ جگہ وہ ہے جو آج "برکہ فرعون" (فرعون کے پانی میں بیٹھ جانے کی جگہ) کے نام سے مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ بحرِ احمر کی بندرگاہ سویز سے بہت دُور ہے۔ مثلاً اگر جہاز شام کے وقت سویز سے روانہ ہو تو آدھی رات کے بعد اس مقام پر پہنچیگا، لہٰذا یہ مقام وہ جگہ ہرگز نہیں ہے بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں "قلزم" کی خلیج جو خلیجِ سویز کے نام سے مشہور ہے، بحرِ روم کے قریب تک پھیلتی چلی گئی تھی اور اُس سے بہت نزدیک تھی لہٰذا بنی اسرائیل کے عبور کی جگہ وہ ہو سکتی ہے جو آج "عیون موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے اور جو شمال مشرق میں واقع ہے، اس وقت میرے پاس محمد رفعت کا اطلس (اٹلس) موجود ہے، اس میں عبورِ بنی اسرائیل کیلئے جو خط کھینچکر دکھلائے ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ یہ عبور سویز اور بحیرۂ مرّہ کے درمیان ہوا ہے اور عیونِ موسیٰ بھی یہیں شمال مشرق میں واقع ہے (قصص الانبیاء ص ۳۴۱–۳۴۲)

Marfat.com

صبر واستقامت کی فتح وکامرانی کا عجیب وغریب مرقع، اس لئے خدائے تعالیٰ نے فرعون اور قوم فرعون کی ہلاکت دُنیوی کے بعد عبرت وبصیرت کیلئے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کیلئے آخرت اور سرمدی وابدی زندگی میں کس قدر سخت عذاب اور خدا کی پھٹکار کے کیسے عبرتناک سامان مہیا ہیں تاکہ سلیم اور صالح طبائع اور نیک نہاد ونیک سرشت ہستیاں اُن کا مطالعہ کریں، اور ان اعمال زشت سے خود کو بھی بچائیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ۝ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

(ہود)

اور (یہ بھی ہوچکا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کیساتھ بھیجا تھا، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر وہ فرعون کی بات پر چلے، اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی، قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لئے ہوا) اور انہیں دوزخ میں پہنچائیگا تو دیکھو، کیا ہی پہنچنے کی بُری جگہ ہے جہاں وہ پہنچکر رہے! اور اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگی (کہ اُن کا ذکر کبھی پسندیدگی کیساتھ نہیں کیا جاتا) اور قیامت میں بھی (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے) تو دیکھو کیا ہی بُرا صلہ ہے جو اُن کے حصہ میں آیا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝ (قصص)

اور کیا ہم نے اُن کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ ملے گی، اور پیچھے رکھدی ہم نے اُن پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن اُن پر بُرائی ہے۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ

اور اُلٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب، وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام اور جس

Marfat.com

تَقُوْمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (الی آخرالآیہ) (مومن)

قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ (دخان)

بلاشبہ سیہنڈ کا درخت خوراک ہے گنہگار کی جیسے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں، جیسے کھولتا پانی، پکڑو اس کو اور ڈھکیل کر لیجاؤ دوزخ میں پھر ڈالو اس کے سر پر پانی کا عذاب، اس کو چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار، یہ وہی ہے جس کے متعلق تم دھوکے میں پڑے تھے۔

عبورِ قلزم کے بعد بنی اسرائیل کا پہلا مطالبہ

توراۃ میں ہے کہ جب بنی اسرائیل سلامتی کیساتھ بحر قلزم کو پار کر گئے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور اس کی فوج کو غرق ہوتے اور پھر اُن کی نعشوں کو ساحل پر تیرتے دیکھ لیا تو تقاضائے فطرت بیحد مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور عورتوں نے خصوصیت کیساتھ دف پر خوشی کے گیت گائے اور شادمانی و خوش کامی کا ثبوت دیا جب یہ سب کچھ ہو چکا تو حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) نے قوم کو جمع کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنی قوم سے کہو کہ "وہ میں ہوں جس نے تم کو اس زبردست فتنہ سے نجات دی سو میرا شکر ادا کرو اور میری ہی بندگی کرو"

حضرت موسیٰؑ نے اب اپنی قوم کو ساتھ لے کر بیابانِ شور سے ہوتے ہوئے سین یا سینا کی راہ لی، سینا کے بُت کدوں میں پرستارانِ صنم بتوں کی پوجا میں مشغول تھے، بنی اسرائیل نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے "موسیٰؑ! ہم کو بھی ایسے ہی معبود بنا دے تاکہ ہم بھی اسی طرح انکی پرستش کریں،" حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے قوم کی زبانی یہ مشرکانہ مطالبہ سُنا تو بہت زیادہ ناراض ہوئے اور بنی اسرائیل کو ڈانٹا، عار دلائی اور ملامت کی کہ بدبختو! خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر بتوں کی پوجا پر مائل ہوا اور خدا کی اُن تمام نعمتوں کو فراموش کر بیٹھے جن کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر چکے ہو،

Marfat.com

قومی پستی کا مظاہرہ | دنیا کی تاریخ میں ہمارے سامنے ایک قوم کا نقشۂ حیات اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ تقریباً ساڑھے چار سو برس سے مصر کے قاہر و جابر بادشاہوں اور مصری قوم کے ہاتھوں میں غلام اور مظلوم چلی آتی ہے اور غالب قوم کے سخت سے سخت مصائب و مظالم کا شکار بن رہی ہے کہ اچانک اُسی مردہ قوم میں سے بجلی کی کڑک اور آفتاب کی چمک کی طرح ایک برگزیدہ ہستی سامنے آتی ہے اور اس کی صدائے حق اور اعلان ہدایت سے تمام قلمرو باطل لرزہ براندام ہو جاتی، اور ایوان ظلم و کفر میں بھونچال آجاتا ہے، وہ دنیا کی ایک زبردست متمدن طاقت کے مقابلہ میں یہ اعلان کرتی ہے کہ میں خدائے واحد کا رسول اور ایلچی ہوں اور تجھ کو ہدایت کی پیروی اور مظلوم کی آزادی کا پیغام سنانے آیا ہوں فرعونی طاقت اپنے تمام مادی اسباب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتی ہے، مگر ہر مرتبہ شکست کا مُنہ دیکھتی ہے اور آخری بازی میں حق کی کامیابی اور باطل کی ہلاکت کا ایسا حیرت زا نقشہ سامنے آتا ہے کہ مادی طاقت قلزم میں غرق ہو جاتی اور غلام و مظلوم قوم اور دنیوی اسباب و وسائل سے محروم قوم آزادی کے گیت گاتی نظر آتی ہے۔

یہ ہے وہ عجیب و غریب فطرت اور حیران کن طبیعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی قوم "بنی اسرائیل" جو ان تمام معرکہ ہائے حق و باطل کو آنکھوں سے دیکھنے اور حق کی کامیابی کے ساتھ اپنی نجات پا جانے کے شکریہ میں آج موسیٰ (علیہ السلام) سے پہلا مطالبہ یہ کرتی ہے کہ ہم کو بھی ایسے ہی معبود (بُت) بنا دے جیسا کہ یہ پجاری بُت خانہ میں بیٹھے پوج رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل نبیوں کی اولاد تھے اور ابھی تک ان میں وہ اثرات ایک حد تک باقی تھے جو ان کو باپ دادا سے ورثہ میں ملے تھے، تاہم صدیوں سے مصری بُت پرستوں میں بود و ماند کرنے اور اُن کے حاکمانہ اقتدار میں غلام رہنے کی وجہ سے اُن میں صنم پرستی کا جذبہ کافی سرایت کر چکا تھا، اور وہی جذبہ تھا جو آج پجاریوں کو دیکھ کر اُن میں اُبھر آیا اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) سے ایسا ناپاک مطالبہ کر بیٹھے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى　　　　اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر اُن کا گذر ایک

Marfat.com

قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (اعراف)

ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کے سامنے سادھ لگائے بیٹھی تھی تو کہنے لگے "موسیٰ! جیسے ان کے معبود بُت" ہیں ایسے ہی ہمارے لئے بھی بنا دے" موسیٰ نے کہا " افسوس تم پر بلاشبہ تم جاہل قوم ہو۔ لاریب ان لوگوں کا طریقہ تو ہلاکت کا طریقہ ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں باطل ہے (اور یہ بھی) کہا کہ باوجود اس کے کہ تم کو خدا نے تمام کائنات پر فضیلت دی ہے پھر بھی میں تمہارے لئے خدائے واحد کے سوا اور معبود تلاش کروں؟

بنی اسرائیل کے دیگر مطالبات اور آیات بیّنات کا ظہور

بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا یہ عرب کی سرزمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے، یہ لق ودق بے آب و گیاہ میدان سے شروع ہوتی ہے جو تورات کی زبان میں بیابانِ شور، سین، وادی سینا (تیہ) نام سے مشہور ہے اور طور تک اس کا دامن وسیع ہے، یہاں شدید گرمی پڑتی ہے، دور دور تک پانی اور سبزی کا پتہ نہیں، اس لئے بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰؑ سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں، ہم تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے یہاں تو پینے کیلئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، تب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے درگاہِ الٰہی میں التجا کی اور وحی الٰہی نے انکو حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر مارو، حضرت موسیٰؑ نے تعمیلِ ارشاد کی تو فوراً بارہ سوت اُبل پڑے اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط (قبائل) کیلئے جدا جدا چشمے جاری ہو گئے، بنی اسرائیل کو جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اب کہنے لگے کہ پانی کا تو انتظام ہو گیا، لیکن زندگی کیلئے صرف یہی تو کافی نہیں ہے ہم کو بھوک لگی ہے اب کھائیں کہاں سے؟ یہاں تو کوئی صورت نظر نہیں آتی؟ حضرت موسیٰؑ نے پھر ربّ العلمین کی بارگاہ میں دعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰؑ! تمہاری دعا قبول ہوئی پریشان نہ ہو، ہم غیب سے سب انتظام کئے دیتے ہیں" اور پھر ایسا ہوا کہ جب رات بیت گئی اور صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ زمین اور درختوں پر جگہ جگہ سپید اولے کے دانے کی طرح

Marfat.com

شبنم کی صورت میں آسمان سے کوئی چیز برس کر گری ہوئی ہے، کھایا تو نہایت شیریں حلوے کی مانند تھی یہ "من" تھا اور دن میں تیز ہوا چلی اور تھوڑی دیر میں بٹیروں کے غول آ کر زمین پر اُترے اور پھیل گئے، بنی اسرائیل نے بآسانی اُن کو ہاتھوں سے پکڑ لیا اور بھون کر کھانے لگے یہ "سلویٰ" تھا۔ اس طرح روزانہ بغیر زحمت و تکلیف کے اُنکو یہ دونوں نعمتیں مہیا ہو جاتیں، لیکن خدائے تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰؑ کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ تنبیہ کر دی تھی کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق "من و سلویٰ" کو کام میں لائیں، اور دوسرے دن کیلئے ذخیرہ نہ کریں ہم اُن کو روزانہ یہ نعمت عطا کرتے رہیں گے[1]

کھانے اور پینے کی ضروریات کی فراہمی سے جب اطمینان ہو گیا تو اب بنی اسرائیل نے تیسرا مطالبہ یہ کیا کہ گرمی کی شدت اور سایہ دار درختوں اور مکانوں کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تپش اور تمازت ہماری زندگی کا خاتمہ ہی کر دے حضرت موسیٰؑ نے اُن کو تشفی دی اور بارگاہِ قدس میں عرض کیا کہ جب تو نے اُن پر بڑے بڑے انعامات اور فضل و کرم کی بارش کی ہے تو اس سخت تکلیف سے بھی اُنکو نجات عطا فرما حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) کی دعا سُنی گئی اور آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے ہوئے جاتے بادلوں کا یہ سائبان اُن کے سروں پر سایہ فگن رہتا۔

سُدّی کی ایک روایت میں ان ہر سہ "آیات اللہ" کا تذکرہ یکجا اس طرح مذکور ہے "جب بنی اسرائیل "تیہ" کے میدان میں پہونچے تو کہنے لگے "موسیٰؑ"! اس لق و دق میدان میں ہمارا کیا حشر ہوگا کہاں سے کھائیں گے، کہاں سے پئیں گے اور کہاں سے سایہ حاصل کریں گے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے کھانے کیلئے "من و سلویٰ" اُتارا پینے کیلئے بارہ چشمے جاری کر دیے اور سایہ کیلئے" بادل سایہ فگن ہو گئے۔[2]

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۹۵-۹۶ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۹۷

Marfat.com

نقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ — کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا، اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ — (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لئے موجود ہے۔ موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی)

عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ — چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی لینے کی جگہ

مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا — معلوم کرلی (اس وقت تم سے کہا گیا تھا، اس بے آب وگیاہ بیابان میں

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا — تمہارے لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہوگئی ہیں (پس) کھاؤ پیو، خدا

فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ — کی بخشائش سے فائدہ اٹھاؤ اور ایسا نہ کرو کہ ملک میں فتنہ وفساد پھیلاؤ

(بقرہ) — (یعنی ضروریات معیشت کیلئے لڑائی جھگڑا کرو یا ہر طرف لوٹ مار مچاتے پھرو)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ — اور (پھر جب ایسا ہوا تھا کہ صحرا سینا کی بے آب وگیاہ سرزمین میں دھوپ

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ — کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہوجانے والے تھے) تو ہم نے تمہارے سروں

السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ — پر ابر کا سایہ پھیلا دیا، اور من اور سلویٰ کی غذا فراہم کردی (تم سے کہا گیا) خدا نے

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا — تمہاری غذا کے لیے جو اچھی چیزیں مہیا کردی ہیں انھیں بفراغت کھاؤ اور کسی طرح

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا — کی تنگی وقلت محسوس نہ کرو (لیکن اس پر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ — غور کرو) تم نے اپنی ناشکریوں سے ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے

(بقرہ) — رہے!

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ — اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ (ضرور) ایسا ہے جو لوگوں کو سچائی

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ — کی راہ چلاتا اور سچائی ہی کے ساتھ (ان کے معاملات میں)

عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى — انصاف بھی کرتا ہے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں

مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ — کے بارہ گروہوں میں منقسم کردیا، اور جب لوگوں نے موسیٰ سے

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا — پینے کیلئے پانی مانگا تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لاٹھی (ایک خاص) چٹان

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ — پر مارو، چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنی اپنی جگہ پانی کی

مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ — معلوم کرلی اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کردیا تھا

Marfat.com

وَاَنزَلنَا عَلَیھِمُ المَنَّ وَالسَّلوٰی ؕ کُلُوا مِن طَیِّبٰتِ مَا رَزَقنٰکُم ؕ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰکِن کَانُوا اَنفُسَھُم یَظلِمُونَ ۝ (اعراف)

اور ان کی غذا کیلئے من اور سلویٰ اُتارا تھا، ہم نے کہا تھا "یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو ہم نے عطا کی ہے" اور فتنہ و فساد میں نہ پڑو) انھوں نے (نافرمانی کرکے) ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا، خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

یٰبَنِیٓ اِسرَآءِیلَ قَد اَنجَینٰکُم مِّن عَدُوِّکُم وَوٰعَدنٰکُم جَانِبَ الطُّورِ الاَیمَنَ وَنَزَّلنَا عَلَیکُمُ المَنَّ وَالسَّلوٰی ۝ کُلُوا مِن طَیِّبٰتِ مَا رَزَقنٰکُم وَلَا تَطغَوا فِیہِ فَیَحِلَّ عَلَیکُم غَضَبِی ۚ وَمَن یَّحلِل عَلَیہِ غَضَبِی فَقَد ھَوٰی ۝ وَاِنِّی لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اھتَدٰی ۝ (طٰہٰ)

اے بنی اسرائیل! میں نے تمہارے دشمن سے تمہیں نجات بخشی تم سے (برکتوں اور کامرانیوں کا) وعدہ کیا جو کوہ طور کے دہنی جانب ظہور میں آیا تھا، تمہارے لئے (صحرائے سینا میں) من اور سلویٰ مہیا کر دیا۔ تمہیں کہا گیا "یہ پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے شوق سے کھاؤ مگر اس میں سرکشی نہ کرو) کروگے تو میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر غضب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں گرا) اور میں نے کہا) جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل ہو تو میں یقیناً اس کے لئے بڑا ہی بخشش والا ہوں۔

عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے، بحر احمر کے مشرقی بیابان میں سویز سے زیادہ دور نہیں ہیں اور اب بھی "عیون موسیٰ" (موسیٰ کے چشمے) کے نام سے مشہور ہیں، ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے، اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں اور کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔

قرآن عزیز کے ذکر کردہ واقعات سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عصا مار کر پانی کے نکال کرنے کا واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش نہیں آیا بلکہ "تیہ کے میدان میں" مختلف مقامات پر متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔

بہرحال حضرت موسیٰؑ کے طفیل بنی اسرائیل پر خدائے تعالیٰ کے احسانات کا مسلسل بارش

Marfat.com

ہوتی رہی اور سیکڑوں برس کی غلامی سے اُن کے عزائم کی پستی، اخلاقی کمزوری اور ہمت و شجاعت کے فقدان نے اُن پر جو ایک مستقل مایوسی اور نا اُمیدی طاری کر دی تھی ان "خدائی نشانات" نے بڑی حد تک اُن کی ڈھارس بندھائے رکھی مگر اس عجیب الفطرت قوم پر اس کا بھی کافی اثر نہ ہوا اور انھوں نے اپنی "بوالعجبی" کا ایک نیا مظاہرہ پیش کر دیا، ایک دن سب جمع ہو کر کہنے لگے "موسیٰؑ! ہم روز روز ایک غذا کھاتے رہنے سے گھبرا گئے ہیں، ہم کو اس منّ و سلویٰ کی ضرورت نہیں ہے، اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے زمین سے باقلا، کھیرا، ککڑی، مسور لہسن، پیاز جیسی چیزیں اُگائے تا کہ ہم خوب کھائیں۔

حضرت موسیٰؑ کو اُن کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے "تم بھی کس قدر احمق ہو کہ ایک عمدہ اور بہترین غذا کو چھوڑ کر معمولی اور گھٹیا قسم کی چیزوں کے طلب گار بنے ہو اور اس طرح خدا کی نعمتوں کی ناسپاسی اور اُس کے احسانات کی ناشکری کر کے کفرانِ نعمت کرتے ہو؟ پس اگر واقعی تم کو یہ نعمتیں نہیں بھاتیں اور جن چیزوں کا تم نام لے رہے ہو ان ہی کیلئے اصرار کرتے ہو تو درگاہِ الٰہی سے ان کو نشانات کی طرح طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے جاؤ کسی بستی اور شہر میں چلے جاؤ وہاں ہر جگہ تم کو یہ چیزیں وافر مل جائیں گی"

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ	اور جب تم نے کہا "موسیٰؑ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا	پس اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر کہ وہ زمین سے ہمارے
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا	لئے باقلا، ککڑی، لہسن مسور اور پیاز جیسی چیزیں اُگائے،
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ	موسیٰؑ نے کہا "کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے میں گھٹیا چیز کے
الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا	خواہش مند ہو۔ کسی شہر میں جا قیام کرو، بلاشبہ وہاں یہ سب کچھ
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (بقرہ)	مل جائیگا جس کے تم طلبگار رہو۔

طور پر اعتکاف حضرت موسیٰؑ سے خدا کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو "شریعت" دی جائیگی، اب وہ وقت آ گیا کہ خدا کا وعدہ پورا ہو اس لئے حضرت

Marfat.com

موسٰی وحیِ الٰہی کے اشارہ سے طور پر پہنچے اور وہاں عبادتِ الٰہی کیلئے اعتکاف کیا اس اعتکاف کی مدت ایک مہینہ تھی مگر بعد میں دس دن اور بڑھا کر چلّہ پورا کر دیا۔

دیلمی نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسٰیؑ کا ایک ماہ کا اعتکاف ختم ہوگیا تو انھوں نے خدائے تعالیٰ سے ہمکلامی کی تیاری شروع کی چونکہ مسلسل ایک ماہ روزہ ہی میں بسر کئے تھے اس لئے مُنہ میں بُو محسوس کرتے تھے لہٰذا انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ رب العالمین سے اس حالت میں ہم کلام ہوں اور انھوں نے ایک خوشبودار بوٹی کو چبایا اور کھالیا، فوراً ہی وحیِ الٰہی نے ٹوکا۔ موسٰی! تم نے ہمکلامی سے پہلے روزہ کیوں افطار کرلیا؟ حضرت موسٰیؑ نے اس کی وجہ بیان کردی، تب حکم ہوا کہ موسٰیؑ! اس مدت کو دس دن بڑھا کر چالیس دن کردو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے یہاں ایک روزہ دار کے مُنہ کی بُو بھی مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے، اور اس طرح یہ "چلّہ" پورا ہوا[1]

مگر قرآن کریم نے صرف اسی قدر ذکر کیا ہے کہ یہ مدّت اوّل تیس دن تھی اور پھر بڑھا کر چالیس دن کردی گئی، وجہ بیان نہیں کی[2]

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ	اور ہم نے موسٰی سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر دس راتیں بڑھا کر
اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ	اُسے پورا چلّہ کر دیا، اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ
اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً (اعراف)	میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہوگئی۔

حضرت موسٰیؑ جب طور پر چلّہ کشی کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت ہارونؑ کو اپنا جانشین بنا گئے کہ وہ بنی اسرائیل کو راہِ حق پر قائم رکھیں اور ہر معاملہ میں اُن کی نگرانی کریں۔

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ	اور موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تو میرے پیچھے میری قوم میں
فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ	میرا نائب رہنا اور اُن کی اصلاح کا خیال رکھنا اور مفسدوں

---

[1] روح المعانی جلد ۹ ص ۳۸ [2] روحانی ریاضیات کے لئے صوفیائے کرام کی "چلّہ کشی" غالباً اسی واقعہ سے اخذ کی گئی ہے، تجربہ بتاتا ہے کہ کسی کام پر استقامت حاصل کرنے کے لئے عموماً یہ مدّت مفید ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

اَلْمُفْسِدِیْنَ ٥ (اعراف) کی راہ پر نہ چلنا۔

تجلّیِ ذات؟ | جب چلّہ" پُورا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہم کلامی کا شرف بخشا تو حضرت موسیٰؑ نے غایت کیف و انبساط میں عرض کیا "خدایا! جب تو نے مجھ کو لذت و کیفِ سماع سے نوازا ہے تو پھر لذتِ مشاہدہ و دیدار سے کیوں محروم رہوں؟ اس سے بھی سرفراز فرما" وہاں سے جواب ملا موسیٰ! تم مشاہدۂ ذات کی تاب نہ لاسکو گے اچھا دیکھو ہم اپنی ذات کی تجلّی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے اگر یہ اس تجلّی کو برداشت کرلے تو پھر تم یہ سوال کرنا" اس کے بعد طور پر حضرتِ حق کی تجلّی نے ظہور کیا تو پہاڑ کا وہ حصہ ریزہ ریزہ ہوگیا، اور حضرت موسیٰؑ بھی اس نظارہ کی تاب نہ لاکر بیہوش ہوگئے اور گر پڑے۔

جب حضرت موسیٰؑ کو ہوش آیا تو انھوں نے خدائے برتر کی حمد و ثنا کی اور اپنے سوال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں کہ تیرے جمال کی تجلّی و عرفان اور نمودِ حق میں کوئی کمی نہیں نقصان صرف میری اپنی ہستی کے عجز و بیچارگی کا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ (اعراف)

اور جب موسیٰ آیا تاکہ ہمارے مقررہ وقت میں حاضری دے اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا تو پکار اُٹھا" پروردگار! مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نظر کرسکوں" حکم ہوا" تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا، مگر ہاں، اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ تجلّی حق کی تاب لے آیا اور اپنی جگہ ٹکا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا" پھر جب اس کے پروردگار نے تجلّی کی تو اس تجلّی نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑا جب موسیٰؑ ہوش میں آیا تو بولا" خدایا تیرے لئے ہر طرح کی تقدیس ہو، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے یقین کرنے والوں میں ہوں۔

نزولِ توراۃ | اس راز و نیاز کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو توراۃ عطا کی گئی، اور حضرتِ حق

Marfat.com

نے اُن کو حکم کیا کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی قوم سے کہنا کہ وہ بھی ان احکام پر اس طرح عمل کریں کہ جو عملِ نیک جس قدر زیادہ قربِ الٰہی کا سبب بنے اُس کو دوسرے اعمال پر ترجیح دیں، میں نے اس کتاب میں تمہارے دینی و دُنیوی فلاح کی تمام تفصیلات بیان کر دی ہیں، اور حلال و حرام، اور محاسن و معائب غرض تمام اوامر و نواہی کو کھولکر بیان کر دیا ہے اور یہی میری شریعت ہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى	(اللہ تعالیٰ نے) کہا "اے موسیٰ! بیشک میں نے لوگوں پر تجھ کو
النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ	اپنی پیغمبروں اور ہم کلامی سے برتری دی ہے اور چن لیا ہے، پس
مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝	جو میں نے تجھ کو (تورات کو) دیا ہے اس کو لے اور شکر گذاروں
وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ	اور ہم نے اس کے لئے (تورات کی) تختیوں پر ہر قسم کی
شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ	نصیحت اور (احکام میں سے) ہر شے کی تفصیل لکھدی ہے، پس
شَىْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ	اس کو قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم کر کہ وہ اُن میں
يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ	اچھی کو اختیار کریں، عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھر
دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (اعراف)	دکھاؤں گا۔

اس مقام پر دو باتیں قابلِ توجہ ہیں (۱) علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ طور کے اس واقعہ میں جن احکام کا نزول ہوا وہ تورات ہے اور علماءِ نصاریٰ کی موجودہ جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد وہ دس احکام ہیں جو مذہبِ موسوی میں "شریعت یا احکامِ عہد" کے نام سے موسوم ہیں یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو وغیرہ[1]، اور بعض معاصر مفسرین نے بھی آیت کا مصداق "احکامِ عہد" ہی کو ٹھہرایا ہے لیکن یہ دوسرا قول قرآنِ عزیز اور تورات دونوں کی شہادت سے غلط ہے، اور قولِ اول ہی صحیح اور درست ہے، اسلئے کہ قرآنِ عزیز نے سورۂ بقرہ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے "چلہ" کا ذکر کرتے ہوئے جب نزولِ احکام کا تذکرہ کیا ہے تو اسکو کتاب

[1] خروج باب ۳۴، آیت ۲۸۔

Marfat.com

فرقان کہا ہے اور یہ دونوں صفات قرآنِ عزیز میں تورات کیلئے بولی گئی ہیں نہ کہ "احکام عہد" کے لئے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (بقرہ)

اور جب عہد کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا پھر بنالیا تم نے اس کے پیچھے گوسالہ اور تم اس بارہ میں ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کے بعد تم کو معاف کردیا تاکہ تم شکرگذار بنو اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں کرنیوالی (فرقان) چیز عطا کی تاکہ تم راہ پاؤ۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (قصص)

اور بیشک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کیلئے بصیرتیں مہیا کرنے والی اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اور اگرچہ توراۃ (موجودہ بائبل) کے سفر خروج، استثناء اور کتاب یسوع میں موسیٰ علیہ السلام کے "چلّہ" کے بعد احکام عہد" یا "شریعت" کا لفظ پایا جاتا ہے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب اظہار الحق میں فارسی، عربی اور اُردو قدیم تراجم کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ تورات کے ان نسخوں میں ان ہر دو الفاظ کی جگہ "تورات" لکھا ہوا پایا جاتا ہے چنانچہ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر حقانی میں اُردو و فارسی بائبل مطبوعہ ۱۸۴۵ء و ۱۸۳۹ء سے حسب ذیل حوالے نقل کئے ہیں۔

(۱) وبرآں سنگہا تمامی کلمات ایں تورات را بخط روشن بنویس۔ (استثناء، باب ۲۷ آیت ۲۸)

(۲) بنی اسرائیل نے بموجب حکم موسیٰ کے ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پر توریت کو لکھدیا۔

یسوع۔ باب ۸، آیت ۱۵ (۱۸۴۵ء)

ان حوالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کو جو الواح طور پر "چلّہ" کے بعد دی گئیں

Marfat.com

وہ تورات کی الواح تھیں" احکام عہد" کی الواح نہیں تھیں، اور انگریزی نسخہ کے ترجمہ میں " لا" (Law) اور عربی و اُردو نسخوں میں " شریعت" کو بھی صحیح مان لیا جائے تو یہ لفظ بھی اپنے معنی کی وسعت میں تورات پر صادق آتا ہے اور تورات، شریعت اور قانون سب کا مصداق ایک ہی چیز ہے اور قدیم عیسائی دنیا میں یہی معنی سمجھے جاتے رہے ہیں اور" احکام عہد" اسی کا ایک جز ہیں اور اس کو مستقل قرار دینا بہت بعد کی پیداوار ہے۔

(۲) مسطورہ بالا آیات میں مذکور ہے۔

سأوریکم دار الفاسقین — عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

تو اس" دار" سے مراد کونسا مقام ہے؟ کہنے والوں نے قیاس اور تخمین سے مختلف جوابات دیئے ہیں (ا) اس" دار" سے عاد و ثمود کے کھنڈر مراد ہیں (ب) مصر مراد ہے کہ بنی اسرائیل دوبارہ اس میں داخل ہوں گے (ج) قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے شام کی مقدس سرزمین مراد ہے جہاں اس زمانہ میں عمالقہ کے جابر بادشاہوں کی حکومت تھی اور جہاں بنی اسرائیل کو داخل ہونا تھا[1] نجار نے اسی کو ترجیح دی ہے اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے، رہا یہ امر کہ حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے بوڑھے ان بستیوں میں داخل نہیں ہو سکتے" اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ کا انتقال ارض مقدس میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہو گیا تھا اور اسی طرح بنی اسرائیل کے بوڑھوں پر بھی آنیوالی تفصیل کے مطابق اس کا داخلہ حرام کر دیا گیا تھا" تو آیت کی یا تو یہ مراد ہے کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کا داخلہ جن کی اکثریت تھی سب کا داخلہ ہے اور اس طرح کا استعمال شائع ذائع ہے اور یا یہ مراد ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے یوشع بن نون اور کالب بن یوفنہ اور چند بنی اسرائیل کے بہادروں کو ارض مقدس میں اسلئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں کے مفصل حالات معلوم کر کے آئیں کہ ہم کس طرح اُن کو شکست دیکر پاک سرزمین میں داخل ہو سکتے ہیں، اور اُنھوں نے آکر تمام حالات بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کئے تھے تو گویا ان معدودے چند افراد کا ارضِ مقدس میں داخل ہو کر اس کو دیکھ آنا اور پھر سب کو وہاں

[1] روح المعانی جلد ۵ ص ۵۳

Marfat.com

کے حالات سے آگاہ کرنا، آیت میں اسی معاملہ کی جانب اشارہ ہے قتادہ کے قول کے مقابلہ میں پہلا قول اس لئے مرجوح ہے کہ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل کبھی قومی اور جماعتی حیثیت سے مصر میں داخل نہیں ہوئے اور دوسرا قول اس لئے قابلِ اعتناء نہیں ہے کہ اگرچہ ثمود کے آثار وادی سینا کے قریب ضرور تھے مگر عاد کے آثار و کھنڈرات تو عرب کے مغربی حصہ میں واقع تھے جو وادیٔ سینا سے مہینوں کی راہ تھی تو ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بنی اسرائیل کو صرف ان محو شدہ آثار و کھنڈرات کو دکھانے کے لئے بھیجا جاتا اور اس کے لئے خدا کا وعدہ اس شان کیساتھ بیان ہوتا ہے مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے جہنم مراد ہے اور کافروں کی تہدید کیلئے کہا گیا ہے۔[1]

بہرحال حضرت موسیٰؑ کو تورات دی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ "ہمارا قانون" یہ ہے کہ جب کوئی قوم ہدایت پہونچنے اور اس کی صداقت پر دلائل اور روشن حجت آجانیکے باوجود بھی سمجھ سے کام نہیں لیتی اور گمراہی اور باپ دادا کی بری ریت رسم ہی پر قائم رہتی اور اس پر اصرار کرتی ہے تو پھر ہم بھی اس کو اس گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں اور ہمارے پیغام حق میں ان کیلئے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا اس لئے کہ انھوں نے قبول حق کی استعداد اپنی متمردانہ سرکشی کی بدولت زائل کر دی، قرآن عزیز نے اسی حقیقت کو اس انداز میں بیان کیا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ	جو لوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں، ہم اپنی نشانیوں
فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ	سے ان کی نگاہیں پھرا دیں گے، وہ دنیا بھر کے نشانیاں دیکھیں پھر
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ	بھی ایمان نہ لائیں اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ	کبھی اس پر نہ چلیں، اگر دیکھیں گمراہی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے تو فوراً
يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ	چل پڑیں انکی ایسی حالت اس لئے ہو جاتی ہے کہ ہماری نشانیاں
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا	جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں اور جن لوگوں نے
عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے تو انکے
بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ	سارے کام اکارت ہوگئے وہ جو کچھ بدلہ پائیں گے وہ اسکے سوا کچھ نہ ہوگا

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ سورۂ اعراف

Marfat.com

أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اعراف)
کہ ان ہی کے کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں کرتے رہے۔

گوسالہ پرستی کا واقعہ اسی اثنا میں ایک اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جسکو حیرت زا بھی کہہ سکتے ہیں اور افسوسناک بھی، اور جس سے بنی اسرائیل کی ذہنیت اور اخلاقی پستی بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے، یعنی جبل طور یا حورب کے پہاڑ پر تو حضرت موسیٰؑ پروردگار عالم سے راز و نیاز میں مصروف، اور بنی اسرائیل کے لئے آئینِ الٰہی "توراۃ" حاصل کرنے میں مشغول تھے اور نیچے وادی سینا میں بنی اسرائیل نے "سامری" کی قیامت میں خود ہی اپنا معبود "گوسالہ" منتخب کر کے اس کی سمادھ لگائی اور پرستش شروع کر دی۔

جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب طور پر تورات لینے کیلئے تشریف لے جانے لگے تو بنی اسرائیل سے یہ فرمایا کہ میرے اعتکاف کی مدت ایک ماہ ہے۔ مدت پوری ہونے پر فوراً تمہارے پاس پہنچ جاؤنگا، ہارونؑ تمہارے پاس موجود ہیں یہ تمہارے احوال کے نگراں رہیں گے، مگر طور پر جاکر وہ مدت تیس کی بجائے چالیس دن ہوگئی، اس تاخیر سے ایک شخص "سامری" نے فائدہ اٹھایا، اُسنے جب یہ دیکھا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کی تاخیر سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ اگر تم اپنے وہ تمام زیورات میرے پاس لے آؤ جو تم نے مصریوں سے مستعار لئے تھے اور پھر واپس نہ کر سکے تو میں تمہارے فائدہ کی ایک بات کر دوں۔

سامری گو ظاہر میں مسلمان تھا مگر اس کے دل میں کفر و شرک کی نجاست بھری ہوئی تھی پس جب بنی اسرائیل نے تمام سونے کے زیورات لاکر اس کے حوالے کر دئے تو اس نے ان کو بھٹی میں ڈال کر گلا دیا اور اس سے گوسالہ (بچھڑا) کا جسم تیار کیا اور پھر اپنے پاس سے ایک مشتِ خاک اس کے اندر ڈال دی، اس ترکیب سے گوسالہ میں آثارِ حیات پیدا ہوگئے اور وہ بچھڑے کی آواز "بھائیں بھائیں" بولنے لگا۔

Marfat.com

اب سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ سے غلطی اور بھول ہو گئی کہ وہ خدا کی تلاش میں طور پر گیا، تمہارا معبود تو یہ موجود ہے۔

صفحات گذشتہ میں یہ اچھی طرح واضح ہو چکا ہے کہ صدیوں تک مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل میں مشرکانہ رسوم و عقائد کو پھیلا دیا تھا اور وہ اس رنگ میں کافی حد تک رنگے جا چکے تھے، اور گوسالہ پرستی مصر کا قدیم عقیدہ تھا۔ اور ان کے مذہب میں اس کو بہت اہمیت حاصل تھی، اسی لئے ان کے ایک بڑے دیوتا "حورس" کا منہ گائے کی شکل کا تھا اور وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "کرۂ زمین" گائے کے سر پر قائم ہے۔[1]

سامری نے جب بنی اسرائیل کو ترغیب دی کہ وہ اس کے بنائے ہوئے گوسالہ کو اپنا معبود سمجھیں اور اس کی پوجا کریں تو انھوں نے بآسانی اس کو قبول کر لیا۔

حضرت ہارونؑ نے یہ دیکھا تو بنی اسرائیل کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو یہ تو گمراہی کا راستہ ہے مگر انھوں نے ہارون (علیہ السّلام) کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰؑ نہ آجائیں ہم اس سے باز آنے والے نہیں۔

یہاں جب یہ نوبت پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اس واقعہ سے مطلع کرنا ضروری سمجھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا "موسیٰؑ! تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں آنے میں اس قدر جلدی کیوں کی؟" حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا "خدایا! اس لئے کہ تیرے پاس جلد حاضر ہو کر قوم کے لئے ہدایت حاصل کروں" اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو بتایا کہ جس کی ہدایت کیلئے تم اس قدر مضطرب ہو وہ اس گمراہی میں مبتلا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ سنا تو ان کو سخت رنج ہوا اور غصہ و ندامت کے ساتھ قوم کی طرف واپس ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ تم نے کیا کیا؟ مجھ سے ایسی کونسی تاخیر ہو گئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے جاتے

[1] معلوم ہوتا ہے کہ تمام بت پرست اقوام میں گائے کی تقدیس اور گوسالہ پرستی مشترک عقیدہ کی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے ہندوستان، عراق، ایران، چین اور جاپان کے بت پرستوں میں اس کی اہمیت یکساں نظر آتی ہے۔

Marfat.com

تھے اور غیظ و غضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے تورات کی الواح بھی گر گئیں۔
بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے وہ سامری نے ہم سے مانگ کر یہ سوانگ بنا لیا اور ہم کو گمراہ کر دیا۔
"شرک" "منصب نبوّت کے لئے ایک ناقابلِ برداشت شے ہے اس لئے اور نیز اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ بہت گرم مزاج تھے انھوں نے اپنے بھائی ہارون کی گردن پکڑ لی اور داڑھی کی جانب ہاتھ بڑھایا تو حضرت ہارونؑ نے فرمایا "برادر! میری مطلق خطا نہیں ہے میں نے اُن کو ہر چند سمجھایا مگر انھوں نے کسی طرح نہیں مانا اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰؑ نہ آجائے ہم تیری بات سُننے والے نہیں بلکہ اُنھوں نے مُجھ کو کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر اُن سے لڑائی کی جائے اور مومنین کاملین اور اُنکے درمیان جنگ برپا ہو تو کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میرے پیچھے قوم میں تفرقہ ڈالدیا اسلئے میں خاموشی کیساتھ تیرا منتظر رہا۔ پیارے بھائی! تو میرے سر کے بال نہ نوچ اور نہ داڑھی پر ہاتھ چلا اور اس طرح دوسروں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دے۔
ہارون (علیہ السّلام) کی یہ معقول دلیل سُن کر حضرت موسیٰؑ کا غصّہ ان کی جانب سے فرو ہو گیا۔ اور اب" سامری" کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا۔
سامری! تو نے یہ کیا سوانگ بنایا ہے؟ سامری نے جواب دیا کہ میں نے ایسی بات دیکھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی تھی یعنی غرقِ فرعون کے وقت "جبرئیل علیہ السلام" گھوڑے پر سوار اسرائیلیوں اور فرعونیوں کے درمیان حائل تھے میں نے دیکھا کہ اُن کے گھوڑے کے سُم کی خاک میں اثرِ حیات پیدا ہو جاتا ہے، اور خشک زمین پر سبزہ اُگ آتا ہے تو میں نے جبرئیلؑ کے گھوڑے کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور اس خاک کو اس بچھڑے میں ڈال دیا۔ اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور یہ "بھاں بھاں" کرنے لگا۔
حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) نے فرمایا۔ اچھا اب تیرے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے

Marfat.com

کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے اور جب کوئی انسان تیرے قریب آئے تو اُس سے بھاگتے ہوئے یہ کہے کہ دیکھنا مجھ کو ہاتھ نہ لگانا یہ تو دنیوی عذاب ہے اور قیامت میں ایسے نافرمانوں اور گمراہوں کیلئے جو عذاب مقرر ہے وہ تیرے لئے وعدۂ الٰہی کی صورت میں پورا ہونے والا ہے

اے سامری! یہ بھی دیکھ کہ تو نے جس گوسالہ کو معبود بنایا تھا اور اس کی سمادھ لگا کر بیٹھا تھا ہم ابھی اس کو آگ میں ڈال کر خاک کئے دیتے ہیں اور اس خاک کو دریا میں پھینکے دیتے ہیں کہ تجھ کو اور تیرے ان بے وقوف مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے معبود کی قدر و قیمت اور طاقت و قوت کا یہ حال ہے کہ وہ دوسروں پر عنایت و کرم تو کیا کرتا خود اپنی ذات کو ہلاکت و تباہی سے نہ بچا سکا۔

بدبختو! یہ معمولی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ تمہارا معبود صرف وہی ایک خدا ہے جس کا نہ کوئی ساجھی ہے نہ شریک اور وہ ہر شے کا عالم و دانا ہے"

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (بقرہ)	اور پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کیساتھ تمہارے پاس آیا، لیکن جب چالیس دن کیلئے، تم سے الگ ہو گیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے اور ایسا کرتے ہوئے یقیناً تم (شیوۂ ایمان میں ثابت قدم نہ تھے) ایمان سے منحرف ہو گئے تھے، اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (دینِ الٰہی پر قائم رہنے کا) تم سے عہد لیا تھا، اور کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں (تو تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ تمہیں حکم دیا گیا کہ) جو کتاب تمہیں دی گئی ہے، اس پر مضبوطی کیساتھ جم جاؤ اور اُس کے حکموں پر کاربند رہو" تم نے (زبان سے) کہا، سُنا، اور دل سے کہا نہیں مانتے، اور پھر ایسا ہوا کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دلوں میں گوسالہ پرستی رچ گئی اے پیغمبر ان سے کہو (دعوتِ حق سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے) تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو، اگر وہ یہی ایمان ہے تو افسوس اس ایمان پر، کیا ہی بُری راہ ہے جس پر تمہارا، ایمان تمہیں لے جا رہا ہے!

Marfat.com

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ
مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ
خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ
وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ
وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ
اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ
لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا
رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ
مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ
رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ
ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ
بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ
اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ
رَحْمَتِكَ ۡ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَا
لُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

پھر ایسا ہوا کہ موسیٰؑ کی قوم نے اُس کے (پہاڑ پر) چلے جانے کے بعد اپنے زیور کی چیزوں سے (یعنی زیور کی چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اور اُسے (پرستش کیلئے) اختیار کرلیا (افسوس اُن کی عقلوں پر) کیا انھوں نے اتنی (موٹی سی) بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات کرتا ہے نہ کسی طرح کی رہنمائی کرسکتا ہے؟ وہ اُسے لے بیٹھے اور وہ (اپنے اوپر) ظلم کرنیوالے تھے، پھر جب ایسا ہوا کہ (افسوس و ندامت سے) ہاتھ ملنے لگے، اور انھوں نے دیکھ لیا کہ (راہِ حق) سے قطعاً بھٹک گئے ہیں تو کہنے لگے "اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ہمارے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے!" اور جب موسیٰ خشمناک اور افسوس کرتا ہوا اپنی قوم میں لوٹا تو اس نے کہا "افسوس تم پر! کس بُرے طریقے پر تم نے میرے پیچھے میری جانشینی کی تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کرسکے" اس نے (جوش میں آکر) تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا، ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا، اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں، پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن ہنسیں اور نہ مجھے (ان) ظالموں کیساتھ شمار کر" موسیٰ نے کہا "پروردگار! میرا قصور بخشدے (کہ جوش میں آگیا) اور میرے بھائی کا بھی (کہ گمراہوں کو سختی کے ساتھ نہ روک سکا) اور ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کر! تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو۔

خدا نے فرمایا "جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی، ان کے حصے میں انکے پروردگار کا غضب آئیگا، اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی

Marfat.com

ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا
السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا
وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ
مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ
وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ
هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ (اعراف)
وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝
قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا
قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ
وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى
اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ
يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا
حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ
غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِيْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ
بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ
زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا وَكَذٰلِكَ

پائیں گے ہم افترا پردازوں کو (ان کی بدعملی کا) اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، ہاں
جن لوگوں نے برائیوں کے ارتکاب کے بعد (متنبہ ہوکر) توبہ کرلی اور
ایمان لے آئے، تو بلاشبہ تمہارا پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا
رحمت والا ہے!"
اور جب موسیٰ کی خشمناکی فرد ہوئی، تو اس نے تختیاں اٹھالیں،
اُن کی کتابت میں (یعنی اُن حکموں میں جو اُن پر لکھے ہوئے تھے)
اُن لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار
کا ڈر رکھتے ہیں"
اور (جب موسیٰؑ طور پر حاضر ہوا تو ہم نے پوچھا) "اے موسیٰ! کس بات
نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا؟" موسیٰؑ نے
عرض کیا" وہ مجھ سے دور نہیں، میرے نقش قدم پر ہیں، اور اے پروردگار
میں تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو" فرمایا مگر ہم نے تیرے
پیچھے تیری قوم کی (استقامت کی) آزمائش کی اور سامری نے اُسے
گمراہ کر دیا، پس موسیٰ خشمناک اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا
اُس نے کہا" اے میری قوم کے لوگو! یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے
تمہارے پروردگار نے ایک بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا
ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گذر گئی (اور تم اُسے یاد نہ رکھ سکے؟) یا یہ بات
ہے کہ تم نے چاہا، تمہارے پروردگار کا غضب تم پر آنازل ہو، اس لئے
تم نے مجھ سے ٹھہرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟" انھوں نے کہا" ہم نے خود
اپنی خواہش سے عہد شکنی نہیں کی، بلکہ (ایک دوسرا ہی معاملہ پیش آیا) مصری
قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا ہم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری

Marfat.com

أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ
عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا
هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوسَىٰ ۝
فَنَسِيَ ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ
إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۝ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ
لَهُمْ هٰرُونُ مِن قَبْلُ يٰقَوْمِ
إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي
قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِينَ حَتّٰى
يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ يٰهٰرُونُ
مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝
أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي
وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَن
تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ
يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ
يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً
مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَ
كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝ قَالَ

بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنچ جاتے تھے ہم اس بوجھ کے رکھنے کے خواہش مند نہ تھے وہ ہم نے پھینک دیا (بس ہمارا اتنا ہی قصور ہے) چنانچہ اس طرح (جب سونا فراہم ہوگیا تو) سامری نے اُسے آگ میں ڈالا اور اُن کے لئے ایک (سنہرا بچھڑا بنا کر) نکال لیا محض ایک دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی، لوگ یہ دیکھ کر بول اُٹھے، یہ ہے ہمارا معبود اور موسیٰ کا بھی، مگر وہ بھول میں پڑ گیا (افسوس ان کی سمجھ پر) کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا (آواز تو نکالتا ہے مگر) اُنکی بات کا جواب نہیں دے سکتا، اور نہ انہیں فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان؟ اور ہارون نے اس سے پہلے اُنہیں (صاف صاف) بتا دیا تھا "بھائیو یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہاری (استقامت کی) آزمائش ہو رہی ہے، تمہارا پروردگار تو خدائے رحمٰن ہے، دیکھو میری پیروی کرو اور میرے کہے سے باہر نہ ہو" مگر انھوں نے جواب دیا تھا جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آجائے ہم اس کی پرستش پر جمے ہی رہیں گے، بہرحال موسیٰ نے (اب ہارون) سے کہا "اے ہارون! جب تو نے دیکھا یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟ کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟ ہارون بولا- "اے میرے عزیز بھائی! میرے داڑھی اور سر کے بال نہ نوچ (میں نے اگر سختی میں کمی کی، تو صرف اس خیال سے کہ) میں ڈرا کہیں تم یہ نہ کہو، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کی راہ نہ دیکھی" تب موسیٰ نے (سامری سے) کہا "سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟" کہا "میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتہ کے نقش

Marfat.com

فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ)

قدم (کی مٹی) سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس کو (ڈھلے ہوئے بچھڑے میں) ڈال دیا میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی" موسیٰ نے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو پھر جا۔ زندگی میں تیرے لئے یہ ہونا ہے کہ کہے میں اچھوت ہوں، اور آخرت میں عذاب) کا ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں اور دیکھ تیرے (گھڑے ہوئے) معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا، ہم اُسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور راکھ سمندر میں اُڑا کر بہا دیں گے، معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہی ہے جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے۔

آیات مسطورۂ بالا میں حسب ذیل آیت کی تفسیر کے متعلق مفسرین کے درمیان کلام ہے

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ (طٰہٰ)

موسیٰؑ نے کہا "پس اے سامری! تیرا یہ کیا معاملہ ہے" سامری نے کہا "میں نے اس چیز کو دیکھا جس چیز کو انھوں نے نہیں دیکھا پس میں نے "رسول" کے نشان سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس کو ڈال دیا اور میرے جی نے یہی سمجھا دیا۔

دراصل اس آیت میں چند باتیں زیر بحث ہیں اور اُن ہی کے فیصلہ پر کل واقعہ کی تفسیر کا مدار ہے (۱) سامری نے وہ کیا شے دیکھی جو دوسروں نے یعنی بنی اسرائیل نے نہیں دیکھی؟ (۲) "قَبَضْتُ قَبْضَةً" سے کیا مراد ہے؟ (۳) "اَثَرِ الرَّسُوْلِ" میں "رسول" سے مراد حضرت موسیٰؑ ہیں یا جبرئیل فرشتہ؟ (۴) "نَبَذْتُهَا" سے کیا مراد ہے؟

واقعہ کی گذشتہ تفصیلات سے اگرچہ "جمہور" کی رائے معلوم ہو چکی ہے تاہم مختصر طور پر اس کو حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ دہلوی کی زبانی پھر سُن لیجیے۔

"جس وقت بنی اسرائیل پھٹے دریا میں پیٹھے (گھسے) پیچھے فرعون ساتھ فوج کے پیٹھا (داخل ہوا) جبرئیل بیچ میں ہو گئے کہ ان کو اُن تک پہنچنے دیں، سامری نے پہچانا کہ یہ جبرئیل ہیں، انکے پاؤں

کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہی اب اس سونے کے بچھڑے میں ڈال دی، سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے اس میں مٹی پڑی برکت کی حق و باطل مل کر ایک کرشمہ" پیدا ہوا کہ رونق جاندار کی اور آواز اُس میں ہوگئی، ایسی چیزوں سے بچنا چاہئے اسی سے بُت پرستی بڑھتی ہے۔

اس تفسیر کے متعلق صاحب روح المعانی ارشاد فرماتے ہیں :-

آیت کی یہ تفسیر وہ ہے جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جلیل القدر مفسرین سے منقول ہے[1]

اس تفسیر کے خلاف دوسری تفسیر مشہور معتزلی ابو مسلم اصفہانی کی ہے وہ کہتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ سامری نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ مجھ کو بنی اسرائیل کے خلاف یہ بات سوجھی کہ آپ حق پر نہیں ہیں اور ساتھ ہی میں نے آپ کا کچھ اتباع کر لیا تھا اور پیروی اختیار کر لی تھی مگر میرا دل اس پر نہ جما اور آخر کار میں نے اس اتباع اور پیروی کو بھی ترک کر دیا اور اسی طریق کار کو میرے نفس نے بہتر جانا۔ گویا ابو مسلم کے نزدیک آیت " فبصرت بمالم یبصروا بہ" کے معنی یہ ہیں کہ سامری بنی اسرائیل کے عقیدے کے خلاف حضرت موسٰی کو حق پر نہیں سمجھتا تھا، اور " قبضت قبضۃ من اثر الرسول" میں " رسول" سے مراد حضرت موسٰی (علیہ السلام) ہیں اور " اثر رسول" سے مراد پیروی اور اتباع ہے اور " قبضہ" سے تھوڑی سی پیروی مراد ہے اور اس لئے آیت میں " فنبذتھا" سے ترک اتباع مُراد ہے، ابو مسلم نے اپنی اس تفسیر کے ثبوت میں لغت عرب سے کچھ استشہادات بھی پیش کئے ہیں اور جمہور کی تفصیل پر کچھ اشکالات بھی وارد کئے ہیں۔ جس کا جواب سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے

باایں ہمہ ابو مسلم کی اس تفسیر کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں قوی، راجح اور صحیح تسلیم کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

" یہ واضح رہے کہ ابو مسلم نے جو تفسیر بیان کی ہے اُس میں مفسرین کی مخالفت تو ضرور پائی جاتی ہے لیکن حسب ذیل چند وجوہ کے پیش نظر تحقیق سے قریب تر اُسی کی تفسیر ہے[2]"

---

[1] روح المعانی جلد ۱۶ ص ۲۲۹، [2] جلد ۶ ص ۷۰

Marfat.com

چنانچہ علماءِ عصر میں سے مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے زیر بحث آیت سے متعلق قرآنِ عزیز کے سیاق و سباق کے مطالعہ اور اس سلسلہ میں صحیح احادیثِ نبوی کی تفتیش و تحقیق کے بعد حق اور راجح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی تصریح منقول نہیں ہے کہ جس کے بعد ایک جانب کو قطعیت حاصل ہو جائے اور دوسری جانب باطل قرار پائے اور غالباً اسی وجہ سے مشہور محدث و مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے کے بعد اگرچہ جمہور کی تائید کی ہے، اور ابو مسلم کی تائید نہیں کی بلکہ اس کی تفسیر کو نقل بھی نہیں کیا تاہم جمہور کی تفسیر کو وہ حیثیت نہیں دی جو صاحب روح المعانی نے ذکر فرمائی ہے یعنی یہ کہ جمہور کی تفسیر نصوصِ حدیثی سے ثابت ہے اور اس لئے دوسرا احتمال بے شبہ الحاد و زندقہ ہے، چنانچہ انھوں نے آیت کی تفسیر کرنے کے بعد صرف یہ فرمایا۔

ھٰذا ھو المشھور عند کثیر من المفسرین او اکثرھم (جلد ۳ سورہ طٰہٰ)	یہ وہ تفسیر ہے جو بہت سے مفسرین بلکہ اکثر مفسرین کی نسبت سے مشہور ہے۔

اور اسی طرح ان کے معاصر مشہور مفسر ابن حیان اندلسی نے البحر المحیط میں ابو مسلم کی تفسیر کو اگرچہ "قیل" کہہ کر نقل کیا، مگر اس کے خلاف ایک جملہ بھی نہیں لکھا اور سکوت فرمایا۔

پس ان جلیل القدر مفسرین کے اس طرزِ تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ جمہور کی تفسیر ہی کو صحیح یا راجح سمجھتے ہیں، مگر دوسرے احتمال کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے اور ایسا احتمال ہے جس کی پشت پر الحاد و زندقہ کی کارفرمائی ہے۔

البتہ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق اور قبول حق اور ترکِ حق کے متعلق مختلف مقامات میں قرآن کا اسلوبِ بیان" دونوں امور" ابو مسلم کی تفسیر کا قطعاً انکار کرتے اور اس کو تاویل محض ظاہر کرتے ہیں، اس لئے آیت زیر بحث کے جملہ "بصرت بما لم یبصروا بہٖ" میں بصارت سے بصارتِ عینی کی جگہ بصیرتِ قلبی مراد لینا اور حضرت موسیٰؑ

Marfat.com

سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی "الرسول" کہہ کر ان کو غائب کے قائم مقام بنانا "قبضت قبضۃ" کے معنی مٹھی بھر لینا کی جگہ "تھوڑا سا اتباع کر لینا" بیان کرنا اور جملہ "نبذتہا" سے ترک اتباع مراد لینا یہ سب علیحدہ علیحدہ جملہ کے اعتبار سے اگرچہ محاوراتِ عربیہ میں قابلِ تسلیم ہیں لیکن پورے نظمِ کلام کے پیشِ نظر یہ تاویل سے زیادہ وقیع نہیں ہے اور سیاق و سباق شہادت دے رہا ہے کہ اس جگہ وہی معنی راجح ہیں جو جمہور کا مختار ہیں۔

کیا یہاں یہ اصولی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اگر سامری کو صرف یہ بتانا تھا کہ میں دل سے آپ کا معتقد نہیں تھا، مگر مصلحتہً کچھ دنوں کے لئے آپ کی پیروی کر رہا تھا اور اب اس کو بھی ترک کر دیا تو اس صاف اور سادہ بات کیلئے قرآن عزیز کو ایسے ذو معنی اور مبہم اظہارِ بیان کی کس لئے ضرورت پیش آئی کہ بقول آزاد صاحب "مفسرین کو یہ موقع مل گیا کہ انھوں نے یہودیوں میں مشہور روایت کو ٹھیک ٹھیک آیت زیرِ بحث پر چسپاں کر دیا" درحقیقت آیت کا سیاق و سباق صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے سوال پر سامری کا جواب ضرور کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو محیر العقول بھی تھا اور اس کو کج فطرت انسانوں کی گمراہی کیلئے آلۂ کار بھی بنایا جا سکتا تھا۔

رہا یہ سوال کہ یہ عجیب و غریب معاملہ ایک باطل پرست کے ہاتھ سے کس طرح ظہور پذیر ہوا تو اس کے متعلق سب سے بہتر جواب شاہ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) کی وہ تعبیر ہے جو موضح الفرقان سے گذشتہ سطور میں نقل کی گئی، یعنی جب ایک باطل کو کسی دوسرے حق کے ساتھ ملا یا جائے تو اس کے امتزاج سے ایک کرشمہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس ترکیب کا خاصہ اور اس کا حقیقی مزاج کہلاتا ہے، مثلاً آپ گلاب کے عطر کو چرکین کے کچھ اجزاء کے ساتھ مخلوط کیجئے تو گلاب کی نفیس اور لطیف خوشبو چرکین کی قابلِ نفرت بدبو کے ساتھ مل کر ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیگی جس سے بے شبہ نفس چرکین کی بو سے بھی زیادہ دل و دماغ پر بُرا اثر پڑے گا اور یہ حالت ہو جائیگی کہ ایک سلیم المزاج انسان چرکین کے ایک ڈھیر پر کھڑا ہونا منظور کر سکتا ہے لیکن اس مخلوط بُو کو

Marfat.com

ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کرسکتا، اسی لئے اسلام نے حق و باطل کے ایسے امتزاج کو حرام قرار دیا ہے کہ اس سے سخت گمراہی پھیلتی ہے۔

بہرحال جمہور کی تفسیر ہی صحیح اور قرآن عزیز کے اسلوب بیان کے مطابق ہے۔

سامری کون تھا؟ "سامری" کے اس انوکھے فریب نے ایک محقق کیلئے یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ یہ شخص اسرائیلی تھا یا کون؟ اور یہ کہ "سامری" اس کا نام ہے یا لقب؟

نجار کہتے ہیں اس موقعہ پر جرائد میں عیسائیوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سامری "سامرہ" کی جانب منسوب ہے اور سامرہ شہر اس وقت تک آباد نہیں ہوا تھا لہٰذا قرآن کے اس واقعہ میں سامری کے ذکر کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "سامری" سامرہ شہر کی جانب منسوب نہیں ہے اور نہ منسوب ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ شہر موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ میں موجود نہ تھا بلکہ بہت زمانہ کے بعد عالم وجود میں آیا ہے بلکہ یہ "شامر" کی جانب منسوب ہے اور یہ عبرانی لفظ ہے یہ جب عربی میں منتقل ہوا تو "ش" "س" کے ساتھ تبدیل ہو گیا خود عبرانی بولنے والی دو شاخیں سبط افرائیم اور سبط یہوذا میں سے افرائمی "س" بولتے ہیں اور یہوذا "ش" چنانچہ یہ لفظ عبرانی میں "شومیر" بولا جاتا ہے اور شمر کے معنی حرس (حفاظت) کے ہیں لہٰذا شومیر یا شامر یا سامر کے معنی "حارس" (محافظ) کے ہیں اور اسی کی نسبت سے "سامری" بولا جاتا ہے۔

نجار نے عبرانی توراۃ سے راس معنی کے استشہاد میں ایک حوالہ بھی دیا ہے کہ جب خدا نے قابیل سے پوچھا کہ تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم کہاں ہے۔ مسومیر احی انوخی[1] (کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں)[2]

اور علامہ آزاد فرماتے ہیں:۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب؟ قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے، کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے

---

[1] تکوین اصحاح ۴ آیت ۶   [2] قصص الانبیاء ص ۳۶۶

Marfat.com

پکارنا شروع کر دیا ہے، عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آرہا ہے اور اب بھی عراق میں اُن کا
قبیلہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے، یہاں قرآن کا "سامری" کہہ کے اُسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ
یہ نام نہیں ہے اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا
سامری تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبے
میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں
اٹھا رہی تھیں، ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی، عرب تھی، دوسری جس کی نسبت
خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی، اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا
شہر سامرہ اور آباد ہوا تھا جس کا محل اب "تل العبید" میں دریافت ہوا ہے اور
وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں
سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارہ میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں
کی جا سکتی ہے لیکن نینوا میں اشوری پال (متوفی ۶۶۶ سنہ قبل مسیح) کا جو کتب خانہ نکلا ہے
اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ لغت کی کتاب کا بھی جس میں اکادی اور سمیری زبان کے
ہم معنی الفاظ جمع کئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات صامی
حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے، یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل
انہی قبائل کے مجموعہ سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لئے ہم نے تورات کی
اصطلاح سامی اختیار کر لی ہے...... بہر حال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا
مگر یہ دُور دُور تک پھیل گئے تھے، مصر کے ان سے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل
مسیح تک روشنی میں آچکا ہے، پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد
ہو گیا اور جب بنی اسرائیل نکلے، تو یہ بھی اُن کے ساتھ نکل آیا، اسی کو قرآن نے "السامری"
کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں

Marfat.com

بھی تھا اور مصریوں میں بھی الخ [1]

ان ہر دو بیانات کے مطالعہ کے بعد یہ بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد کی تشریح نجّار کی تشریح کے مقابلہ میں زیادہ قریبِ صواب اور راجح ہے اور نجّار کی تشریح "تاویل بعید" کی حیثیت رکھتی ہے، سامر کے معنی اگر نگہبان کے آتے ہیں تو اس کا نام بھی سامری کیوں ہوا۔ اس کا جواب اس تاویل میں نہیں ملتا اور عیسائیوں کے سوال کا جواب جس تاریخی تحقیق کے ساتھ آزاد صاحب کے مضمون میں ملتا ہے وہی صحیح ہے۔

الحاصل حضرت موسیٰؑ جب ان معاملات سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے خدائے تعالیٰ کی جناب میں رجوع کیا کہ اب ان کے اس ارتداد اور بے دینی کی سزا تیرے نزدیک کیا ہے؟ وہاں سے جواب ملا کہ جن لوگوں نے یہ شرک کیا ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا پڑے گا، نسائی میں روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہاری توبہ کی صرف ایک صورت مقرر کی گئی ہے وہ یہ کہ مجرموں کو اپنی جان کو اس طرح ختم کرانا چاہیے کہ جو شخص رشتہ میں جس سے زیادہ قریب ہے وہ اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یعنی باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو اور بھائی بھائی کو، آخر بنی اسرائیل کو اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ توراۃ میں ہے کہ اس طرح تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے اور بعض اسلامی روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد مذکور ہے، جب نوبت یہاں تک پہنچی تو حضرت موسیٰؑ درگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا بارِ الہا! اب ان پر رحم فرما اور ان کی خطاؤں کو بخش دے، حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا اور جو زندہ ہیں اور قصوروار ہیں ان کی بھی خطا معاف کر دی، تم ان کو سمجھا دو کہ آئندہ شرک کے قریب بھی نہ جائیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "اے قوم! بلاشبہ تم نے گوسالہ

---

[1] ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۴۶۴ - ۴۶۵

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْآ اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (بقرہ)

بنانے میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے پس اپنے خالق کی طرف رجوع کرو۔ اور اپنی جانوں کو قربان کرو تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر وہ تم پر رجوع بہ رحمت ہوگا بلاشبہ وہ بڑا رجوع برحمت ہونے والا، رحم کرنیوالا ہے۔

اس واقعہ کے متعلق قرآن عزیز اور تورات میں بہت سخت اختلاف ہے، تورات کا بیان ہے کہ گوسالہ ہارون نے بنایا تھا۔

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا، ہارون نے اُن سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں اُن کو اتار کر میرے پاس لے آؤ، چنانچہ سب لوگ اُن کے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اتار کر اُن کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی، تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا، یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہے۔ (خروج باب ۳۲-آیت ۹-۵)

تورات کی تحریف و مسخ کی شہادت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جو کتاب اسی "باب خروج" میں ہارون (علیہ السلام) کو خدا کا پیغمبر اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا وزیر ظاہر کرتی ہے وہی تورات اس جگہ ہارون (علیہ السلام) کو "عیاذاً باللہ" نہ صرف مشرک اور بُت پرست ثابت کر رہی ہے بلکہ شرک کا معلم اور بُت پرستی کا راہنما بنا رہی ہے۔

تورات کے مطالعہ سے بآسانی آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہل کتاب کی بوالعجبیوں اور کتاب اللہ میں تحریفات کی داستانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت داستان یہ ہے کہ

Marfat.com

وہ خدا کے جن برگزیدہ انسانوں کو نبی اور پیغمبر کہتے جاتے ہیں ان ہی پر شرک و کفر اور بد اخلاقیوں کی تہمت لگانے میں بھی نہیں جھجکتے، چنانچہ اس مقام پر بھی سامری کے مشرکانہ عمل کو حضرت ہارون علیہ السلام کے سر لگا دیا، قرآن عزیز اس خرافات کی پُر زور تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کا دامن اس قسم کی ناپاکی سے قطعاً پاک ہے، گوسالہ بنانا اور گوسالہ پرستی کی ترغیب دینا سامری کا کام تھا نہ کہ حضرت ہارونؑ جیسے برگزیدہ نبی کا، انھوں نے تو سختی کے ساتھ بنی اسرائیل کو اس ناپاک حرکت سے باز رکھنے کی سعی کی مگر وہ بدبخت کسی طرح نہ مانے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ	اور بیشک ہارون نے پہلے ہی ان (بنی اسرائیل) سے کہا اے قوم!
قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ	بلاشبہ تم فتنہ میں ڈال دیئے گئے (اس بچھڑے کے بنانے سے) اور
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ	بیشک تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے بس (اب بھی سمجھو اور) میری پیروی
قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى	کرو اور میرے حکم کو مانو، انہوں نے (بنی اسرائیل نے) کہا ہم اس کی سمادھ
يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ (طٰہٰ)	ہرگز نہ چھوڑیں گے تاآنکہ موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آجائے۔

ستر سرداروں کا انتخاب جب بنی اسرائیل کا یہ جرم معاف کر دیا گیا تو اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس جو یہ الواح "تختیاں" ہیں، یہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور دینی و دنیوی زندگی کی فلاح کیلئے مجھ کو عطا فرمائی ہے، یہ "تورات" ہے، اب تمہارا فرض ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔

بنی اسرائیل بہرحال "بنی اسرائیل تھے" کہنے لگے "موسیٰ! ہم کیسے یقین کریں کہ یہ خدا کی کتاب ہے؟ صرف تیرے کہنے سے تو ہم نہیں مانیں گے، ہم تو جب اس پر ایمان لائیں گے کہ خدا کو بے حجاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اور وہ ہم سے یہ کہے کہ یہ "تورات" میری کتاب ہے تم اس پر ایمان لاؤ۔

حضرت موسیٰؑ نے ان کو سمجھایا یہ بے وقوفی کا سوال ہے ان آنکھوں سے خدا کو کس نے

Marfat.com

دیکھا ہی جو تم دیکھو گے یہ نہیں ہوسکتا، مگر بنی اسرائیل کا اصرار بدستور قائم رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو کچھ سوچ کر ارشاد فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ تم لاکھوں کی تعداد میں میرے ساتھ حوریب (طور) پر اس کی تصدیق کیلئے جاؤ مناسب یہ ہے کہ تم میں سے چند سردار چُن کر ساتھ لئے جاتا ہوں وہ اگر واپس آکر تصدیق کردیں تو پھر تم بھی تسلیم کر لینا، اور چونکہ تم ابھی گوسالہ پرستی کرکے ایک بہت بڑا گناہ کر چکے ہو اس لئے اظہارِ ندامت اور خدا سے آئندہ نیکی کے عہد کے لئے بھی یہ موقع مناسب ہے، قوم اس پر راضی ہو گئی۔

حضرت موسیٰ ؑ نے تمام اسباط سے ستر سرداروں کو چُن کر ساتھ لیا اور طور پر پہنچے طور پر ایک سپید بادل کی طرح "نور" نے حضرت موسیٰ ؑ کو گھیر لیا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی شروع ہو گئی حضرت موسیٰ ؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تو بنی اسرائیل کے حالات کا دانا بینا ہے میں ان کی ضد پر ستر آدمی انتخاب کر لایا ہوں، کیا اچھا ہو کہ وہ بھی اس "حجابِ نور" سے میری اور تیری ہم کلامی کو سن لیں اور قوم کے پاس جاکر تصدیق کرنے کے قابل ہو جائیں؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا منظور فرمالی اور ان کو "حجابِ نور" میں لے لیا گیا، اور انھوں نے حضرت موسیٰ ؑ اور اللہ رب العالمین کی ہم کلامی کو سنا، پھر جب پردہ نور ہٹ گیا اور حضرت موسیٰ ؑ اور ان سرداروں کے درمیان مواجہہ ہوا تو سرداروں نے وہی اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ جب تک بے حجاب خدا کو نہ دیکھ لیں ہم ایمان لانے والے نہیں، اس احمقانہ اصرار اور ضد پر غیرتِ الٰہی نے ان کو یہ سزا دی کہ ایک ہیبت ناک چمک کڑک اور زلزلہ نے انکو آلیا اور جلا کر خاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جب یہ دیکھا تو درگاہِ الٰہی میں عاجزی کے ساتھ دعا مانگی، الٰہی! یہ بے وقوف اگر بے وقوفی کر بیٹھے تو کیا تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا، اے خدا اپنی رحمت سے تو ان کو معاف کر دے۔ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا کو سنا اور ان سب کو دوبارہ حیاتِ تازہ بخشی اور پھر جب وہ زندگی کا لباس پہن رہے تھے تو ایک دوسرے کی تازہ زندگی کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

Marfat.com

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ
رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ
اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ
اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ
تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ
وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا
هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ
بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ
كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا
يُؤْمِنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫
يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ

اور اس غرض سے کہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے وقت میں حاضر ہوں
موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چُنے، پھر جب لرزا دینے والی
ہولناکی نے انہیں آلیا تو موسیٰ نے (ہماری جناب میں) عرض کیا
"پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان سب کو اب سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا
اور خود میری زندگی بھی ختم کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحمت
سے ہمیں مہلت دی، پھر کیا ایک ایسی بات کے لیے جو ہم میں
سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ہیں تو ہم سب کو ہلاک کر دیگا؟
یہ اس کے سوا کیا ہے کہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو
جسے چاہے اس میں بھٹکا دے، جسے چاہے راہ دکھا دے،
خدایا! تو ہمارا والی ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تجھ سے بہتر
بخشنے والا کوئی نہیں! اور (خدایا) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے
لئے اچھائی لکھ دے، اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی
کہ ہم تیری طرف لوٹ آئے!" خدا نے فرمایا "میرے عذاب کا حال
یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پہ
چھائی ہوئی ہے، پس میں اُن کیلئے رحمت لکھ دوں گا جو برائیوں سے
بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور ان کے لئے، جو میری نشانیوں
پر ایمان لائیں گے، جو الرسول کی پیروی کریں گے کہ نبی اُمی ہوگا اور
اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے وہ انہیں
نیکی کا حکم دیگا، برائی سے روکے گا، پسندیدہ چیزیں حلال کریگا، گندی چیزیں
حرام ٹھہرائیگا، اس بوجھ سے نجات دلائیگا جسکے تلے دبے ہوں گے
اُن پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے، تو جو لوگ اس پر ایمان

Marfat.com

عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف)

لائے اس کے مخالفوں کیلئے روک ہوتے (راہِ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہو لئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (بقرہ)

اور جب تم نے کہا "اے موسیٰؑ! ہم تجھ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو بے حجاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، پس آنکھوں دیکھتے تم کو بجلی کی کڑک نے آ پکڑا، پھر ہم نے تم کو موت کے بعد زندہ کیا تاکہ تم شکر گذار رہو۔

حیات بعد الموت | قرآن عزیز نے حیات بعد الممات کا عام قانون تو یہ بتایا ہے کہ اس دنیوی موت کے بعد پھر عالمِ آخرت ہی کیلئے دوبارہ زندگی ملے گی لیکن قانونِ خاص یہ ہے کہ کبھی کبھی حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر خدائے تعالیٰ اس دنیا ہی میں مُردہ کو زندگی بخش دیا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی معجزانہ زندگی میں خود قرآنی شہادت کے مطابق اس حقیقت کا متعدد مرتبہ ظہور ہو چکا ہے

قرآنِ عزیز جب حیات بعد الممات کا ذکر کرتا ہے تو اس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ اس زندگی کو "بعث" سے تعبیر کرتا ہے جس کو اُردو میں جی اٹھنا کہتے ہیں۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی قرآنِ عزیز نے بنی اسرائیل کے نمائندوں کی موت و ہلاکت اور اس کے بعد اُن کے "بعث" "جی اُٹھنے" کا ذکر کیا ہے اور لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کہہ کر اس واقعہ کی اصلی حقیقت کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے کہ بے شبہ صورت یہ پیش آئی کہ اُنکے نامعقول اور گستاخانہ اصرار پر "رجفہ" کے عذاب نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر حضرت موسیٰؑ کی عاجزانہ دعا پر خدا کی وسعتِ رحمت نے ترس کھایا اور ان سوختہ جان انسانوں کو دوبارہ زندگی بخش دی تاکہ یہ شکر گذار رہیں اور آئندہ اس قسم کی بے جا ضد کو کام میں نہ لائیں اور خدا کے "سچے" فرمانبردار بن جائیں۔

اس تفصیل کے بعد یہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جن معاصر مفسرین نے آیت کی

Marfat.com

تفسیر اس حیات بعد الممات سے بچنے کیلئے رکیک تاویلات کیساتھ کی ہو وہ صحیح نہیں ہے اور انھوں نے بغیر کسی سند اور دلیل کے قرآن عزیز کے صاف اور صریح اسلوب بیان کو تفسیر بالرّائے پر قربان کر دیا ہے۔

رحمتِ عام کا اعلان | سورۂ اعراف کی یہ آیت " قَالَ عَذَابِیٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ " مہماتِ قرآنی میں سے ہے، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی جانب سے جو عذاب آتا ہے وہ خاص حالات کے ماتحت ہوتا ہے ورنہ "عذاب" خدائے تعالیٰ کی صفت نہیں ہے، بلکہ "رحمت" اس کی ازلی وابدی صفت ہے اس لئے اس کی صفت رحمت ہر شے کیلئے عام ہے اور کائنات میں ایک شے بھی ایسی نہیں ہے جو اُس کی صفتِ رحمت سے خالی ہو بلکہ یوں کہیے کہ جس کو تم "عذاب" کہہ رہے ہو وہ تمہارے اعمال و کردار کی نسبت سے "عذاب" ہے، ورنہ کارخانۂ ہستی کے پورے نقشہ کے لحاظ سے اگر تم غور کرو گے تو اس کو بھی "رحمت" پاؤ گے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں اسی لئے فرمایا "کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ" اللہ نے رحمت کو اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔

اور اسی رحمتِ عام کا مظہرِ اتم اور پرتوِ اکمل وہ ذاتِ گرامی ہے جس کا ذکرِ مبارک سورۂ اعراف کی اس آیت میں اس طرح کیا جا رہا ہے کہ اُس کی آمد سے قبل ہی کتبِ سابقہ میں اس کی آمد کی بشارت دیدی گئی تھی اور اس کی صفات اور اس کے اخلاق کا بھی تذکرہ کر دیا گیا تھا اور اسی لئے دوسری جگہ اس کو رحمۃ للعٰلمین کے لقب سے پکارا گیا۔[1]

بنی اسرائیل اور جبلِ طور | بہر حال جب یہ ستر سردار دوبارہ زندگی پاکر قوم کی جانب واپس ہوئے تو انھوں نے قوم سے تمام قصہ کہہ سنایا اور بتایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے اور بے شبہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں۔

اب فطرتِ سلیم کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ سب خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لاتے اور اسکے

[1] اس آیت کی مفصل تفسیر ذکرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موقعہ پر کی جائے گی۔ (مؤلف)

Marfat.com

فضل وکرم کی فراوانی کے پیشِ نظر فرمانبرداری اور عبودیت کیساتھ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیتے مگر ہوا یہ کہ انھوں نے اپنی کجروی کو باقی رکھا اور اپنے نمائندوں کی تصدیق کے باوجود تورات کو قبول کرنے میں معاندانہ پس وپیش شروع کردی اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ارشادات پر کان نہ دھرا۔

جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ دیکھا تو بارگاہِ الٰہی میں رجوع کرتے ہوئے قوم کی بے راہ روی کا گلہ کیا۔ درگاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ ان نافرمانوں کے لیئے میں تجھ کو ایک حجّت (معجزہ) اور عطا کرتا ہوں اور وہ یہ کہ جس پہاڑ (طور) پر تجھ سے ہم کلام ہوتا رہتا ہوں اور جس پر تیری قوم کے منتخب سرداروں نے حق کا مشاہدہ کیا ہے اسی پہاڑ کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے اور سائبان کی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر چھا جائے اور زبانِ حال سے یہ اعلان کرے کہ موسیٰؑ خدا کا سچا پیغمبر ہے اور تورات بے شبہ خدا کی سچی کتاب ہے اور اگر یہ دونوں حق وصداقت کا مظہر نہ ہوتے تو یہ عظیم الشان "نشان" تم نہ دیکھتے جس کا ظہور قدرتِ الٰہی کے سوا اور کسی طرح ناممکن ہے۔

چنانچہ جوں ہی خدائے تعالیٰ کا یہ تکوینی فیصلہ ہوا طور ان کے سروں پر مثلِ سائبان نظر آنے لگا، اور زبانِ حال سے کہنے لگا کہ اے بنی اسرائیل! اگر تم میں عقل وہوش باقی ہے اور حق وباطل کی تمیز موجود ہے تو گوشِ حق نیوش سے سنو کہ میں "خدا کا نشان" بن کر تم کو یقین دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے بارہا میری پیٹھ پر خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل کیا ہے اور تمہارے رشد وہدایت کا قانون (تورات) بھی اسی میری پیٹھ ہی پر عطا ہوا ہے اور اے سرمستانِ بادۂ غفلت وسرکشی! میری یہ ہیئت جو تمہارے لیئے حیران کُن بن رہی ہے۔ اس امر کی شہادت ہے کہ جب انسان کے سینہ میں دل کی نرمی سختی سے بدل جاتی ہے تو پھر وہ پتھر کا ٹکڑا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بن جاتا ہے اور رشد وہدایت اس میں کسی جانب سے بھی سرایت نہیں کرپاتی، دیکھو! میں پتھر کے ٹکڑوں کا مجموعہ "پہاڑ" ہوں

Marfat.com

لیکن خدا کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے کس طرح عبودیت کا مظاہرہ کر رہا ہوں مگر تم ہو کہ انانیت اور خودی کے گھمنڈ میں کسی حالت میں بھی "نہیں" کو "ہاں" سے بدل دینے کیلئے تیار نہیں سچ ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ) — پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت۔

بنی اسرائیل نے جب یہ "نشان" دیکھا تو اب اسے وقتی خوف و دہشت کا ثمرہ سمجھیے یا علی رؤس الاشہاد خدا کے عظیم الشان "نشان" کے مشاہدہ کا نتیجہ یقین کیجئے کہ بنی اسرائیل تورات کی جانب متوجہ ہوئے اور حضرت موسیٰ کے سامنے اس کے احکام کی تعمیل کا اقرار کیا تب خدائے تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہوا کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ لو اور جو احکام اس (تورات) میں درج ہیں ان کی تعمیل کرو تا کہ تم پرہیزگار اور متقی بن سکو۔

مگر افسوس کہ بنی اسرائیل کا یہ عہد و میثاق ہنگامی ثابت ہوا اور زیادہ عرصہ تک وہ اس پر کاربند نہ رہ سکے اور حسب عادت پھر خلاف ورزی شروع کر دی۔ قرآنِ عزیز نے ان واقعات کو نہایت مختصر مگر صاف اور واضح نظم الفاظ کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (بقرہ)

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے سر پر طور کو اونچا کیا (اور کہا) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو قوت سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسکو یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار رہو، پھر اس کے بعد تم نے (اس تورات سے) پیٹھ پھیر لی، پس اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بلاشبہ تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاتے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (اعراف)

اور جب ہم نے ان کے (بنی اسرائیل کے) سروں پر پہاڑ بلند کر دیا گویا کہ وہ سائبان ہے اور انھوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے (تو ہم نے کہا) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو قوت سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار رہو۔

Marfat.com

ان آیات میں تصریح ہے کہ بنی اسرائیل نے جب تورات کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا بلکہ انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سروں پر طور کو بلند کر دیا اور اس طرح آیۃ اللہ کا مظاہرہ کر کے اُن کو قبولِ تورات پر آمادہ کیا۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ آیات کے ظاہر کو تاویلات میں گھسیٹا جائے جیسا کہ بعض معاصر مفسرین نے کیا ہے۔

کسی پہاڑ کا جڑ سے اُکھڑ کر فضاء میں معلق ہو جانا نہ عقلاً محال ہے اور نہ قانونِ قدرت کے منافی، البتہ انوکھا اور حیرت زا واقعہ ضرور ہے اور اس لئے "آیۃ اللہ" کہلانے کا مستحق، مگر تاویل کرنے والے کہتے ہیں کہ "رفع" کے معنی صرف بلندی کے آتے ہیں نہ کہ سر پر بلند ہونے کے، اور اسی طرح "نتق" کے معنی جس طرح "جڑ سے اُکھڑنے" کے آتے ہیں اُسی طرح زلزلہ میں آنے اور "خوفناک حرکت کرنے" کے بھی آتے ہیں۔ لہٰذا سورۂ اعراف کی آیت کے معنی یہ ہوئے۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے اُن کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ میں ڈالا تھا۔ گویا ایک سائبان ہے جو ہل رہا ہے اور وہ (دہشت کی شدت میں) سمجھے تھے کہ بس ان کے سروں پر آ گرا۔ الخ [1]

مگر ان حضرات نے اس حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا کہ "رفع" اور "نتق" کے اگر متعدد معانی آتے ہیں تو عربیت کے قاعدے سے اُس مقام پر جو قرینہ پایا جاتا ہو اسی کے مطابق معنی متعین ہوں گے خصوصاً جب کہ قرآنِ عزیز کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے تو بے شبہ کسی لفظ کے متعدد معانی میں سے صرف وہی معنی مراد ہونگے جو دوسری آیت کے ذریعہ متعین ہوتے ہیں۔

پس بقرہ کی آیت "رفعنا فوقکم الطور" میں "رفع" اور "فوق" کو جب اعراف کی آیت "نتقنا الجبل" میں "نتق" کے ساتھ ملائیں گے، تو قرآنِ عزیز کی ان آیات کا صاف اور سادہ مطلب یہی بنے گا کہ طور کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر اس طرح کر دیا گیا گویا ایک سائبان ہے جو عنقریب اُن پر گرنے والا ہے۔ نیز "فوق" کا "رفع" کے ساتھ لانا بھی اس تفسیر کی صحت کیلئے مؤثق شہادت ہے جو جمہور نے بیان فرمائی ہے اس کے برعکس معاصر مفسرین سے

[1] ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۱۴۱۔

Marfat.com

نقل کردہ معنی صاف بول رہے ہیں کہ وہ منطوق قرآنی کے خلاف کھینچ تان کر بنائے گئے ہیں
اس مقام پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ان ہر دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر تورات کے عمل کرانے میں جبر و اکراہ سے کام لیا گیا ہے حالانکہ دین میں جبر و اکراہ درست نہیں ہے مگر قرآن عزیز کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھ کر واقعہ کی صورت جس طرح ہم نے نقل کی ہے یہ اعتراض اس شکل میں پیدا ہی نہیں ہوتا، البتہ اگر جمہور مفسرین اور جدید مفسرین کی تفسیر سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے تو اس کا بہترین جواب مفتی عبدہ نے اپنی تفسیر میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دراصل یہ جبر و اکراہ کا معاملہ نہیں تھا بلکہ "آیۃ اللہ" کا یہ آخری مظاہرہ تھا جو اُن کی رشد و ہدایت کی تقویت و تائید میں کیا گیا اور اس لئے یہ واقعہ عہد میثاق کے بعد پیش آیا جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے۔

کثرتِ معجزات یہاں یہ بات بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ گذشتہ اوراق میں یہ بخوبی روشن ہو چکا ہے کہ صدیوں غلامی کی زندگی بسر کرنے اور پست خدمات میں مشغول رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ملکاتِ فاضلہ کو گھن لگ گیا تھا اور مصریوں میں رہ کر مظاہر پرستی اور اصنام پرستی نے انکے عقل و حواس کو اس درجہ معطل کر دیا تھا کہ وہ قدم قدم پر توحید الٰہی اور احکام الٰہی میں کسی "کرشمہ" کے منتظر رہتے۔ اس کے بغیر اُن کے دل میں یقین و اذعان کے لئے کوئی جگہ نہ بنتی تھی، پس انکی ہدایت و رشد کیلئے دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ ایک یہ کہ اُن کو فقط افہام و تفہیم کے مختلف طریقوں ہی سے قبولِ حق پر آمادہ کیا جاتا اور انبیاء سابقین کی اُمتوں کی طرح صرف کسی خاص اور اہم موقعہ پر "آیۃ اللہ" (معجزہ) کا مظاہرہ پیش آتا اور دوسری صورت یہ تھی کہ اُن کی صدیوں کی تباہ شدہ اس حالت کی اصلاح کیلئے روحانی طاقت کا جلد جلد مظاہرہ کیا جائے۔ اور حق و صداقت کی تعلیم کیساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ کے تکوینی نشانات "معجزات" ان کی استعداد قبول و تسلیم کو بار بار تقویت پہونچائیں۔ پس اس قوم کی پست ذہنیت اور تباہ حالی کے پیش نظر مصلحتِ خداوندی نے اُنکی اصلاح و تربیت کیلئے یہی دوسری صورت اختیار فرمائی۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ اللہ تعالیٰ عالم و دانا حکمت والا ہے۔

بہرحال اس واقعہ کا ذکر توراۃ میں بھی موجود ہے، اور اس میں طور کے متعلق وہی کہا گیا ہے جو ہمارے جدید مفسرین نے آیت کی تاویل کی صورت میں بیان کیا ہے۔

جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور پہاڑ سے نیچے کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا .... چنانچہ موسیٰ نیچے اتر کر لوگوں کے پاس گیا اور یہ باتیں ان کو بتائیں [1]

ارضِ مقدس کا وعدہ اور بنی اسرائیل سینا کے جس میدان میں اس وقت بنی اسرائیل موجود تھے یہ سرزمین فلسطین سے قریب تھا، اور ان کے باپ دادا حضرت ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ تمہاری اولاد کو پھر اس سرزمین کا مالک بنائیں گے اور وہ یہاں پھولے پھلیگی لہٰذا حضرت موسیٰؑ کی معرفت خدا کا حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ارضِ مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمرانوں کو نکالکر عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فتح تمہاری ہوگی اور تمہارے ظالم دشمن ناکام ہوں گے حضرت موسیٰ نے "اس سے پہلے کہ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں داخل ہونے کیلئے آمادہ کریں" بارہ ۱۲ آدمیوں کو تفتیشِ حال کیلئے بھیجا وہ فلسطین کے قریبی شہر "اریحا" میں داخل ہوئے اور تمام حالات کو بغور دیکھا جب واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ کو بتایا کہ وہ بہت جسیم اور تن و توش کے زبردست ہیں اور بہت قوی ہیکل ہیں، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ جس طرح تم نے مجھ سے ان کے متعلق کہا ہے قوم کے سامنے نہ کہنا اس لیئے کہ عرصہ دراز کی غلامی نے ان کے حوصلے پست کر دیئے ہیں، اور ان میں شجاعت

[1] خروج باب ۱۹- آیات ۱۶- ۱۵-

Marfat.com

خودداری اور علوِ ہمت کی جگہ بزدلی، ذلت اور پستی ہمت نے لے لی ہو، مگر آخر یہ بھی اسی قوم کے افراد تھے نہ مانے اور خاموشی کے ساتھ قوم کے سامنے دشمن کی طاقت کا خوب بڑھا چڑھا کر ذکر کیا، البتہ صرف دو شخص یوشع بن نون اور کالب بن یُفنّہ نے حضرت موسیٰؑ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور انھوں نے بنی اسرائیل سے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ جس سے اُن کی ہمّت شکست ہو۔

اب حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس بستی "اریحا" میں داخل ہو اور دشمن کا مقابلہ کرکے اس پر قابض ہو جاؤ خدا تمہارے ساتھ ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّاٰتٰىکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ (مائدہ)

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اے قوم! تم پر جو خدا کا احسان رہا ہے اس کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں نبی اور پیغمبر بنائے اور تم کو بادشاہ اور حکمراں بنایا اور وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا اے قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور پشت پھیر کر نہ لوٹو (کہ نتیجہ یہ نکلے) کہ تم خسارہ اور نقصان اُٹھانے والے بن کر لوٹو۔

بنی اسرائیل نے یہ سن کر جواب دیا کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے ظالم لوگ بستے ہیں ہم تو اُس وقت تک اس بستی میں داخل نہ ہونگے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، افسوس بدبختوں نے یہ نہ سوچا کہ جب تک ہمّت و شجاعت کے ساتھ تم ان کو یہاں سے نہ نکالو گے تو یہ ظالم خود کیسے نکل جائیں گے۔

یوشع اور کالب نے جب یہ دیکھا تو قوم کو ہمّت دلائی اور کہا شہر کے پھاٹک سے گذر جانا کچھ مشکل نہیں ہے، چلو اور اُن کا مقابلہ کرو ہم کو پورا یقین ہو کہ تم ہی غالب رہوگے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ ان ڈرنے والوں میں سے دو ایسے آدمیوں نے جن پر خدا نے

Marfat.com

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ — اپنا فضل و انعام کیا یہ کہا "تم ان جابروں پر دروازہ کی
الۡبَابَ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ — جانب سے داخل ہوجاؤ پس جس وقت تم داخل ہو جاؤ گے تم
غٰلِبُوۡنَ ۵ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ — بلاشبہ غالب رہوگے اور (یہ بھی کہا) اللہ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اگر تم
كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۵ (مائدہ) — ایمان والے ہو۔

لیکن بنی اسرائیل پر اس بات کا بھی مطلق اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنے انکار پر قائم رہے اور جب حضرت موسیٰ نے زیادہ زور دیا تو اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا — انھوں نے کہا "اے موسیٰ"! ہم کبھی اس شہر میں اس وقت تک داخل
مَّا دَامُوۡا فِيۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ — نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، پس تو اور تیرا رب
فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ (مائدہ) — دونوں جاؤ اور اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے)

حضرت موسیٰ نے جب یہ ذلیل اور بیہودہ جواب سُنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور انتہائی رنج و ملال کے ساتھ درگاہِ الٰہی میں عرض کیا "بارِ الٰہا! میں اپنے اور ہارون کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا سو ہم دونوں حاضر ہیں، اب تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جُدائی کردے یہ تو سخت نااہل ہیں" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی نازل فرمائی "موسیٰ! تم غمگین نہ ہو، انکی نافرمانی کا تم پر کوئی بار نہیں، اب ہم نے ان کے لئے یہ سزا مقرر کردی ہے کہ یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے۔ اور اُن کو ارضِ مقدس میں جانا نصیب نہ ہوگا، ہم نے اُن پر ارضِ مقدس کو حرام کردیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ — (موسیٰ نے) کہا "اے پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے ماسوا کسی کا
وَاَخِىۡ فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ — مالک نہیں ہوں۔ لہٰذا تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان
الۡفٰسِقِيۡنَ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ — تفریق کردے (اللہ تعالیٰ) نے کہا "بلاشبہ ان پر ارضِ مقدس
عَلَيۡهِمۡ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۚ يَتِيۡهُوۡنَ — داخلہ چالیس سال تک حرام کردیا گیا اس مدت میں یہ اسی میدان
فِى الۡاَرۡضِ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ — میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس تو نافرمان قوم پر غم نہ کھا

Marfat.com

الْفَاسِقِيْنَ۔ (مائدہ) افسوس نہ کر۔

وادی سینا کو "تیہ" اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کیلئے کہا ہے۔ یَتِیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ (یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے) جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے تو عربی میں کہتے ہیں "تاہ فلان"

تورات میں اس واقعہ کی تفصیلات اگرچہ اس انداز میں مذکور نہیں ہیں تاہم "گنتی باب ۱۴" میں بنی اسرائیل کے ارضِ مقدس میں داخلہ سے انکار، اس پر حضرت موسیٰؑ کی ناراضی اور پھر چالیس سال تک اُن پر ارضِ مقدس کے داخلہ کا حرام ہو جانا تفصیل کیساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مدت کے اندر اندر بنی اسرائیل کے وہ تمام افراد مر جائیں گے جنھوں نے خدا کے حکم کے خلاف ارضِ مقدس کے داخلہ سے انکار کیا ہے اور اُن کے بعد نئی نسل کو داخلہ کی اجازت ہوگی جو کالب اور یوشع کی سرکردگی میں دشمنوں کو پامال کر کے پاک زمین میں داخل ہوں گے نیز یہ کہ حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی اس وقت انتقال ہو جائے گا۔

"پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا۔ میں کب تک اس خبیث گروہ کے مقابل جو میری شکایت کرتا ہے صبر کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے برخلاف شکایتیں کرتے ہیں میں نے اُنکی شکایتیں سُنیں، اُن سے کہہ خداوند کہتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا، تمہاری لاشیں اور ان سب کی جو تم میں شمار کئے گئے اُن کے کُل جمع کے مطابق بیس برس والے سے لیکر اوپر والے تک جنھوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی۔ تم بیشک اس زمین تک نہ پہونچو گے جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں وہاں بساؤں گا۔ سوا لفینہ کے بیٹے کالب اور نون کے بیٹے یشوع اور تمہارے لڑکوں کو جن کے حق میں تم کہتے ہو۔ کہ وہ لُٹ جائیں گے میں اُن کو داخل کروں گا اس زمین کی قدر کو جسے تم نے ذلیل جانا وہ پہچانیں گے۔ پر تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک

Marfat.com

بھٹکتے پھریں گے اور تمہاری برگشتگی کے اٹھانے والے ہوں گے جب تک کہ تمہاری لاشیں اس دشت میں نیست و نابود نہ ہوں، اُن دنوں کے شمار کے مطابق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اٹھائے رہو گے، تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے[1]

اس جگہ یہ شبہ پیدا نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارون (علیہما السّلام) کو بھی اسی میدان میں رہنا پڑا اور وہ بھی ارضِ مقدس میں نہ داخل ہو سکے، اس لئے کہ جب بنی اسرائیل کے اس پورے قافلہ پر ارضِ مقدس کو حرام کر دیا گیا تو اب ضروری تھا کہ اُن کے رشد و ہدایت کیلئے خدا کا پیغمبر اُن میں موجود رہے تاکہ کچھ یہ بوڑھے بھی راہِ حق پر قائم رہیں اور نئی نسل میں وہ استعداد پیدا ہو جس کے ذریعہ وہ ارضِ مقدس میں داخل ہو کر خدا کے حکم کو پورا کریں۔

ذبح بقر کا واقعہ | ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک "قتل" ہو گیا مگر قاتل کا پتہ نہ لگا۔ آخر شبہ نے تہمت کی شکل اختیار کر لی اور اختلافِ باہمی کی خوفناک صورت پیدا ہو گئی۔ حضرت موسیٰؑ کے سامنے جب یہ واقعہ پیش ہوا تو انھوں نے خدائے تعالیٰ کی جانب رجوع کیا۔ اور عرض کیا کہ اس واقعہ نے قوم میں سخت اختلاف رونما کر دیا ہے تو خود علیم و حکیم ہے میری مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ پہلے ایک گائے ذبح کریں اور اُس کے بعد گائے کے ایک حصّہ کو مقتول کے جسم سے مس کریں۔ پس اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم اُس کو زندگی بخش دیں گے اور یہ معاملہ واضح ہو جائیگا۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے جب "ذبح بقر" کے متعلق فرمایا تو انھوں نے اپنی کج بحثی اور حیلہ جوئی کی خصلت کے مطابق بحث شروع کر دی۔

موسیٰؑ! کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے "یعنی مقتول کے واقعہ" سے "ذبح بقر" کا کیا تعلق؟ اچھا اگر واقعی یہ خدا کا حکم ہے تو وہ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اُس کی کچھ اور تفصیلی

[1] گنتی باب ۱۴ آیات ۲۶-۳۵۔

Marfat.com

صفات معلوم ہونی چاہئیں، کیونکہ ابھی تک اُس کے تعین کے متعلق ہم مشتبہ حالت میں ہیں۔
حضرت موسٰیؑ نے جب وحیِ الٰہی کی معرفت اُن کے تمام سوالات کے جواب دیدیئے اور حیلہ جوئی کا اُن کیلئے کوئی موقعہ باقی نہیں رہا تب وہ تعمیلِ حکم پر آمادہ ہوئے اور وحیِ الٰہی کے مطابق معاملہ کا سرانجام کیا، خدا کے حکم سے وہ مقتول زندہ ہوگیا اور اُس نے تمام واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس حیرت زا "خدائی نشان" نے حقیقت کو واشگاف کر دیا تو قاتل کو بھی اقرار بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا اور اس طرح نہ صرف قاتل ہی کا پتہ چل گیا بلکہ مختلف اسباط اور خاندانوں میں اختلاف پیدا ہوکر جو سخت خانہ جنگی اور خونریزی کی صورت رونما ہو چلی تھی اُس کا بھی خوش اسلوبی کے ساتھ خاتمہ ہوگیا۔
اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس تاریخی واقعہ کو یاد دلا کر دو باتوں کی جانب توجہ دلائی ہے ایک منکرین معاد کو یہ بتایا ہے کہ جس قوم کے اسلاف میں یہ واقعہ ہو گزرا ہے وہ آج تک اس تاریخی واقعہ کی شاہد ہیں، لہٰذا جس طرح خدا نے اس وقت مُردہ کو زندہ کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا تھا تم سمجھ لو وہ قیامت کے دن بھی اسی طرح مُردے کو زندگی عطا فرمالے گا۔
كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى[1] دوسرے بنی اسرائیل کو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (یعنی تمہارے اسلاف کو) اتنی کثرت کے ساتھ اپنے نشان (معجزات) دکھائے ہیں کہ اگر دوسری قوم کے سامنے یہ مظاہرے کئے جاتے تو وہ ہمیشہ کیلئے خدائے تعالیٰ کی فرمانبردار بن جاتی اور اس کے دل میں ایک لمحہ کیلئے بھی نافرمانی کا خطرہ نہ گزرتا لیکن تم اور تمہارے اسلاف پر یا تو اثر ہی نہ ہوا اور اگر ہوا بھی تو ناپائیدار اور غیر مؤثر ثابت ہوا اور آج بھی اگر تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور ان کی مخالفت کر رہے ہو تو یہ تمہاری جبلّت اور قدیم عصبیت و جہالت کا ہی اثر ہے۔
قرآن عزیز نے ہم کو اس واقعہ کے متعلق صرف اسی قدر بتایا ہے اور اس سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں دی۔

[1] اور اسی طرح اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیا کرتا ہے۔

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ
اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ
قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا ھِىَ ۭ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ
ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ
فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا ھِىَ ۙ اِنَّ
الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ
اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي
الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ
جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا
يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا
فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا
كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ
بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (بقرہ)

اور جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا "بلاشبہ تم کو خدا یہ حکم دیتا ہے کہ
"تم گائے ذبح کرو" وہ کہنے لگے "کیا تو ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے"
موسٰی نے کہا "میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جاہلوں
میں شمار ہوں" (یعنی یہ مذاق نہیں ہے) انھوں نے کہا "تو اپنے
پروردگار سے یہ دریافت کر کہ اُس کی حقیقت کیا ہے؟"
موسٰی نے کہا - اللہ تعالیٰ کہتا ہے :- "وہ ایسی گائے ہو کہ نہ تو
بُڑھیا ہو اور نہ بچھیا بلکہ درمیانی عمر کی جوان ہو پس اب جو
تم سے کہا گیا ہے اسکی تعمیل کرو" وہ کہنے لگے "اپنے خدا سے پوچھ کر
اُس کا رنگ کیسا ہو؟" موسٰی نے کہا اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ
"وہ گہرے زرد رنگ کی ہو کہ دیکھنے والے کو خوش رنگ معلوم ہو"
کہنے لگے "ہم پر (ابھی تک) گائے کی کیفیت مشتبہ ہے اگر خدا کو
منظور ہے تو ہم کامیاب ہو جائیں گے" موسٰی نے کہا کہ اللہ
تعالیٰ کہتا ہے "وہ ایسی گائے ہو کہ نہ محنت ماری ہو کہ زمین میں
ہل چلاتی ہو اور نہ کھیت کو سیراب کرتی ہو، وہ بے داغ
ہو جس پر کسی قسم کا دھبہ نہ ہو" کہنے لگے "اب تو صحیح بات
لایا" پس اُنھوں نے اُس کو حاصل کر کے ذبح کیا اور قریب
تھا کہ نہ کرتے اور یہ جب ہوا کہ تم نے ایک جان کو قتل کر دیا
پھر آپس میں اختلاف کرنے لگے، اور اللہ ظاہر کرنیوالا
ہے اُس بات کو جس کو تم چھپاتے ہو، پس ہم نے کہا "اس
مقتول کو گائے کے بعض حصے کے ساتھ مس کرو (مارو) اللہ
تعالیٰ اسی طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمکو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے
تاکہ تم سمجھو۔

Marfat.com

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے فرماتے ہی "ذبح بقرہ" کی تعمیل کر دیتے تو اُن کیلئے گائے کے معاملہ میں کسی قسم کی مطلق قید وبند نہ ہوتی اور وہ کوئی سی گائے بھی ذبح کر دیتے تو تعمیل پوری ہو جاتی مگر انھوں نے بیہودہ سوالات کرکے اپنے اوپر پابندیاں لگوائیں، چنانچہ پیغمبر خدا کیساتھ اس قسم کی بیہودہ باتوں اور کج بحثوں کی قرآن عزیز نے سخت مذمت کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس کا آخر نتیجہ کفر اور ترکِ ایمان پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ لہٰذا اُمتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی باتوں سے بچے۔

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ	کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُس قسم
کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ وَمَنْ	کے سوال کرو جس طرح پہلے زمانہ میں حضرت موسیٰ سے سوالات
یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ	کئے گئے تھے اور جو شخص ایمان کے عوض کفر اختیار کرتا ہے
ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (بقرہ)	وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

اس موقعہ پر یہ سوال ضرور سامنے آجاتا ہے کہ آخر کار "ذبح بقرہ" اور مقتول کے زندہ کر دینے کے درمیان کیا مناسبت ہے جو احیاءِ مقتول کیلئے یہ خاص صورت اختیار کی گئی سو خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچنا تو انسانی مقدرت سے باہر ہے تاہم عقل وشعور کی جو روشنی اس نے انسان کو بخشی ہے وہ اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی اس تاریخ پر نظر کی جائے جو گذشتہ صفحات میں سپردِ قلم ہو چکی ہے تو یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ مصر کے بود و ماند نے اُن کے اندر بُت پرستی خصوصاً گائے کی عظمت وتقدیس اور گوسالہ پرستی کا جذبہ بہت زیادہ پیدا کر دیا تھا جو جگہ جگہ اُبھر آتا اور اُن پر اثر انداز ہونے لگتا تھا، چنانچہ گوسالہ پرستی کے واقعہ کے بعد جب حضرت موسیٰ نے اُن سے "تورات کی تعمیل" کیلئے فرمایا تو اُسوقت بھی اُنھوں نے کافی حیلہ جوئی سے کام لیا تھا اور اگر "رفعِ طور" کا نشان اُن پر ظاہر ہوتا تو وہ

Marfat.com

حضرت موسیٰ کی تکذیب پر اُتر آتے تو کچھ تعجب نہ تھا، خدائے تعالیٰ نے اُس موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے کہ اس تعنت اور حیلہ سازی کی خصلت کا باعث وہی گوسالہ پرستی ہے، ابھی تک ان کے دلوں سے بُت پرستی اور گوسالہ کی تقدیس کا عقیدہ دور نہیں ہوا بلکہ اُن کی حالت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقدیس اُن کے دلوں میں رچ گئی ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (بقرہ)

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے سروں پر طور بلند کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تم کو دیا ہے اُس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس پر کان دھرو، انھوں نے کہا "ہم نے سنا (اور عمل سے بتایا کہ ہم نے نافرمانی کی) اور اصل بات یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں کفر کی وجہ سے گوسالہ رچ گیا ہے (اے مخاطب) کہہ دے اگر تم اپنے قول کے مطابق مومن ہو تو تمہارے ایمان نے یہ فیصلہ ہی بُرا کیا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ○ (بقرہ)

اور بے شبہ موسیٰ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا، پھر تم نے اس کے بعد گوسالہ بنا لیا اور تم خود اپنے لئے ظالم ہو۔

پس اس موقع پر خدا کی مصلحت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی اس گمراہی کو کسی ایسے عمل سے دور کرے جس کا مشاہدہ خود ان کی آنکھیں کر رہی ہوں، لہٰذا اُن کو مشاہدہ کرایا کہ جس کی تقدیس تمہارے دل میں اس قدر پیوست ہو گئی ہے کہ بار بار نمایاں ہوتی ہے، اُس (گائے) کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے اُس کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا اور وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکی اور کہیں یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ یہ گائے کی تقدیس ہی کا اثر تھا کہ اُس کے پارۂ گوشت کے مس کرنے سے مُردہ زندہ ہو گیا اس لئے کہ اگر موت و حیات کا یہ معاملہ گائے کی تقدیس سے متعلق تھا تو جس پارۂ گوشت نے مُردہ کو زندہ کر دیا وہ خود زندگی حاصل کر کے کیوں دوبارہ جیتی جاگتی گائے نہ بن گیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ گائے جس کو تم نے ذبح کیا تھا اُسی طرح بے جان

Marfat.com

پڑی ہے اور اُس کے پارہائے جسم تمہارے درمیان زینتِ دستر خوان ہو چکے ہیں۔
حقیقت حال یہ ہے کہ موت وحیات کا یہ معاملہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس "گوسالہ" کی محبت تمہارے دلوں میں رچ گئی ہے وہ تم سے بھی ادنیٰ ایک جاندار ہے جو صرف تمہاری خدمت اور ضرورت کیلئے بنایا گیا ہے نہ کہ تمہارے لئے "دیوتا" اور "دیوی" خدائے تعالیٰ ہی کی ذات واحد ہے کہ جس کو چاہے موت دے اور جس کو چاہے حیات بخشے، چنانچہ تم نے ایک ہی واقعہ میں دونوں حقیقتوں کا مشاہدہ کر لیا کہ اُس نے "گائے" کی زندگی کو فنا سے بدل دیا اور انسان کے مردہ جسم کو حیاتِ تازہ بخش دی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

قرآن عزیز نے غالباً اسی حکمت کے پیشِ نظر "ذبح بقرہ" کے واقعہ کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے، پہلے حصہ میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے واقعہ کی تائید میں بقرہ کا یہ واقعہ بیان کیا گیا کہ جب ایک خاص مقصد کیلئے بنی اسرائیل سے گائے ذبح کرنے کو کہا گیا تھا تو یہی گوسالہ پرستی کی محبت اُن کے آڑے آئی تھی اور مصریوں کے عقیدۂ تقدیسِ بقرہ (گائے کی تقدیس) کے اتباع میں انھوں نے بیسیوں حیلے اور بہانے تراشے اور یہ کوشش کی کہ کسی طرح انکو گائے ذبح نہ کرنی پڑے۔ لیکن سوالات کی پیچیدگی میں آکر پھنس گئے تو مجبوراً تعمیل کرنی پڑی۔

قرآن نے جب اس واقعہ کو سنایا تو قدرتی طور پر سامعین کو شوق پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ ذبح بقرہ کا وہ واقعہ کیوں اور کس طرح پیش آیا جس کے بارے میں بنی اسرائیل اس قدر حیلے تراش رہے تھے تو دوسرے حصہ میں قرآنِ عزیز نے اس پیدا شدہ فطری سوال کا جواب اس طرح دیا کہ اُس واقعہ کے نمایاں پہلو کو بیان کر دیا جس کا بنی اسرائیل کی اس رد و کد کے ساتھ حقیقی تعلق تھا۔ اس لئے اس حصہ بیان کو دوبارہ لفظ "اذ" سے شروع کیا۔

قرآنِ عزیز کی ان آیات کی یہ وہ تفسیر ہے جو قرآن کے جملوں کے اندر محدود ہو کر کی گئی ہے اور جس میں ذبح بقر کے واقعہ سے متعلق آیات میں تقدیم و تاخیر کی بحثوں میں جانے کی مطلق ضرورت

Marfat.com

پیش نہیں آتی، اور نہ واقعہ کو اچنبھا سمجھ کر باطل اور رکیک تاویلات کی پناہ لینے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

بلاشبہ یہ واقعہ خدائے تعالیٰ کے اُن مسلسل نشانوں میں سے ایک "نشان" تھا جو یہود کی سخت اور تند جبلت اور متمردانہ خصلت کے مقابلہ میں تائیدِ حق کیلئے حکمتِ الٰہی کے پیشِ نظر ظہور میں آیا اور جو نشان ہونیکے علاوہ اپنے اندر متعدد اہم مصالح رکھتا تھا اور اس حقیقت ثابتہ کیلئے خود قرآنِ عزیز کا سیاق وسباق تائید کرتا ہے چنانچہ اس واقعہ کے متصل ہی ارشاد ہے۔ "وَكَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى" اور اسی طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر دیگا" اور اسی کے سیاق میں ارشاد فرمایا "وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ" "تاکہ دکھادے تم کو اپنی قدرت کے "نشان" گویا "ذبحِ بقر" کا واقعہ نقل کرنے سے قبل بنی اسرائیل کو بار بار خدائی نشان مشاہدہ کرانے کا ذکر اور پھر قصہ کے متصل ہی آخرت میں "احیاء موتی" کا اس واقعہ سے استشہاد اور پھر اس واقعہ کو بھی "آیات اللہ" میں سے ایک آیت (نشان) بنانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کسی تاویل اور دور از کار باتوں کی پناہ لئے بغیر ان آیات کی صاف اور سادہ تفسیر وہی ہے جو سطورِ بالا میں بیان کیگئی۔

لہٰذا ان آیات کی وہ "تفاسیر" جو جدید معاصرین نے بیان کی ہیں اور جن میں تمام آیاتِ متعلقہ کو کبھی دو جُدا واقعات کہکر اور کبھی ایک واقعہ تسلیم کرکے مختلف رکیک اور لچر تاویلات سے کام لیا گیا ہے "ناقابلِ تسلیم ہیں اور قرآنِ عزیز کے منطوق کے خلاف

مثلاً کہا جاتا ہے کہ ذبح بقرہ کا یہ طریقہ دراصل خود بنی اسرائیل کی قدیم رسوم میں سے تھا جس کا ذکر اب تک تورات میں موجود ہے یعنی جب کسی جگہ ایسا مقتول پایا جاتا کہ اسکے قاتل کا پتہ نہ ملتا تو باہمی جنگ وجدال سے بچانے کیلئے یہ طریقہ مروّج تھا کہ وہ ایک ایسی گائے کو حاصل کرتے جو نہ کاشت کے کام میں آئی ہو اور نہ سیرابی کی خدمت کر چکی ہو اور اسکو ایسی وادی میں لیجاتے جہاں کاشت کبھی نہ ہوئی ہو اور پانی کا نالہ بہہ رہا ہو اور جس پر قاتل ہونے کا شبہ ہوتا تو اس کے محلہ، خاندان یا بستی کے لوگوں کو جمع کیا جاتا اور پھر کاہن آگے بڑھتا اور بہتے ہوئے پانی

Marfat.com

پر گائے کو کھڑا کر کے اس کی گردن مارتا اور جب اس کا خون پانی میں ملجاتا تو فوراً مشتبہ گروہ کے لوگ اُٹھ کر اُس خون آلود پانی سے ہاتھ دھوتے جاتے اور پکار پکار کر یہ کہتے جاتے "کہ نہ ہمارے ہاتھوں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا پتہ معلوم ہے" تو پھر اُن پر کوئی شبہ باقی نہ رہتا اور خانہ جنگی نہ ہونے پاتی۔ اور اگر مشتبہ گروہ کا ایک سردار بھی ہاتھ دھوتے اور اس رسم میں شریک ہونے سے انکار کر دیتا تو پھر مقتول کا خون بہا اُس خاندان یا محلہ پر ڈال دیا جاتا تھا جس کا وہ سردار ہے[1]۔

اس تفسیر میں قرآن عزیز کے سیاق و سباق کے لحاظ سے جو نقائص ہیں وہ معمولی فہم و عقل سے بھی معلوم ہو سکتے ہیں لیکن ان کے علاوہ سب سے زیادہ قابلِ اعتراض یہ امر ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں یہ دستور قدیم سے رائج تھا تو جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اُسی رسم کے مطابق خدائے تعالیٰ کا فیصلہ سُنایا تو بنی اسرائیل نے اس کو اجنبی نگاہ سے کیوں دیکھا اور یہ کیوں کہا "اتتخذنا ھزوا" اے موسیٰ کیا تو ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کو کہتا ہے اور اگر از رہِ تعنت اُن کا سوال تھا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) یہی جواب دیتے کہ اس میں حیرت و تعجب کا کون سا موقعہ ہے جبکہ تم خود جانتے ہو کہ قضیہ کے فیصلہ کا یہ پُرانا طریقہ ہے۔

اِس سلسلہ میں گائے حاصل کرنے سے متعلق کتب تفاسیر میں عجیب و غریب قصّے مذکور ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام قصص "اسرائیلیات" سے منقول ہیں۔ یعنی یہ وہ قصّے ہیں جو یہود کی نقل و روایت سے شہرت پا گئے اور تفسیروں میں بھی درج کر دیے گئے ہیں مگر محققین نے ان کو چھان کر تفسیر قرآن سے بالکل جدا کر دیا ہے چنانچہ حافظ عماد الدین بن کثیرؒ جیسے جلیل القدر مفسر نے ان قصص کے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے۔

اور یہ سلسلہ بیانات جو عبیدہ، ابو العالیہ اور سُدی اور دوسروں سے مروی ہے ان سب کے آپس میں اختلاف ہے، اور صاف بات یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور اگرچہ ان کا نقل کرنا درجۂ جواز میں آسکتا ہے مگر ہم نہ اُن کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب اور اسی بنا پر

---

[1] استثناء باب ۲۱۔ آیات ۹-۳۔

Marfat.com

ان روایات پر قطعاً کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، مگر وہ روایات جو ہمارے نزدیک (قرآن و حدیث کی روشنی میں) حق ہوں، واللہ اعلم۔

اور خاص اس واقعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

گائے کا وہ کونسا حصہ تھا جو مردہ جسم پر مس کیا گیا سو وہ کوئی بھی حصہ ہو واقعہ میں جس قدر مذکور ہے معجزہ ہونے کے لئے وہ بھی کافی ہے اور اگر اس حصہ کا تعین بھی ہمارے دینی یا دنیوی حالات کے اعتبار سے ضروری ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور واضح فرما دیتے۔ مگر اس نے اس کو مبہم ہی رکھا ہے اگرچہ اصل حقیقت کے لحاظ سے وہ بہرحال متعین ہے اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے تعین کے متعلق کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ ہم بھی اس کو اُسی طرح مبہم رہنے دیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مبہم رکھا ہے [۱]

علاوہ ازیں جبکہ مسلم کی حدیث میں صرف اسی قدر مذکور ہے کہ اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے ردوکد نہ کرتے تو گائے کے معاملہ میں اُن پر پابندیاں عائد نہ ہوتیں تو اگر اس سے زائد حالات و واقعات بھی اس سے متعلق ہوتے تو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اُس کا تذکرہ فرماتے۔
غرض یہ واقعہ آیات اللہ میں سے ایک "عظیم الشان نشان" ہے اور قرآن عزیز میں جو تفصیل اس کے متعلق بیان کر دی ہے اسی قدر قابلِ تسلیم ہے۔ باقی سب قصص و حکایات ہیں، اور لاطائل قصے۔

معجزاتِ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے متعلق ان مباحث کا خطاب اُن ہی مفسرین کے ساتھ ہے جو اصولاً "معجزات انبیاء" کے تو قائل ہیں مگر ان مقامات میں تاویل کی گنجائش سمجھ کر ایسی تاویلات کرتے ہیں جن کی بدولت یہ واقعات "معجزہ" کی حد سے باہر ہو جائیں باقی جو ملاحدہ اسلام کے مسلّمہ عقیدہ "معجزہ" کے ہی قائل نہیں ہیں اور اس لئے قرآن عزیز کے ایسے تمام واقعات کو باطل تاویلات کی نذر کر دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں تو ہمارے ان مباحث کے علا

[۱] البدایہ والنہایہ جلد اوّل صفحہ ۱۱۲

Marfat.com

اُن سے نفسِ معجزہ کے امکان پر بھی بحث کرنا ضروری ہے۔
بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ ان عظیم الشان "آیات اللہ" کے مشاہدہ اور اُن پر خدائے تعالیٰ کے بے غایت فضل و کرم کے باوجود ان بدبختوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور یہ اُسی طرح کجروی اور زیغ پر قائم رہے، قبولِ حق کیلئے ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے اور اُن کی پیہم تمردی اور سرکشی نے اُن کی نیک استعداد کو فنا کر کے اُن کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا دیا، اس لئے کہ پتھر میں سختی ہوتے ہوئے بھی اُس سے مخلوقِ خدا کو بہت سے فائدے ہیں مگر ان کی زندگی کا تو بجز خسارہ اور نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں رہا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ)	اس (مشاہدہ) کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دل نہیں، پتھر ہیں یا (یوں سمجھو) کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت (یہ بات واضح ہے) کہ بعض پتھروں سے پانی نکل کر نہریں بہتی ہیں اور بعض چیخ کر پھٹتے ہیں تو ان سے سوت جاری ہو جاتے ہیں اور بعض خدا کے خوف سے (بھونچال وغیرہ حالتوں میں) نیچے لڑھک آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قلوب کی سختی اور قبولِ حق میں بے اثری کا یہ عالم ہے کہ اگر محاورہ اور بول چال کے مطابق یوں کہہ دیا جائے کہ اُن کا دل پتھر کا ٹکڑا بن گیا ہے تب بھی اُن کی شدت و صلابت کی صحیح تصویر سامنے نہیں آ سکتی، اس لئے کہ پتھر اگرچہ سخت ہے مگر ناکارہ نہیں ہے، کیا تم نے پہاڑوں کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہیں دیکھا کہ ان ہی سخت پتھروں سے ندیاں اور دریا بہہ رہے ہیں اور کہیں اُن ہی سے شیریں و خنک پانی کے سوت جاری ہیں اور اگر بھونچال آ جائے یا خدا کی مشیت کا کوئی اور فیصلہ ہو جائے تو پہاڑوں کی یہی دیو ہیکل چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح ٹوٹ کر اور اڑ کر سرنگوں ہو جاتی اور خدا کے

تعالیٰ کے خوف و خشیت کا زبانِ حال سے اقرار کرتی نظر آتی ہیں مگر ان بنی اسرائیل پر نہ آیات اللہ کا اثر ہوتا ہے نہ پیغمبر کی شیریں اور دلنشیں پند و نصائح کا اور نہ نافرمانی کرتے وقت خدا کا خوف اُن کے دلوں پر طاری ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور قارون بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا متمول شخص تھا، قرآن عزیز نے اس کا نام قارون بتایا ہے، اس کے خزانے زر و جواہر سے پُر تھے، اور قوی ہیکل مزدوروں کی جماعت بمشکل اس کے خزانوں کی کنجیاں اُٹھا سکتی تھی اس تمول اور سرمایہ داری نے اس کو بیحد مغرور بنا دیا تھا اور وہ دولت کے نشہ میں اس قدر چور تھا کہ اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور قوم کے افراد کو حقیر اور ذلیل سمجھتا اور اُن سے حقارت کے ساتھ پیش آتا تھا۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا چچازاد بھائی تھا اور اس کا نسب اس طرح نقل فرماتے ہیں۔

قارون بن یصہر بن قاہت اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہت۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ قارون قیام مصر کے زمانہ میں فرعون کا درباری ملازم رہا تھا اور دولت کا یہ بے انتہا انبار اُس نے وہیں جمع کیا تھا اور سامری منافق تھا اور حضرت موسیٰ ؑ کے دین میں اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اُن کی قوم نے ایک مرتبہ اُس کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بے شمار دولت و ثروت بخشی ہے اور عزت و حشمت عطا فرمائی ہے لہٰذا اس کا شکر ادا کر اور مالی حقوق "زکوٰۃ و صدقات" دے کر غربا، فقراء اور مساکین کی مدد کر خدا کو بھول جانا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اخلاق و شرافت دونوں لحاظ سے سخت ناشکری اور سرکشی ہے، اس کی دی ہوئی عزت کا صلہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تو کمزوروں اور ضعیفوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگے اور نخوت و پندار میں غریبوں اور عزیزوں کے ساتھ نفرت سے پیش آئے۔

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۰۹۔

Marfat.com

قارون کے جذبۂ انانیت کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی یہ نصیحت پسند نہ آئی اور اُس نے مغرورانہ انداز میں کہا: موسیٰ! میری یہ دولت وثروت تیرے خدا کی عطا کردہ نہیں ہے۔ یہ تو میرے عقلی تجربوں اور علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے "انما اوتیتہ علی علم عندی" میں تیری نصیحت مان کر اپنی دولت کو اس طرح برباد نہیں کر سکتا۔

مگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) برابر اپنے فرضِ تبلیغ کو انجام دیتے اور قارون کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے، قارون نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰؑ کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے تو انکو زچ کرنے اور اپنی دولت وحشمت کے مظاہرہ سے مرعوب کرنے کے لئے ایک دن بڑے کروفر کے ساتھ نکلا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے مجمع میں پیغام الہٰی سُنا رہے تھے کہ قارون ایک بڑی جماعت اور خاص شان وشوکت اور خزانوں کی نمائش کے ساتھ سامنے سے گذرا۔ اشارہ یہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰؑ کی تبلیغ کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو میں بھی ایک کثیر جتھہ رکھتا ہوں اور زر وجواہر کا بھی مالک ہوں لہٰذا ان دونوں ہتھیاروں کے ذریعہ موسیٰؑ کو شکست دے کر رہونگا۔

بنی اسرائیل نے جب قارون کی اس دنیوی ثروت وعظمت کو دیکھا تو ان میں سے کچھ آدمیوں کے دلوں میں انسانی کمزوری نے یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ بےچین ہو کر دعا کرنے لگے۔ اے کاش یہ دولت وثروت اور عظمت وشوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی" مگر بنی اسرائیل کے اربابِ بصیرت نے فوراً مداخلت کی اور اُنسے کہنے لگے "خبردار! اس دنیوی زیب وزینت پر نہ جانا اور اس کے لالچ میں گرفتار نہ ہو بیٹھنا، تم عنقریب دیکھو گے کہ اس دولت وثروت کا انجام بد کیسا ہونیوالا ہے؟"

آخر کار جب قارون نے کبر ونخوت کے خوب مظاہرے کر لئے اور حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل میں کافی سے زیادہ زور صرف کر لیا تو اب غیرتِ حق

Marfat.com

حرکت میں آئی اور پاداشِ عمل کے فطری قانون نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور قارون اور اسکی دولت پر خدا کا یہ اٹل فیصلہ ناطق کر دیا "فخسفنا بہ وبدارہ الارض" ہم نے قارون اور اسکے سرمایہ کدہ کو زمین کے اندر دھنسا دیا" اور بنی اسرائیل کی آنکھوں دیکھتے نہ غرور باقی رہا اور نہ سامانِ غرور، سب کو زمین نے نگل کر عبرت کا سامان مہیا کر دیا، قرآنِ عزیز نے متعدد مقامات پر اس واقعہ کو مفصّل اور مجمل بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ (مومن)	اور بے شبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور ظاہر و زبردست حجت (توراۃ) دیکر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا بس ان سب نے یہ کہا کہ یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔
وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ وَمِنْھُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ٥ (عنکبوت)	اور بے شبہ اُن کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لیکر آیا۔ پھر انھوں نے زمین میں کبر و غرور اختیار کیا اور وہ ہم سے جیت جانے والے نہیں تھے، پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر پھر کسی پر ہم نے ہوا سے پتھراؤ کیا اور کسی کو چیخ نے آدبایا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا۔ مگر وہ خود آپ اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

قارون اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعہ سے متعلق صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں باقی روایات "اسرائیلیات" سے ماخوذ ہیں اس لئے قابلِ نظر اندازی ہیں، اسی لئے ابن کثیرؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

وقد ذکرھھنا اسرائیلیات اضربنا عنھا صفحاً۔ (ابن کثیر سورۃ القصص)	اور اس مقام پر بہت سی اسرائیلیات بیان کی گئی ہیں ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

Marfat.com

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ "اوتیتہ علی علم عندی" میں علم سے مراد "علم کیمیا" ہے اور وہ قارون کی دولت کو اس کی کیمیادانی کا رہینِ منت بتاتے ہیں۔ محققین نے اسکی تردید فرمائی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس کا مقصد "علم" سے اپنی عقل و دانش کے ذریعہ حصولِ مال ہے اور کیمیا کی باتیں سب دُور از کار ہیں۔

علماءِ تفسیر اس میں متردد ہیں کہ قارون کا واقعہ کب پیش آیا۔ مصر میں قبل غرقِ فرعون یا تیہ میں بعد غرقِ فرعون، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اگر قبل غرق کا ہے تو آیت میں "دار" اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر میدانِ تیہ کا واقعہ ہے تو "دار" سے "خیمہ و خرگاہ" مراد ہے، ہمارے نزدیک یہ واقعہ میدانِ تیہ کا ہے اس لئے کہ قرآنِ عزیز نے اس کو غرقِ فرعون کے بعد کے واقعات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَ	بیشک قارون موسیٰ کی قوم ہی میں سے تھا، پس اُس نے اُن پر سرکشی کی اور ہم نے اُس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اُس کی کنجیوں کے بوجھ سے طاقتور آدمی تھک جاتے تھے جب اسکی قوم نے کہا تو شیخی نہ مار اللہ شیخی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور جو کچھ تجھ کو خدا نے دیا ہے اُس میں آخرت کو تلاش کر، اسکو نہ بھول کہ دنیا میں اُس نے تجھ کو کیسا کچھ دے رکھا ہے اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تو بھی اسی طرح بھلائی کر، اور فساد کے درپے نہ ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا، قارون کہنے لگا یہ مال تو مجھ کو میرے ایک ہنر سے ملا ہے جو مجھ کو آتا ہے کیا وہ اس سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے پہلے اس سے کہیں زیادہ مال دار اور طاقتور قوموں کو ہلاک کر دیا۔ اور نہ سوال کیا جائے مجرموں سے

Marfat.com

لَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝
فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ
يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا
مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ
عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ
فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ
لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ
اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۝ وَ
أَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ
يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَنْ
مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ
الْكَافِرُونَ ۝ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا
فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (قصص)

اُن کے گناہوں کے بارہ میں (یعنی اُن کی عقلیں ماری گئی ہیں تب
ہی تو گناہ میں مبتلا ہیں پھر سوال سے کیا فائدہ) پھر نکلا ایک دن
قوم کے سامنے بن سنور کر خدم وحشم کے ساتھ تو جو لوگ دنیا کے طالب
تھے اُنہوں نے اس کو دیکھ کر کہا اے کاش ہمیں بھی یہ سب کچھ ملتا جو
قارون کو دیا گیا ہے بلاشبہ یہ بڑے نصیب والا ہے، اور جن لوگوں کو اللہ
نے بصیرت و علم عطا کیا تھا اُنہوں نے کہا تمہیں ہلاکی ہو جو اللہ پر ایمان
لایا اور نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا ثواب اس دولت سے بہتر
ہے اور اس کو نہیں پاتے مگر صبر کرنیوالے۔ پھر ہم نے قارون اور اس
کے محل کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے لیے کوئی جماعت
مددگار ثابت نہیں ہوئی جو خدا کے عذاب سے اسکو بچائے اور وہ
بے یار و مددگار ہی رہ گیا اور جنھوں نے کل اس کی شان و شوکت
دیکھ کر اس جیسا ہو جانے کی تمنا کی تھی وہ یہ دیکھ کر آج یہ کہنے لگے ارے
خرابی یہ تو اللہ تعالیٰ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے
بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے۔ اگر احسان نہ کرتا اللہ ہم پر تو ہم کو
بھی دھنسا دیتا ارے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر یہ آخرت
کا گھر ہم نے ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو خدا کی زمین میں شیخی نہیں چاہتے
اور نہ فساد کے خواہشمند ہوتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقیوں کیلئے ہے

توراۃ نے بھی اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے[1] مگر اس کے بیان اور قرآن عزیز کی تصریحات کو پڑھنے کے بعد ایک انصاف پسند انسان کو یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز جب کسی تاریخی واقعہ کو نقل کرتا ہے تو اُس کے صرف اُن ہی اجزاء کو بیان کرتا ہے جو غرض اور مقصد "نصیحت و عبرت" کے لیے ضروری ہوں اور زائد از حاجت تفصیلات کو نظرانداز کر جاتا ہے لیکن

[1] توراۃ گنتی باب ۱۶- آیات ۳۴-۲۰

Marfat.com

تورات میں اکثر بے ضرورت تفاصیل بیان ہوتی ہیں اور بعض جگہ تو بے محل طوالت بلکہ لفاظی بیان تک پایا جاتا ہے جنکو ہم حسبِ موقعہ بیان کرتے جاتے ہیں چنانچہ اس مقام پر بھی بعض غیر ضروری حصوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایذاءِ بنی اسرائیل

گذشتہ واقعات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قول اور عمل دونوں طریقوں سے سخت اذیتیں پہنچائیں حتیٰ کہ بہتان طرازی اور تہمت تراشی سے بھی باز نہیں رہے۔

بت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی میں انہماک قبولِ تورات سے انکار، ارضِ مقدس میں داخلہ سے انکار، من و سلویٰ پر ناسپاسی، غرض ہر اد لئے فرض میں ضد اور ہٹ اور ہر ایک معاملہ میں حضرت موسیٰ کے ساتھ جاہلانہ ردّ و کد کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اُن کی زندگی کا جز نظر آتا ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ضبط و صبر کے ساتھ ایک اولوالعزم رسول کی طرح اُن کو برداشت کرتے اور رُشد و ہدایت کے پیغام میں منہمک نظر آتے ہیں۔

قرآن عزیز کی تصریحات کے علاوہ تاریخی حیثیت سے اگر بنی اسرائیل کی ان خصوصیات کا مطالعہ مقصود ہو تو تورات کے حسب ذیل ابواب قابلِ مراجعت ہیں:۔

"خروج باب ۱۲ آیات ۱۲-۱۱ باب ۱۶ آیات ۳ گنتی باب ۱۴-آیات ۳-۱-باب ۱۶ آیات ۱۴-۱۳-باب ۷ آیات ۱۳-۱۲-استثنار باب ۹ آیات ۲۴-۲۳-

لیکن قرآن عزیز نے ان واقعات کے علاوہ جن کا ذکر صفحات گذشتہ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے سورۂ احزاب اور سورۂ صف میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایذا رسانی پر مذمت کرتے ہوئے یہ کہا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا۔ (احزاب)	اے ایمان والو! تم ان بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو جنہوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی پھر اللہ نے اس کو اس بات سے بری کر دیا جو وہ اُس کے متعلق کہتے تھے اور موسیٰ اللہ کے نزدیک صاحب وجاہت ہے۔

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (صف)

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم تو کس لئے مجھ کو ایذا پہونچاتی ہے جبکہ تجھ کو یہ معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پھر جب وہ کجی پر اڑ بیٹھے تو اللہ نے بھی اُنکے دلوں پر کجی کو مسلط کر دیا۔ اور اللہ نا فرمان قوم کو راہ یاب نہیں کیا کرتا۔

اس لئے علماءِ تفسیر نے ان ہر دو مقام پر یہ بحث کی ہے کہ یہاں جس ایذا کا تذکرہ کیا گیا ہے کیا اُس سے وہی حالات مراد ہیں جو بنی اسرائیل کی سرکشی اور تعنّت کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں اور جن کا پورا سلسلہ یقیناً حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ایذاء کا باعث تھا۔ یا اُن کے علاوہ کسی اور خاص واقعہ کی جانب اشارہ ہے چنانچہ بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا کہ اس سے وہی ایذاء مراد ہے جو حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے تعنّت اور ضد کی وجہ سے پہونچتی رہی تھی اور بعض مفسرین نے ان ہر دو آیات کا مصداق گزشتہ واقعات سے جدا واقعہ کو بتایا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ بعض صحیح احادیث میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے درمیان ایسے واقعات کا تذکرہ پایا جاتا ہے جنکا تفصیلی ذکر قرآن عزیز میں موجود نہیں ہے، لہٰذا اُن کے واقعات میں سے کوئی ایک مخصوص واقعہ یا وہ سب واقعات ان آیات کے مصداق ہیں اور وہی اُن کیلئے شانِ نزول کی حیثیت رکھتے ہیں

ان واقعات میں سے ایک واقعہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ بہت شرمیلے اور پردہ دار تھے اور اپنے برہنہ بدن پر کسی کی نگاہ نہیں پڑنے دیتے تھے اس کے برعکس بنی اسرائیل مجمع میں برہنہ ہو کر غسل کرنے کے عادی تھے، اس لئے وہ حضرت موسیٰ کو تنگ کرتے اور انکی مذاق اڑاتے کبھی کہتے کہ ان کے خاص حصہ جسم پر برص کے داغ ہیں کبھی کہتے کہ ان کو اُدرہ (فوطوں کا متورم ہو کر بڑھ جانا) کا مرض ہے یا کوئی اور اسی قسم کا خراب مرض ہے تب ہی تو چھپ کر علیحدہ نہاتے ہیں، حضرت موسیٰؑ سنتے اور خاموش رہتے، آخر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوئی کہ اُن کو اس تہمت سے پاک اور بری کرے، چنانچہ ایک روز وہ علیحدہ آڑ میں نہانے کی تیاری کر رہے تھے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے، پتھر خدا کے حکم سے اپنی جگہ سے سرکا اور جہاں مجمع میں بنی اسرائیل برہنہ نہا رہے تھے وہاں چل کر پہنچ گیا، حضرت موسیٰؑ گھبراہٹ اور غصہ میں اُس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے "ثوبی حجر! ثوبی حجر" (اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے) پتھر جب مجمع کے سامنے ٹھہر گیا تو سب نے دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام بیان کردہ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہیں حضرت موسیٰؑ پر اس اچانک واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ غصہ میں جھنجھلا کر پتھر پر لاٹھی کے چند وار کر دیئے جس سے اس پر نشان پڑ گئے۔ [1]

بخاری اور مسلم نے اس کو متعدد طریقوں سے روایت کیا ہے، اُن میں سے ایک طریقہ میں اس واقعہ کو سورۂ احزاب کی اس آیت کا شانِ نزول قرار دیا ہے جس میں بنی اسرائیل کی ایذاء اور خدائے تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ (علیہ السلام) کی براءت کا ذکر ہے۔

اور اسی آیت کے شانِ نزول میں ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت نقل کی ہے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) پہاڑ (ہور) پر گئے مگر ہارون کا وہیں انتقال ہو گیا اور حضرت موسیٰ تنہا واپس ہوئے، بنی اسرائیل نے یہ دیکھا تو حضرت موسیٰ پر تہمت رکھی کہ اس نے ہارون کو قتل کر دیا حضرت موسیٰ کو اس تہمت سے بہت دکھ پہنچا تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ہارون کی نعش کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کریں، فرشتوں نے فضا میں حضرت ہارونؑ کی نعش بنی اسرائیل کے مجمع میں پیش کی اور انھوں نے یہ دیکھ کر اطمینان حاصل کیا کہ واقعی ہارون (علیہ السلام) پر قتل کا کوئی نشان نہیں ہے۔

تیسری روایت حضرت عبد اللہ بن عباس اور سدّی سے کتبِ تفاسیر میں منقول

---

[1] بخاری باب الغسل و مسلم باب الفضائل۔

Marfat.com

ہے کہ جب قارون کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی نصیحت بہت ناگوار گذرنے لگی تو ایک دن اُس نے ایک پیشہ ور عورت کو کچھ روپے دیکر اس پر آمادہ کر لیا کہ جس وقت حضرت موسیٰ پند ونصیحت میں مصروف ہوں تو اُس وقت تو اُن پر الزام لگانا کہ یہ شخص مجھ سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ دوسرے دن جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام وعظ فرما رہے تھے تو اس عورت نے حضرت موسیٰ پر الزام لگایا حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنکر سجدہ میں گر پڑے اور پھر سر اٹھا کر عورت کی جانب مخاطب ہوئے کہ تو نے جو کچھ ابھی کہا تھا کیا خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے کہ یہ سچ ہے؟ یہ سُن کر عورت پر رعشہ طاری ہو گیا اور اُس نے کہا بخدا سچ بات یہ ہے کہ قارون نے مجھ کو روپیہ دیکر اس الزام پر آمادہ کیا تھا ورنہ تو آپ اس سے بری اور پاک ہیں۔ تب حضرت موسیٰ نے قارون کے لئے بددعا کی اور وہ خدا کے حکم سے معہ سازوسامان زمین میں دھنسا دیا گیا۔

محاکمہ اس بحث میں صحیح مسلک یہ ہے کہ جب قرآن عزیز نے حضرت موسیٰؑ سے متعلق ایذا کے واقعہ کو مجمل بیان کیا ہے اور اسکی کوئی تعیین نہیں کی تو ہمارے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ اس کی تفصیل اور تعیین کئے بغیر نفسِ واقعہ پر ایمان لائیں اور کسی خاص واقعہ سے متعلق نہ کریں اور جس حکمت و مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کو مجمل رکھنا مناسب سمجھا ہم بھی اسی پر اکتفا کریں۔

اور اگر تفصیل اور تعیین کی جانب توجہ دینا ضروری ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان ہر دو آیات کا مصداق وہ تمام واقعات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کی ایذا رسانی سے متعلق قرآن عزیز اور صحیح احادیث میں منقول ہیں اور اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ زیر بحث ایذا کا معاملہ اس نوعیت کا ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) کی وجاہت پر اثر پڑتا تھا اور اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کی جانب سے اس کا دفاع کر کے ان کے قولی ہفوات سے بری اور پاک ثابت کر دیا، ان ہر دو آیات کے مصداق کی تعیین میں وہ تینوں روایات قابلِ ترجیح ہیں جو کتب احادیث سے نقل کی جا چکی ہیں۔ اور وہ سب ان آیات کا مصداق ہیں۔

رہا یہ امر کہ شانِ نزول کے لئے کسی ایک واقعہ کا مخصوص ہونا ضروری ہے تو بقولِ حضرت

Marfat.com

شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) یہ درست نہیں ہے بلکہ شان نزول کی اصل حقیقت یہ ہے کہ زمانہ نبوت میں پیش آنیوالے وہ تمام واقعات جو کسی آیت کا مصداق بن سکتے ہوں اس آیت کے لئے یکساں طور پر شانِ نزول کہے جا سکتے ہیں۔

اس مقام کی تفسیر میں نجّار نے قصص الانبیاء میں ایک طویل بحث کی ہے اور ان کے درمیان اور مصر کی مجلس علماء کے درمیان جو بحث و تمحیص ہوئی ہے اس کو بھی نقل کیا ہے مگر ہم چونکہ دونوں خیالات کے پوری طرح ہمنوا نہیں ہیں اور مفسرین قدیم میں ابن کثیر اور ابن حبّان کے رجحانات کے مؤید ہیں اس لئے اس بحث کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت ہارون کی وفات

گذشتہ واقعات میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے "ارضِ مقدس" میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ کے ذریعہ اُن کو یہ اطلاع کر دی تھی کہ چالیس سال تک اب تم کو اسی سرزمین میں بھٹکنا پڑیگا اور سرزمینِ مقدس میں ان افراد میں سے کوئی بھی داخل نہ ہو سکیگا جنھوں نے داخل ہونے سے اس وقت انکار کر دیا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اُن کو یہ بھی بتایا کہ موسیٰ اور ہارون بھی تمہارے پاس ہی رہینگے کیونکہ اُن کی اور آنے والی نسل کی رشد و ہدایت کے لئے اُن دونوں کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے، چنانچہ جب بنی اسرائیل "تیہ" کے میدان میں گھومتے اور پھرتے پھراتے پہاڑ کی اس چوٹی کے قریب پہنچے جو "ہور" کے نام سے مشہور تھی تو حضرت ہارون کو پیغام اجل آپہنچا وہ اور حضرت موسیٰ خدا کے حکم سے "ہور" پر چڑھ گئے اور وہیں کچھ روز عبادت الٰہی میں مصروف رہے اور جب حضرت ہارون کا وہاں انتقال ہو گیا تب حضرت موسیٰ ان کی تجہیز و تکفین کے بعد نیچے اُترے اور بنی اسرائیل کو ہارون علیہ السلام کی وفات سے مطلع کیا۔

توراۃ میں اس واقعہ کو اس طرح ادا کیا ہے۔

"اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت قادس سے روانہ ہو کر کوہ ہور پہنچی اور خداوند نے کوہ ہور پر

Marfat.com

ادوم کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ موسیٰ اور ہارون سے کہا، ہارون اپنے لوگوں میں جا ملیگا کیونکہ وہ اس ملک میں جو میں نے بنی اسرائیل کو دیا ہے جانے نہیں پائے گا اس لئے کہ مریبہ کے چشمہ پر تم نے میرے کلام کے خلاف عمل کیا لہٰذا تو ہارون اور اس کے بیٹے الیعزر کو اپنے ساتھ لیکر کوہِ ہور کے اوپر آجا اور ہارون کے لباس کو اتار کر اس کے بیٹے الیعزر کو پہنا دینا، کیونکہ ہارون وہیں وفات پاکر اپنے لوگوں میں جا ملے گا۔ اور موسیٰ نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور وہ ساری جماعت کی آنکھوں کے سامنے کوہِ ہور پر چڑھ گئے اور موسیٰ نے ہارون کے لباس کو اتار اس کے بیٹے الیعزر کو پہنا دیا اور ہارون نے وہیں پہاڑ کی چوٹی پر رحلت کی تب موسیٰ اور الیعزر پہاڑ پر سے اتر آئے جب جماعت نے دیکھا کہ ہارون نے وفات پائی تو اسرائیل کے سارے گھرانے کے لوگ ہارون پر تیس دن تک ماتم کرتے رہے[1]

حضرت موسیٰ اور خضر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعات زندگی میں ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے اور ایک صاحب باطن کے درمیان ہوئی اور حضرت موسیٰ نے اس عالم تکوینیات کے بعض رموز و اسرار معلوم کئے، اس ملاقات کا ذکر تفصیل کے ساتھ سورۂ کہف میں کیا گیا ہے، اور بخاری میں اس واقعہ سے متعلق بعض تفصیلات مذکور ہیں، بخاری میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے عرض کیا کہ نوف بکالی کہتا ہے کہ موسیٰ صاحب خضر، موسیٰ صاحب بنی اسرائیل نہیں ہیں یہ ایک دوسرے موسیٰ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ "دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے مجھ سے اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے کہ کسی شخص نے دریافت کیا، اس زمانہ میں سب سے بڑا عالم دین کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔ مجھے خدا نے سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات پسند

[1] گنتی باب ۲۰ آیات ۲۲ - ۲۹ -

Marfat.com

نہ آئی اوران پر عتاب ہوا کہ تمہارا منصب تو یہ تھا کہ اس کو علم الٰہی کے سپرد کرتے اور کہتے "واللہ اعلم" اور پھر ان پر وحی نازل فرمائی کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں (مجمع البحرین) وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو بعض امور میں تجھ سے بھی زیادہ عالم و دانا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا "پروردگار! تیرے اُس بندے تک رسائی کا کیا طریقہ ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مچھلی کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو، پس جس مقام پر وہ مچھلی گم ہو جائے اُسی جگہ وہ شخص ملیگا۔ حضرت موسیٰؑ نے مچھلی کو توشہ دان میں رکھا اور اپنے خلیفہ یوشع بن نون کو ساتھ لیکر "مردِ صالح" کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ جب چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے تو دونوں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی میں زندگی پیدا ہوئی اور وہ زنبیل سے نکل کر سمندر میں چلی گئی۔ مچھلی پانی کے جس حصہ پر بہتی ہوئی گئی اور جہاں تک گئی وہاں پانی برف کی طرح جم کر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی کی طرح ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں ایک لکیر یا خط کھنچا ہوا ہے یہ واقعہ یوشع نے دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بیدار ہو گئے تھے مگر جب حضرت موسیٰؑ بیدار ہوئے تو اُن سے ذکر کرنا بھول گئے اور پھر دونوں نے اپنا سفر شروع کر دیا اور اُس دن اور رات میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اب تکان زیادہ محسوس ہونے لگا وہ مچھلی لاؤ تاکہ بھوک رفع کریں۔ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی تکان نہیں ہوا تھا، مگر منزل سے آگے غلطی سے نکل گئے تو اب تکان بھی محسوس ہونے لگا۔" یوشع نے کہا آپکو معلوم رہے کہ جب ہم "صخرہ" پتھر کی چٹان پر تھے تو وہیں مچھلی کا یہ تعجب خیز واقعہ پیش آیا کہ اُس میں حرکت پیدا ہوئی اور مکتل (زنبیل) میں سے نکل کر سمندر میں چلی گئی اور اسکی رفتار پر سمندر میں راستہ بنتا چلا گیا۔ میں آپ سے یہ واقعہ کہنا بالکل بھول گیا یہ بھی شیطان کا ایک چرکا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر کا وہ خط مچھلی کیلئے "سرب" (راستہ) تھا اور موسیٰ و یوشع کیلئے "عجب" (تعجب خیز بات)

Marfat.com

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ جس مقام کی ہم کو تلاش ہے وہ وہی مقام تھا اور یہ کہہ کر دونوں پھر ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوئے اُسی راہ پر لوٹے اور اُس "صخرہ" (پتھر کی چٹان) تک جا پہنچے۔

وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اُس جگہ عمدہ لباس پہنے ہوئے ایک شخص بیٹھا ہے حضرت موسیٰؑ نے اُس کو سلام کیا۔ اس شخص نے کہا کہ تمہاری اس سرزمین میں "سلام" کہاں؟ (یعنی اس سرزمین میں تو مسلمان نہیں رہتے) یہ خضرؑ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میرا نام موسیٰ ہے خضرؑ نے کہا۔ موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا "ہاں! میں تم سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو خدا نے تم ہی کو بخشا ہے" خضرؑ نے کہا "تم میرے ساتھ رہ کر اُن معاملات پر صبر نہ کر سکوگے موسیٰؑ! خدائے تعالیٰ نے مجھ کو تکوینی رموز و اسرار کا وہ علم عطا کیا ہے جو تم کو نہیں دیا گیا اور اُس نے تم کو (تشریعی علوم کا) وہ علم عطا فرمایا ہے جو مجھ کو عطا نہیں ہوا" حضرت موسیٰؑ نے کہا "انشاءاللہ" آپ مجھ کو صابر و ضابط پائینگے اور میں آپ کے ارشاد کی قطعاً خلاف ورزی نہیں کرونگا"، حضرت خضرؑ نے کہا "تو پھر شرط یہ ہے کہ جب آپ میرے ساتھ رہیں تو کسی معاملہ کے متعلق بھی جسکو آپ کی نگاہیں دیکھ رہی ہوں مجھ سے کوئی سوال نہ کریں میں خود آپ کو اُنکی حقیقت بتا دونگا" حضرت موسیٰؑ نے منظور کر لیا اور دونوں ایک جانب کو روانہ ہو گئے جب سمندر کے کنارے پہنچے تو سامنے سے ایک کشتی نظر آئی حضرت خضرؑ نے ملاحوں سے کرایہ پوچھا وہ خضرؑ کو پہچانتے تھے لہٰذا اُنہوں نے کرایہ لینے سے انکار کر دیا اور اصرار کر کے دونوں کو کشتی پر سوار کر لیا اور کشتی روانہ ہوگئی، ابھی چلے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت خضر (علیہ السلام) نے کشتی کے سامنے والے حصہ کا ایک تختہ اُکھاڑ کر کشتی میں سوراخ کر دیا حضرت موسیٰ سے ضبط نہ ہو سکا خضر سے کہنے لگے کشتی والوں نے تو یہ احسان کیا کہ آپ کو اور مجھ کو مفت سوار کر لیا اور آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ کشتی میں سوراخ کر دیا کہ سب کشتی والے کشتی سمیت ڈوب جائیں یہ تو بہت نازیبا بات ہوئی؟ حضرت خضرؑ نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ ایسی باتوں پر صبر نہ کر سکینگے؟

Marfat.com

آمد ہی ہوا حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ مجھے وہ بات بالکل فراموش ہوگئی، اسلئے آپ بھول چوک پر مواخذہ نہ کریں اور میرے معاملہ میں سخت گیری سے کام نہ لیں" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "یہ پہلا سوال واقعی موسیٰ کی بھول کی وجہ سے تھا" اسی اثنا میں ایک چڑیا کشتی کے کنارے آکر بیٹھی اور پانی میں چونچ ڈال کر ایک قطرہ پانی پی لیا حضرت خضرؑ نے کہا کہ بلا تشبیہ علم الٰہی کے مقابلہ میں میرا اور تمہارا علم ایسا ہی بے حقیقت ہے جیسا کہ سمندر کے سامنے یہ قطرہ۔

کشتی کنارے لگی اور دونوں اُتر کر ایک جانب روانہ ہوگئے۔ سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے کہ ایک میدان میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر آگے بڑھے اور اُن میں سے ایک بچہ کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو پھر یارائے صبر نہ رہا۔ فرمانے لگے "ناحق ایک معصوم جان کو آپنے مار ڈالا یہ تو بہت ہی بُرا کیا؟ حضرت خضر نے کہا میں تو شروع ہی میں کہہ چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر و ضبط سے کام نہ لے سکیں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "چونکہ یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ سخت تھی اسلئے حضرت موسیٰؑ صبر و ضبط نہ کرنے میں معذور تھے" حضرت موسیٰ نے فرمایا "خیر اس مرتبہ اور نظر انداز کر دیجئے۔ اس کے بعد بھی اگر مجھ سے صبر نہ ہو سکا تو پھر عذر کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اور اسکے بعد آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیے گا۔ غرض پھر دونوں روانہ ہوگئے۔ اور چلتے چلتے ایک ایسی بستی میں پہنچے جہاں کے باشندے خوش عیش اور مہمان داری کے ہر طرح قابل تھے مگر دونوں کی مسافرانہ درخواست پر بھی ان کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا تھا یہ ابھی بستی ہی میں سے گذر رہے تھے کہ خضرؑ ایک ایسے مکان کی جانب بڑھے جس کی دیوار کچھ جھکی ہوئی تھی اور اُس کے گر جانے کا اندیشہ تھا حضرت خضر نے اُس کو ہاتھ کا سہارا دیا اور دیوار کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر خضرؑ کو ٹوکا اور فرمانے لگے کہ ہم اس بستی میں مسافرانہ وارد ہوئے مگر اس کے بسنے والوں نے نہ مہمان داری کی اور نہ ٹکنے کو جگہ دی آپنے یہ کیا کیا کہ اُسکے

Marfat.com

ایک باشندے کی دیوار کو بغیر اُجرت درست کردیا، اگر کرنا ہی تھا تو بھوک پیاس کو دور کرنیکے لئے کچھ اُجرت ہی طے کر لیتے" حضرت خضر نے فرمایا "اب میری اور تمہاری جدائی کا وقت آگیا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ اور پھر اُنہوں نے حضرت موسیٰ کو ان تینوں معاملات کے حقائق کو سمجھایا اور بتایا کہ یہ سب منجانب اللہ وہ باتیں تھیں جن پر آپ صبر نہ کرسکے۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارا جی تو یہ چاہتا تھا کہ موسیٰ تھوڑا صبر اور کرتے اور ہم کو اللہ تعالیٰ کے اسرار اور تکوینی علوم کی مزید معلومات ہوسکتیں۔

جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی مفارقت ہونے لگی تو خضر نے اُن واقعات کی جو حقیقت بیان کی قرآن عزیز نے سورہ کہف میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس طرح ظاہر کیا ہے:-

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۔ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۔ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ۔ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ

"بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آگیا، ہاں جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا، اُن کی حقیقت تمہیں بتلائے دیتا ہوں" سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو، وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں، وہ جس طرف بڑھ رہے تھے وہاں ایک بادشاہ ہے ظالم جس کسی کی اچھی کشتی پاتا ہے زبردستی لے لیتا ہے، میں نے چاہا اس کی کشتی میں عیب نکال دوں، تاکہ عیبی سمجھ کر اس کو چھوڑ دے) رہا لڑکے کا معاملہ، تو اس کے ماں باپ مومن ہیں۔ میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ یہ انہیں سرکشی اور کفر کرکے اذیت پہنچائیگا بس میں نے چاہا کہ اُن کا پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکا دے، دینداری میں بھی اور محبت میں بھی اور وہ جو دیوار درست کردی گئی تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے جسکے نیچے اُن کا خزانہ گڑا ہوا ہے، اُن کا باپ ایک نیک آدمی تھا،

Marfat.com

كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا (کہف)

پس تمہارے پروردگار نے چاہا دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پاکر نکال لیں۔ یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی، اور یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا) یہ ہے حقیقت اُن باتوں کی جن پر تم صبر نہ کرسکے۔

قرآن عزیز نے اس واقعہ کے شروع میں خضر کے اس "علم" کے متعلق کہا ہے "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" (اور ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم عطا کیا) اور قصہ کے آخر میں خضر کا یہ قول نقل کیا "وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ" (میں نے اس سلسلۂ واقعات کو اپنی جانب سے نہیں کیا) تو ان دونوں جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خضر کو بعض اشیاء کے حقائق کا وہ علم عطا فرمایا تھا جو تکوینی رموز و اسرار اور باطنی حقائق سے متعلق ہے۔ اور یہ ایک ایسا مظاہرہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق پر یہ واضح کر دیا کہ اگر عالم ہست و بود کے تمام حقائق سے اسی طرح پردہ اٹھا دیا جائے جس طرح بعض حقائق کو خضر کے لئے بے نقاب کر دیا گیا تھا تو اس عالم کے تمام احکام ہی بدل جائیں اور عمل کی آزمائشوں کا یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو کر رہ جائے مگر دنیا اعمال کی آزمائش گاہ ہے، اس لئے "حقائق" پر پردہ پڑا رہنا ضروری ہے تاکہ حق و باطل کی پہچان کے لئے جو ترازو قدرتِ الٰہی نے مقرر کر دیا ہے وہ برابر اپنا کام انجام دیتا رہے۔

سورہ کہف کی ان آیات کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) چونکہ اولو العزم پیغمبر اور جلیل المرتبت رسول تھے اور تشریعی علوم و احکام کا ابلاغ انکا منصب تھا اس لئے وہ ان تکوینی اسرار کے مظاہرے کو برداشت نہ کرسکے اور باوجود صبر کے وعدہ کے منصب رسالت کی تبلیغ سے باز نہ رہ سکے اور حضرت خضر کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مخاطب بناتے رہے اور آخر کار جُدائی کی نوبت آگئی۔

بخاری کی مسطورہ بالا حدیث میں سورہ کہف کے ذکر کردہ واقعات سے چند باتیں

Marfat.com

زیادہ ہیں جو اصل کی تمہید یا مزید تشریح کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور اس حدیث ہی نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس "عبدِ صالح" کو خضر کہتے ہیں۔

اس مقام پر چند باتیں قابلِ بحث ہیں (۱) خضر نام ہے یا لقب (۲) خضر فقط عبدِ صالح (ولی) ہیں یا نبی یا رسول؟ (۳) اِن کو حیاتِ ابدی حاصل ہے، یا وفات پا چکے؟

مفسرین کے یہاں ان تینوں سوالات کے جوابات میں بہت سے اقوال منقول ہیں چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ خضر نام ہے اور اکثر کا قول ہے کہ یہ لقب ہے اور پھر نام کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً (۱) بلیا بن ملکان (۲) ایلیا بن ملکان۔ (۳) خضرون، معمر، الیاس، الیسع وغیرہ۔

دوسرے سوال کے جواب میں بعض کا قول ہے کہ وہ فقط "عبدِ صالح" تھے اور بعض کہتے ہیں کہ "رسول" تھے، مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ نہ وہ رسول تھے اور نہ فقط "عبدِ صالح" بلکہ "نبی" تھے۔

اور تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اُن کو حیاتِ ابدی حاصل ہے۔ اور وہ اب تک زندہ ہیں اور اس سلسلہ میں کچھ حکایات و روایات بھی بیان کرتے ہیں، اور جلیل القدر محققین فرماتے ہیں کہ اُن کے لئے حیاتِ ابدی کا ثبوت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے لہٰذا وہ بھی انسانی دنیا کی طرح اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے۔

قولِ فیصل ان ہر سہ مسائل میں قولِ فیصل یہ ہے کہ پہلی بات کے متعلق قرآنِ عزیز میں کوئی تذکرہ نہیں ہے نہ حضرت خضر کا نام مذکور ہے اور نہ لقب بلکہ "عبدًا مِّنْ عِبَادِنَا" کہہ کر ان کا واقعہ نقل کیا ہے، البتہ بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں خضر کہہ کر اُن کا ذکر کیا گیا ہے، پس اگر تاریخی روایات سے ہم اُن کے نام اور لقب کا پتہ لگا سکتے تو بآسانی یہ کہہ سکتے کہ فلاں نام ہے اور فلاں لقب مگر اس بارہ میں تاریخی اقوال اس درجہ مضطرب ہیں کہ اُن سے کسی نتیجہ پر پہونچنا ناممکن ہے لہٰذا ہمارے سامنے اُنکی شخصیت کا تعارف صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ اُن کو خضر کہا جاتا ہے اور یہ کہ وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معاصر ہیں، اس سے زیادہ اُن کے نام یا لقب یا نسب کی تمام بحثیں بے دلیل

Marfat.com

محض تخمینی اقوال کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اور دوسری بات کے متعلق راجح قول یہ ہے کہ وہ "نبی" تھے اس لئے کہ قرآنِ عزیز نے جس انداز میں اُنکے شرف کا ذکر کیا ہے وہ مقام نبوّت ہی پر صادق آتا ہے اور مقام ولایت اُس سے بہت فروتر ہے مثلاً جب خضر نے لڑکے کے قتل کی وجہ بیان کی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا "رحمۃ من ربّك وما فعلتہ عن امری" یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، تیرے رب کی رحمت کی بدولت ہوا" اور ظاہر ہے کہ کسی ولی کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ الہام کے ذریعہ کسی شخص کو قتل کر ڈالے اسلئے کہ "الہام" میں مغالطہ کا امکان ہے اور اولیاء اللہ کے بہت سے مکاشفات میں اسی لئے کثرت سے تضاد پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ شرعی حجت تسلیم نہیں کیا گیا۔

لہٰذا امورِ تکوینیہ میں سے ایک ایسا تکوینی امر جو ظاہر سطح میں نہایت قبیح اور بہت بڑا جرم ہے صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی انجام پاسکتا تھا، اس آیت کے علاوہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے درمیان گفتگو کے واقعہ کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسکی تائید کرتا ہے کہ وہ نبی تھے تب ہی تو حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر حضرت خضر کی معیت اور انکے علمِ تکوینی کے مشاہدہ کے لئے اصرار کرتے اور تب ہی حضرت خضرؑ جرأت کے ساتھ اپنے علم اور حضرت موسیٰؑ کے علم کے درمیان موازنہ کرتے نظر آتے ہیں۔

تاہم مجموعۂ کمالاتِ نبوّت و رسالت کے اعتبار سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا مقام حضرت خضرؑ کے مقام سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ خدا کے نبی بھی ہیں اور جلیل القدر رسول بھی صاحبِ شریعت بھی ہیں اور صاحبِ کتاب بھی، اور رسولوں میں بھی اولوالعزم رسول ہیں۔ پس حضرت خضر کا وہ جزئی علم جو علم تکوین کے اسرار سے تعلق رکھتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جامع علمِ تشریعی پر فائق نہیں ہو سکتا۔

اور تیسری بات کے متعلق صحیح رائے علماءِ محققین ہی کی ہے جو اس امر کے قائل ہیں کہ

Marfat.com

حضرت خضر کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے اور وہ اپنی طبعی عمر کے بعد وفات پا چکے۔ اسلئے کہ قرآنِ عزیز میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بھی حیات ابدی عطا نہیں فرمائی اور اس کے لئے اس دنیا میں "موت" ایک امر حق ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ — اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تجھ سے پہلے بھی کسی بشر کو حیات ابدی عطا نہیں کی۔ (انبیاء)

نیز قرآنِ عزیز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے ہر ایک نبی سے یہ عہد و میثاق لیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی تو تم میں سے جو بھی اُسوقت موجود ہو اسکا فرض ہوگا کہ وہ اُس رسول پر ایمان بھی لائے اور اُس کی مدد بھی کرے چنانچہ تمام انبیاء ورسل نے اس کا اقرار کیا اور اُن کے اور خدا کے درمیان شہادت و میثاق محکم و مضبوط ہوا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ	اور جب اللہ نے نبیوں سے میثاق و عہد لیا کہ میں نے جو کچھ تمکو کتابیں اور علم دیا ہے پھر آوے تمہارے پاس رسول (محمد) کہ سچا بتاسے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤگے اور اُسکی مدد کروگے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا؟ بولے ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

پس اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو اُن کا فرض تھا کہ وہ علی الاعلان حاضر خدمت ہوکر آپ پر ایمان لاتے اور تمام غزوات میں آپ کی اعانت و امداد کرتے۔ مگر کسی صحیح روایت سے ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا بھی ثبوت نہیں ملتا، حالاں کہ غزوہ بدر و حنین وغیرہ میں جبرئیل امین ملائکہ کی اعانت و امداد تک کی تصریحات موجود ہیں۔ قرآنِ عزیز کی ان آیات کے علاوہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی ایک روایت بھی اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ خضر اب تک زندہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی

Marfat.com

نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس رات کو تم نے دیکھا ؟ تو یہ واضح رہے کہ آج جو شخص بھی بقید حیات ہے ایک صدی گذرنے پر ان میں سے ایک بھی زمین پر زندہ باقی نہیں رہیگا۔[1]

اس حدیث صحیح کی پیشین گوئی کے مطابق بھی حضرت خضر کی حیات ابدی کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی، اور نہ ان کا استثنا کسی روایت سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ یہ روایت صحیحین کے علاوہ مختلف طریقوں سے دوسری کتب حدیث میں بھی منقول ہے۔

اسی لئے مشہور محدث حافظ ابن قیمؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ایک بھی صحیح روایت ایسی منقول نہیں ہے جس سے حضرت خضرؑ کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنی اور صحیح روایات انکی موت کی تائید کرتی ہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن کثیرؒ، ابن جوزیؒ، امام بخاریؒ، قاضی ابو یعلیٰ حنبلیؒ، ابو طاہر بن العباری، علی بن موسیٰ الرضا، ابو الفضل مرسی، ابو طاہر بن العبادی، ابو الفضل بن ناصر، قاضی ابوبکر بن العربی، ابوبکر محمد بن الحسن جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین انکی موت ہی کے قائل ہیں۔

لہذا حیاتِ خضر کے متعلق جن علمائے نے اجماع نقل کیا ہے وہ قطعاً بے سند ہے بلکہ مشہور مفسر ابن حیان اندلسی نے دعوے اجماع کے خلاف یہ دعویٰ کیا ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ خضر زندہ نہیں ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے کرائی جن کا نام خضر تھا ان کو بعض اسرار کونیہ کا وہ علم عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰ کو نہیں دیا گیا حضرت موسیٰ کی شان حضرت خضر سے کہیں زیادہ ہے حضرت خضر کا تذکرہ جس انداز سے قرآنِ عزیز نے کیا ہے اس سے یہی راجح نظر آتا ہے کہ وہ نبی تھے تاہم بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کو قرآنِ عزیز نے جس طرح مجمل رکھا ہے ہم صرف اسی پر یقین رکھیں اور اس سے آگے اپنی تحقیق کو دخل

---

[1] بخاری و مسلم کتاب الفضائل۔

Marfat.com

نزدیں حضرت عباسؓ کا یہی قول ہے اور چونکہ اُن کی حیاتِ ابدی کیلئے کوئی شرعی اور تاریخی دلیل موجود نہیں ہے اس لئے بے شبہ وہ بھی اپنی عمرِ طبعی کو پہنچکر واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت خضر کے واقعہ سے متعلق مباحث مسطورۂ بالا کے ذیل میں بہت سی عجیب و غریب روایات کتب تفسیر و تاریخ میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک وہ سب موضوع اور بے اصل ہیں۔ اور اسرائیلیات سے ماخوذ، اس لئے ناقابلِ حجت و استناد ہیں[1]

"مجمع البحرین" دو دریاؤں کے سنگم کو کہتے ہیں یہاں کون سے دو دریا اور اُن کا سنگم مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین اور اربابِ سیرت سے مختلف اقوال منقول ہیں مگر ان میں سے کوئی قول بھی "قولِ فیصل" کی حیثیت نہیں رکھتا، البتہ جن حضرات نے اس سے بحرِ روم اور بحرِ قلزم اور اُن دونوں کا سنگم مراد لیا ہے وہ قرینِ قیاس ہے اور یہ ممکن ہے کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اُس وقت اُن دونوں میں ایسا خطِ انصال موجود ہو جس پر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے درمیان یہ واقعہ پیش آیا ہے اس لئے کہ خروجِ مصر اور میدانِ تیہ کے قیام کے دوران میں بظاہر انہی ہر دو سمندروں سے یہ واقعہ متعلق ہو سکتا ہے اور حضرت استاذ علامہ سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ مقام وہ ہے جو آج کل عقبہ کے نام سے مشہور ہے[2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان تمام صبر آزما حالات میں جنکا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت میں مصروف اور ایک اولوالعزم پیغمبر کی طرح ہر قسم کی ایذارسانی و مخالفت کے باوجود صبر کے ساتھ ان کی اصلاح میں مشغول و منہمک تھے کہ داعیِ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ پہونچا۔

بخاری و مسلم میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کا واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ کی وفات کا وقت قریب

---

[1] اس علمی بحث کیلئے البدایہ والنہایہ جلد ۱۔ البحر المحیط جلد ۶۔ روح المعانی جلد ۱۵۔ عینی شرح بخاری جلد ۷۔ فتح الباری جلد ۶۔ اور اصابہ جلد اول قابلِ مراجعت ہیں۔ [2] فیض الباری جلد ۱۔

Marfat.com

آیا تو موت کا فرشتہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "اجب ربک" اپنے پروردگار کی جانب سے پیغام اجل قبول فرمایئے۔ حضرت موسیٰ نے اس کے طمانچہ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی، تب اُس نے دربارِ الٰہی میں جاکر شکایت کی کہ تیرا بندہ موت نہیں چاہتا اور یہ کہ اُس نے میرے طمانچہ رسید کر دیا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کی آنکھ پھر درست ہو گئی۔ اور اُس کو حکم ملا کہ موسیٰ کے پاس دوبارہ جاؤ اور کہو کہ اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ کسی بیل کی کمر پر تم اپنا ہاتھ رکھ دو جس قدر بال تمہاری مٹھی میں آجائیں گے ہم ہر ایک بال کے عوض تمہاری عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیں گے، فرشتہ نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ کو خدائے تعالیٰ کا پیغام سنایا حضرت موسیٰ نے دریافت کیا کہ بارِ الٰہا! اس کے بعد کیا انجام ہوگا؟ حضرت حق سے جواب ملا۔ کہ آخر کار پھر "موت" ہے۔ تب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اگر طویل سے طویل زندگی کا آخری نتیجہ موت ہی ہے تو پھر وہ شے آج ہی کیوں نہ آجائے اور دعا کی الٰہ العٰلمین اُس آخری وقت میں ارضِ مقدس سے قریب کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو حضرت موسیٰ ؑ کی قبر کا نشان دکھاتا کہ وہ سُرخ ٹیلہ (کثیب احمر) کے قریب اس جگہ دفن ہیں

ضیاء مقدسی کہتے ہیں کہ اریحا میں سُرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر ہے جس کو حضرت موسیٰ کی قبر بتایا جاتا ہے۔ دوسرے تاریخی اقوال کے مقابلہ میں یہ قول صحیح ہے۔ اسلئے کہ میدان تیہ کے سب سے قریب وادی مقدس کا علاقہ اریحا کی بستی ہی اور اسی جگہ وہ کثیب احمر (سُرخ ٹیلہ) واقع ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے[1]

بخاری و مسلم کی اس روایت میں فرشتہ کے ساتھ حضرت موسیٰ کا جو معاملہ منقول ہے ابن قتیبہ کے نزدیک وہ مادی حقیقت کے ساتھ وابستہ نہیں ہی بلکہ تخیلی و تمثیلی ہی[2]

ہمارے نزدیک اس واقعہ میں انسانی موت و حیات کے مسئلہ کو ایسے انداز میں بیان کیا گیا ہی کہ جس سے اس سلسلہ کی تمام ضروری اور اہم کڑیاں نمایاں ہو سکیں یعنی یہ ظاہر ہو جائے

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۳ - [2] ایضاً۔

Marfat.com

کہ انسان اگر نبوت و رسالت جیسے عظیم الشان منصب پر بھی فائز ہو تب بھی بر بنائے بشریت وہ
"موت" کو غیر مرغوب شے سمجھتا ہے مگر جب خدا اس پر موت کی حقیقت کو منکشف کر دیتا ہے تو اسکے مقرب
بندوں کے لئے وہ سب سے زیادہ محبوب شی بن جاتی ہے۔ نیز یہ واضح ہو جائے کہ موت کسی کے
نزدیک محبوب شی ہو یا نامرغوب مگر وہ انجام کار ایک نہ ملنے والا حکم ہے جس سے کسی حالت میں
بھی مفر نہیں اسلئے تمنا یہ نہ ہونی چاہیئے کہ زندگی میں اضافہ ہو بلکہ یہ آرزو رہنی چاہیئے کہ زندگی
کا جو لمحہ بھی میسّر آئے وہ پاکی اور بلندی اخلاق کے ساتھ پورا ہو تاکہ خدائے تعالیٰ کی آغوشِ رحمت
پا سکے اور "موت حقیقی اور ابدی زندگی بن جائے۔

تو اب حدیث کے الفاظ کی تعبیر اس طرح کرنی چاہیئے کہ حضرت موسیٰ کی خدمت میں
جب موت کا فرشتہ حاضر ہوا تو بشری شکل و صورت میں تھا حضرت موسیٰ اُس کو اس حالت
میں اسی طرح نہ پہچان سکے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت لوط علیہ السلام عذاب
کے فرشتوں کو ابتداءً نہ پہچان سکے حضرت موسیٰ کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک اجنبی شخص بغیر اجازت
کیوں اُن کے خلوتکدہ میں گھس آیا اور اس کو موت کا پیغام دینے کا کیا حق ہے اور طیش میں
آکر منہ پر طمانچہ مار دیا، فرشتہ بشکلِ انسان تھا لہذا بشری اثرات نے کام کیا اور آنکھ مجروح
ہو گئی، مگر جس طرح عذاب کے فرشتوں نے آہستہ آہستہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کو اپنی
اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا موت کے فرشتے نے حضرت موسیٰؑ کو آگاہ نہ کیا اور فوراً غائب
ہو گیا اور درگاہِ الٰہی میں جا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پھر ملکوتی ہیئت پر واپس کر دیا، اور
اس طرح وہ اُس عیب سے بری ہو گیا جو بشری شکل و صورت میں آنکھ مجروح ہو جانے سے
پیدا ہو گیا تھا۔

فرشتہ موت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے آشنا ہوئے بغیر خود ہی
یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ موت کے نام سے خفا ہو گئے اور وہ موت نہیں چاہتے اور
دربارِ الٰہی میں جا کر یہ شکایت کر دی کہ تیرا بندہ موت نہیں چاہتا۔ خدائے تعالیٰ نے فرشتہ

Marfat.com

کی غلط فہمی اور حضرت موسیٰ کی جلالتِ شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ حضرت موسیٰ کو جاکر ہمارا پیغام سناؤ۔ ادھر فرشتہ پیغام حاصل کر رہا تھا اور ادھر حضرت موسیٰ نے اجنبی شخص کے غائب ہو جانے پر فوراً یہ محسوس کرلیا کہ درحقیقت یہ معاملہ انسانی معاملات سے جُدا دوسرے عالم کا ہے چنانچہ جب فرشتہ اجل نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰؑ کو پیغام الٰہی سنایا تو اُن کا لہجہ اور طرزِ گفتگو بالکل دوسرا ہو گیا اور انجام کار وہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور قربتِ موت کی جو چند گھڑیاں تھیں وہ موت سے قبل اس طرح سامانِ عبرت وموعظت بنیں۔

صحیحین کی حدیث کے مفہوم ومطلب سے متعلق یہ ایسی تعبیر ہے کہ جس سے وہ تمام سوالات واشکالات حل ہو جاتے ہیں جو اس سلسلہ میں علماء کے درمیان زیرِ بحث آئے ہیں۔

توراۃ اور کتبِ تاریخ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات اور حضرت موسیٰؑ کی ولادت کے درمیان تقریباً ڈھائی سو سال کا عرصہ ہے[1]

توراۃ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک جگہ مذکور ہے:۔

اور موسیٰ موآب کے میدانوں میں سے بنو کے پہاڑوں پر پسگہ کی چوٹی پر جو یریحو کے مقابل ہے چڑھ گیا اور خداوند نے ساری زمین جلعاد سے لے کے دان تک اس کو دکھلائی اور نفتالی کا سارا ملک پچھلے سمندر تک اور جنوب کا ملک اور وادی اریحو اریحا جو خرمانوں کا شہر ہے اس کی وادی کا میدان صغر تک اُس کو دکھایا اور خداوند نے اس سے کہا یہی وہ مُلک ہے جس کی بابت میں نے ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر کہا تھا کہ اسے میں تمہاری نسل کو دونگا سو میں نے ایسا کیا کہ تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے پھر تو اُس پار

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ا۔

Marfat.com

وہاں جانے نہ پائیگا، پس خداوند کے بندے موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اُس میں اُسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کیا پھر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں، اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔ اور نہ تو اس کی آنکھ دُھندلانے پائی اور نہ اُس کی طبعی قوت کم ہوئی [1]

بنی اسرائیل کا قومی مزاج اور خدا کی جانب سے تذکیر نعمت

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کے تفصیلی واقعات کا مطالعہ کرنے سے جو بات سب سے پہلے نگاہ کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے اندر ایک عجیب طرح کا تلوّن پایا جاتا ہے، اور سرکشی، احسان فراموشی، فساد انگیزی اور بغض و حسد اُن کے قومی مزاج کا مایۂ خمیر معلوم ہوتا ہے، غالباً اُنکے قومی مزاج کا یہ فساد صدیوں غلامی کا نتیجہ تھا، کیونکہ تمام عیوب میں غلامی ہی ایک ایسا عیب ہے جو اخلاق کی پستی، دناءت اور بغض و عناد جیسے ناپاک رذائل انسان کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی قوم کو راہِ راست پر لانے یا صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کیلئے انبیاء و رسل کو سخت سے سخت ناسازگار حالات اور دشوار گذار مراحل پیش آئیں گے، چنانچہ پیش آتے رہے اور چونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پہلے پیغمبر ہیں کہ جن کی پیغمبرانہ مساعی کے ذریعہ بنی اسرائیل نے غلامی سے نجات پائی اور آزادیٔ حیات سے بہرہ مند ہونے کا موقع میسر آیا تو سب سے زیادہ اُنہی کو بنی اسرائیل کے فاسد قومی مزاج سے دوچار ہونا اور اس کی اصلاح کیلئے سخت سے سخت مصائب کو برداشت کرنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی ایسی قوم کی اصلاح اور رشد و ہدایت کیلئے نزولِ قانون (توراۃ) کے علاوہ بڑی کثرت سے آیات اللہ (معجزات و نشانات) کا مظاہرہ کیا گیا تاکہ اس طرح اُن کے تلوّن اور آشفتہ مزاجی میں اعتدال پیدا ہو کر قبولِ حق اور استقامت حق کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو سکے۔

---

[1] استثناء باب ۳۴ آیات ۷-۱۔

Marfat.com

یہی وہ آیات اللہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز کے اندر سورۂ بقرہ، اعراف اور ابراہیم میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور بتایا ہے کہ معاصر قوموں میں ہمارے فضل و کرم اور عطا و احسان کا مرکز یہی قوم (بنی اسرائیل) رہی ہے مگر افسوس کہ ان تمام انعام و اکرام اور عفو و رحمت کی فراوانی کے باوجود اُن کی سرکشی اور بغاوت اور تلوّن رہ رہ کر اُبھرتا اور دب دب کر نمایاں ہوتا رہا اور آخر کار اُنہوں نے خدا کی "ابدی لعنت و غضب" کو سرمایۂ نازش بنا کر دنیا و آخرت کی عزّت سے محرومی کا داغ لگا لیا۔

چنانچہ آیات "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ الآیہ" (بقرہ) "وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" الآیہ (بقرہ) "وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ" الآیہ (بقرہ) "وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ" الآیہ (بقرہ) "وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ" الآیہ (بقرہ) "وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ" الآیہ (اعراف) "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ" الآیہ (ابراہیم) میں انہی واقعات کا تذکرہ ہے اور نگاہِ عبرت بیں کے لئے سامانِ صد ہزار عبرت و موعظت ہے۔

البتہ بنی اسرائیل کی قومی زندگی کا جو نقشہ قرآن عزیز نے پیش کیا ہے اور جس کی زبردست تائید خود تورات سے بھی ہوتی ہے اُس کو سامنے رکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ایسی قوم کو کس لئے ان نعمتوں اور فضیلتوں کیلئے منتخب کر لیا تھا اور عالم الغیب والشہادہ نے کیوں نہ شروع ہی سے ایسی ضدی قوم کو نظر انداز کر دیا اور کیوں نہ ان فضائل و انعامات کا رُخ کسی دوسری قوم کی جانب مبذول فرمایا سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ اُس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں اور علم الاجتماع (Sociology) اور علم الاقوام والامم کے اصول پر مطالعہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ جب سے تاریخ انسانی کا کائنات میں وجود ہوا ہے اُسوقت سے یہ بات صاف اور واضح ہے کہ اقوام عالم کے تمدن و معاشرت اور ان کی سیاست و مذہب پر سامی (cemetic) اقوام کا تسلط اور غلبہ نظر آتا ہے چنانچہ تاریخی حقائق کی تہ تک پہونچنے کے بعد دنیا کی کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی جو سامی اقوام کے ان اثرات سے متاثر نہ ہوئی ہو[1] تو جس دور کی حالت قرآن عزیز

[1] یہ تاریخی مسئلہ کافی تفصیل کا محتاج ہے، اس جگہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

بیان کر رہا ہے اُس دور میں اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے دور و نزدیک جو سامی اقوام آباد تھیں تاریخ نے ان کو عمالیقی، قبطی، کنعانی، عناقی، سمیری وغیرہ ناموں سے یاد کیا ہے جن کا تمدن شام، فلسطین، شرق اردن، مصر اور عراق میں چمک رہا تھا مگران تمام اقوام میں شرک و کفر، بغاوت و سرکشی اور ظلم و طغیان کا جو ہیبتناک منظاہرہ برپا تھا اُس کے سامنے بنی اسرائیل بسا غنیمت نظر آتے تھے اور اُن کی استعداد و صلاحیت معاصر اقوام کے مقابلہ میں قدرے قابل اطمینان تھی قبطی قوم کا حال فرعون مصر اور مصریوں کے وقائع میں ابھی آپ مطالعہ کر چکے ہیں اور کنعانی اور عمالیقی قوم کے حالات عنقریب نظر سے گذرینگے اور سمیری قوم کا اندازہ اس کے ایک سردار "سامری" کے حالات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

یہ تھے وہ کوائف و حالات جن کی بناء پر رشد و ہدایت کے لئے بنی اسرائیل کو منتخب کیا گیا اور تاریخ اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ اس قوم کی عام بدبختی کے باوجود اسی کی ایک قلیل جماعت کے ذریعہ خدا کی رشد و ہدایت کا پیغام عرصہ دراز تک کائنات انسانی تک پہنچتا رہا اور ہزاروں برس کے بعد اسرائیلیوں سے یہ نعمت سلب کر کے بنی اسمٰعیل کے حوالہ کی گئی۔

غرض "بنی اسرائیل" کا یہ انتخاب ان کے تقدس و طہارت کے پیش نظر نہ تھا بلکہ ان کو ان سے بھی زیادہ فساد و سرکشی پھیلانے والی طاقتوں کی سرکوبی کا ذریعہ بنانا تھا لہذا انکو احکام الٰہی کا مطیع بنانے اور اُن کو راہِ راست پر لانے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا اور اس طرح ان کی نوجوان نسل سے خدا نے اپنی یہ خدمت لی۔

توراۃ نے بھی ایک جگہ اس حقیقت کو ان بہترین الفاظ کے ساتھ آشکارا کیا ہے "سُن لے اے اسرائیل تو آج تجھے یردن پار اس لئے جانا ہے کہ تو ایسی قوموں پر جو تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں اور ایسے بڑے شہروں پر جن کی فصیلیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں قبضہ کرے، وہاں عناقیم کی اولاد ہیں جو بڑے بڑے اور قد آور لوگ ہیں تجھے انکا حال معلوم ہے اور تو نے انکی بابت یہ کہتے سنا ہے کہ بنی عناق کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ پس آج کے دن جان لے کہ خداوند تیرا خدا تیرے

Marfat.com

آگے آگے بھسم کرنیوالی آگ کی طرح پار جا رہا ہے اور ان کو فنا کردیگا اور وہ ان کو تیرے آگے پست کریگا ایسا کہ تو ان کو نکال کر جلد ہلاک کر دیگا جیسا خداوند نے تجھ سے کہا ہے۔ اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے سے نکال چکے تو تو اپنے دل میں یہ نہ کہنا کہ میری "صداقت" کے سبب سے خداوند مجھے اس ملک پر قبضہ کرنے کو یہاں لایا کیونکہ فی الواقع انکی "شرارت" کے سبب سے خداوند ان قوموں کو تیرے آگے سے نکالتا ہے۔ تو اپنی صداقت یا اپنے دل کی راستی کے سبب سے اُس ملک پر قبضہ کرنیکو نہیں جا رہا ہے بلکہ خداوند تیرا خدا ان قوموں کی شرارت کے باعث انکو تیرے آگے سے خارج کرتا ہے تاکہ یوں وہ اس وعدہ کو جسکی قسم اس نے تیرے باپ دادا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے کھائی پورا کرے، غرض تو سمجھ لے کہ خداوند تیرا خدا تیری صداقت کے سبب سے یہ اچھا ملک تجھے قبضہ کرنے کے لئے نہیں دے رہا ہے کیونکہ تو ایک "گردن کش قوم" ہے۔ اسلئے تو یاد رکھ اور کبھی نہ بھول کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو بیابان میں کس کس طرح غصہ دلایا بلکہ جب سے تم ملک مصر سے نکلے ہو تب سے اس جگہ پہنچنے تک تم برابر خداوند سے "بغاوت" ہی کرتے رہے ہو[1]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ثنا و منقبت قرآن میں

قرآنِ عزیز اور احادیث نبوی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مناقب و فضائل اور بنی اسرائیل کے واقعات کے سلسلہ میں ان کی جلالت و عظمت کا جس طرح اظہار کیا گیا ہے اس سے یہ نمایاں ہوتا ہے کہ خاتم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور مجددِ انبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰؑ اولوالعزم رسول و پیغمبر ہیں اور انبیا و رسل میں عظیم الشان، بڑی قدر و منزلت کے مالک، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن کی زندگی سے وفات تک کے حالات ایسے عجیب و غریب طریقے سے گذرے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے بے ساختہ حضرت موسیٰ کی جلالتِ قدر کا اقرار و اعتراف کرنا اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فرعون، قوم فرعون اور بنی اسرائیل کے ہاتھوں جو تکالیف حضرت موسیٰ نے اٹھائیں اور انکی اصلاحِ حال کے لئے جس قسم کی ایذائیں اور

[1] استثناء باب ۹- آیات ۱-۷۔

Marfat.com

مصائب برداشت کئے اُن کی نظیر (باستثناء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور کسی نبی ورسول کی زندگی مبارک میں نہیں ملتی۔

قرآنِ عزیز نے جگہ جگہ حضرت موسیٰؑ کے واقعات سے اسی لئے استشہاد کیا ہے کہ اُمتوں اور قوموں کی سہل انگاری، حق سے اغماض بلکہ تمرد وسرکشی، مخالفت وعناد، پیغمبر کی توہین وایذارسانی، اور پیغمبر کا صبر وضبط اور گمراہ اُمت وقوم کی اصلاح اور اُن کے رشد و ہدایت کیلئے پیہم سعی اور جدوجہد کا اس قدر کثیر موادِ موعظت وبصیرت کیلئے کہیں نہیں پایا جاتا، جس قدر حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے واقعات میں فراہم ہے۔

پس اگرچہ قرآنِ عزیز کی اُن تمام آیات سے حضرت موسیٰؑ کی جلالتِ قدر اور اولوا العزم پیغمبر ہونیکا اظہار ہوتا ہے جو اُن کے واقعات کو بیان کرتی ہیں" مگر حسب ذیل آیات میں خصوصیت کے ساتھ اُن کی ثناء ومنقبت کا اعلان کیا گیا ہے اور اُن کے ضمن میں حضرت ہارونؑ کا بھی، چنانچہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا	اور یاد کر قرآن میں موسیٰ کو بے شبہ وہ تھے مخلص اور تھے
وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ	رسول، نبی اور ہم نے ان کو طورِ ایمن کی جانب سے
الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا	پکارا اور اُن کو قریب کرکے ان سے سرگوشیاں کیں اور
لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝	ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

اور سورۂ اعراف میں ہے:۔

قَالَ يٰمُوْسٰىٓ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى	(اللہ تعالیٰ نے) کہا:۔ اے موسیٰ! بے شبہ میں نے تم کو لوگوں پر بزرگی عطا
النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ	کی اور تم کو چن لیا اور اپنی رسالت دیکر اور ہم کلامی کا شرف بخش کر۔

بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ کو موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ قیامت کے دن لوگوں پر دہشت سے غشی طاری ہوجائے گی تو سب سے پہلا شخص جس

Marfat.com

کو ہوش آئیگا میں ہونگا، تو میں یہ دیکھوں گا کہ موسیٰؑ پایۂ عرش پکڑے ہیں اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو مجھ سے پہلے افاقہ ہوگیا یا وہ طور پر بیہوش کئے جانے کے صلہ میں آج کی مدہوشی سے بری کر دیے گئے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو از رہ تواضع اور انکسار ہے ورنہ تو دوسری جگہ آپ کا خود یہ ارشاد مبارک ہے انا سید ولد آدم ولا فخر "بغیر فخر ومباہات کے کہتا ہوں کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں" اور آپ کا خاتم النبیین ہونا خود اس کی روشن دلیل ہے رہا قیامت کا یہ واقعہ سو یہ ایک جزئی فضیلت ہے اور منبعِ فضل وکمال کے مجمع کمالات کی برتری وتفوق پر اس سے اثر نہیں پڑتا بہرحال اس روایت کی روح حضرت موسیٰ کی جلالتِ قدر اور عظمت کا اظہار ہے اور بس۔

اور سورۂ نساء میں ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝	اور کچھ رسول ہیں کہ جن کا ذکر ہم نے تم سے پہلے کر دیا ہے اور کچھ رسول ہیں جن کا ذکر ہم نے تم کو نہیں سنایا اور اسی طرح اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ واقعی طور پر کلام ہوتا ہے۔

اور سورۂ صافات میں ہے:۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ	اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا اور اُن دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی، اور ہم نے اُن کی مدد کی کہ وہ (فرعون اور قوم فرعون) پر غالب رہے اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب دی اور دونوں کو راہ مستقیم کی ہدایت بخشی اور باقی رکھا اُن کے متعلق پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ بے شک ....

Marfat.com

هَارُوْنَ ۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی	ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نکوکاروں کو
الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا	بیشک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں
الْمُؤْمِنِيْنَ ۔	میں سے ہیں ۔

نیز بخاری و مسلم میں اسریٰ اور معراج کی روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مکالمات منقول ہیں اُن سے ان کی عظمت کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔

اور سورہ احزاب میں ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا	اے ایمان والو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں
كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّأَهُ	نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی پس اللہ نے ان کو اس
اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۔ وَكَانَ عِنْدَ	بات سے بری کر دیا جس کو ان کی زبانیں کہہ رہی
اللّٰهِ وَجِيْهًا ۔	تھیں اور موسیٰ اللہ کے نزدیک وجیہ ہیں ۔

بخاری و مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تقسیم فرمایا تو ایک شخص (منافق) کہنے لگا کہ اس تقسیم میں خدا کی خوشنودی کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ کسی مسلمان نے اس مقولہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کر دیا تو آپ کا چہرہ مبارک غضب و غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے کہ اُن کو تو اس سے بھی کہیں زیادہ اذیت پہنچائی گئی ہے اور انہوں نے ان تمام اذیتوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط ہی سے کام لیا۔ یعنی منافق کے اس ایذا رساں قول کے مقابلہ میں میں بھی اولوا العزم رسولوں کی طرح صبر و ضبط ہی سے کام لیتا ہوں ۔

غرض یہ اور اسی قسم کے بے شمار فضائل ہیں جو حضرت موسیٰ کے اولوا العزم رسول ہونے پر دلالت کرتے اور ہمارے لئے ذخیرۂ رشد و ہدایت مہیا کرتے ہیں ۔

ایک لطیف تاریخی نکتہ یہود (بنی اسرائیل) کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے ناآشنا

Marfat.com

نہیں ہے کہ عرصہ دراز قبل از مسیح "یہود" حجاز میں آکر بس گئے تھے اور تیما، وادی قری، فدک خیبر اور مدینہ (یثرب) میں انہوں نے مکانوں، مذہبی صومعوں، جائدادوں، مذہبی درگاہوں اور فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں کے ذریعہ اپنا مستقل تمدن قائم کر لیا تھا اور بقول عرب مورخین بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی حارث بڑے بڑے یہود قبائل نے ان مقامات کو اپنا مستقل موطن بنا لیا تھا اور وہ یہیں رہ پڑے تھے۔

اس حقیقت کے پیش نظر دو اہم تاریخی سوال پیدا ہوتے ہیں جو حل طلب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کونسا ناگزیر واقعہ پیش آیا کہ جس کی وجہ سے "یہود" کو وہ سرزمین چھوڑنی پڑی جس کو "فلسطین" کہتے ہیں اور جس کے متعلق یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ "ارض مقدس" ہے اور وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں؟ (۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی ناگزیر حالت میں ان کو اپنی یہ محبوب سرزمین چھوڑنی ہی پڑی تھی تو پھر وہ کونسا سبب تھا جس نے انکو مجبور کیا کہ وہ قریب کے سرسبز و شاداب اور پرکیف علاقوں کو چھوڑ کر ایسے علاقہ میں آکر آباد ہوئے جہاں گھاس پات اور زندگی کے لئے سامانِ خورش بھی وسعت کے ساتھ مہیا نہیں تھا، حالانکہ "مصر" ان کی سرزمین سے قریب تھا، عراق ان کا قدیم دارالہجرۃ اور نزدیک تھا اور شام اُن کے شمال میں متصل ہی آباد تھا اور یہ سب مقامات بیحد سرسبز و شاداب اور متمدن سروسامان کا مرکز تھے۔

پہلے سوال کا جواب تو تاریخ یہ دیتی ہے کہ فلسطین کی محبوب، مقدس اور پیاری سرزمین سے یہود کو ۷۰ء قبل عیسوی طیطس رومی (Titus) کے زمانہ میں جبراً نکلنا پڑا، اس بادشاہ نے فلسطین پر فوج کشی کر کے بلادِ فلسطین کو تہ و بالا کر ڈالا بیت المقدس کو برباد کر دیا، اس "ہیکل" کو جس پر یہود کو ناز تھا اور جس کی مضبوطی اور پُرشوکت تعمیر کی وہ مثالیں دیا کرتے تھے اور جس کے ساز و سامان اور ہیکل مذہب ظرف پر وہ فخر کیا کرتے تھے ظالم نے اس کو کھود کر پھینک دیا تھا اور اُس کے تمام بیش قیمت ساز و سامان کو لوٹ لیا تھا۔

Marfat.com

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ "یہود" توراۃ میں پڑھ چکے، اور اپنے پیغمبروں کی زبانی سُن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایک زمانہ میں اپنے اس "عہد" کو "بنی اسرائیل" کے بھائیوں "بنی اسمٰعیل" میں پھر تازہ کریگا، اور اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ یثرب (مدینہ) میں آئیگا اور یہ اس کا دارالہجرۃ بنیگا، اور اس کی دعوت الٰہی کا مرکز بھی قرار پائیگا، اور یہ کہ "بُت پرستوں" کے مقابلہ میں اس کی مجاہدانہ زندگی کامیاب ہوگی اور ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ و موسیٰؑ کے اعلان حق کو دوبارہ اُسی کے ہاتھوں سربلندی نصیب ہوگی اس لئے جب وہ اس "بت پرست بادشاہ" کے ہاتھوں عاجز و درماندہ ہوئے تو اُنہوں نے اپنی سربلندی کی آخری پناہ "حجاز" کی اس سرزمین "یثرب" (مدینہ) ہی کو سمجھا اور اس راہ پر اپنا موطن بنالیا جو اُس نبی کے ظہور کے شہر اور فلسطین کے درمیان تھی اور اس طرح وہ نبی منتظر کے انتظار اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کی واپسی کے لئے زندگی بسر کرنے لگے۔

چنانچہ "یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں" صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اس نبی کا ظہور سلع پہاڑ کے قریب ہوگا، اور یہ ظاہر ہے کہ "مدینہ" کی آبادی ایسی جگہ واقع ہے جس کے مشرق میں جبل احد ہے اور مغرب میں جبل سلع اور درمیان میں "وادیٔ مدینہ" ہے۔

اے سمندر پر گذرنے والو اور اُس میں بسنے والو اے جزیرہ اور ان کے باشندو خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اُسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں۔ اور جزیروں میں اُس کی ثناخوانی کریں۔ خداوند بہادروں کی مانند نکلیگا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ ماریگا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا اور ضبط کرتا رہا ..... جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹینگے

Marfat.com

اور وہ بہت شرمندہ ہونگے[1]

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کوئی نبی اور پیغمبر ایسا نہیں آیا جس نے "بت پرستوں" سے جہاد کیا ہو اور انجام کار اُن کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا ہو۔ پھر یہ بنی قیدار کون ہیں؟ سلع کس جگہ واقع ہے؟ جزیروں اور پہاڑوں کا بار بار تذکرہ کیوں ہے؟ اور بنی اسرائیل کے گیت کے علاوہ "نیا گیت" کونسا ہے؟ یہ تمام باتیں پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ ایسی "شریعت" اور "ایسے نبی" کی بشارت کا ذکر ہے جو جزیرہ عرب میں حجاز کے خطہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تو کیا پھر یہی وہ بات نہیں ہے جس کو قرآن عزیز نے زندہ تاریخی شہادت کے طور پر یہود کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۵ (بقرہ)	اور جب کہ ان کے پاس اللہ کی جانب سے کتاب (قرآن) آئی جو اس کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرتی ہے جو اُن کے پاس ہے اور یہ (یہود) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے کافروں کے مقابلہ میں فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے پھر جب اُن کے پاس جانی پہچانی بات (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپہنچی تو اس کا انکار کرنے لگے سو اللہ کی لعنت ہو انکار کرنیوالوں پر۔

یعنی جب ان اہل کتاب (یہود) کی یثرب کے بت پرستوں سے جنگ ہوا کرتی تھی، اور اہل کتاب کو شکست ہو جاتی تو وہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ خدا نبی منتظر کو جلد بھیج کہ ہم اس کے ساتھ مل کر بت پرستی کا قلع قمع کریں اور تیرے وعدہ کے مطابق حق کو کامیابی حاصل ہو لیکن جب وہ پیغمبر برحق تشریف لے آئے اور مبعوث ہو گئے تو وہ اس حسد میں اس کا انکار کرنے لگے کہ یہ اسمٰعیلی کیوں ہے، اسرائیلی کیوں نہیں۔

---

[1] یسعیاہ باب ۴۲۔ آیات ۱۰۔۱۷۔ ماخوذ از قصص الانبیاء للنجار۔

Marfat.com

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بعض علماء یہود اس وسوسہ میں گرفتار تھے کہ اگرچہ اس پیغمبر کی بعثت اور ظہور کا مقام کوہِ سلع کے قریب بتایا گیا ہے مگر اس کا ظہور بنی اسرائیل ہی میں سے ہونا چاہیے اور اسی لیئے وہ یہاں آکر بس گئے تھے کہ خدا کا وہ وعدہ ہم ہی میں سے پورا ہو لیکن انہوں نے یہ فراموش کر دیا تھا کہ اسی توراۃ میں اُس نبی منتظر کے لئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ "میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کرونگا"[1] اور یہ نہیں کہا کہ ان ہی (بنی اسرائیل) میں سے برپا کرونگا لیکن اُن کے جمہور علماء اور اُنکے پیرو عوام اس حقیقت سے آشنا نہ تھے کہ یہ نعمت اب ان میں نہیں بلکہ اُن کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو کر ہم کو مستفیض کرنے والی ہے۔ اسی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ	یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسی طرح (سچا نبی) جانتے ہیں جس طرح
اَبْنَآءَهُمْ (بقرہ)	اپنے بیٹوں کے بیٹا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

الحاصل، یہ وجہ تھی کہ صدیوں پہلے بنی اسرائیل جب جبراً و قہراً فلسطین کی سرزمین سے نکالے گئے تو انہوں نے مصر، شام اور عراق کے سرسبز و شاداب اور متمدن ممالک کو چھوڑ کر حجاز کی سرزمین کو ترجیح دی اور "یثرب" (مدینہ) اور اطراف یثرب میں آکر بس گئے اور اسی کو اپنا وطن و مسکن بنا لیا۔ مگر افسوس کہ اُس کے ظہور پر حسد و بغض نے ان کو دولت ایمان سے محروم رکھا۔

جدید تاریخی حقائق کے پیشِ نظر اس مقام پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سوال و جواب کی مسطورۂ بالا پوری بحث اسلیے بیکار ہے کہ سرزمین حجاز (مدینہ) میں جو یہود آباد تھے وہ عربی نژاد تھے، یہودی النسل نہیں تھے اس لئے کہ یہود (بنی اسرائیل) کے خصوصی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی جا کر بسے ہوں اپنے اسرائیلی ناموں کو نہیں چھوڑتے بخلاف یہود حجاز کے کہ ان کے اجداد کے نام قریظہ، نضیر، قینقاع عربی نام ہیں اور اسرائیلی ناموں سے بالکل ممتاز ہیں۔

[1] استثناء باب ۱۸ - آیت ۱۷

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس جدید نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ سرزمین حجاز میں آباد یہود صرف عرب نژاد ہی تھے اور ان میں یہودی النسل قبائل قطعاً موجود نہ تھے تو یہ قطعاً غلط اور واقعات تاریخی کے خلاف ہے اس لئے کہ ان قبائل میں بعض وہ قبائل بھی ہیں جن کا ارض فلسطین سے ہجرت کر کے حجاز میں آباد ہو جانا تاریخ کے اوراق میں آج تک محفوظ ہے اور اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ قبائل عرب کے ساتھ ساتھ یہودی النسل قبائل بھی یہاں آباد تھے اور ان ہی کی بدولت قبائل عرب میں یہودیت کا بیج بویا گیا تھا تو مسطور بالا سوال پھر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا جواب تاریخی حیثیت سے وہی دیا جا سکتا ہے جو گذشتہ سطور میں دیا جا چکا ہے۔

بصیرتیں اور عبرتیں حضرت موسیٰ، بنی اسرائیل، فرعون اور قوم فرعون کی یہ طویل تاریخی داستان ایک قصہ اور حکایت نہیں ہے بلکہ حق و باطل کے معرکے ظلم و عدل کی جنگ آزادی و غلامی کی کشمکش مجبور و پست کی سربلندی اور جابر و سربلند کی پستی و ہلاکت، حق کی کامرانی اور باطل کی ذلت و رسوائی، صبر و ابتلا اور شکر و احسان کے مظاہر غرض ناسپاسی و ناشکری کے بدنتائج کی ایسی پرعظمت اور نتائج سے لبریز حقائق کی ایسی پُرمغز داستان ہے جس کی آغوش میں بے شمار عبرتیں اور ان گنت بصیرتیں پنہاں ہیں اور ہر صاحب ذوق کو اس کے مبلغ علم اور دقت نظر کے مطابق دعوت نظر و فکر دیتی ہیں۔ ان میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" یہ چند بصائر خصوصیت کے ساتھ قابل غور اور لائق تفکر ہیں۔

(۱) اگر انسان کو کوئی مصیبت اور ابتلاء پیش آجائے تو اس کو چاہیئے کہ "صبر و رضا" کے ساتھ اس کو انگیز کرے، اگر ایسا کریگا تو بلاشبہ اس کو خیر عظیم حاصل ہو گی اور وہ یقیناً فائز المرام اور کامیاب ہو گا۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کی پوری داستان اس کی زندہ شہادت ہے۔

Marfat.com

Engineering University of the Punjab, Lahore

(۲) جو شخص اپنے معاملات میں خدا پر بھروسہ اور اعتماد رکھتا اور اسی کو خلوص دل کے ساتھ اپنا پشتیبان سمجھتا ہے تو خدائے تعالیٰ ضرور اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے اور اس کے مصائب کو نجات اور کامرانی کے ساتھ بدل دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا قبطی کو قتل کر دینا، اور اس پر ان کے قتل کے مشورے، پھر ان دشمنوں ہی میں سے ایک شخص کو ہمدرد بن کر حضرت موسیٰ کو مطلع کرنا، اور اس طرح ان کا مدین جانا، وحی الٰہی سے مشرف ہونا، اور رسالت کے جلیل القدر منصب سے سرفراز ہونا اس کی روشن شہادتیں ہیں۔

(۳) جس کا معاملہ حق کے ساتھ عشق تک پہنچ جاتا ہے اس کے لئے باطل کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہیچ اور بے وجود ہو کر رہ جاتی ہے۔ غور کیجئے! حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان، مادی طاقت کے پیش نظر کیا نسبت ہے، ایک بیچارہ و مجبور اور دوسرا سراپا صد ہزار قہرمانی کبر و غرور سے معمور، مگر جب فرعون نے بر سر دربار حضرت موسیٰ کو کہا "اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (اے موسیٰ! بالیقین میں تجھے جادو مارا سمجھتا ہوں) تو حضرت موسیٰ نے بھی بے دھڑک جواب دیا "لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (تو بلاشبہ جانتا ہے کہ ان (آیات) کو آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار نے صرف بصیرتیں بنا کر نازل کیا ہے، اور اے فرعون! میں تجھ کو بلاشبہ ہلاک شدہ سمجھتا ہوں یعنی خدائے تعالیٰ کے ان کھلے نشانوں کے باوجود نافرمانی کا انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی خدا کا بندہ حق کی نصرت و حمایت کے لئے سرفروشانہ کھڑا ہو جاتا ہے تو خدا دشمنوں اور باطل پرستوں ہی میں سے اس کے معین و مددگار پیدا کر دیتا ہے۔

تمہارے سامنے حضرت موسیٰ ہی کی مثال موجود ہے کہ جب فرعون اور اس کے سرداروں نے ان کے قتل کا فیصلہ کر لیا تو ان ہی میں سے ایک مرد حق پیدا ہو گیا جس نے حضرت موسیٰ کی جانب سے پوری مدافعت کی، اسی طرح قبطی کے قتل کے بعد جب ان کے قتل کا فیصلہ کیا گیا تو ایک باخدا قبطی نے حضرت موسیٰ کو اس کی اطلاع کی اور ان کو

Marfat.com

مصر سے نکل جانے کا نیک مشورہ دیا، جو آئندہ چل کر حضرت موسیٰ کی عظیم الشان کامرانیوں کا باعث بنا۔

(۵) اگر ایک بار بھی کوئی لذت ایمانی سے لطف اندوز ہو جائے اور صدق دلی کے ساتھ اُس کو قبول کر لے تو یہ نشہ اس کو ایسا مست بنا دیتا ہے کہ اس کے ہر ریشۂ جان سے وہی صدائے حق نکلنے لگتی ہے۔ کیا یہ اعجاز نہیں ہے کہ جو "ساحر" چند منٹ پہلے فرعون کی زبردست طاقت سے مرعوب اور اس کے حکم کی تعمیل کو حرز جان بنائے ہوئے تھے، اور جو اپنے کرشموں کی کامیابی پر انعام و اکرام کا معاملہ طے کر رہے تھے وہی چند منٹ کے بعد جب حضرت موسیٰؑ کے دستِ مبارک پر دولتِ ایمان کے نشہ سے سرشار ہو گئے تو فرعون کی سخت سے سخت دھمکیوں اور جابرانہ عذاب و عقاب کو ایک کھیل سے زیادہ نہ سمجھتے ہوئے بے باکانہ انداز میں یہ کہتے نظر آتے ہیں "قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا" انہوں نے کہا ہم کبھی یہ نہیں کر سکتے کہ جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آگئی ہیں۔ اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اُس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں، تو جو فیصلہ کر چکا ہے اس کو کر گزر تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے)

(۶) صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے خواہ اُس پھل کے حاصل ہونے میں کتنی ہی تاخیر ہو مگر جب بھی وہ پھل لگے گا میٹھا ہی ہوگا، بنی اسرائیل مصر میں کتنے عرصہ تک بیچارگی، غلامی اور پریشان حالی میں بسر کرتے رہے، اور نرینہ اولاد کے قتل اور لڑکیوں کی باندیاں بننے کی ذلت و رسوائی کو برداشت کرتے رہے مگر آخر وہ وقت آہی گیا جبکہ انکو صبر کا میٹھا پھل حاصل ہوا اور فرعون کی تباہی اور انکی باعزت رستگاری نے انکے لئے ہر قسم کی کامرانیوں کی راہیں کھول دیں "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا" (اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا کلمۂ نیک پورا ہو کر رہا بسبب اِس بات کے کہ انہوں

Marfat.com

نے صبر سے کام لیا۔

(۷) غلامی اور محکومانہ زندگی کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت وعزم کی روح پست ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان اس ناپاک زندگی کے ذلت آمیز امن وسکون کو نعمت سمجھنے اور حقیر راحتوں کو سب سے بڑی عظمت تصور کرنے لگتا ہے، اور جدوجہد کی زندگی سے پریشان وحیران نظر آتا ہے، اس کی زندہ شہادت بھی ان بنی اسرائیل کی زندگی کا وہ نقشہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کے آیات وبینات دکھانے، عزم وہمت کی تلقین کرنے اور خدا کے وعدۂ کامرانی کو باور کرانے کے باوجود اُن میں زندگی اور پامردی کے آثار نظر نہیں آتے اور وہ قدم قدم پہ شکووں اور حیرانیوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

ارضِ مقدس میں داخلہ اور وعدۂ نصرت کے باوجود بُت پرست دشمنوں کے مقابلہ سے انکار کے وقت جو یہ تاریخی جملے اُنہوں نے کہے وہ اس حقیقت کے لئے شاہد عادل ہیں۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" (اے موسیٰ! تو اور تیرا رب دونوں جاکر اُن سے لڑو بلاشبہ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)

(۸) وراثتِ زمین یا وراثت ملک اسی قوم کا حصہ ہے جو بے سروسامانی سے ہراساں ہو کر اور بے ہمتی کا ثبوت دے کر ہر قسم کی مشکلات اور موانع کا مقابلہ کرتی اور "صبر" اور "خدا کی مدد پر بھروسہ" کرتے ہوئے میدانِ جدوجہد میں ثابت قدم رہتی ہے۔

(۹) باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست اور پُر از شوکت وصولت کیوں نہ ہو انجام کار اُس کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑیگا اور آخری انجام میں کامرانی وکامیابی کا سہرا اُن ہی کے لئے ہے جو نیکوکار اور باہمت ہیں "وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ"

(۱۰) یہ "عادت اللہ" ہے کہ جابر وظالم قومیں جن قوموں کو ذلیل اور حقیر سمجھتی ہیں ایک دن آتا ہے کہ وہی خدا کی زمین کی وراثت بنتی، اور حکومت واقتدار کی مالک ہو جاتی ہیں اور ظالم قوموں کا اقتدار خاک میں ملجاتا ہے حضرت موسیٰ اور فرعون کی مکمل داستان اسکے لئے

Marfat.com

روشن ثبوت ہے۔ وَنُرِيدُ اَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ "

(۱۱) ہمیشہ "دعوت حق" کی مخالفت طاقت و حکومت اور دولت و ثروت میں سرشار جماعتوں کی جانب سے ہی ہوئی اور ہمیشہ ہی انہوں نے حق کے مقابلہ میں شکست اٹھائی اور ناکام و نامراد ہیں، اس کے ثبوت کے لئے نہ صرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ تنہا شاہد ہے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق اور اس کی مخالف طاقتوں کی مخالفت کا انجام اس حقیقت کے لئے تاریخی شاہد ہیں۔

(۱۲) جو ہستی یا جو جماعت دیدہ و دانستہ اور حق کو حق جانتے ہوئے بھی سرکشی کرے، اور خدا کی دی ہوئی نشانیوں کی منکر و نافرمان بنے تو اسکے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اُنسے قبول حق کی استعداد فنا کر دیتا ہے کیونکہ یہ ان کی پیہم سرکشی کا قدرتی ثمرہ ہے "سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ"، (عنقریب میں اپنی نشانیوں سے اُن کی نگاہیں پھیر دونگا جو ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں) اس آیت کا اور اس قسم کی دوسری آیات کا یہی مطلب ہے جو سطور بالا میں ذکر کیا گیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کرتا ہے۔

(۱۳) یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو جب حق کی بدولت کامرانی و کامیابی حاصل ہو جائے تو خدا کے شکر و سپاس اور عبودیت و نیاز کی جگہ مخالفین حق کی طرح غفلت و سرکشی میں مبتلا ہو جائے افسوس کہ بنی اسرائیل کی داستان کا وہ حصہ جو فرعون سے نجات پا کر قلزم عبور کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے "اسی گمراہی سے معمور ہے۔

(۱۴) دین کے بارہ میں ایک بہت بڑی گمراہی یہ ہے کہ انسان صداقت و سچائی کے ساتھ اُس پر عمل نہ کرتا ہو بلکہ نفس کی خواہش کے مطابق اُس میں حیلسازی کر کے اُس سے خود

Marfat.com

کو بچانے کی کوشش کرتا ہو، یہود نے سبت کی تعظیم کی خلاف ورزی میں یہی کیا، وہ سبت شروع ہونے سے پہلے، رات میں سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیتے اور صبح کو سبت کے دن مچھلیاں پانی کے بہاؤ سے اُن میں آجاتیں اور پھر شام کو ان کو اٹھالاتے اور کہتے کہ ہم نے سبت کی کوئی توہین نہیں کی، مگر خدا کے عذاب نے اُن کو بتا دیا کہ دین میں حیلہ بازی کس قدر خوفناک جرم ہے

(۱۵) کوئی حق کو قبول کرے یا نہ کرے حق کے داعی کا فرض ہے کہ وہ موعظت حق سے باز نہ رہے چنانچہ سبت کی بے حرمتی پر اُن ہی میں سے بعض اہل حق نے انکو سمجھایا تو بعض اہل حق نے یہ کہا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں انکا سمجھانا بیکار ہے مگر پختہ کار داعیانِ حق نے جواب دیا "مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ" (قیامت میں خدا کے سامنے ہم معذرت تو کر سکینگے کہ ہم حق تبلیغ برابر ادا کرتے رہے، اور ہم کو غیب کا کیا علم، کیا عجب ہے کہ یہ پرہیزگار بن جائیں ؟)

(۱۶) کسی قوم پر جابر و ظالم حکمراں کا مسلط ہونا اُس حکمراں کی عند اللہ مقبولیت و سرفرازی کی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا ایک عذاب ہے جو محکوم قوم کی بدعملیوں کے پاداشِ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مگر محکوم قوم کی ذہنیت پر جابر طاقت کا اس قدر غلبہ چھا جاتا ہے کہ وہ اس کی قہرمانیت کو ظالم حکمراں پر خدا کی رحمت اور اس کے اعمال کا انعام سمجھنے لگتی ہے چنانچہ فرعون اور بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ حصہ جس میں حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانے کے لئے ان کو ابھارا اور انہوں نے قدم قدم پر حضرت موسیٰ سے اپنی شکایتوں اور مصر میں غلامانہ خوشحال زندگی بسر کرنے کی دوبارہ تمناؤں کا اظہار کیا ہے" اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ قرآنِ عزیز نے اس حقیقت کو اس معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے :-

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ — اور جب ایسا ہوا کہ تیرے پروردگار نے اعلان

Marfat.com

عَلَيۡهِمۡ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ مَن يَسُومُهُمۡ سُوٓءَ ٱلۡعَذَابِ ۵

کردیا تھا کہ اگر بنی اسرائیل بدعملی اور سرکشی سے باز نہ آئے تو، وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کریگا جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا رکھینگے۔

(۱۸) جب فرعون اور اُس کی قوم کی سرکشی حد سے تجاوز کرگئی تو حضرت موسیٰ نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی۔ خدایا! اب ان بدکرداروں کو ان کی سرکشی اور بدعملی کی سزا دے کہ یہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے، مگر جب بھی حضرت موسیٰ کی دعا کی استجابت کا وقت آتا اور خدا کے عذاب کی علامتیں شروع ہوتیں تب فوراً فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ سے کہتی؛ اگر اس مرتبہ یہ عذاب ہم پر سے دفع ہو گیا تو ہم ضرور تیری بات مان لینگے اور جب وہ دفع ہو جاتا تو پھر بدستور تمرد اور سرکشی کرنے لگتے۔ اس طرح ایک عرصہ تک اُن کو مہلت ملتی رہی اور جب کسی طرح کجروی سے باز نہ آئے تو آخر کار عذاب الٰہی نے اچانک اُن کو آلیا اور ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیا۔ اسی طرح سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کو مہلت ملتی رہی مگر جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو خدا کے عذاب نے ان کا خاتمہ کردیا۔

یہ اور امم ماضیہ کے اسی قسم کے دوسرے واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ جب کوئی قوم یا کوئی جماعت بدکرداری اور سرکشی میں مبتلا ہوتی ہے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ اُن کو فوراً ہی گرفت میں نہیں لیا جاتا بلکہ بتدریج مہلت ملتی رہتی ہے کہ اب باز آجائے اب سمجھ جائے اور اصلاح حال کرلے لیکن جب وہ آمادۂ اصلاح نہیں ہوتی اور ان کی سرکشی اور بدعملی ایک خاص حد تک پہنچ جاتی ہے تو پھر خدا کی گرفت کا سخت پنجہ اُنکو پکڑ لیتا ہے اور وہ بے یار و مددگار فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔

(۱۹) کسی ہستی کے لئے بھی" وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو" یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھ سے بڑا عالم کائنات میں کوئی نہیں بلکہ اُس کو خدا کے علم کے سپرد کردینا

Marfat.com

بہتر ہے کیونکہ "فَوْقَ کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیْم" اس کا ارشاد عالی ہے حضرت موسیٰ نے جلیل القدر رسول و پیغمبر اور جامع صفات و کمالات نبوت ہونے کے بعد جب یہ فرمایا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں تو خدا نے ان کو تنبیہ کی اور خضر سے ملاقات کرا کے یہ بتایا کہ ان صفاتِ کمال کے باوجود علم الٰہی کے اسرار اس قدر بے غایت و بے نہایت ہیں کہ اُن میں سے چند امور کو اُس نے ایک بزرگ ہستی پر ظاہر کر دیا تو موسیٰ ان تکوینی اسرار کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

(۲۰) پیروان ملت اسلامیہ کے لئے "غلامی" بہت بڑی لعنت اور خدا کا بہت بڑا غضب ہے اور اُس پر قانع ہو جانا گویا عذاب الٰہی اور لعنتِ خداوندی پر قناعت کر لینے کے مرادف ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرعون کو دعوتِ حق دیتے ہوئے پہلا مطالبہ یہ کیا کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے تاکہ وہ میرے ساتھ ہو کر آزادانہ توحیدِ الٰہی کے پرستار رہ سکیں اور ان کی مذہبی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی جابرانہ اور کافرانہ اقتدار حائل نہ رہ سکے۔

وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ (اعراف)

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون! میں جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں، میرے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں بلاشبہ میں ...... تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل اور اشارہ لایا ہوں پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (شعراء)

پھر وہ دونوں فرعون کے پاس آئے پس انہوں نے کہا ہم بلاشبہ جہانوں کے پروردگار کے پیغمبر اور ایلچی ہیں یہ پیغام لیکر آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے اور غلامی سے انکو چھٹکارا دے۔

Marfat.com

سورۂ شعرا کی یہ آیت تو اس مسئلہ کی اہمیت کو اس درجہ رفیع ظاہر کر رہی ہے کہ موسےٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کی غرض وغایت ہی یہ بھی کہ انبیاء علیہم السلام کے مشہور خانوادہ بنی اسرائیل کو فرعون کے جابرانہ اور کافرانہ اقتدار کی غلامی سے آزاد کرائیں اور نجات دلائیں۔

نیز سورۂ اعراف کی آیات کو اگر غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی یہی حقیقت نمایاں ہے، اس لئے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کے دربار میں اول اپنی رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور پھر خدا کی جانب سے رشد و ہدایت کی دعوت دیتے اور آیاتِ بینات کی جانب مبذول کراتے ہوئے اپنی بعثت کا مآل اور نتیجہ یہی بیان فرماتے ہیں "فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَاءِيلَ" پس بنی اسرائیل کو (اپنی غلامی سے نجات دے کر) میرے ساتھ کر دے۔

پھر یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ دعویٰ نبوت و رسالت کے بعد اگرچہ عرصہ دراز تک موسیٰ علیہ السلام کا قیام مصر میں رہا تاہم بنی اسرائیل پر اُس وقت تک قانونِ ہدایت (تورات) نہیں اترا جب تک اُن کو فرعون کی غلامی سے نجات نہیں مل گئی اور وہ ظالمانہ اقتدار کے پنجۂ استبداد سے نجات پاکر ارضِ مقدس واپس نہیں آگئے ۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

(راقم نثار احمد شیرکوٹی ۵ ربیع ۶)

(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)

Marfat.com

قصص القرآن

جلد اوّل

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE,
168
PUNJAB UNIVERSITY, LAHORE.

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین دہلی

Marfat.com